ہفت روزہ اخبار المدارس کراچی

خاص نمبر

بیاد:

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ

(۱۹۴۴ء.........۱۹۹۷ء)

ناشر
جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائٹ ایریا کراچی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: ہفت روزہ اخبار المدارس ”مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ نمبر“
زیر نگرانی: حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب (مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ)
ترتیب: مولانا غلام رسول (ایڈمنسٹریٹر جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی)
ناشر: جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائٹ ایریا کراچی
صفحات: ۵۲۱/
تعداد: ۵۰۰/
سن اشاعت، طبعِ اوّل: دسمبر ۲۰۱۵ء
رعائتی قیمت:

ملنے کے پتے

دفتر ہفت روزہ اخبار المدارس جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ ایریا کراچی

فہرست

اداریہ..........مولانا غلام رسول، ایڈمنسٹریٹر جامعہ بنوریہ عالمیہ...... ٨
کلیدی مقالہ..........مولانا مفتی محمد نعیم صاحب، مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ... ١٢

باب اوّل: حالاتِ زندگی

(از قلم: مولانا حسین قاسم [اُستاذ جامعہ دار العلوم کراچی])

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
دوآبہ	٢٣	پیدائش	٢٣
تعلیم وتربیت	٢٤	حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت	٢٦
عصری تعلیم اور سفرِ عرب	٢٦	تدریسی وتصنیفی مشاغل	٢٧
عقدِ نکاح	٢٨	بیعت وتعلق	٢٩
آپ کے مشہور اساتذہ کرام	٢٩	علمی مرتبہ وشان	٣٠
حضرت مولانا بحیثیت ایک مصنف	٣٠	حضرت مولانا اور تدریسی کارنامے	٣٤
حضرت مولانا کی درسی خصوصیات	٣٤	حضرت مولانا کا مطالعاتی شغل	٣٦
علوم وفنون میں کمال	٣٧	حضرت مولانا اور عربی زبان	٣٨
حضرت مولانا اور سبق کا اہتمام	٤١	حضرت مولانا اور ختم بخاری شریف	٤٢
حضرت مولانا کی عمدہ تصنیفی کارکردگی کا راز	٤٦	عبارات میں فنی مہارت	٤٧
ایک عجیب اشک انگیز واقعہ	٤٩	علمی مرتبہ اور شرعی اقدار کی پاس داری	٥١
حضرت مولانا کے شب وروز	٥٣	حضرت مولانا کے یومیہ معمولات	٥٤
	٥٦	اصلاحی مجلس	٥٧
	٥٧	اللہ بہت بڑا ہے	٥٨
حضرت کا قرآن مجید سے شغف	٥٨	حضرت مولانا کا معمولات میں اہتمام	٥٩
اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت اور ترغیب	٦٠	حضرت مولانا کی کل ذمہ داریاں	٦٢
حضرت مولانا اور طلبہ کی تربیت	٦٢	دورِ اہتمام	٦٤

حضرت مولانا اور تربیت اولاد	۶۹	مشورہ کا اہتمام	۷۱
سزا کا عجیب طر	۷۱	حضرت مولانا اور جامعہ کے امور	۷۲
ادارہ کسی کا محتاج نہیں	۷۳	حضرت مولانا اور عام عملہ جامعہ	۷۳
حضرت مولانا اور اساتذہ جامعہ	۷۴	اساتذہ کی تقرری	۷۵
حضرت مولانا اور وقت کی قدر	۷۷	تواضع	۷۸
	۷۹	عقل مندی وذکاوت	۸۰
قبول ہدایا سے انکار	۸۱	مکارم اخلاق	۸۱
حضرت مولانا ایک باکمال شخصیت	۸۲	حضرت مولانا اور سادگی	۸۳
ہم نے انہوں کو دیکھا	۸۴	حضرت مولانا اور ا ئے عہد	۸۴
	۸۶		۸۷
بلغ ی اور ر ی بینی	۸۸	حضرت کی عمدہ صحت کے اسباب	۸۹
حضرت مولانا کی دریا دلی	۹۰	سیر وتفریح	۹۱
ہمہ آگاہی	۹۳	موقع شناسی	۹۶
م ر میں ذوق واحتیاط	۹۸	انفاق فی سبیل اللہ کی عادت	۹۹
حضرت مولانا اور کسر نفسی	۱۰۰	شوق حرم	۱۰۱
بیرون ملک سفر	۱۰۳	حضرت علامہ بنوریؒ اور حضرت مولاناؒ	۱۰۴
حضرت کا اپنے مربی سے والہانہ تعلق	۱۰۶	دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں سے وابستگی	۱۰۹
حضرت مولانا اور جہاد	۱۱۱	ایک عظیم محدث	۱۱۲
حضرت اور علمی وادبی لائبریریں	۱۱۳	حضرت مولانا بحیثیت مفتی	۱۱۳
حضرت مولانا اور PHD ”دکتورہ“	۱۱۴	حضرت مولانا اور اصلاحی تقریریں	۱۱۵
حضرت مولانا اور مشہور شاگرد	۱۱۶	حضرت مولانا اور وفاق المدارس	۱۱۸
حضرت مولانا اور دینی مدارس	۱۱۹	حضرت مولانا اور علمی اصلاحی مضامین	۱۱۹
حضرت مولانا اور اسناد عالیہ	۱۲۰	سفر آخرت اور شہادت عظمیٰ	۱۲۰
مولانا کی شہادت پر روزنامہ امت کی رپورٹ	۱۲۱	نماز جنازہ اور تدفین	۱۲۳

باب دوم: مقالات و مضامین

(نقوش و تأثرات)

عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ	۱۲۵
مولانا حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت. عدل و انصاف کا خون	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ	۱۳۴
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی المناک شہادت	مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ	۱۳۹
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور خصوصی عدالتیں کالا انصاف	مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ	۱۵۴
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت	مولانا حافظ عبدالرشید ارشدؒ	۱۶۸
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور محمد طاہرؒ	مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی	۱۷۳
وہ جو امر ہو گئے	مولانا غلام رسول، ایڈمنسٹریٹر جامعہ بنوریہ عالمیہ	۱۷۵
کاروانِ بنوری ٹاؤن کے حدی خواں	مولانا محمد حسین صدیقی، استاذِ حدیث جامعہ بنوریہ	۱۷۹
نئی بہار کی اقدار لے کے آئے ہوں	مولانا محمد جہان یعقوب، استاذ جامعہ بنوریہ	۱۸۲
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت	مولانا اللہ وسایا، مدیر ماہنامہ لولاک	۱۸۹
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کا کربناک سانحۂ شہادت	مولانا عزیز الرحمٰن، مدیر ماہنامہ البلاغ	۱۹۳
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	مولانا محمد ازہر، مدیر ماہنامہ الخیر	۱۹۶
شہید علم و حکمت	مولانا زبیر احمد صدیقی، مدیر ماہنامہ فاروقیہ	۱۹۹
مولانا حبیب اللہؒ کی شہادت.. دہشت گردی یا دین دشمنی	مفتی غلام الرحمٰن، مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور	۲۰۴
حیات و خدمات	قاری سیّد محمد اکبر شاہ بخاری	۲۰۹
یادوں کے چراغ	محمد فاروق قریشی	۲۱۱
مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت ایک عظیم المیہ	جمال عبدالناصرؒ	۲۱۷
میرے والد ماجد شہیدؒ	صاحبزادہ مولانا محمد یاسر حبیب اللہ مختار	۲۲۰

میرے شیخ و مربی	مولانا عبدالرزّاق	۲۲۷
شہید اُستاذِ محترم	مولانا سعید احمد صدیقی	۲۳۳
ظلم و جور کی آندھیوں نے علوم و فنون کے ہنستے باغ گل کر دیئے	عبدالحلیم	۲۳۵
ر العلماءؒ	مولانا فضل اللہ	۲۳۸
چند واقعات	مولانا سیّد محمد زین العابدین	۲۴۰
حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	۲۴۴

باب سوم: تصانیف کا تعارف

مولانا شہیدؒ کی تالیفات و تراجم	مولانا حسین قاسم	۲۵۰
مولانا شہیدؒ کی ایک اہم تصنیفی خدمت 'کشف النقاب'	مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ	۲۶۴

باب چہارم: مختصر تعزیتی پیغامات و تأثرات

صاحبزادہ طارق محمودؒ	۲۷۳	بریگیڈئیر (ر) ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن	۲۷۳
مولانا محمد اکرم کا ی	۲۷۴	مولانا عبیداللہ خالد	۲۷۵
مولانا فضل الرحمٰن	۲۷۵	مولانا سمیع الحق	۲۷۵
سابق صدرِ پاکستان فاروق احمد خان لغاری	۲۷۶	مولانا ولی اللہ چترالی	۲۷۶
مفتی عبدالرحمٰن	۲۷۶	فرقان مکی	۲۷۶
جنید خان	۲۷۷	عاصم کریم	۲۷۷
اشتیاق زاہد	۲۷۷		

باب پنجم: رَشحاتِ قلم

عنوانات	مقالہ نگار	صفحہ
حضرت بنوریؒ کی وفات پر لکھا گیا تعزیتی مضمون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۲۷۹
اپنے شیخ مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کی وفات پر لکھا گیا تعزیتی مضمون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۳۰۲

مفتی ولی حسن ٹونکؒ کی وفات پر لکھا گیا تعزیتی مضمون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۳۱۷
مکاتیب بخدمت حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۳۲۵
مکتوب بنام حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۳۸۳
مکاتیب بنام مولانا سمیع الحق	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	۳۸۳

باب ششم: خطبات

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
تعمیر مسجد کی فضیلت	۳۹۳	فضیلت صوم عاشوراء	۳۹۹
طلب علم اور علوم دینیہ	۴۱۴	کامیابی کا مدار تقویٰ پر ہے	۴۲۵
علم وعمل کا حسین سنگم	۴۳۲	امتحان کی تیاری اور فکر آخرت	۴۴۰
تربیت اولاد اور والدین کی ذمہ داری	۴۴۳	دین داری کے تقاضے	۴۵۲
احادیث پڑھنا پڑھانا عظیم سعادت	۴۶۶	درسِ بخاری اور دعا	۴۷۰
مولانا شہیدؒ کا ایک ذاتی انٹرویو	۵۱۴		

باب ہفتم: منظوم کلام

موت کہنا اسے ناروا ہے	ڈاکٹر محمد ز	۵۱۹
آہ! شہیدانِ علوم و مشعل راہِ عمل	مولانا احسان اللہ محسن بلتستانی	۵۱۹
پائندہ باد شہید عظیم مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید صالح	قاری محمد مسلم غازی	۵۲۰
. شہادت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ	امیر محمد چترالی	۵۲۰
بیاد مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ	محمد نقیب اللہ رازی چترالی	۵۲۱

اداریہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کی یاد میں ہفت روزہ اخبار المدارس کے خاص نمبر کی اشاعت

فقہ حنفی کے عظیم امام حضرت قاضی القضاۃ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا:

”حضرت! اگر کوئی شخص مختلف عوارض و اعذار اور مشغولیات و مصروفیات کی بنا پر خود چل کر اہل اللہ و اولیائے عظام کی صحبت میں حاضر نہ ہوسکے اور ان سے براہِ راست استفادہ نہ کرسکے تو ایسے شخص کو کیا کرنا چاہیے کہ وہ اس فیض سے محروم نہ رہے“

فرمانے لگے: ”اس کو چاہیے کہ وہ ان اہل اللہ و اولیائے عظام کے مبارک احوال و تذکار اور مواعظ و نصائح پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرے۔ یہ عمل ایسا ہی ہے، جیسے بہ نفیس ان حضرات کی پرنور و عطر بار مجالس و محافل میں شریک ہونا ہے“۔

مذکورہ عبارت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی نہ صرف بڑوں کی صحبت بلکہ ان کے تذکار و احوال کی اہمیت واضح ہوچکی اور یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ اگر ان حضرات کی صحبت، محافل و مجالس اور مواعظ و ارشادات سے براہِ راست استفادہ کسی بھی وجہ سے ناممکن ہو، تو مایوس ہو کر نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ ”

”(جو کل کو حاصل نہ کرسکے وہ کل کو ترک بھی نہ کرے) کے مصداق ان حضرات کے مبارک تذکروں، احوال و سوانح، تصنیف و تالیف کردہ کتابوں، مواعظ و ارشادات اور اقوال و ملفوظات پر مشتمل گراں قدر تحریری ذخیرے سے استفادہ کرنا چاہیے۔ یہ ذرائع ان حضرات کی صحبت کا مکمل نہیں تو کسی نہ کسی درجے میں ضرور نعم البدل ثابت ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم اکابر و اسلاف کے چند مزید منتخب اقوال پیش کررہے ہیں، جن سے بزرگانِ دین اور اسلاف و اکابر کے تذکار و احوال کی اہمیت کھل کر سامنے آجائے گی:۔

☆عارفِ ربانی حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: اہل اللہ کے احوال و تذکار اللہ تعالیٰ کا لشکر ہیں، جس کے ذریعے دلوں کو قوت ملتی ہے۔

☆امام الائمہ سراج الامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کے قصے اور مبارک تذکرے مجھے فقہ میں مشغولیت سے زیادہ محبوب ہیں۔

☆حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں: اہل اللہ کے قصے اور حکایات و واقعات جنت کے تحفے ہیں۔ ایسے مبارک تذکرے زیادہ سے زیادہ بیان کیا کرو، ممکن ہے کہ کوئی نادر موتی ہاتھ لگ جائے۔

☆حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں: نیک لوگوں کے تذکرے کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت اور مسلمہ امر ہے کہ اکابر واسلاف اور اولیاء اللہ کی صحبت ایسی قوی التاثیر چیز ہے، جو سالکین وطالبینِ راہِ ہدایت کے لیے تریاق کا اثر اور تیر بہ ہدف نسخے کا حکم رکھتی ہے۔ ان حضرات کی قدم بوسی کر کے اور ان کے اقوال و مواعظ پر عمل، نیز اخلاق و اعمالِ حسنہ میں ان نفوسِ قدسیہ کی پیروی و متابعت اختیار کر کے بہت ہی کم وقت میں بڑی سہولت و آسانی سے فوز و فلاح اور روحانیت و قربِ الٰہی کے اعلیٰ درجات و مراتب حاصل کر کے خود کو فلاحِ دین و دنیا کا مستحق بنایا جا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحبتِ صالح کو ہر استاذ و مربی، پیر و مرشد اور صوفیائے صفا نے ضروری قرار دیا ہے اور مختلف عنوانات سے اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اس مادیت کے دور میں جب کہ ہر شکاری پرانے جال [illegible] کر ہمیں شکار کرنے اور تر نوالہ بنانے کی کوششوں میں مصروف و منہمک اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہے، ان اسلاف و اکابر کے مبارک احوال و تذکار، حکایات و واقعات اور سوانح ہائے حیات کی اہمیت دوچند ہو جاتی ہے۔ اگر اپنے اسلاف کے حالات اور ان کا کردار ہمارے سامنے ہو تو ''ہر وار پرانا لگتا ہے'' اور ''یہ جال پرانا لگتا ہے'' کا سا سماں آجاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اکابر کے تذکرے حیاً و میتاً ان کی سیرت و کردار کو زندہ رکھتے اور دعوتِ عمل دیتے ہیں۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ ایریا کراچی) اہل حق کا قابل اِعتماد اِدارہ ہے، جس نے اس سے قبل امیر تبلیغ حضرت جی مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ نمبر، مبلغ اِسلام حضرت مولانا مفتی زین العابدینؒ و امام المجاہدین حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ نمبر، داعی قرآن حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ نمبر، تذکرہ مولانا محمد امین شہیدؒ و مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہیدؒ، اور مولانا مسعود بیگ شہیدؒ پر خاص شمارہ کی شکل میں اہل ذوق کو اکابر کے تذکروں کا ایک معتد بہ حصہ فراہم کیا ہے۔ یہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور اگرچہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کا یہ تذکرہ ان کی شہادت کے ایک طویل عرصے بعد منظرِ عام پر آرہا ہے، لیکن یہ دیر آید درست آید کا مصداق ہے اور اس تاخیر میں بھی یقیناً اس خلاقِ عالم نے کوئی بہتری مقدر فرمائی ہوگی۔ قبل ازیں اخبارات میں اشتہارات دینے، مضامین جمع کرنے اور کافی کام کرنے کے باوجود یہ کتاب تعطل کا شکار رہی، اس میں بھی کوئی حکمت ہوگی، جس کو احکم الحاکمین ہی بہتر جانتا ہے۔

جامعہ بنوریہ عالمیہ کے رئیس و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اساتذہ و اکابر سے عقیدت کی دولت وافر فرما رکھی ہے، وہ اپنے اساتذہ و اکابر کے عاشق صادق ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی اپنے اکابر کا اعتماد نصیب فرما رکھا ہے اور تمام اکابر چاہے وہ وفاق المدارس کے حضرات ہوں یا دینی مدارس سے متعلقہ شخصیات، ان پر اعتماد کرتی ہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ جو ایک عالم باعمل، صوفی باصفا، محدث، مصنف، منتظم، واعظ اور نہ جانے کتنا ہی صفات سے متصف ایک عظیم عالم ربانی تھے، جو نہ صرف جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم و شیخ الحدیث تھے بلکہ وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی تھے، ان کو نہ صرف حضرت بنوریؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا بلکہ انہیں حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ سے صحبت استرشادی بھی حاصل تھی، اس قدر صفات و کمالات کی حامل شخصیت کے تذکرے کا جو فرضِ کفایہ اہل دیوبند پر عاید ہوتا ہے، جلد سے جلد اس سے سبک دوشی کی کوئی سبیل نکالی جائے، اسی

غرض سے انھوں نے یہ کام احقر کے حوالے کیا اور الحمد للہ! ان کی فکر و ادعیہ شمی کی وجہ سے آج ہم اس کام کی بفضل اللہ تعالیٰ تکمیل کرنے میں کامیاب ہوگئے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کا ا م ہے، ورنہ ؎

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو ہوا، ہوا کرم سے اس کے
جو ہوگا اسی کے کرم سے ہوگا

میرے جسم کا رواں رواں اس کتاب کو پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں سراپا تشکر و امتنان ہے، ساتھ ہی میں اس سلسلے میں دامے، درمے، قدمے، سخنے علمی، اخلاقی، قلمی، دعاؤں کی صورت میں اور حوصلہ افزائی کی صورت میں غرض جس قسم کا بھی جن جن حضرات نے تعاون فرمایا، اُن کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی درگاہ سے اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ اس کتاب کے مطالعے کے دوران کوئی سہو، کمی، کوتاہی نظر آئے یا مزید بہتری کے لیے کوئی مشورہ دینا ہو، تو ضرور شفقت فرما اور مہتمم صاحب، احقر، احقر کی ٹیم، جامعہ بنوریہ عالمیہ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے!۔

والسلام مع الاکرام

(مولانا) غلام رسول

ایڈمنسٹریٹر، جامعہ بنوریہ عالمیہ

مکتبہ جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائٹ، کراچی

……

کلیدی مقالہ

مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ ای نفیس و اصول ا ن

حضرت مولا مفتی محمد نعیم صا مدظلہ

مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ ایی کراچی

۲ر نومبر ۱۹۹۷ء رہ بج کر پچاس منٹ پ جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹ ؤن کی گاڑی ''ہائی ایس'' پٹیل پ ڑہ روڈ پ نس ر رڈر بلڈ کے سامنے پہنچ کر چوراہے کی وجہ سے آہستہ ہوئی تو اچا سامنے ای موٹ سائیکل آ کر رکی اور ای شخص نے اُت کر کلاشن کوف کے ذریعہ ٹ مار کر ڈرائیور محمد طاہر کو شہید اور مولا بشیر احمد نقشبندی پ فائ شروع کر دی۔ فائ سے بچنے کے لیے مولا بشیر احمد نقشبندی کار میں جھک گئے، لیکن اس کے وجو گولیوں کے لگنے کی وجہ سے وہ شدی زخمی ہو گئے۔ اتنے میں اچا ای لال ر کی گاڑی سے چند افراد نکلے اور انھوں نے دونوں طرف سے گاڑی پ ا ھا دھند فائ شروع کر دی۔ گولیاں دا طرف بیٹھے ہوئے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹ ؤن کے ر حضرت مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کے سر پ لگیں اور وہ '' '' پڑھتے ہوئے موقع پ ہی شہید ہو گئے۔ کہ بنوری ٹ ؤن کے ظم، مخلص ین اُستاد، طلباء کی جان، مسلک دیوبند کے جمان حضرت مولا مفتی عبدالسمیعؒ پ گولیوں کی رش کر دی گئی اور وہ بھی اپنی جگہ پ ہی جامعہ کے تقدس اور مسلک دیوبند کی حرمت پ قر ن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبر ئی اور موت کے وقتِ مقررہ کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ نے یوں کرا ی کہ پہلے مرحلہ پ مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے پہلو میں تشریف فرما مولا عبدالقیوم چترالی کو گولیوں سے بچای، بعد ازاں قاتلوں نے و ش ت، ی اور سنگ دلی کا انتہائی مظاہرہ کرتے ہوئے گولیوں سے شہید علمائے کرام اور ز ہ رہنے والے علمائے کرام کو ز ہ جلانے کے لیے آتش گیر مادہ پھینکا تو چند بہادر نوجوانوں نے گاڑی کا

دروازہ کھولا اور جان ہتھیلی پر رکھ کر جلتی گاڑی میں داخل ہوئے۔ اندر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا آگ کے شعلے لپک لپک کر ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ اندازہ سے نوجوانوں نے مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کی شناخت کی۔ منٹوں میں یہ خبر کراچی سے ہوتی ہوئی پاکستان اور پھر پوری دنیا میں پھیل گئی اور ہر دردمند دل اس ظلم پر تڑپ اٹھا اور تمام مسلمان غم زدہ ہوگئے۔ بنوری ٹاؤن کے طلباء اطلاع ملتے ہی بےتابانہ جائے حادثہ پر پہنچے، تو ان کے ہاتھ میں سوائے حسرت اور ندامت کے اور کچھ نہیں آیا۔ طلباء اساتذہ کرام اس ظلم وستم پر خون کے آنسو رو رہے تھے۔ اساتذہ الگ حیران و پریشان تھے، ہرا بھرا گلستان اُجڑا اُجڑا لگ رہا تھا۔ ظالموں نے جس سفاکیت، دجالیت، شیطنیت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کیا تھا، اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ لاشوں اور زخمیوں کو سول اسپتال لے جایا گیا۔ ہر شخص کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا کہ آخر دن کی روشنی میں ایک مصروف شاہ راہ پر ہونے والے اس ظلم وسفاکیت کا ذمہ دار کون ہے؟ طلباء انتقام اور ''خون کا بدلہ خون'' کے جذبے سے اساتذہ کی ہدایت کے منتظر تھے، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قاتلوں کو کہاں تلاش کیا جائے۔

تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے
میں کس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں

شہید علماء کرام دن گیارہ بجے بنوری ٹاؤن کی گاڑی میں بنوری ٹاؤن کی شاخ پوش نگر چاندنی چوک میں معارف العلوم کی طرف روانہ ہوئے اس سے متصل مسجد رحمانیہ ہے۔ معارف العلوم اور مسجد رحمانیہ میں گزشتہ تین چار ماہ سے انتظامیہ اور اہل محلّہ کا تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اہل محلّہ کا اصرار تھا کہ رحمانیہ مسجد اور مدرسہ کے انتظامات میں ان کو شامل کیا جائے اور امام مقامی شخص کو مقرر کیا جائے۔ اس درمیان دونوں طرف سے گرما گرمی بھی ہوئی۔ کئی مرتبہ اجلاس ہوئے، تلخیاں ہوئیں، اہل محلّہ کی حمایت میں نوجوان میدان میں آگئے۔ پندرہ دن قبل محلے کے نوجوانوں نے عشاء کی نماز کے بعد تمام طلباء کو مدرسہ سے باہر نکال کر میدان میں مجرموں کی طرح کھڑا کر دیا تھا اور مدرسہ کو

تالا لگا دیا تھا۔ مفتی عبدالسمیع، مولانا عبدالقیوم چترالی، مولانا بشیر احمد نقشبندی، قاری محمد اقبال وہاں گئے۔ اس دوران مدرسہ کے بعض لوگوں کی مداخلت سے طلباء کو واپس مدرسہ میں بھیج دیا گیا، لیکن ان علماء کرام سے ان نوجوانوں کا رویہ بہت ہی خراب تھا، کئی نوجوانوں نے دھمکی دی مدرسہ بند کرنے اور مسجد ان کے حوالے کرنے کے مطالبات کیے گئے، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ نے ان سے تجاویز لیں اور کہا کہ بڑے فیصلہ کرنے کے مجاز ہیں وہی فیصلہ کریں گے۔ بہرحال اس کے بعد ایک تاریخ مقرر ہوئی، اجلاس میں کافی تو تو میں میں ہوئی، کئی دفعہ نوجوانوں نے دھمکی دی، فیصلہ کرنے کی بات کی، مسجد حوالے کرنے اور مدرسہ بند کرنے اور مقامی افراد کے تقرر کی بات کی گئی۔ بہرحال اس کے بعد مولانا حبیب اللہ مختار نے کہا کہ مجلس شوریٰ میں مطالبات رکھ کر فیصلہ کردیا جائے گا، اس طرح اجلاس کے بعد واپسی میں یہ المناک سانحہ پیش آیا۔ اس سانحہ کا ذمہ دار کون ہے؟ واقعات اور شواہد کی روشنی میں بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ نے کسی پر شبہ کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی اس المناک سانحہ کی وجہ سے امن وامان کو اپنے ہاتھ میں لیا اور نہ ہی کسی بے گناہ کا خون بہایا البتہ احتجاجی طور پر جلسہ کیا اور ایک دن کی ہڑتال کی کراچی کے غیور عوام نے علماء کرام کے ساتھ رضا کارانہ طور پر جس طرح غم وغصہ کا اظہار کرنے کے لیے اپنے کاروبار زندگی کو معطل رکھا، اس سے ان کے اور علماء کرام کے درمیان رابطے کا اندازہ ہوتا ہے اور کراچی کے غیور عوام کی علماء کرام سے محبت وعقیدت واضح ہوگئی۔

علماء کرام نے اربابِ اِقتدار کو تمام حالات سے آگاہ کردیا۔ وزیر اعلیٰ سندھ، وزیر داخلہ نے یقین دہانی کرائی کہ تین دن کے اندر قاتل پکڑ لیے جائیں گے، صدر پاکستان نے اپنی بے اِختیاری کا رونا رویا۔ ایک ماہ گزرنے کو ہے تحقیقات کا رخ کسی سمت نہیں ہوا، ہم بغیر کسی پر الزام لگائے یہ بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے کہ قاتل حکومت کو معلوم ہیں لیکن حکومت اس معاملے کو سرد خانے میں ڈالنے کی کوشش کررہی ہے، لیکن قاتل اور اس المناک سانحہ کے ذمہ دار جلد ہی دنیا میں سزا پائیں گے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچیں گے۔ حکومت اور ذمہ دار حضرات ان کو کتنا ہی

چھپالیں وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں ذلیل اور رُسوا ہوکر مردار ہوں گے۔ ان کی لاشوں پر کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا، ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسی پکڑ آئے گی کہ وہ اس سے کسی صورت میں نہیں بچ سکیں گے، ان کے مقدر میں اب اللہ تعالیٰ کا اِنتقام ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ جیسی بے ضرر اور خالص علمی اور دینی شخصیات کا قتل پاکستان کا اِنتہائی المیہ ہے کہ اس کی وجہ سے پورے عالم میں پاکستان کا وقار مجروح ہوا ہے، موجودہ حکومت پر یہ ایک انتہائی دھبہ ہے کہ غیرت مند لوگ اربابِ اِقتدار میں ہوتے تو کبھی کے مستعفی ہوکر حکومت کو خیرباد کہہ چکے ہوتے۔ لیکن پاکستان کی بدقسمتی کہ پچاس سال سے بے خبروں اور ملت دشمنوں کا اِقتدار پر قبضہ ہے جس کو پاکستانی فرد کی جان اور عزت کی کوئی اہمیت نہیں۔

مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کا قتل خطرے کی گھنٹی ہے، اہل علم کے لیے، اہل مدارس کے لیے، اہل ایمان کے لیے، اہل پاکستان کے لیے۔ جس ملک میں اہل علم سرِبازار قتل کردیئے جائیں وہ ملک عذابِ اِلٰہی سے بچ نہیں سکتا۔ اس گہری سازش اور اس خطرہ کی گھنٹی کو قوم کو محسوس کرنا ہوگا، آج تک جو علماء کرام دہشت گردی کا شکار ہوتے رہے، اس کے بارے میں حکومت یہ کہہ کر قوم کو نیند کی گولی دیتی رہی کہ ان علماء کرام کا تعلق فرقہ وارانہ والی تنظیموں سے تھا اور یہ آپس کی چپقلش کا نتیجہ ہے، علماء کرام کے مختلف گروپ ایک دوسرے کو قتل کررہے ہیں لیکن مولانا ا الرحمٰن درخواستی، مولانا حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کی شہادت اور اس کے بعد . . اور و کے ساتھ جلانے کے عمل نے حکومت کے تمام دعوؤں کی قلعی کھول دی۔

مجھے . . جامعہ بنوری ٹاؤن کی گاڑی پر حملے کی اِطلاع ملی تو میں فوری طور پر سول ہسپتال پہنچا، جہاں شہدا کے جسد ہائے خاکی رکھے ہوئے تھے اور ان کی شناخت کا مرحلہ درپیش تھا، کیوں کہ آتش گیر مادہ پھینکے جانے کی وجہ سے شہدا کے بدن مکمل طور پر جل چکے تھے۔ میں نے ہی سب سے پہلے مولانا حبیب اللہ مختارؒ کو اُن کی ہاتھ کی گھڑی سے شناخت کیا، کیوں کہ اُن کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے میں اُن کی گھڑی کو پہچانتا تھا۔

اُن کی ناگہانی شہادت میرے لیے ایک قیامت سے کم نہ تھی، کیوں کہ وہ صرف میرے اُستاذ ہی نہیں، بلکہ میرے ممدوح ومخدوم بھی تھے۔ میرا اور اُن کا تعلق دو چار سالوں پر محیط نہیں تھا، بلکہ کئی دہائیوں کا تعلق تھا۔ سے پہلے میں اپنے والد محترم حضرت قاری عبدالحلیم نوراللہ مرقدہٗ کے ساتھ مولانا شہیدؒ کے گھرَ ی تھا، کیوں کہ میرے والد محترمؒ کی طرح اُن کے والد حکیم محمد مختار حسن خان دہلویؒ بھی تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے، وہیں میری مولانا سے ملاقات بھی ہوئی، پھر بنوری ٹاؤن میں ان سے روز ہی ملاقات رہنے لگی، جہاں میں اِبتدائی درجات میں زیرِ تعلیم تھا اور وہ بطورِ اُستاذ اَپنے فرائض انجام دے رہے تھے، میرا شمار اُن طلبہ میں ہوتا تھا جو اُن کے اِنتہائی قریب تھے۔ میں دَرجہ رَابعہ میں پہنچا تو اُن سے مقاماتِ حریری پڑھنے کی وَجہ سے اس تعلق کی نوعیت بھی تبدیل ہوئی اور یہ تعلق روز بہ روز مستحکم سے مستحکم تر ہوتا گیا۔ وہ کتاب کیا پڑھاتے تھے گھول کے پلادیا کرتے تھے، مجھے اب بھی ان کی شفقتوں کی وجہ سے مقاماتِ حریری کا ایک معتدبہ حصہ ازبر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی علمی خدمت کی بھی ایک لمبے عرصے تک توفیق فرمائی۔ اَپنا اِدَارہ قائم کرنے کے بعد کئی سال میں خود مقاماتِ حریری پڑھاتا رہا اور میرے تدریسی افادات کو میرے شاگردِ رشید اور جامعہ بنوریہ کے موجودہ ایڈمنسٹریٹر مولانا غلام رسول نے ”“ کے نام سے مرتب کر کے شائع بھی کیا۔ مقامات کے علاوہ میں نے اُن سے ”مشکوٰۃ شریف“ بھی پڑھی۔

آمدم بر سر مطلب! میری دورانِ طالب علمی یہ عادت رہی کہ میں اساتذہ کرام کی خدمت کرتا تھا، میرا اپنے اساتذہ کرام سے تعلق صرف ضابطے کا نہیں رابطے کا رہا ہے اور اب بھی میرے جو اساتذہ حیات ہیں ان کے ساتھ اور جو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے اُن کے لواحقین سے بھی میرا یہی تعلق اُستوار ہے۔ مولانا حبیب اللہ مختارؒ سے میرا تعلق اِنتہائی قربت کی نوعیت کا تھا، وہ اپنے گھریلو مسائل تک مجھ سے شیئر کیا کرتے تھے، دورانِ اہتمام پیش آنے والے اُن کے کئی راز میرے سینے میں مدفون ہیں، جنھیں میں نے اُن کی زندگی میں بھی ظاہر نہیں کیا اور اُن کی شہادت کے بعد بھی اِن شاء اللہ یہ راز

میرے ساتھ ہی مدفون ہوں گے۔ میں نے اُن کے دورِ اہتمام کے بعد بہ وجوہ بنوری ٹاؤن سے تدریسی سلسلہ منقطع کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ اس کے حق میں نہیں تھے، سو میں نے ایک سال کی رخصت لی، جب بھی ملاقات ہوتی وہ استفسار فرماتے کہ آپ کی رُخصت ختم ہو چکی، کب سے جامعہ جوائن کر رہے ہیں؟ یہ انہی کی محبت تھی کہ میں نے تا حال بنوری ٹاؤن سے استعفا نہیں دیا۔

اُن کے گھر کا سودا سلف میں ہی لایا کرتا تھا۔ اپنا ادارہ قائم کرنے کے بعد بھی میرا یہ معمول برقرار رہا اور ان کے گھر کا سودا سلف میری ہی گاڑی میں آتا رہا۔ ان کے ایک بھائی جو نور مسجد کے پاس رہتے تھے، اِنتقال کر گئے ان کی بیوہ بھابھی کے اخراجات بھی میں نے اپنے ذمے لے لیے اور الحمد للہ! میں نے اس عہد کو نبھایا۔

اُن کی بیٹیوں کے نکاح کے مراحل ہوں، اُن کی شادی کے اِخراجات ہوں، اُن کے بھائی مولانا محمد احمد قمر مختار صاحب حال مقیم مدینہ منورہ اور اُن کی بیٹی کے بیرونِ ملک بھیجے جانے اور اُنھیں وہاں کرنے کے مراحل ہوں، غرض تمام معاملات میں اُنھوں نے مجھ پر اِعتماد کا موقع دیا اور میں اُن کے اِعتماد پر پورا اُترا۔ !

ابتداء میں ان کے پاس گاڑی نہیں تھی، جب بھی کہیں کسی پروگرام وغیرہ میں جانا ہوتا، وہ میری گاڑی میں جاتے۔ اہتمام کے بعد ان کے لیے ایک بڑے ادارے کا مہتمم ہونے کی وجہ سے خطرات یقینی دیکھ کر میں نے کئی بار انھیں مشورہ دیا کہ آپ اپنے ساتھ باڈی گارڈ رکھ لیا کریں، اُنھوں نے نہ صرف ہر مرتبہ اس سے اِنکار کیا، بلکہ میری گاڑی میں کہیں جاتے تھے تو میرے گارڈ کو بھی اُتروا دیا کرتے تھے۔ یہ اُن کا مزاج تھا۔

اُن کی شہادت کے بعد ان کا قاتل گرفتار ہوا اور ہم سے اس کی ملاقات کرائی گئی تو اُس نے یہی کہا کہ میں نے یہ دیکھا کہ ان کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، تو انھیں آسانی سے ٹارگٹ کر لیا۔ ہونی تو ہو کر ہی رہتی ہے، اسباب کے درجے میں ان کی شہادت کے بعد بڑی شدت سے یہ خواہش دل میں ابھری کہ کاش! ہم زبردستی کر کے اُن سے محافظ رَکھواتے تو شاید۔۔۔۔!!!

وہ انتہائی نفیس طبع انسان تھے اور اپنے لباس پر ذرا سا دھبہ بھی انھیں بے چین کر دیتا تھا، اگر انگلی پر روشنائی وغیرہ کا ہلکا سا نشان بھی لگ جاتا تو بڑی دیر تک اسے دھوتے رہتے تھے۔ اسی طرح خریداری کا بھی اُن کا ایک مخصوص ذوق تھا۔ کئی دکانوں میں جانے اور معلومات کرنے کے بعد ہی کوئی چیز خریدتے تھے۔ سخاوت بھی ان کا ایک خاص وصف تھا، وہ جہاں بھی اور جتنا بھی خرچ کرتے اس کا حساب رکھا کرتے تھے، ان کی رقم اکثر میرے پاس ہی رکھی رہتی تھی، اس لیے میں نے اس بات کا بارہا مشاہدہ کیا۔ بنوری ٹاؤن سے علیحدگی کے وقت میں نے اُن کی رقم اُن کے حوالے کر دی تھی۔ اُن کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ روزانہ ڈائری لکھا کرتے تھے، یہ ڈائریاں یقیناً ان کے ورثہ کے پاس محفوظ ہوں گی، میری ایک ایک بات کی ان ڈائریوں سے تصدیق کی جا سکتی ہے۔

مولانا حبیب اللہ مختارؒ کا ہلکا پھلکا کاروبار بھی تھا جس پر ان کے ایک عزیز نے ان کی شہادت سے فائدہ اٹھا کر قبضہ کر لیا تھا یہ قبضہ چھڑانے اور حق داروں کو ان کا حق دلانے کا کام بھی اللہ نے مجھ سے لیا، آج بھی اس کی آمدنی ان کی اولاد کے زیر استعمال ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کی اہلیہ اور اولاد کو میرے اور ان کے اس تعلق کا بہ خوبی علم تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی شہادت کے بعد ان کی اہلیہ اور اولاد و دامادوں کا بھی مجھ سے ویسا ہی تعلق رہا، جیسا مولانا شہیدؒ کا میرے ساتھ تھا۔ ان کی بیوہ ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کیا کرتی تھیں، مجھے خوشی ہے کہ مولاناؒ کی شہادت کے بعد بھی میں ان کی اولاد و اہلیہ کے کام آتا رہا، جس سے شہیدؒ کی روح کو ضرور سکون [illegible] ہوگا۔

……

بابِ اوّل

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے حالاتِ زندگی

از قلم: مولانا حسین قاسم

(اُستاذ جامعہ دارالعلوم کراچی)

افتتاحیہ

ع ''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے''
ع ''اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے''

۱۹۹۰ء کی بات ہے کہ راقم نے دنیائے اسلام کی مشہور و معروف دینی درس گاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا، ایک دِن عصر کے بعد جامعہ سے متصل اِسلامی کتب خانہ میں جانے کا اِتفاق ہوا، سامنے رکھی کتابوں پر سرسری نگاہ ڈالی تو بہت سی تالیفات اور تراجم میں بندہ کے لیے ایک نئے مصنف کا نام سامنے آیا، اس نئے مصنف کے بارے میں اپنے ساتھیوں، بڑوں اور دوست واحباب سے دریافت کرتا رہا، معلوم ہوا کہ مذکورہ شخص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنورِی ٹاؤن کراچی کے بانی، علم وعرفان کے محیط بے کراں، مجسمہ زہد و اِیثار، پیکر تقدس وتقویٰ، کوہِ اِستقامت وجلالت، نابغہ روزگار، انوری علوم کا وارث، علم ومعرفت کا بحر مواج اور اسرارِ شریعت کا نکتہ رس، محدثُ العصر حضرت علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے مایہ ناز محبوب، مقرب ترین شاگرد، اُن کے داماد، اُن کے علمی اسرار و نکات کا حامل، اُن کے فیوضات کا آئینہ، اُن کے علوم و معارِف کا امین، وَارِث و جانشین، جامعہ بنوری ٹاؤن کے شعبۂ تصنیف و تالیف کے رُوحِ رواں، اُستاذِ حدیث، جن کے ساحرانہ اور جادو طراز قلم کی جولانیوں سے بیسیوں تالیفات و تراجم

منظرِ عام اور منصۂ شہود پر آچکی ہیں، جنھوں نے شب و روز اپنی انتھک محنتوں، کوششوں، کاوشوں اور اپنی فاضلانہ تصنیفی خدماتِ جلیلہ سے اس شعبہ کو چار چاند لگا دیئے، یہاں تک کہ بعض محققین یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آپ صرف مصنف نہیں بلکہ مصنف گر ہیں، احقر کی مراد اُستاذِی و محبوبی ''حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ'' ہیں۔

حضرتؒ کو مالک ارض و سموات نے ایک شان عطا فرمائی تھی، اُن کو رُعب و جلال دیا تھا، طلباء پر ایک عجیب سی ہیبت چھائی ہوتی تھی، حالانکہ آپ کوئی جسیم کیم بھارِی بھرکم جسم والے نہیں تھے، لیکن یہ صرف دور سے دیکھنے والوں کے لیے تھا، قریب سے انہیں دیکھنے والوں اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور ملنے جلنے والوں سے پوچھئے ''لکل '' کا حسین منظر معلوم ہوتا تھا، یہ شان قدرت کسی کسی کو عنایت کرتی ہے۔

رَاقم پر بھی اس رعب و ہیبت کا اثر چھایا ہوا تھا، اِس لیے فراغت سے قبل قریباً تین سال تک حضرتؒ سے بہت ہی کم وابستگی رہی، البتہ اِس دوران حضرتؒ کی عادات و اطوار، شمائل و اخلاق اور معمولات سے کافی حد تک آگاہی حاصل ہوگئی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ جامعہ میں تین سالہ درسِ نظامی کے زمانے میں راقم نے دار التصنیف کے سامنے مطالعہ کے لیے ایک جگہ خاص رکھی تھی، اسباق و تکرار کے علاوہ راقم کے اکثر اوقات اُسی جگہ پر گزرتے تھے، حضرتؒ چونکہ سبق کے علاوہ باقی تمام تر اوقات دار التصنیف میں گزارتے تھے، اِس لیے وقفے وقفے سے حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہوتا تھا۔

پھر فراغت کے بعد جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے اِنسلاک حضرتؒ سے تعلقات، روابط اور مراسم کا باعث بنا اور پانچ سال تک از یومِ تقرر تا یومِ شہادت قرب کا ذریعہ بنا رہا، مذکورہ شعبہ میں '' '' کی ذمہ داری اور ہمہ وقت دار التصنیف میں موجودگی کی بنا پر وقتاً فوقتاً لحظہ بلحظہ حضرت سے فون پر یا براہِ راست (بالمشافہہ) تکلم و گفتگو کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا، جو بندہ کے لیے سرمایۂ گراں مایہ ثابت ہوتا،

“ ” کی ذمہ داری کے علاوہ خارجی اوقات میں حضرتؒ کی تالیفات اور تراجم کے غیر مطبوعہ مسودوں کی تطہیر و تصحیح کی ذمہ داری بھی تھی، نیز بعض حضراتِ مصنفین حضرتؒ سے اپنی کتابوں کے لیے تقاریظ لکھوانے آتے تھے، حضرتؒ تفصیلی مطالعہ اور اُن پر تأثرات لکھنے کے لیے بندہ کو حکم فرماتے تھے، علاوہ ازیں مہمانوں کو حضرتؒ کی تصانیف و تراجم ہدیہ کرنا اور اُنہیں ہر سال طلباء پر تقسیم کرنا اور دیگر بہت سے اُمور میں حضرتؒ سے وقتاً فوقتاً رابطہ رہتا تھا، اس کے علاوہ مختلف جلسے، مناسبات اور تقاریب میں حضرت رحمہ اللہ کی معیت اور رفاقت کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔

راقم نے مذکورہ تفصیل خودستائی کے لیے بیان نہیں کی بلکہ بندہ نے اپنے اساتذہ کرام سے سنا ہے کہ کسی بزرگ کے سوانحی خاکہ سے متعلق کوئی بات نقل کرنی ہو تو اُن بزرگ کے ساتھ ناقل کے تعلقات و مراسم کی نوعیت کو آشکارا کرنا چاہیے تاکہ نقل کردہ بات میں وقعت اور وزن پیدا ہو۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقربین، متعلقین، اعزہ واقارب اور شاگردوں میں بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں، جن کا حضرتؒ سے نسبتاً زیادہ تعلق تھا، ایسے حضرات بھی ہیں جو سفر و حضر میں حضرتؒ کے ساتھ رہے اور ایسے حضرات بھی ہیں جو حضرتؒ کے تمام ظاہری حالات سے آشنا اور واقف تھے، اُن میں یقیناً ایسے ذی اِستعداد، باصلاحیت، باکمال اور قابل حضرات بھی ہیں جو راقم کی بہ نسبت ہزارہا درجہ بہتر طریقے سے حضرتؒ کی سوانح قلم بند کرسکتے ہیں اور اُن کے حالاتِ زندگی کے تمام پہلوؤں کی موشگافیوں پر ادب، بلاغت، فصاحت، عمدہ اُسلوب اور بہترین تعبیر کے ساتھ سیر حاصل بحث کرسکتے ہیں، تاہم بندہ کا ایک ارمان اور آرزو وتمنا تھی کہ جب بھی موقع ملے گا اپنی معلومات کی بساط تک بقدرِ مستطاع حضرتؒ کے لمحاتِ زندگی پر قلم اُٹھانے کی جسارت کرے گا۔

بہرکیف حضرتؒ کے مفصل حالاتِ زندگی کا اِستیعاب اور اِحاطہ تو بہت مشکل ہے تاہم اللہ جل شانہ کی توفیق اور اُن کے فضل و کرم سے جس قدر حوالہ قرطاس کرسکا اُسے

حضرتؒ کے تلامذہ، ین، محبین اور دیگر شائقین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جو کچھ احقر نے لکھا ہے وہ احقر کے ذاتی مشاہدات وتأثرات ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ کوئی بات خلافِ واقعہ نہ ہو، تاہم اگر کوئی بات قابلِ اِصلاح ہو تو مطلع کرنے والوں کا احقر بے حد ممنون ہوگا۔

احقر یہ دعویٰ تو نہیں کرسکتا کہ اِس حقیر کاوش کے ذریعہ سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کا حق ادا کردیا ہے، کیونکہ حضرتؒ کے حوالہ سے تو بہت کچھ کام کرنا تھا لیکن بعض ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے نہ کرسکا اور نہیں کر پا رہا، لیکن رب کریم کی رحمت واسعہ سے اُمید ہے کہ اسے ضرور شرف قبولیت سے نوازیں گے اور اسے حضرتؒ، احقر کے والدین، اساتذہ کرام، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اور حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ رحمہم اللہ سب کے لیے ذریعہ نجات بنائیں گے۔

……………………

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے حالاتِ زندگی

دوآبہ

گنگا اور جمنا ندیوں کے بطن میں واقع وہ زرخیز اور خوب صورت خطہ جو ''دوآبہ'' کے نام سے مشہور ہے، آخری زمانے میں بڑے بڑے اولیاء وعلماء جن کو بجا طور پر اسلاف کی یادگار بلکہ نظیر کہا جاسکتا ہے، کی جائے پیدائش وجائے پناہ رہا ہے۔ علم وعمل کے بڑے بڑے مراکز ومدارس اور خانقاہوں سے آباد یہ خطہ بجا طور پر قرونِ وسطیٰ کے مشہور ونامور علمی واِصلاحی مراکز کی ہم سری کرسکتا ہے، اس خطے میں شامل مشہور مراکز میں سے دہلی، رائے پور، سہارن پور، کاندھلہ، نانوتہ، دیوبند اور تھانہ بھون وغیرہ ہیں۔

اور اُن کی خدمات کا اِنکار یقیناً کسی صاحب سے ممکن نہیں۔

پیدائش

دہلی کے نواح میں شاہجہاں پور نامی ایک مشہور قصبہ (جو یقیناً اب کسی شہر کی شکل

اِختیار کر گیا ہوگا) میں ایک مشہور و معروف حکیم ''محمد مختار حسن خان دہلوی'' (جو نہ صرف ایک حکیم بلکہ مقامِ ولایت کے رمز شناس بھی تھے، تقویٰ و طہارت اور زہد و قناعت اُن کے خاص اوصاف تھے، اُس زمانے کے شریف اور معزز گھرانوں کی طرح اُن کی اہلیہ بھی ان صفات سے متصف تھیں) کے گھر میں ۲۸/ فروری ۱۹۴۴ء بروز منگل میں ایک مولودِ مسعود نے آنکھ کھولی، جس کا نام ''محمد حبیب اللہ'' رکھا گیا، یہی نومولود ہمارے اِس مقالہ کا موضوع ہیں۔

تعلیم و تربیت

چونکہ دہلی اور اُس کے اطراف و نواح کے علاقے نہ صرف تعلیم و تربیت اور اِصلاح و تہذیب کے مراکز تھے، بلکہ پورے برِ صغیر کا دار الحکومت ہونے کی بناء پر اُمراء و اشراف کا مستقر بھی تھے، چنانچہ یہاں کی عمومی فضا ایسی تھی کہ لوگ بچپن ہی سے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت اور اصلاحی اعمال و اخلاق کا خاص اہتمام کرتے تھے اور اس سلسلے میں پہلی درس گاہ خود والدین کی آغوش ہوتی تھی، ٹھیک یہی طرز و رواج اس نومولود کی تربیت میں بھی پیشِ نظر رکھا گیا۔

اس بچے کی پیدائش ایسے وقت میں ہوئی جب برِ صغیر کا پورا خطہ سیاسی و مذہبی تحریکوں کی لپیٹ میں تھا، پورے ملک میں فسادات اور ہنگامے عروج پر تھے، تقسیم کی تحریک بھی بڑے زور اور شباب کے ساتھ چل رہی تھی۔

چنانچہ جب یہ بچہ پانچ سال کا ہوا اور والد ماجد نے قرآن پڑھنے کے لیے ایک مدرسے میں داخل کروایا تو اسی دوران برِ صغیر کی آزادی اور اس خطے کی پاک و ہند میں تقسیم کا اعلان ہو گیا۔ حکیم محمد مختار حسن خان صاحب نے بھی اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کا عزم کیا اور پاکستان چلے آئے۔ ابتداء میں راولپنڈی میں سکونت اختیار کی۔

پھر وہاں سے کراچی تشریف لے آئے اور ناظم آباد میں سکونت اختیار کرلی، حکیم صاحب ایک صاحبِ بصیرت انسان تھے وہ ایک حاذق طبیب ہونے کے باوصف تبلیغی

جماعت سے نہ صرف وابستہ تھے بلکہ متحرک کارکن اور اِبتدائی چند ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے، اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے زمانے سے دعوت وتبلیغ کے کام میں سرگرم رہے، اُنہوں نے اپنی اولاد میں سے خاص اس بچے میں خداداد اوصاف اور صلاحیتوں کو بھانپ لیا تھا بلکہ یہ تبصرہ بھی کیا تھا کہ ''یہ بچہ آگے جا کر بڑا آدمی بنے گا۔''

چنانچہ ایسی نظر وبصیرت کا یہ اثر تھا کہ حکیم صاحب نے اس معصوم بچے کی تعلیم و تربیت کا بھرپور اہتمام کیا اور ہر طرح کے اوصاف وخصائل سے مزین کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، خود قدرت کو بھی تکوینی سلسلے کے تحت اس نوعمر سے کچھ کام لینا مقصود تھا لہٰذا راہیں بجائے خود آسان ہوتی چلی گئیں۔

اِبتداء میں حکیم صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کو قرآن کی ناظرہ خوانی کے لیے محلے کی قریبی مسجد میں داخل کروادیا، جہاں اس نے قرآنِ پاک کی ناظرہ تعلیم اچھے طور سے مکمل کرلی چونکہ طبعی صلاحیتیں صغرسنی سے ظاہر تھیں، اِسی لیے حکیم صاحب نے بھی ان کو تعلیم دین کے لیے وقف کردیا تھا، ناظرہ خوانی سے فارغ ہونے کے بعد ان کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسے ''دارالعلوم نانک واڑہ'' بھیج دیا، جہاں پہلے سے اُن کے بڑے بھائی بھی زیر تعلیم تھے، اُنہوں نے یہیں سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا، ابھی دوسری جماعت میں ہی تھے کہ دارالعلوم کی عمارت نانک واڑہ سے کورنگی منتقل ہوگئی، تو یہ بھی کورنگی چلے آئے اور درجہ ثانویہ تک تعلیم مکمل کرلی، چونکہ دارالعلوم اس وقت شہری آبادی سے بڑی مسافت پر تھا اور شہر سے آنے جانے والوں کو بڑی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا، جبکہ دوسری طرف شہر ہی میں محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ نے بھی اپنا مدرسہ قائم کرلیا تھا اور وہاں تعلیم کا آغاز ہوچکا تھا، تو حکیم صاحب نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مشورہ اور انہی کے ایماء پر اپنے اس ہونہار بچے کو حضرت بنوری رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسے میں داخل کروادیا، جہاں سے ہمارے ممدوح حضرت

مولا٠ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ نے اپنی . قی ما٠ ہ تعلیم کا آغاز کیا اور وہیں تکمیل کی، یہی وہ دورا ہے جس نے مولا٠ رحمہ اللہ کو اس مقام ت پہنچایا کہ اُن کے ذکر کو . قی رکھا جائے اور اُن کے آ ٭ ر سے عمل کی راہیں تلاش کی جا ۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ کی صحبت

یقیناً گوہر کسی نہ کسی جوہری کے ہاتھ پہنچ کر ہی اپنی قیمت پ ت ہے، ٹھیک یہی صورت حضرت مولا٠ؒ کو بھی پیش آئی، ٠ اداد فطری صلاحیتوں سے خوب نوازے ہوئے تھے، . . حضرت بنوریؒ کی درس گاہ پہنچے، تو شیخ بنوریؒ کی شعلہ جوالہ ما تپش انگیز طبیعت و صحبت نے مولا٠ؒ کی ا میں بھی آگ لگادی اور جلد ہی اُنہوں نے اپنے طبقے کے ٠ م ور افراد میں جگہ پ لی۔

حضرت مولا٠ نے ۱۳۸۳ھ بق ۱۹۶۳ء میں درسِ می کی تکمیل فرمائی اور دوسری پوز حاصل کی، اُس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ حضرت بنوریؒ ہی کے حکم پ آپ نے تخصص فی الحدی ٭ النبوی میں داخل لے لیا اور ۲ سال کے عرصے میں اچھی مہارت اور پہلی پوز کے ساتھ اس مرحلے سے عہدہ . ا ہوئے، آپ نے اس مختصر عرصے میں علم حدی ٭ کے نشیب و فراز سے خاصی آگاہی حاصل کرلی، اس کے بعد اپنے محبوب و محترم اُستاذ کے ہی حکم پ نو (۹) ماہ ت فتویٰ نویسی میں مشغول رہے اور اس مختصر عرصے میں علم فتاویٰ پ بھی عبور حاصل کرلیا۔ یہ آپ کی عمر کا چھبیسواں سال تھا۔

یہاں پہنچ کر آپ کے تعلیمی سفر کی ا ی منزل پوری ہوجاتی ہے اور اس کے بعد علم و آگاہی کا ا ی . ب آپ کی ز٠ گی میں کھلتا ہے۔

عصری تعلیم اور سفر عرب

یہ ا ی فطری قانون ہے کہ . صلا ی طبیعتیں اِنتہا پسند ہوتی ہیں خواہ وہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں، چنانچہ مولا٠ؒ کی جولانیوں کو بھی کنارہ کہاں نصیب ہوسکتا تھا مدرسے کی تعلیم سے فرا٠ ت پ کر توجہات کا ہدف عصری تعلیم کو بنا ی۔ اِس سلسلے میں کراچی

یونی ورسٹی سے ''عربی لغت وادب'' میں ماسٹر کا اِمتحان دیا اور پورے پاکستان میں پہلی پوزیشن حاصل کرکے ''گولڈ میڈل'' کا اعزاز اپنے نام کیا۔ یہاں خاص لطف کی بات یہ تھی کہ پاکستانی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی ایسے طالب علم نے گولڈ میڈل کا سہرا اپنے سر باندھا جو یونی ورسٹی کا باقاعدہ طالب علم نہ تھا۔

اپنے وطن میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد آتش علم بجھانے عرب چلے آئے، اور مدینہ اسلامک یونی ورسٹی میں داخلہ لے کر '' '' میں ایم اے کیا۔

ہم اگلے کسی باب میں چل کر تفصیلاً ذکر کریں گے کہ حضرت مولاناؒ نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی بزرگوں سے رشتہ استوار کرلیا تھا اور وہ اس سلسلے میں باقاعدہ مجالس میں شرکت کا بھی اہتمام فرماتے تھے، خود حضرت بنوریؒ کی کیمیا اثر صحبت ہی کیا کم تھی، ان نسبتوں کے لازمی خاصے کے طور پر آپ کی طبیعت میں تعلق مع اللہ اور عشق نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جذبہ موجزن ہوگیا تھا، چنانچہ اب جب آپ کو دیارِ عرب میں مدینہ منورہ کی پرنور فضا اور علم و آگہی سے لبریز ماحول میسر آیا تو مختصر مدت پر اکتفاء کرکے وطن واپسی پر دل آمادہ نہ تھا بلکہ مزید حصولِ علم کی خواہش اور قرب روضۂ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تڑپ نے آپ کو چین نہ آنے دیا۔ آپ نے اپنے اُستاذِ محترم کو خط لکھ کر مزید تعلیم حاصل کرنے کی اجازت چاہی، لیکن حضرت بنوریؒ نے اجازت نہ دی بلکہ جواب میں خط ارسال کیا، جس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

> ''آپ نے بہت تعلیم حاصل کرلی ہے، اب آپ یہاں پر فوراً چلے آئیں، یہاں آپ کی ضرورت ہے''۔

سعادت مند شاگرد استاذ کی بات ٹال نہ سکا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ ترک کرکے وطن واپس آگیا۔

تدریسی و تصنیفی مشاغل

حضرت بنوریؒ نے جس مقصد کے لیے آپ کو وطن واپسی کا فرمایا تھا وہ کسی صا

سے مخفی نہیں، یہ بڑے پائے کی بات ہے کہ اپنے زمانے کی ہر طور پر لائق و قابل احترام اور خواص و عوام کے لیے مرجع بنی شخصیت اپنے کسی شاگرد کو یوں نیازمندانہ انداز میں بلائے، بلکہ بلا مبالغہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ اگر ہمارے ممدوح حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے پاس عمر بھر میں کوئی رسمی سند نہ بھی ہوتی، تب بھی حضرت بنوریؒ کا اُن کو بلانا بجائے خود ایک سند و تصدیق اور اُن کے حق میں تزکیہ کا درجہ رکھتا ہے۔

چنانچہ وطن واپسی پر اس مردِ خداداد کو تدریسی و تصنیفی اُمور کا صیغہ سونپ دیا گیا، حضرت مولاناؒ کی تدریسی و تصنیفی خدمات کا آغاز ۱۹۷۰ء مطابق ۱۳۹۰ھ سے ہوا اور تا دمِ حیات جاری رہا۔

اِس عرصے میں اُنہوں نے تدریسی میدان میں ہر فن کا جھنڈا گاڑھا اور تقریباً تمام فنون کی مبتدیات و منتہیات کا درس دیا اور آخری سالوں میں تو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کی اپنے وقت کی عظیم مسند حدیث پر صحیح بخاری شریف کا درس دے کر گویا کہ اپنی زندگی کا کفارہ ادا کر دیا۔ لیکن چونکہ تقریر کا میدان بہر حال تحریر سے جدا ہوتا ہے لہٰذا صرف زبان آپ کے ہاتھ کا بدل کیوں کر ہو سکتی تھی، چنانچہ آپ کا ہاتھ بھی زبان کی طرح وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ جب آپ پردۂ حیات کے اس طرف چلے گئے تو آپ کے پیچھے دوصد کے لگ بھگ کتب و رسائل کا ذخیرۂ نافعہ تھا جو اس عرصے میں آپ کے ہاتھ کی کمائی و سرمایہ تھا، ہم اس موضوع کو یہیں چھوڑتے ہیں کیونکہ اس عنوان پر سیر حاصل بحث اگلے ابواب میں آئے گی۔

عقد نکاح

حضرت مولاناؒ نے جب اپنی خدمات کا آغاز کیا، تو اسی اِبتدائی عرصے میں ہی محدثُ العصر علامہ یوسف بنوریؒ نے اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی آپ کے نکاح میں دے کر آپؒ کو فرزندِ نسبتی بنا لیا تھا، ممکن ہے کہ کسی کے لیے یہ بات باعث تعجب ہو، لیکن ہمارے نزدیک حضرت بنوریؒ کی اس سیّد زادی کا آپ کے نکاح میں آجانا چنداں

قابلِ تعجب نہیں، آپ کی کیا رائے ہے کہ حضرت بنوریؒ کا آپ کو خط لکھ کر وطن واپس بلوانا کوئی معمولی بات تھی؟ وہ ممکن تھا تو یہ چنداں حیرانگی کی بات نہیں۔

بیعت و تعلق

جن لوگوں نے حضرت بنوریؒ کا زمانہ پایا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت کی ذاتِ مبارک اسلاف کے خمیر پر ہی ایک نئی صورت تھی، آپ ظاہری و باطنی ہر دو طرح کے خصائل سے نہ صرف آراستہ بلکہ اس راہ کے رمز شناس بھی تھے، اب اگر کسی بندۂ اکو ایسی شخصیت کی نہ صرف صحبت بلکہ توجہاتِ خاصہ میسر ہوں تو وہ اِصلاحِ باطن کے لیے کیونکر کسی دوسری چوکھٹ پر جا سر رکھے گا؟ اور کس واسطے وہ دریوزہ گری کرے گا؟ لیکن مقدرات طے شدہ اور قضائی فیصلے اٹل ہیں۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اپنے استاذ حضرت بنورِیؒ سے بیعت کی درخواست کی، تو آپ نے فرمایا کہ ''اِستخارہ کرلیں'' اس کے بعد دوبارہ عرض گزاری کی تو فرمایا ''آپ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پورِیؒ سے بیعت ہو جائیں''۔

آپ کے مشہور اساتذہ کرام

۱۔ حضرت مولانا لطف اللہؒ۔ ۲۔ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ۔ ۳۔ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ۔ ۴۔ حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ۔ ۵۔ حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ۔ ۶۔ حضرت مولانا محمد صاحب سواتیؒ۔ ۷۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم (حضرت ماشاء اللہ بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں، اور آپ کا شمار اس وقت ملک کے ممتاز علماء کرام میں ہوتا ہے، اور حضرت وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو صحت کاملہ نصیب فرمائے اور ان حضرات کے مبارک سائے کو ہمارے سروں پر تادیر قائم و دائم رکھے آمین راقم الحروف)۔ ۸۔ حضرت مولانا بدیع الزمانؒ۔ ۹۔ حضرت علامہ بنوریؒ۔

ان کے علاوہ دیگر اساتذہ کرام و مشائخ عظام جو اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے،

بقولِ شاعر:

دو چار سے د واقف ہے گم ۰م نے کتنے ہیں

یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے آپ کی شخصیت کو چار چا۰ لگا دیئے اور آپ کو ایسا گوھر ۰ یب بنا دی جو صدیوں میں پیدا ہوت ہے۔

……

(علمی مرتبہ وشان)

حضرت مولا۰ بحیثیت ای مصنف

یہ کوئی ڈھکی چھپی ۔ت نہیں کہ قلم ۰ ائے لای ال کا عظیم عطیہ ہے، خلاقِ عالم کی لاتعداد اور لازوال نعمتوں میں ای ۔ڑی نعمت ہے، جس کے ذریعہ ۰ او۰ قدوس نے حضرت ا ن کو دوسری مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت فرمائی اور اسے صا ۔ شرف و کمال بنایا، اسی قلم کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کی جاتی ہے، تمام گ۰شتہ ریخ وعلوم وفنون اور معارف، سابقہ اُمتوں اور لوگوں کے حالات، مجاہدوں اور جیالوں کے عزم وہمت کے کار۰مے، ائمہ دین متین، سلف صالحین اور علماء ر۔ کے علمی شہ پر رے محفوظ رکھے جاتے ہیں، قلم کو تمام علوم کا شکاری سمجھا جات ہے کیو یہ علوم کو شکار کرت ہے، علم والے کہتے ہیں:'' ''اَ قلم نہ ہوت تو ا ن کی حا ت در ت نہ ہوتی، معاشیات اور اقتصادیت بھی ا ن کے در ت نہ ہو ت، کتابوں کے ذریعہ علوم وفنون کی اِشا ت قلم کے فیضان سے ہی ۔قی ہے، آنے والے لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں، اِس لیے رب کریم نے قرآنِ مقدس میں فرمایا:'' ''اور'' ''اس رب کے ۰م کے ساتھ پڑھیے جس

نے قلم کے ذریعہ سے سکھایا، نیز فرمایا ” “اس آیت میں بھی قلم کی مرتبت واہمیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وَسلم نے بھی اپنے اِرشادات کے ذریعہ قلم کی منزلت اور رتبہ کو واضح فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کا ارشاد ہے ” “

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا۔ (الحدیث)

صاحب کشاف جاراللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں:

”

“(کشاف ۴/۷۷۶)

قلم وکتابت کا سلسلہ نہ ہوتا تو علوم کی تدوین، حکمتوں کو مقید کرنا، پچھلے لوگوں کے حالات واقوال اور افعال کا ضبط اور ترتیب، خداوند قدوس کی نازل کردہ کتابوں کی حفاظت ناممکن تھی اور اس کے بغیر دین ودنیا کے اُمور تعطل کا شکار ہوجاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کے عہد زریں سے اس کا سلسلہ جاری اور ساری ہے، دین اِسلام کے پاسبانوں اور رکھوالوں نے اپنے اپنے زمانے میں اس کے ذریعہ وہ خدماتِ دینیہ جلیلہ کی ہیں جس پر دنیا بھر کے مکتبے اور کتب خانے شاہد ہیں۔ بالخصوص آج جب کہ صحافت اور لٹریچر کا دور دورہ ہے، قلمی فتنوں کا دور ہے، ہر شخص کو اپنے آزادانہ اور ساحرانہ قلم کے ذریعہ سے ہر بات رقم کرنے اور اس کی اِشاعت کی کھلی اجازت ہے، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں، چنانچہ اس پُرفتن اور گھٹاٹوپ ظلمتوں والے دور میں مطلق العنان قلم کے ذریعہ سے گم راہ کن، تباہ کاری اور بے دینی کی طرف دھکیلنے والی نئی نئی کتابیں لکھی جارہی ہیں، جن کے ذریعہ سے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی عزت وآبرو اور ناموس پر حملہ کیا جارہا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کے جان نثاروں کی سیرت وکردار کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اسی قلم کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے قلعہ اور دارالسلطنت پر حملہ کیا جارہا ہے، آپ کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جارہا

ہے، مسلمانانِ عالم کو مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں تقسیم کرنے والی نئی تصانیف وتالیفات روزانہ چھپ رہی ہیں، ختم نبوت (جو پورِی اُمت کا اِجماعی عقیدہ ہے) کے بارے میں لوگوں اور [illegible] کے دِلوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے جارہے ہیں، احادیث مبارکہ کی حجیت کا اِنکار کیا جارہا ہے، [illegible] کو گم راہ اور بے راہ کرنے کی غرض سے فحاشی اور عریانی سے بھرپور مضامین اور رسالے شائع کیے جارہے ہیں۔

ان حالات میں باطل سے آنکھیں [illegible]، [illegible] محمدیہ پر [illegible] دلیلوں کے ذریعہ ہونے والے حملوں اور یلغاروں کا مقابلہ، دہریت، مادیت، اِلحاد وقوم پرستی کے زہریلے اثرات کا مقابلہ اور دورِ حاضر میں رونما ہونے والے بڑے بڑے اِسلام سوز، اِیمان سوز، اَخلاق سوز اور اِنسانیت سوز فتنے جو جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں، جو دُنیائے اِسلام کو خاکستر بنادینا چاہتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی اُمیدوں، اُمنگوں اور محنتوں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں اُن [illegible] کو روکنا جہاد بالقلم سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

قدرت نے اس صدی میں اُمت مسلمہ میں ایک عظیم اِنسان پیدا فرمایا جس کو قلم کی تلوار سے سرفراز فرمایا، جس کے ذریعہ اُس نے بیسیوں کتابیں مرتب کیں، بیسیوں عربی کتب کا اُردو ترجمہ کیا، راقم کی مراد اس سے نابغۃ العصر، مجموعہ محاسن، میدان علم وعمل کا شہسوار، آسمان علم وفضل کا روشن ستارہ، اکابر کا محبّ صادق، اُن کے انفاس کا محافظ اور علوم کا وارث حضرت علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب شہید رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

موصوف پر بیک وقت کئی ذمہ داریاں تھیں، جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن سمیت ۱۶/ (سولہ) مدارس کا اہتمام اور انتظام، ملک بھر کے ہزاروں مدارس کی سرپرستی، ملکی اور غیر ملکی اسفار، جامعہ کے شعبۂ تصنیف وتالیف میں ہونے والے علمی اور تصنیفی کاموں پر نظرِ ثانی اور دینی مصروفیات، ان ہمہ گیر اور گوناگوں مصروفیات اور مشغولیات کے باوجود اِتنی ساری تالیفات اور تراجم اُن کے ہاتھ سے کس طرح منصۂ شہود پر آئے؟ (اور کچھ ایسی بھی ہیں جو غیر مطبوع ہیں) اُنہوں نے اُمت مسلمہ اور [illegible] کے لیے اِتنی یادگاریں کس طرح چھوڑیں؟ دراصل حضرت مولانا رحمہ اللہ میں

اپنے استاذ و مربی حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ کے فیوض و برکات اور دعواتِ صالحہ نے رنگ لایا تھا، حضرت ہی نے آپ کو اس شعبہ کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ جب آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ہوئے تو حضرت نے آپ کو ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ مزید تعلیم کے نام سے جامعہ یا کسی اور ادارہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے آپ فوراً آجائیں، آپ اس پیش کش کو سعادت، ذریعہ آخرت اور ذریعہ نجات سمجھتے ہوئے وطن واپس آگئے، حضرتؒ نے آپ کو اس شعبہ میں لگادیا اور سب سے پہلے '' '' کا کام ان کے ذمہ لگایا، نیز وہ موفق من اللہ تھے، اُنہیں مصور فطرت نے عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، اُنہیں عجیب لگن، ولولہ، شوق و جذبہ عطا فرمایا تھا جو کسی کسی کو نصیب ہوا کرتا ہے''۔

اس کے علاوہ کچھ ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں جو تلاش کرنے سے ملیں گے، وہ اسباب کیا تھے؟ جن کے ذریعہ اُنہوں نے علمی دنیا میں اپنی عبقریت اور صلاحیت و لیاقت کا لوہا منوایا، جن کی وجہ سے اُنہوں نے میدانِ تالیف وتصنیف میں اپنا نام پیدا کیا، آئیے اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں، ذیل میں چند باتیں کا ملاحظہ کیجئے:

۱- اُنہوں نے اپنے معمولات، وظائف، ذِکر وتلاوت اور دِیگر اُمور کے لیے ایسا بنایا تھا کہ روزانہ تصنیف وتالیف کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ وقت نکالتے تھے، خصوصاً عصر سے لے کر مغرب تک کا وقت اُسی میں صرف ہوتا تھا۔

۲- دفتر اہتمام میں بیٹھ کر صبح سے لے کر نمازِ ظہر تک اِنتظامی اُمور نمٹاتے تھے، درمیان میں جب موقع ملتا، کوئی فرصت میسر آتی تو اُسے غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اُٹھاتے اور کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے، مہمان آتے، اُن کی خوب خاطر تواضع اور ضیافت ہوتی، خوش گپیاں بھی ہوتی تھیں لیکن ساتھ ہی حضرتؒ کا ہاتھ وقلم بھی چل رہا ہوتا۔

۳- وہ کسی دورے اور سفر پر ہوتے تو ہر جگہ قلم اور کاغذ ساتھ ہوتا تھا، سفر سے قبل ہی اُس کا اہتمام سے اِنتظام فرمالیا کرتے تھے، چنانچہ حضرتؒ نے بہت سے تراجم دورانِ سفر مکمل کیے۔

۴-دورانِ سفر مجلسوں میں ہوں یا گاڑیوں میں ہر جگہ لکھتے رہتے تھے، چلتی گاڑی اُن کے کام میں مخل نہیں ہوتی تھی۔

۵-حضرتؒ کو مالک ارض وسماوات نے تیزی سے لکھنے اور فی البدیہہ صاف اور واضح لکھنے کا ملکہ عنایت فرمایا تھا۔

۶-جب بھی کسی تصنیف یا کسی کتاب کے ترجمہ کی اِبتداء کرتے تو تاریخ اِبتداء ضرور لکھتے تھے پھر حساب لگاتے تھے کہ منٹوں، گھنٹوں اور دِنوں میں کتنا کام ہوا ہے؟ پھر آخر میں تاریخ اِختتام درج کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

اُن کو اِس نعمت کا ایسا چسکا لگا تھا کہ شہر میں کہیں بھی کسی دعوت یا پروگرام میں شرکت کرنی ہوتی تھی تو فارِغ اوقات کو قیمتی سرمایہ گردانتے اور اس سے خوب خوب اِستفادہ کرتے۔

……

تدریسی کارنامے

خلاقِ عالم نے حضرتؒ کو تدریس، افہام وتفہیم کا عجیب ملکہ عطا فرمایا تھا، وہ عظیم مصنف تھے، بیسیوں عربی کتب کے مترجم تھے، ساتھ ہی وہ ایک جید، باکمال، باصلاحیت اور کامیاب مدرّس بھی تھے، حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ کے زمانہ ہی سے اہم اسباق اُن کے سپرد رہے ہیں، چنانچہ نحومیر، مختصر القدوری، الاختیار، مقامات، مشکاۃ المصابیح، سنن ترمذی اور صحیح بخاری شریف وغیرہ اسباق آپ کے زیر تدریس رہے، راقم الحروف کو حضرت مولانا رحمہ اللہ سے صحیح بخاری شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مولاناؒ کی درسی خصوصیات

ناچیز راقم الحروف میں یہ اہلیت تو نہیں کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کے درسِ مبارک کی خصوصیات اِحاطۂ تحریر میں لاسکے، تاہم جس حد تک فہمِ ناقص کی رسائی ہوئی اسے حوالہ قرطاس کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

۱- اسباق کو بہت ہی عام فہم اور دِل نشین ا ازمیں طلباء کو ذہن نشین کراتے۔

۲- اسباق کی رفتار میں تنا و اِعتدال ملحوظ رہتا تھا، کتاب کے اوّل سے آ یکساں رفتار رہتی تھی۔

۳- اسباق افراط وتفریط اور غلو وتشدد سے پ ک ہوتے۔

۴- حضرتؒ کو ربِّ ذوالجلال نے ایسا ر وجلال فرما تھا کہ اُن کے سبق میں تمام طلباء شروع سے آ چوکنے، مستعد، حاضر دِماغ اور ہمہ تن گوش رہتے۔

۵- حضرتؒ کی عادت تھی کہ حاضری سبق کے شروع میں لے اور جو طلباء حاضری کے وقت موجود نہ ہوں اُنہیں تنبیہ کر دِی جاتی۔

۶- روزانہ کسی منا سے اخلاق واعمال، سیرت وکردار کی دُر اور اِصلاح سے متعلق ئح فرماتے اور طلباء کو تمام سیاسی، تنظیمی اور خارجی سر میوں سے کرنے اور ہمہ تن علمی وعملی پختگی ڈھانے پ زور دیتے تھے۔

۷- دورانِ سبق ہر طا علم پ رہتی تھی، کسی کو منا حا میں دیکھتے تو اُسے تنبیہ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرتؒ کے گھنٹے میں تمام طلباء ہمہ وقت سبق کی طرف دیہان اور توجہ ر تھے۔

۸- روزانہ بلا تعین کسی طا علم سے عبارت پڑھواتے تھے، ایسا تھا کہ تمام طلباء کی ری آجاتی تھی لیکن کسی کو یہ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ اس کی ری ہے، اس لیے وہ تمام طلباء جن کی ری نہیں آئی ہوتی عبارت دیکھ کر آتے تھے۔

۹- غیر ضروری مبا وتفاصیل سے اِجتناب کرتے تھے۔

۱۰- عبارت پڑھنے والے طلباء کا خوب خوب موا ہ کرتے تھے، نحوی صرفی قواعد کا اِ اء وتطبیق، ا ازقراءت حدی ، ولہجہ، قراءت حدی کے آداب وغیرہ وغیرہ ساری توں کا لحاظ کرتے تھے، غلطیوں پ تنبیہ فرماتے اور اُن کی اِصلاح بھی فرماتے تھے، اس لیے طلباء بھی تیاری کر کے آتے تھے۔

۱۱- دورانِ سبق وقفہ وقفہ ہر پانچ دس منٹ بعد '' '' پڑھتے تھے۔

۱۲- دورانِ تقریر وتشریح اپنے شیخ حضرت بنوریؒ کی باتیں، سوانحی خاکہ اور اُن کے عہدِ زریں کے واقعات وحالات بیان کرتے تھے اور بڑے مزے سے بیان کرتے تھے جیسا حضرت بنوریؒ اپنے اُستاذ حضرت علامہ کشمیریؒ کے حالات بیان فرماتے تھے۔

۱۳- مشکل عبارتوں کا نہایت سلیس، معنی خیز بامحاورہ ترجمہ کرتے تھے۔

۱۴- عبارت پڑھنے کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماءِ گرامی کے ساتھ ترضی (رضی اللہ عنہ) کا اہتمام کرتے تھے، نیز اس بات کا تو بہت ہی اہتمام تھا کہ اگر کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے والد مسلمان ہوں تو (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) (یعنی تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ) پڑھا جائے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کا نامِ نامی آجائے تو ''صلی اللہ علیہ وَسلم'' کو پیار ومحبت سے صاف اور واضح پڑھنے کا حکم فرماتے تھے۔

۱۵- دورانِ سبق جن کتابوں کے حوالے آتے بسا اوقات اُن کا اور اُن کے مصنفین کا مختصر تعارف بھی کرادیتے تھے تاکہ طلباء میں اُن کے بارے میں مطالعہ کی رغبت، ذوق اور ولولہ پیدا ہو۔

۱۶- کوئی طالب علم سوال کرتا تو اُس کا سوال پوری توجہ سے سنتے اور اُس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

……

مطالعاتی شغل

علماءِ ربانیین، سلف صالحین، جید اور کامیاب مدرّسین کا ہمیشہ طرۂ اِمتیاز رہا کہ وہ بغیر مطالعہ کے سبق نہیں پڑھاتے تھے، سبق پڑھانے سے پہلے کما حقہ مطالعہ کرنا پھر بصیرت وانشرح کے ساتھ پڑھانا اُن کے اہم مشاغل میں تھا، اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے مطالعہ پر قادر نہ ہوتے تو حاضری تو ضرور دیتے تھے لیکن سبق نہیں پڑھاتے تھے، اس لیے کہ وہ بغیر مطالعہ کے سبق پڑھانے کو بے برکتی اور نحوست خیال کرتے تھے۔

ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے اہم مشاغل میں مطالعاتی شغل بھی تھا، ویسے فطری اور خداداد ذوق اُنہیں من جانب اللہ حاصل تھا، ساتھ ہی ذمہ داری اور اِفادۂ طلباء کا احساس دامن گیر رہتا تھا، اُمورِ اہتمام، تصنیف و تالیف اور دیگر کاموں سے فراغت کے بعد جب بھی موقعہ میسر آیا اس میں سبق کے لیے مطالعہ کرتے، پھر جو اوقات مطالعہ کے لیے خاص کیے ہوتے تھے اُن میں اہتمام سے مطالعہ کرتے تھے، ناغہ نہیں ہوتا تھا، مطالعہ ہمیشہ اسباق سے آگے ہوتا تھا اور یہ خوبی اُنہیں اپنے شیخ محدث العصر حضرت علامہ بنوریؒ سے ورثہ میں ملی تھی کیونکہ حضرت بنوری قدس سرہٗ کو کتابوں کے مطالعہ کے بارے میں جو شوق و جذبہ تھا وہ محتاجِ بیان نہیں ہے، طالب علمی کے زمانہ ہی سے اُن کی عادت تھی کہ متعلقہ اسباق کے علاوہ اُن کی شروحات تک کا مطالعہ کرتے تھے، ہمیشہ اُن کا مطالعہ سبق سے آگے ہوتا تھا، حضرت بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

> ”جب ہدایہ پڑھتا تھا تو فتح القدیر، البحر الرائق اور بدائع ان تینوں کتابوں کا دو سبق کے قریب مطالعہ کیا کرتا تھا اور میرا مطالعہ ہمیشہ استاذ کے سبق سے آگے رہتا تھا۔“

حضرتؒ کا عشاء کے بعد مطالعہ کا معمول تھا، اگر کسی پروگرام میں جانا بھی ہوتا تو پروگرام سے فراغت کے بعد معمول کے مطابق مطالعہ فرماتے، چنانچہ جامعہ کے ایک استاذ کے ہاں دعوت میں حضرت کو بچوں سمیت مدعو کیا گیا، دعوت میں جامعہ کے بعض اکابر اساتذہ بھی شریک تھے، دعوت کی ترتیب کچھ اِس طرح تھی کہ پہلے مرد حضرات کھانا کھائیں پھر مستورات، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت فرمانے لگے مجھے اِجازت ہو تو ذرا جامعہ جا کر مطالعہ کرلوں، بہر کیف جلدی واپس جا کر مطالعہ میں مشغول ہوگئے۔

علوم وفنون میں کمال

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو علوم وفنون دونوں میں یکساں مہارت عطا کی ہوئی تھی، فنون میں آپ کو خصوصی دلچسپی تھی، آپ طلباء سے عبارت پڑھواتے وقت صرف و

نحو کے قواعد کا خاص خیال رکھتے تھے، اثنائے عبارت طلباء سے بیچ بیچ میں پوچھتے بھی رہتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ جب بخاری شریف کی عبارت طلباء سے پڑھواتے تو جگہ جگہ اُن سے پوچھتے تھے کہ: یہ مرفوع کیوں ہے، یہ منصوب کیوں ہے؟ یہاں پر کون سا قانون جاری ہوا ہے، اس لفظ میں کیا تعلیل ہوئی ہے؟ اس کے علاوہ آپ کو عربی تکلم و کتابت دونوں میں یکساں مہارتِ تامہ کے باوجود آپ نے کبھی اپنی غلطی پر اِصرار نہیں کیا، اگر کسی نے آپ کو متنبہ کیا تو فوراً اپنی غلطی مان لیتے تھے، غلطی پر اِصرار یا پھر اپنی غلطی کی تاویلات نہیں نکالتے تھے صرف دو واقعات یہاں ذکر کرتا ہوں جس سے آپ کی اس صفت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

حضرت بنوریؒ نے یتیمۃ البیان کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے طبع ہونے کے وقت حضرت مولانا شہیدؒ نے اس کے شروع میں مقدمہ لکھا، جو حضرتؒ نے مجھے تصحیح کے لیے دیا، ایک جگہ عبارت میں مجھے کچھ خلجان سا محسوس ہو رہا تھا، جس وقت حضرتؒ سے میں نے اس بارے میں ذکر کیا کہ: اس عبارت میں مجھے انشراح نہیں ہو رہا تو اُس وقت حضرت کے پاس مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے: حضرتؒ نے اس عبارت کی کوئی تاویل نہیں نکالی بلکہ فرمایا کہ مفتی عبدالسمیع صاحب سے پوچھ لیں۔

اِسی طرح جب قاری عبد الحلیم چشتی رحمہ اللہ (قرآنی کمپیوٹر) نے متشابہات القرآن پر کام کیا تو اُس کے شروع میں مقدمہ لکھا اور حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا کہ اس کی تعریب کردیں، حضرت نے اس مقدمہ کی تعریب کے بعد احقر کو دیا اور فرمایا کہ اس کی تصحیح کرو: جب میں نے دیکھا تو ایک جگہ عبارت میں کچھ خلجان سا تھا ایک دن حضرت ایک دعوت میں مدعو تھے اور حضرت کو احقر نے اس عبارت کے متعلق بتایا تو اُنہوں نے مجھے فرمایا کہ یہ مولانا محمد انور بدخشانی صاحب موجود ہیں اُن سے پوچھ لیں۔

حضرت مولاناؒ اور عربی زبان

حضرتؒ کو مختلف زبانوں میں عبور اور کمال حاصل تھا، اُردو انتہائی صاف تھی،

شائستہ اور شیریں تھی، بیسیوں عربی کتابوں کا اردو ترجمہ کیا، ترجمہ کا مطالعہ کرنے والے فرق نہیں کر پاتے کہ کسی کتاب کا یہ ترجمہ ہے یا اصل کتاب ہے، عربی زبان سے حضرت کو خاص شغف تھا، اور قدوس نے عظیم ملکہ فرمایا تھا، عربی اِتنی رواں اور سلیس بولتے تھے کہ جیسے کوئی فصیح اللسان عربی باشندہ بول رہا ہے، ایسا کیوں نہ ہو حضرت تو مدینہ منورہ میں عرصہ گزار چکے تھے، جامعہ اِسلامیہ مدینہ یونی ورسٹی میں چار سالہ کورس مکمل کیا، آپ کی عربی تالیفات اور بعض دوسری کتابوں پر تقاریظ ہیں جو حضرتؒ کی عربی ادب اور بلاغت پر شاہد ہیں ذیل کے عربی قطعے اور اِقتباسات سے قارئین اندازہ لگاسکتے ہیں۔ حضرت ” ” کی ”تقدیم“ میں لکھتے ہیں:

” ” کے شروع میں لکھتے ہیں:

” ” کی تقریظ میں لکھتے ہیں:

عربی مجلّہ ’’ ‘‘میں لکھتے ہیں:

ابن الجوزی کی مشہور کتاب ’’ ‘‘ کی تقریظ میں لکھتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ اور سبق کا اہتمام

میدانِ تدریس و تصنیف میں اسباق کی پابندی، مواظبت اور اہتمام سلف صالحین اور جید مدرّسین کا شعار رہا، اِن کی بہترین خوبیوں اور محامد میں سے ہے کہ جو کام بھی کرے اہتمام سے کرے، اُس کا حق ادا کرے، کامیاب اور جید مدرّس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ طلباء کو فائدہ پہنچانے کے لیے انتھک کوشش کرے، اِفادہ وافاضہ کے تمام وسائل واسباب بروئے کار لائے، مقبول مدرّس کی نشانی اور تمغۂ اِمتیاز یہ ہوتا ہے کہ طلباء کی شخصیت کی تعمیر میں حتی المقدور کاوش سے کام لے اور کوئی کسر نہ چھوڑے اور جو وقت اس نے مدرسہ کو دینا ہے پورا دے، مثلاً چھ گھنٹے دیتے ہیں تو مکمل چھ گھنٹے دے، کمی بیشی نہ کرے، اگر آٹھ بجے مدرسہ کا وقت ہے تو ٹھیک آٹھ بجے مدرسہ پہنچے، بارہ بجے چھٹی کا وقت ہے تو وقت پر چھٹی کرے، نہ تاخیر سے پہنچے اور نہ ہی قبل از وقت چھٹی کرے، بلکہ پورا پورا وقت دے اور بلا عذرِ شدید ناغہ نہ کرے۔

ہمارے حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ رحمہ اللہ کی عادت بھی اسی طرح تھی، سبق کی پابندی واہتمام، وقت پر حاضری اور طلباء کو پورا پورا وقت دینا، ان کے اہم اوصاف میں سے تھا، وہ اپنے جامعہ کے اساتذہ کرام کے لیے بھی یہی پسند کرتے تھے، ہمیشہ اساتذہ کرام کی مجلسوں میں اس کا اِظہار فرمایا کرتے تھے، اگر کسی کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ وقت پورا نہیں دیتے مثلاً لیٹ آتے ہیں یا گھنٹہ ختم ہونے سے پہلے کلاس سے

نکل جاتے ہیں تو دُکھ کا اِظہار کرتے، خود بھی اس اُصول پر سختی سے کاربند تھے، حضرت رحمہ اللہ صبح شروع کے دوران میں صحیح بخاری شریف پڑھاتے تھے۔ جبکہ صحیح مسلم کا سبق شام کو چھٹے گھنٹے میں ہوا کرتا تھا، ایک مرتبہ بنگلہ دیش میں مدارِسِ عربیہ کے معائنہ کے سلسلہ میں حضرت کو سفر پیش آیا، واپسی پر وہاں سے فون کیا کہ شام تک شاید میں پہنچ جاؤں اِس لیے صحیح مسلم کا سبق صبح ہو جائے تاکہ شام کو صحیح بخاری کا سبق ہو جائے۔

ناغہ کرنا حضرتؒ کے نزدیک بہت بڑا عیب تھا، جامعہ میں ششماہی امتحان کے بعد دورۂ حدیث کے چند اسباق رات کو ہوا کرتے ہیں، حضرت مولاناؒ رات کو عشاء کے بعد پڑھایا کرتے تھے اگر عشاء کے بعد ضروری کام کے لیے جانا ہوتا تو جلدی کام سے نمٹانے کی کوشش کرتے تھے اور جہاں کہیں بھی ہوتے جلدی آ کر سبق پڑھا دیتے تھے۔

اِسی طرح ایک مرتبہ حضرت کو کسی ضروری کام سے پشاور جانا ہوا جس دن واپسی تھی، اُس دِن کی ترتیب پہلے سے بنالی تھی کہ شام کو میری واپسی ہوگی، لہٰذا شام کے اسباق صبح ہوجائیں تاکہ صحیح بخاری کا سبق شام کو ہو سکے۔

ایسے ہی ایک مرتبہ پشاور سے مہمان آنے والے تھے، کیونکہ وہ صبح کے وقت کراچی پہنچنے والے تھے، اِس لیے حضرتؒ نے ایک دن پہلے فرمایا کہ: سنن ترمذی کا سبق (جو چوتھے گھنٹے میں ہوتا تھا) صبح پہلے گھنٹہ میں ہو جائے تاکہ چوتھے گھنٹہ میں میں پڑھا سکوں اور سبق کا حرج نہ ہو، علاوہ ازیں ایسا تو بارہا ہوا کہ جامعہ، اُس کی شاخوں یا دوسرے مدارِس کے سلسلہ میں صبح کہیں جانا ہوتا تو صبح بعد نماز فجر سبق پڑھا دیتے تھے۔

حضرت مولاناؒ اور ختم صحیح بخاری شریف

حضرت شہید مرحوم اپنے شیخ محدثُ العصر حضرت علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نوَّرَ اللہ مرقدہٗ پر فریفتہ، اُن کے سچے عاشق، اُن پر مرمٹنے والے اور شیدائی تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر کام اور ہر ادا میں اپنے شیخ کی مکمل پیروی اور اقتداء کرنے کی کوشش فرماتے تھے، اُن کو جامعہ کے داخلی اور خارجی تمام معاملات میں اُن کے نقش قدم پر چلنے کی فکر

دامن گیر رہتی تھی، حتیٰ کہ اُنہوں نے امیر المؤمنین ابوعبداللہ محمد بن اِسمٰعیل البخارِیؒ کی عظیم کتاب ''صحیح بخارِی'' کے ختم کا طریقہ بھی وہی اپنایا تھا جو اُن کے شیخ کا طریقہ تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے سات سال تک بخارِی پڑھائی اور آپ ہی کی دعواتِ صالحہ کے ساتھ آخری حدیث اِختتام پذیر ہوتی البتہ آخری سال میں ختم ہوا چاہتی تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما کر شہادت کے عظیم مرتبہ سے سرفراز ہوئے۔

حضرت مولانا شہید مرحوم کا طریقہ یہ تھا کہ ختم کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا، طلباء کو اور نہ کسی استاد کو، طلباء دورہ حدیث ہمیشہ اِصرار کرتے تھے کہ حضرتؒ ہمیں تقریب اور دعوت کی اِجازت مرحمت فرمائیں، حضرتؒ اُن سے یہی فرماتے تھے کہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ تھا، تقریب اور دعوت پر خرچ ہونے والی رقم سے فقراء اور مساکین کی مدد کرو، ایک مرتبہ رات ساڑھے دس بجے کے بعد حسبِ معمول مرحوم گھر تشریف لے جا رہے تھے، بندہ بھی آپ کے ہم راہ تھا سال کا آخر تھا اور صحیح بخاری کے چند ہی صفحات باقی رہ گئے تھے، دورۂ حدیث کے بعض طلباء آئے، راستہ میں حضرتؒ سے درخواست کی کہ ہم ختم صحیح بخارِی پر دعوت کا پروگرام رکھنا چاہتے ہیں، ہم نے پیسے بھی جمع کر لیے، حضرتؒ نے سختی سے منع فرمایا اور فرمایا کہ ان پیسوں سے کسی غریب آدمی کی مدد کر دو۔

ربِّ کریم کے فضل و کرم سے رَاقم کو ہر سال ختم میں شرکت کی توفیق حاصل ہوئی حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے سلف صالحین، اکابر اور اساتذہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث پر سیر حاصل اور محققانہ بحث فرماتے تھے، حدیث کے ہر پہلو کی موشگافیوں کو اُجاگر کرتے اور ہر ہر کلمہ کی تحقیق اور اُس سے متعلق تمام مباحث بیان فرماتے تھے، ہر سال اُسی حدیث کے رُواۃ پر بحث کے دوران حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اور اصحابِ صفہ کے حالات، فقر و فاقہ، جفاکشی، انتھک محنت، اِیثار و قربانی کا ذِکر فرما کر طلباءِ علومِ نبوت کو زہد و تقویٰ، طہارت و عفت، توکل و اِعتماد، صبر و تحمل، اِخلاص و للّٰہیت، رضاء بالقضاء، جہد و جہد، کوشش و

کاوش، عزم و ہمت جیسے اخلاقِ فاضلانہ، صفاتِ حمیدہ، عمدہ اور اعلیٰ خصلتوں سے متصف ہونے کی ترغیب دیا کرتے تھے گویا یہ غیبی کلمات الوداعی بیان ہوتے تھے۔

راقم السطور کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے راقم کو آپ کی حدیث سے متعلقہ ابحاث یکجا کرنے کا حکم دیا تھا، راقم نے حضرتؒ کی تقاریر، صحیح بخاری کی تمام معتبر شروحات، قابل اعتماد مصادر، حدیث کے ہر پہلو کی موشگافیوں کو اُجاگر کرتے اور موتیاں بکھیرتے مآخذ اور مستند مراجع کا سہارا لے کر توفیق بقدرِ مستطاع کئی صفحات پر مشتمل مضمون تیار کرکے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرتؒ نے بے اِنتہاء خوشی و مسرت کا اِظہار فرمایا اور رَاقم کو دُعا دِیں۔

پھر آخر میں پتھر جیسے سخت دلوں کو موم بنا دینے والے کلمات کے ساتھ رِقت انگیز دعا فرماتے تھے، کلماتِ دعا کا کچھ حصہ پیشِ خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے!

ختم بخاری میں طلباء کو بتاتے کہ کس طرح حضراتِ صحابہؓ کو حصولِ علم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم کی مجالس کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کے سلسلہ میں بھوک، پیاس اور فقر و فاقہ کی تکالیف برداشت کرنی پڑیں، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کرتے کہ: حضرت ابو ہریرۃؓ خود فرماتے ہیں کہ

بھوک سے میرے پیٹ میں بل پڑنے لگتے تو میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وَسلم سے بعض قرآنی آیت کا مفہوم پوچھتا، حالانکہ مجھے اس کا علم ہوتا، میرا مقصد صرف یہ ہوتا کہ وہ میری صورتِ حال بھانپ کر اپنے ساتھ لے جائیں اور مجھے کھانا کھلا دیں۔

ایک روز مجھے بے انتہا بھوک لگی میں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا اور اس راستہ پر بیٹھ گیا جہاں صحابہ کرامؓ کا گزر ہوتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس سے گزرے، میں نے اُن سے قرآنِ کریم کی ایک آیت کا مفہوم صرف اس لیے پوچھا کہ وہ مجھے کھانے کی دعوت دیں، لیکن وہ صرف مفہوم بتا کر چل دیئے اور میرے مقصد کو نہ سمجھ سکے، پھر میرے پاس سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، میں نے

ان سے آیت کا مفہوم دریافت کیا انہوں نے بھی میرے ساتھ یہی سلوک کیا، یہاں تک کہ میرے پاس سے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وَسلم کا گزر ہوا، میں نے آپ سے بھی آیت کا مفہوم پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم میرے مقصد کو پہچان گئے، اِرشاد فرمایا ابوہریرۃ! میں نے عرض کیا، لبیک یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: میرے ساتھ چلو! میں آپ کے پیچھے ہولیا، آپ کے ساتھ ہی گھر میں داخل ہوا آپ نے گھر میں دودھ کا بھرا ہوا پیالہ دیکھا تو گھر والوں سے پوچھا یہ دودھ کا پیالہ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے بتایا فلاں صحابیؓ نے آپ کے لیے بھیجا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: اے ابوہریرۃ! اہل صفہ کو بلالاؤ، میرے دل میں خیال آیا کہ دودھ کا یہ پیالہ اہل صفہ کو کہاں کافی ہوگا؟ انتہائی بھوک کی وجہ سے میرا دل چاہتا تھا کہ یہ دودھ کا پیالہ مجھے مل جائے، تاکہ میرے جسم میں کچھ توانائی آئے، بہرحال آپ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے اہل صفہ کی جانب چل پڑا اور انہیں بلالیا، جب وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وَسلم کے پاس بیٹھ گئے، آپ نے ارشاد فرمایا: ابوہریرۃ پیالہ پکڑو اور باری باری انہیں دودھ پلاؤ میں نے یکے بعد دیگرے ان کی خدمت میں دودھ کا پیالہ پیش کیا یہاں تک کہ ان سب نے جی بھر کر دودھ پیا، پھر میں نے پیالہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وَسلم کے سامنے رکھ دیا، آپ نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور فرمایا: میں اور تم دونوں ہی اب باقی رہ گئے ہیں، میں نے عرض کیا بالکل سچ ہے، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وَسلم) آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے اِرشاد فرمایا: اب تم پیو تو میں نے پینا شروع کیا، جب اپنا منہ پیالے سے ہٹاتا، تو آپ فرماتے اور پیو، میں پھر پینا شروع کردیتا، یہاں تک کہ میں پکار اُٹھا، قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو برحق مبعوث فرمایا ہے، واللہ پینے کی اب قطعاً گنجائش نہیں رہی، پھر آپ نے پیالہ پکڑا اور دودھ نوش فرمایا۔

حضرت مولاناؒ کی عمدہ تصنیفی کارکردگی کا راز

اِس پرفتن دور میں جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کے زمانے سے ایک دوری

ہو چکی، اوقات سے برکت بڑی حد تک اُٹھ گئی ہے، اس کے باوجود اس دور میں بھی ہمارے حضرتؒ اور ان جیسی کئی ہستیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جو مختصر سے وقت میں اتنا کام کر گئیں کہ دیکھنے والوں کے لیے یقین کرنا مشکل ہے، حضرتؒ نے اپنے پیچھے سو سے زیادہ ایسی زندہ تصنیفات چھوڑی ہیں کہ جن میں بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں صرف ایک کتاب ''[illegible]'' ہی تقریباً پندرہ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس میں یقیناً کوئی حیرانگی یا بے یقینی کی بات نہیں کہ حضرتؒ کے پاس ایک ایسا نسخہ اکسیر تھا جو ان کی اتنی بڑی اور وسیع علمی میراث چھوڑنے کا سبب بنا اور یقیناً قاری اس پُر تاثیر نسخے کو معلوم کرنا چاہے گا، تو وہ اپنے وقت کے اِستعمال میں اِحتیاط اور ضیاع سے اجتناب اور ایسی مستقل مزاجی ہے جس نے ہمارے حضرت کو ۳۰ سال تک دارالتصنیف میں بٹھائے رکھا۔

حضرتؒ کے ہاں ایک مستقل خادم تھا جو دارالتصنیف کے باہر بیٹھا رہتا تھا۔ جب ضرورت محسوس ہوتی تو گھنٹی کا بٹن دبا کر اُس کو بلا لیا کرتے تھے اور خود علمی خدمت میں مشغول رہتے تھے اور اگر کہیں کوئی سفر درپیش ہوتا تو اپنی کسی زیر تالیف کتاب کا مسودہ ساتھ لے لیتے اور دورانِ سفر یہی کتاب ہی اُن کی ہم رکاب رہتی، اپنی زندگی کے آخری سات سالہ دور میں حالانکہ اہتمام کا بوجھ بھی اُن پر آ پڑا تھا اور مصروفیات کا ایک طوفان تھا لیکن یہ چیزیں حضرت کے اس سلسلہ کو جس کو اُنہوں نے اہتمام سے پہلے حرز جان بنا رکھا تھا، منقطع نہ کر سکے، چنانچہ حضرت دفتر اہتمام میں بھی کسی فارِغ لمحے کو ضائع نہ فرماتے تھے، بلکہ یوں کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید نورَ اللہ مرقدہٗ کی کتابِ زندگی میں فارِغ لمحے کی اِصطلاح نہ تھی۔

عبارات میں فنی مہارت

کچھ لوگوں کو اللہ کی طرف سے ایسی فطانت وذکاوت عطا ہوتی ہے کہ وہ پلک جھپکنے میں چیزوں کی حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں اُن کا ذوقِ سلیم جس طرح بے عیب چیز سے اِنتہائی لطف محسوس کرتا ہے اسی طرح اُن کے عیوب پر گرفت بھی بڑی مضبوط ہوتی ہے اور

اس میں جس قدر وہبی ء کا دخل ہو ہے، اسی طرح اس میں کسب کا بھی ٹا حصہ ہے۔

ہمارے حضرت مولا رحمہ اللہ اس خاص صفت کی ای ز ہ جاوی مثال اور اس کا بہترین نمونہ تھے، وہ جس قدر اشیاء کی دیکھ پ کھ میں ر ی بینی ر تھے اس سے زی دہ عبارات کو اپنی فنی کسوٹی پ پ کھ کر جلد ہی اس کی صحت و سقم کو جانچ ی تھے، نحو و صرف اور دوسرے علوم میں آپ کا کمال تو کوئی ڈھکی چھپی ت نہیں اور یہ عموماً وجہد اور کسب کی بناء پ حاصل ہو ہی جا ہے لیکن ان کی وہ فطری اور وہبی صلا ی جو ان کو اِمتیاز ی کے مقام پ لا کھڑا کرتی ہے وہ ان کی عبارات کی کتا میں ایسی ر ی غلطیوں پ مضبوطَ فت اور ن دہی کر ہے جن کو پ ی کے لیے ہم جیسے لوگوں کو چھٹی حس کی ضرورت ہے، ایسے کئی واقعات میں سے کچھ ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ای دفعہ کسی مدرسے میں معا کی غرض سے تشریف لے گئے، رَاقم الحروف کو بھی اس سفر میں معیت کی سعادت حاصل تھی، وہاں پہنچنے پ تو مضطرب ہو گئے، مدرسے کی شان دار عمارت پ جو کتا کی گئی تھی وہ دُلہن کے چہرے پ دھبوں سے کم نہ تھی، کیو درس گاہوں کے ہر جو'' ''(عربی ز ن کا لفظ) کا عنوان لکھاَ ی تھا ہر ای میں صاد کا شوشہ چھوڑ کر'' ''بصورتِ ''الفصل'' مکتوب تھا، اِس پ حضرتؒ نے ذمہ دار حضرات کو تنبیہ فرمائی۔

اسی طرح بنوری ٹ ؤن میں ے عرصہ سے قانون آ رہا ہے کہ وہاں ان طلباء کو جو اپنے اسباق میں پورا سال بغیر کسی غہ کے شری رہے ہوں''

''کے م سے ای سند دِی جاتی ہے اور ساتھ کچھ اِ م بھی، چنانچہ ای واقعہ میں حضرتؒ اُن اسناد کو تقسیم کرنے کے لیے جامعہ کی کسی شاخ میں تشریف لے گئے، تو اُن کی اسناد پ لکھے ہوئے درج پ ڑھی جو عربی قاعدے کے لحاظ سے سراسر غلط لکھا ہوا تھا کیو '' ''کو'' ا ''لکھاَ ی تھا حضرتؒ کی طبیعت نے اس کو دا نہ فرمای اور اسناد کو واپس بھجوا کر تصحیح کا حکم فرمای۔

اِسی طرح جامعہ سے شائع ہونے والے مشہورِ عالَم، پختہ، ٹھوس فکر و ت کے

علمبردار عظیم دِینی مجلّے "بینات" کا دامن بھی ایک ایسی فنی غلطی سے داغ دار تھا جس کے اِبتدائی صفحے میں "قرآنِ کریم اور سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وَسلم کی تعلیمات کا علمبردار" مکتوب تھا کہ جو عربی قاعدے کی رُو سے غلطی تھی کیونکہ اس میں "علیہ" کی ضمیر کا مرجع بظاہر سنتِ نبویہ ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، حضرتؒ نے اپنی نکتہ رَس طبیعت سے کام لیتے ہوئے اُس کو مٹا کر "" لکھنے کا فرمایا۔

حضرت کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر سال صحیح بخاری شریف کے اِبتدائی دروس میں نحو و صرف کا اِجراء بھی کروایا کرتے تھے اور عجیب انداز تھا کہ ہر طالب علم کو ان دنوں جان کے لالے پڑے ہوتے تھے کیونکہ حضرت بلا . اپنے اِنتخاب سے جس کو چاہتے عبارت پڑھنے کا حکم فرماتے، اِس طرح ہر ایک اپنی عبارت کی تصحیح اور وجوہِ اعراب کے لیے دِن رَات ایڑی چوٹی کا زور لگاتا تھا، جس سے یقیناً . طلباء کو فائدہ ہوتا تھا اور رَفتہ رَفتہ وہ طلباء بھی جو متاعِ اس مایہ کا بڑا حصہ ضائع کر بیٹھے ہوتے اُن کو بھی اُمید کی کرن دکھائی دیتی تھی اور یہ . حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ کا ہی فیض تھا۔

ایک عجیب اشک انگیز واقعہ

اِیذاء رسانی ان اُمور میں سے ہے جن کو کسی مذہب وملت کے ماوراءِ عقل اور فطرتِ سلیمہ نے بھی روا نہیں رکھا اور اِسلام نے خاص طور پر اس متعدی بیماری پر اور اس کا مؤثر سدباب کیا ہے، دورِ نبوی میں جب کبھی بھی خود آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کو اِیذاء پہنچتی یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی اس نوعیت کا واقعہ پیش آجاتا تو اِصلاحِ اُمت کے پیشِ نظر وحی کے ذریعہ قرآنِ کریم میں یا خود آپ صلی اللہ علیہ وَسلم اپنی احادیث مبارکہ کے ذریعے اس کا علاج فرمادیتے مثلاً: قصہ افک کو ہی لیجیے کہ جب پیغمبرِ اُمت صلی اللہ علیہ وَسلم کو رُوحانی اذیت دِی گئی تو قرآن نے بڑے واشگاف الفاظ میں پورے قصے کی حقیقت بیان کی اور اِیذاء رسانوں پر سخت گرفت فرمائی، کیونکہ اِیذاء رسانی خود تو ایک اِتفاقی جرم ہے ہی لیکن اگر اس وباء کا رُخ کسی بڑے کی طرف

ہو جائے تو واپسی میں ٹکرا کر آنے والی ہوا اپنے دَامن میں کبھی تو حرمانِ قسمت اور کبھی بہت سخت تکلیف پ مکافاتِ عمل کا سامان لے آتی ہیں۔

ہمارے حضرت مولاناؒ کی عمر کے اِنتہائی آخری زمانے میں یعنی شہادت سے کچھ روز پہلے ایک ایسا اشک شُو واقعہ پیش آیا کہ اُن کی شہادت کی طرح یہ واقعہ بھی اُن کے چاہنے والوں کے دِلوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ قصہ کچھ یوں پیش آیا کہ ایک دِن درسِ بخارِی کے دوران کسی طالب علم کی طرف سے کوئی نازیبا حرکت پیش آئی جو حضرتؒ پر اِنتہائی شاق اور ناگوار گزری اور حضرتؒ کو اس سے بہت اِیذاء پہنچی چنانچہ حضرتؒ ناراض ہو کر درس گاہ سے اُٹھ کر تشریف لے گئے اور کئی دن گزرے سبق پڑھانے نہ آئے، ہر طرف ہلچل سی مچ گئی، کیا اساتذہ کیا طلباء ہر کوئی اِضطرابی حالت میں آنے لگا، چہ میگوئیوں کا زور ہوا اور ایک بحرانی کیفیت سی پیدا ہوگئی، اساتذہ علیحدہ حضرتؒ سے تنہائی میں ملتے تھے اور طلباء بھی فرداً فرداً معافی تلافی میں شروع ہو چلے تھے، لیکن خاص حکمت ربانی کی بناء پر حضرتؒ کو شرح صدر اور شگفتگیِ طبع میسر نہ ہو رہی تھی کہ درس دوبارہ شروع فرماتے، چنانچہ اِنقطاع کا یہ سلسلہ جارِی رہا، اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے طلباء کے دِلوں میں ایک ایسی صورت ڈال دی گئی کہ جس سے بظاہر ایک انوکھے، خلوص و محبت اور سچی عقیدت پر ایک بے لوث رِشتے کی مہک محسوس ہوتی ہے اور اس سچے تعلق کا پتا چلتا ہے جو اِسلام کے حقیقی علوم سے کسی بھی شاگرد و اُستاد کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے ہوا یہ کہ طلباء نے غالب کے اِس شعر کو اپنے اوپر جچتے دیکھا کہ:

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
پہلے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی

تو سب نے یکبارگی معافی کا فیصلہ کیا اور اکٹھے ہو کر حضرتؒ کے دفتر کی طرف چل دیے اور صورت یہ اپنائی کہ دفتر جتنے طلباء کو سما سکتا تھا وہ تو سردست داخل ہو گئے اور باقی نے باہر سے دفتر کی کھڑکیوں کو اپنا ہدف بنا کر اِلتجائی نگاہوں سے کعبے کے گرد

زوالوں کی سی صورت اِختیار کرلی، ان زوالوں میں سے کچھ پاؤں میں پڑ گئے جن کے ہاتھوں ''ہاتھ'' آیا تو اُنہوں نے اُسے تھام لیا، کسی نے کندھے کو دبانا شروع کیا تو کوئی سر سہلانے لگا اور پھر نے زار و قطار بلکنا شروع کردیا، یہاں تک کہ خود حضرتؒ بھی بھر آئے اور کھڑے ہوکر رونا شروع کردیا اور ایک ایسا واقعہ سامنے آیا کہ شاید تاریخ تو اس سے قابل توجہ معاملہ نہ کرے لیکن زمانے نے اپنے دامن میں لے کر ان واقعات کی فہرست میں درج کر ڈالا ہے جو اُسے کبھی کبھی دیکھنے کو ملتے ہیں، دلوں کی دوریاں دور ہو اور اس کے بعد حضرتؒ نے وہ چند دِن سبق پڑھائے جو موت نے اور رَب کی قات نے اُنہیں دے رکھے تھے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اُن کی ظاہری صورت اس ظاہری پردے کے پیچھے چلی گئی کہ جس کے پیچھے حقیقت کا جہاں ہے۔

کچھ واقفانِ حال اور نکتہ لوگوں کا کہنا ہے کہ:

حضرت کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو اس سے کچھ پیشتر حضرت کو بنگلہ دیش کا سفر درپیش تھا لیکن کچھ وجوہات کی بناء پر حضرت تشریف نہ لے جاسکے اور یہ ان وہ ک سا پیش آگیا، کچھ واقفانِ حال اور نکتہ لوگ اس کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ اگر یہ سفر ہوجاتا تو پھر شاید طلباء کی معافی والے قصے کا موقع نہ ملتا اور یوں حضرتؒ اِس دُ سے اِس حالت میں تشریف لے جاتے کہ آپ کے دِلوں میں طلباء کے بارے میں شاید کدورت کا کچھ سامان رہ جاتا جو آپ کے مرتبہ کے خلاف تو تھا ہی کہ''

''لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان طلباء کے لیے بھی آسمانی آفت سے کسی طور کم نہ تھا کہ جس طرح اُفق سے یہ آفتابِ علم غائب ہوتا اسی طرح ان کے علمی مستقبل کی کر بھی ماند پڑ جاتیں لیکن وہ اپنی زِندگی کی طرح موت کی آغوش میں جاتے وقت بھی طلباء میں را بکھیر کر گئے۔

علمی بلند مرتبت اور شرعی اقدار کی پاس داری

یہ شعر ایک ایسے امام کا ہے جسے امام وقت ہی کہنا کافی نہیں بلکہ اس کا سکہ اس وقت تک رواں ہے۔ جب تک عالم متحرک اور پھڑکتی رہے گی، یہ حضرت امام شافعیؒ ہیں جنہوں نے اس شعر میں علماء کی صحیح ترجمانی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر شعر گوئی علماء کے لیے قابل عیب بات نہ ہوتی تو میں شعراء عرب کے امام لبید سے بڑا شاعر ہوتا۔ اور اگر انصاف و حقیقت کو پس پشت نہ ڈالا جائے تو علماء کی صف میں ایسے اصحابِ عزیمت اس زمانے میں بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں جن کا کندھا ہر لبید زمانہ سے بلند ہوتا ہے، دور کیوں جائیں خود ہمارے حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی فہرست کے لوگوں میں تھے کہ جس مکتب بھی گئے وہاں کے سرخیل بن گئے، چنانچہ جب تک جامعہ میں حضرت بنوریؒ کے زیرِ سایہ زیرِ تعلیم رہے تو اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے منظورِ نظر رہے اور جب عصری تعلیم کی طرف اُٹھائی تو وہ اوجِ ثریا تک جا پہنچی۔

ہمارے مولاناؒ علومِ دینیہ وعصریہ کے نہ صرف جامع تھے بلکہ ہر دو میں بلندی اور گہرائی کی دو متضاد صفات کے مالک تھے، اُنہوں نے درسِ نظامی کی تکمیل حضرت بنوریؒ کے زیرِ سایہ مکمل فرمائی اور عصری علوم کے سلسلے میں جامعہ کراچی سے ڈاکٹریٹ (پی. ایچ.ڈی) کی ڈگری حاصل کی اور اس کے علاوہ مدینہ یونی ورسٹی میں بھی کچھ کورس مکمل کیے، علومِ دینیہ میں ان کے رسوخ اور علمی شان وشوکت کے لیے حضرت بنوریؒ کی جانشینی ہی بذاتِ خود بڑی دلیل ہے۔ جب کہ علومِ عصری میں اُن کے مقام کا ڈاکٹریٹ میں پہلی پوزیشن حاصل کرنا منہ بولتا ثبوت ہے، لیکن اگر بات یہاں تک ہی محدود ہوتی کہ کراچی یونی ورسٹی میں شرفِ اوّل پر فائز ہوئے تو شاید کوئی اس قدر قابل تعجب نہ تھی کہ اس کے لیے تمہید باندھی جاتی کیونکہ یہ شرف تو ہر سال کسی نہ کسی کے حصے میں آتا ہی ہے لیکن احقر حضرتؒ کی زندگی کے جس گوشے سے پردہ اُٹھانے جا رہا ہے وہ واقعتاً اس گئے گزرے دور میں ہم جیسے ضعیف العمل والاعتقاد لوگوں کے لیے ایک بڑا درس اور علمائے حقہ کی شریعت پر پابندی و دوام کی روشن مثال ہے قصہ مختصر کہ جامعہ کراچی

(کراچی یونی ورسٹی) نے جس سال حضرتؒ نے ڈاکٹر ی ٹ میں پہلی پوز حاصل کی، اپنا سالانہ جلسہ تقسیمِ اِ مات منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس میں حضرتؒ کو شر ت ۰ مہ بھیجا ت کہ وہ اپنا گولڈ میڈل وصول کریں جو کہ واقعتاً ا ی ڈا اعزاز تھا لیکن اس ۰ ا ت س بندے نے بندگانِ ۰ ا کی راہ پ عمل پیرا رہ کر اس دنیوی منصب کو اپنی دِینی حمیت اور غیرت کی وجہ سے ٹھکرا دی جس کی وجوہ جو احقر کو معلوم ہو وہ یہ تھیں:

اوّل تو یہ کہ اِ م کی وصولی ود ت بی عادۃً ا ی شخص کے ہاتھ طے پ تی جو داڑھی منڈے اور انگر ی ی لباس میں ملبوس ہوتے جو حضرتؒ کی حمیت شرعی کے سراسر خلاف تھی۔ دوم یہ کہ اس میں خواتین و مرد حضرات کا مخلوط اِجتماع ہو ت جو حضرتؒ کی دینی ت ی ت کے اس سانچے پ کاری ضرب تھی جس میں ان کو ڈھالا ی تھا۔ سوم یہ کہ عام طور پ ایسی محافل میں تصو ی وں کا سلسلہ ہو ت ہے خاص طور پ اس شخص کی تصو ی جو گولڈ میڈل وصول کر رہا ہو ت ہے عموماً لی جاتی ہے اور یہ ب ت بھی حضرتؒ کے مزاج کے خلاف تھی۔

چنانچہ ان تین وجود کی بناء پ حضرتؒ نے اس اعزاز و منصب سے صاف اِنکار فرما دی۔

یہاں ا ی ب ت ملحوظِ خاطر رہنی چاہیے کہ ب ۰ رگوں کے اِس طرح کے واقعات جو نوکِ قلم پ آ جا اور جن کو ت رِیخ اپنے ب لا خانوں پ سجا کر رکھ لے کم ہی ہوتے ہیں لیکن ان سے اس حصارِ شریعت کی مضبوطی کا ا ۰ ازہ لگا ۰ آسان ہو جا ت ہے جو اُن حضرات نے اپنے د کھینچ رکھا تھا اور ان کے ایسے واقعات کا تصور بھی ممکن ہو جا ت ہے جو ت رِیخ کے نہاں خانوں میں رہ گئے۔

……

روحانی حیثیت

حضرتِ مولاؒ کے ش ب وروز

۰ رو بسر صرف اِ نوں کا طرہ نہیں ہے بلکہ دوسرے حیوان بھی ز ۰ گی ۰ ار

دیتے ہیں، پھر انسانوں میں مسلمان ہو یا کافر ہر کوئی اپنی زندگی کے لمحات مکمل کر رہا ہے، لیکن خوش نصیب ہیں وہ مبارک ہستیاں جنہیں چین وسکون اور سعادت کی زندگی، حیاتِ طیبہ اور شہادت کی موت نصیب ہو جائے، جو جییں تو اس طرح کہ ایک زمانہ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو مچل جائے اور جب اس دنیائے ناپائیدار سے رخصت ہوں تو اُن سے تعلق ایک عالم کے لیے سرمایۂ اِفتخار بن جائے، اُن کا طرزِ زندگی اور طرزِ معیشت اِتنا عمدہ ہو کہ دوسروں کے لیے قابلِ رشک، مثالی اور عملی نمونہ بن جائے، اُن کا ہر لمحہ اور ہر آن عنداللہ اجر وثواب کا باعث ہو، اُن کا ہر فعل وعمل، ہر قول وادا اور ہر شغل مثمر، فائدہ مند اور نفع رساں ہو اور دینوی واخروی زندگانی میں کامیابی وکامرانی، صلاح وفلاح کا باعث ہو۔

ہمارے حضرتؒ بھی انہیں ہستیوں میں سے ایک ہیں، جن کا شب وروز قدرت کا ایک عظیم نمونہ تھا، صبح سے شام تک اُن کا کوئی دقیقہ ضائع اور بیکار نہیں جاتا تھا، تمام اوقات طاعات، عبادات، ذکر واذکار، تلاوت، نوافل، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ترجمہ اور دیگر اُمورِ خیر اور اعمالِ صالحہ میں گزرتے تھے، دیکھنے والوں کو غبطہ اور رشک ہوتا تھا کہ گوناگوں مصروفیات کے باوجود سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ حضرتؒ کے معمولاتِ یومیہ، ذِکر واذکار، تلاوت ونوافل میں فرق آئے، گویا یہ وظائف مولاناؒ کی طبیعت ثانیہ تھے، سفر ہو یا حضر، جامعہ میں ہوں یا باہر، یکساں مداومت اور پابندی فرماتے تھے، جن حضرات کو مولاناؒ کی ہم رکابی، رفاقت اور مصاحبت نصیب ہوئی ہو وہ بخوبی جانتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے یومیہ معمولات

اذانِ فجر سے قبل تہجد اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے پھر اذانِ فجر کے بعد جماعت سے دس منٹ قبل مسجد تشریف لے جاتے تھے، تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا فرماتے اور ہمیشہ مسجد میں امام صاحب کی دائیں جانب ہوتے تھے، نماز کے بعد متصل دفتر میں تشریف رکھتے تھے، تلاوت وذکر میں مصروف ہوتے تھے، پھر اِشراق پڑھنے

کے بعد کوئی ضروری کام ہوا سے نمٹا کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔

پھر تقریباً دس بجے تک صحیح بخاری شریف کا درس دیتے تھے، پھر دس سے تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک اُمورِ اہتمام نمٹاتے تھے، البتہ دَرمیان میں مجلس تعلیمی اور اساتذہ کے اِجلاسوں میں شرکت، مہمانوں سے ملاقات، شاخوں اور مختلف مدارِس کا معائنہ اور طلباء، کتب سے متعلق کوئی مسئلہ ہو وغیرہ وغیرہ اُمور میں مصروف ہوتے تھے، ساڑھے بارہ سے نمازِ ظہر تک حضرت مولانا رحمہ اللہ سبق کا مطالعہ فرماتے تھے۔

بعد نمازِ ظہر تا عصر

نمازِ ظہر کے بعد حضرتؒ دارُالتصنیف تشریف لاتے تھے اور ''معارِفُ السنن'' کے تکملہ پر جو کام ہو رہا تھا اُس کی نگرانی فرماتے تھے، اس کے علاوہ بہت سے اُمور میں شعبۂ تصنیف و تالیف میں کام کرنے والے اساتذہ کی رہنمائی فرماتے، پھر تقریباً تین ساڑھے تین بجے کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور کھانا تناول فرما کر نمازِ عصر تک آرام فرماتے تھے۔

عصر سے مغرب تک

اہتمام کی ذمہ داری اور مسئولیت سے پہلے یہ وقت دارالتصنیف میں گزرتا تھا جیسا کہ بہت سی کتابوں میں حضرتؒ نے اس کی صراحت فرمائی، بعد ازاں یہ وقت اُمورِ اہتمام، مطالعہ، مہمانوں سے ملاقاتوں اور دِیگر اُمور میں صرف ہوتا تھا، ہمیشہ یہ عادت تھی کہ مغرب کی اذان سے پانچ دس منٹ پہلے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے اور صف اوّل میں بیٹھ جاتے تھے۔

از مغرب تا عشاء

مغرب کی نماز کے بعد طویل دعا فرماتے تھے، پھر صلاۃ الاوابین ادا فرماتے تھے، صلاۃ الاوابین سے فراغت کے بعد عشاء کی اذان تک دفتر میں ذِکر و اذکار میں مشغول رہتے تھے، اذان کے بعد متصل مسجد تشریف لے جاتے اور بلاناغہ صلاۃ التسبیح پڑھتے تھے۔

بعد نمازِ عشاء

نمازِ عشاء کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے تک کا وقت اُمورِ اہتمام، شعبۂ تصنیف

سے متعلق اُمور اور کبھی اساتذہ کے اِجلاس کے لیے وقف تھا، بعد ازاں گھر تشریف لے جاتے تھے کبھی دیر بھی ہو جاتی تھی۔

وضاحت: ایسے تو حضرت مولانا رحمہ اللہ نے دس بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک، عصر کے بعد، عشاء کے بعد کا وقت اُمورِ اہتمام کے لیے وقف کر رکھا تھا، ان اوقات میں دفتر اہتمام ہی میں ہوتے تھے، البتہ درمیان میں جب بھی موقع میسر ہوتا مطالعہ اور تصنیف و تالیف اور ترجمہ میں مشغول ہوتے تھے، نیز ششماہی امتحان کے بعد رات کو بعد نماز عشاء سبق پڑھانے کا معمول تھا۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بعد یہ نسبت جناب حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی طرف منتقل ہوئی، اُن کے اِنتقال کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید مرحوم کی طرف یہ نسبت منتقل ہوئی۔ جب یہ نسبت منتقل ہوئی تو اُن کے اندر توکل وانابت اور رُجوع اِلی اللہ کی جو کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور جس طرح وہ د ید یت کریم داتا کے آگے ہاتھ پھیلائے اور کاسۂ گدائی لیے کھڑے رہا کرتے تھے، اُس سے صاف محسوس ہوتا تھا کہ بس لینے والا ہی ملا ہے، دینے والا نہیں ملا۔ لینے والے کا اندازِ گدا ملا ہے اور نہ دینے والے کا اندازِ ، وہ طول طویل دعاؤں میں اپنے رب سے سرگوشی کرتے تھے، حرمین شریفین کی حاضری پر (جو ہر سال اِلتزاماً ہوتی تھی) اُن کے سوزِ دروں اور اُن کی دعاؤں کی کمیت و کیفیت میں نمایاں اِضافہ ہی ہو جاتا تھا۔

حضرت بنوریؒ کی یہ خاص ادا کہ جہاں وہ خود بارگاہِ صمدیت میں کاسۂ عبدیت و کشکولِ فقر و اِحتیاج پیش کرتے وہاں دیگر اہل قلوب سے بھی دعاؤں کی اِستدعا فرماتے۔ الغرض حضرت بنوریؒ کی یہ معنوی میراث جو اس جامعہ کی اور دیگر تمام اداروں کی روح رواں ہے، یعنی اِخلاص و عبدیت، حق تعالیٰ شانہ کی ذات پر کامل اعتماد وتوکل، تسلیم و رضا اور دعا و اِلتجاء کی دولت اس کو پوری طرح جذب اور ہضم کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے بعد اگرچہ ہم حضرت رحمہ اللہ کے انفاسِ طیبہ سے

محروم ہو گئے تھے لیکن جناب حضرت مولا٠ مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت مولا٠ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید مرحوم کی ان قلبی کیفیات کی. و جامعہ کا رَ نسبت نہیں. لا۔

اِصلاحی مجلس

حضرت مولا٠ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ قابل قدر مصنف ومؤلف اور عظیم دینی ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے ر ہونے کے علاوہ صا . نسبت .رگ بھی تھے، آپ کا محدث العصر حضرت مولا٠ علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی رحمہ اللہ سے خصوصی اور گہرا تعلق تھا، . بیعت کی درخوا کی تو حضرت بنورِی رحمہ اللہ نے حضرت مولا٠ شاہ عبدالعزی٠ صا . رائے پورِی رحمہ اللہ سے بیعت ہونے کا مشورہ د ی، آپ نے اپنے اُستادِ محترم حضرت بنوری رحمہ اللہ کے حکم سے حضرت مولا٠ عبدالعزی٠ رائے پورِیؒ سے اِصلاحی تعلق قائم فرمایا اور پھر اُنہی سے آپ کو خلافت ملی۔

حضرتؒ نے اپنی حیات کے آ ی عرصہ میں اپنے اسا ہ کرام کے حکم اور متعلقین کے اِصرار پ اِصلاحی مجلس شروع کی جس کا طر یہ تھا کہ آپ روزانہ عصر کی ز کے بعد جامعہ کے چمن میں بیٹھ جاتے، متعلقین اور تلامذہ آپ کے اِردَ د حلقے کی صورت میں ن ، ای طا . علم کتاب ”دِلوں کو موم کیجئے“ ی ”اعمالِ صالحہ“ کی عبارت پ ھتا پھر اُس کے بعد حضرتؒ بیان فرماتے تھے اور یہ سلسلہ حضرتؒ کی شہادت جارِی رہا۔

پچھلے صفحات میں یہ ذکر ہوا تھا کہ حضرت مولا٠ رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ وہ دورانِ سبق خصوصاً اور عام اوقات میں عموماً ”   “ کا ورد فرمایا کرتے تھے، اس میں حضرت رحمہ اللہ دراصل اپنے شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے رُوحانی والد امام العصر حضرت علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی اِقتداء اور پیروی فرماتے تھے، حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے . رے میں سنا ہے کہ حضرت ”اللہ اجل“ فرماتے رہتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ اَ اس کلمہ کو ا ن اپنے رب کی طرف غای توجہ، دیہان

اور اس پر مکمل بھروسہ و توکل کے ساتھ پڑھے تو اس کو ایسا سکون و اِطمینان نصیب ہوتا ہے جو کسی اور نسخہ سے حاصل نہیں ہوتا، اِس لیے بڑی سے بڑی پریشانی کے وقت اگر اس کلمہ کو پڑھنے کا اہتمام کیا جائے تو دل کو بڑی تقویت ملتی ہے۔

اللہ بہت بڑا ہے

حضرت مولانا توکل علی اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے یہ مت دیکھو کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، اپنے کام سے کام رکھو اور صدق و توکل اور امانت داری کا دامن مت چھوڑنا، یاد رکھو کہ قوانین کی پاس داری بہت ضروری ہے، لوگوں کے طعن و تشنیع کے ڈر سے خیانت کا ارتکاب نہ کرنا اور قوانین میں تسامح اور مداہنت نہ کرنا، دیکھیے لوگ تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں چھوڑتے، اللہ کے بارے میں لوگوں نے اِختلاف کیا، کسی نے اس کے لیے بیٹیاں بنائیں اور کسی نے اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا وغیرہ۔ تو جب لوگوں نے خالق کائنات کو نہیں چھوڑا تو آپ کو اگر طعنہ و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں تو کیا ہوا؟

حضرتؒ کا قرآن مجید سے شغف

کسی مسلمان کا قرآن سے شغف، محبت اور کثرتِ تلاوت یقیناً اِیمان اور زندہ دلی کی علامت ہے قرآنِ کریم کی تلاوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ و بزرگانِ دِین کا معمول مختلف رہا ہے، چنانچہ کسی صحابیؓ کا ایک دِن یا ایک ہی رات میں، کسی کا تین دِن اور کسی کا سات دِن میں یا روزانہ ایک منزل کے سپارے یا اس سے کم مدت میں ختم قرآن کی روایت کتابوں میں منقول ہیں۔

ہمارے مولاناؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اس عظیم اور زندہ دل عمل سے محبت عطا فرمائی تھی، حضرتؒ کا سال ہا سال سے روزانہ صبح اِشراق سے پہلے پہلے تک ایک منزل تلاوت کرنے کا معمول تھا اور اس وقت تک ناشتہ نہ فرماتے تھے، جب تک تلاوتِ قرآن اور نمازِ اِشراق سے فارِغ نہ ہوتے تھے، حافظ نہ تھے لیکن کثرتِ تلاوت کی وجہ سے آیت

زبان پر بغیر کسی تأمل وتفکر کے جاری ہو جاتی تھیں، اوقات میں تو ویسے ہی برکت تھی، چنانچہ نماز کے بعد سے اِشراق تک چار پانچ پاروں کی تلاوت کوئی تعجب اور بے یقینی کی بات نہیں، بلکہ یہ اس مردِ حق کی للّٰہیت اور کتاب اللہ سے اِنتہائی شغف کی علامت ہے اور یہی (کثرتِ تلاوَت) وہ بڑا سبب تھا کہ حضرتؒ اسباق میں قرآن کی آیات بغیر کسی تردّد کے تلاوت فرماتے اور سامعین کو غیر حافظ ہونے کا وہم بھی نہ ہونے دیتے تھے۔

رمضان میں حضرتؒ عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور پہلے چار پانچ دنوں میں دار التصنیف میں کسی حافظ کے پیچھے قرآن سن کر [illegible]ی پر عمل فرماتے تھے۔

حضرتؒ کا معمولات میں اہتمام

شروع میں حضرتؒ کے یومیہ معمولات کا ذِکر ہو چکا ہے جس میں حضرتؒ کے ان معمولات کا بھی کچھ بیان تھا جو ذِکر واذکار، تلاوتِ قرآن اور نفلی عبادت وغیرہ سے متعلق تھے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے ان معمولات کو خاص طور پر علیحدہ اہتمام کے ساتھ ذکر کیا جائے جن کا حضرتؒ بڑا اہتمام فرماتے تھے مثلاً صبح سویرے تہجد کے وقت اُٹھ جایا کرتے تھے اور نماز سے فراغت کے بعد تلاوت شروع فرماتے اور اِشراق کی نماز تک ایک منزل تلاوت فرما لیا کرتے تھے اور آخری دم تک اُس کا اہتمام فرماتے رہے، اس معمول میں ناغہ ہونے دیا اور نہ ہی اس میں کمی کا معاملہ فرمایا۔ اس طرح اذانِ مغرب سے کچھ دیر پہلے مسجد جا کر براجمان ہو جایا کرتے اور اپنے خالق کی درگاہ میں گریہ وزاری فرماتے، پھر نمازِ مغرب کے بعد سے عشاء کی اذان تک دفتر میں ذکر واذکار میں مشغول رہتے، پھر عشاء کی اذان کے دورَان منادِی کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے مسجد تشریف لے جاتے اور جماعت کھڑی ہونے سے پہلے پہلے صلوٰۃ التسبیح سے فارِغ ہو جاتے، حضرتؒ کے یہ [illegible] معمولات ایسے تھے کہ شاید ہی کبھی اُن میں ناغہ ہوا ہو، یقیناً اس میں بڑے درس کی بات ہے اور دیکھنے والوں کو اس میں ایک ایسی صورت آتی ہے کہ جس نے دوامِ عمل کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو، کسی بھی عمل کو شروع کر[illegible] بہت

آسان بات ہے لیکن اُس پر دوام اور ہمیشگی یہ تو خاص اُنہی بندوں کو نصیب ہوتی ہے جو توفیق الٰہی کے ساتھ موید ہوں اور یہی وہ چیز ہے کہ جس کی تاکید سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وَسلم نے اپنی احادیث میں کی، اگرچہ کوئی عمل ظاہری حجم میں چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

اعمالِ صالحہ کی طرف رغبت اور ترغیب

شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب ''گلستان'' جو کہ فارسی زبان میں علم وحکمت اور ادب کا ایک یکتا و نادر روزگار ذخیرہ ہے، ایک حکایت نقل کی ہے، اس حکایت کے جس حصے سے ہمارا کلام متعلق ہے وہ یہ کہ کسی بڑے عالم بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ عالم اور عابد دونوں میں سے کون سا افضل ہے؟ تو بزرگ نے جواب دیا کہ عالم بہتر ہے کیونکہ عابد کی مثال پانی کے بھنور میں پھنس جانے والے اُس شخص کی سی ہے، جو صرف اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرے۔ جبکہ عالم اس گرداب سے نہ صرف خود نجات پاتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی نکالنے کی سعی کرتا ہے۔

اور اگر ہم یوں کہیں کہ ہمارے حضرت مولاناؒ نے ان دونوں صفتوں کو نہ صرف اپنے اندر سمو لیا تھا بلکہ اس سلسلہ میں وہ متعدی بھی تھے تو یہ اس حقیقت سے دور نہ ہوگا جس کا مشاہدہ حضرتؒ کے زمانے میں کھلی آنکھوں کیا جا سکتا تھا اور حضرتؒ کا ایسا ہونا علماء کی اس عوامی طبقے کی فکر سے بھی بہت بعید ہے جو اپنے آپ کو صرف اور صرف علم کی وراثت کا ہی مستحق سمجھتا ہے۔

ہمارے مولاناؒ کا اعمالِ صالحہ پر نہ صرف عمل بلکہ اُن کی پابندی اور دوام کے ساتھ اُن پر کاربند رہنا اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، وہ تہجد، تلاوت، ذِکر و اذکار، تضرع و گریہ زاری اور اتباع سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام پر عمل کے معاملے میں نہ صرف خود دائم العمل تھے بلکہ طلباء کو بھی اس میں اپنے ساتھ لے کر چلنے کے خواہش مند نظر آتے تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں ان کی طرف سے بار بار ترغیب و ترہیب چلتی رہتی تھی، حضرت کو روزمرہ کے چھوٹے بڑے اعمال کے علاوہ ہفتہ واری اعمال کا بھی بڑا اہتمام تھا، مثلاً

جمعہ کے استقبال کے پیش سورۂ کہف جمعہ کی ش میں ہی تلاوت فرمای ت، اسی طرح جمعہ کے دن صلوٰۃ التسبیح قاعدگی کے ساتھ ادا کرنے کا معمول تھا، یہاں ت ت تو ذاتی و شخصی اعمال سے متعلق تھی، لیکن حضرتؒ تو وہ عالم تھے جو شیخ سعدیؒ کی میں دوسروں کے الو بھی سدھارتے ہیں، چنانچہ طلباء کو بھی وقتاً فوقتاً اعمال کی خاموش تحری کے ساتھ جوڑتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایسے ہی کسی جمعہ کی شام میں دورانِ درس طلباء سے پوچھ لیا کہ آج جمعہ کے دن میں تم میں سے کس کس نے صلوٰۃ التسبیح کا اہتمام کیا؟ طلباء نے کا جواب خاموشی کے ساتھ دی؟ تو حضرتؒ نے اپنے قلبی افسوس کی بناء پ چہرہ جھکا لیا اور یوں ہی نصف پون گھنٹے جھکائے رکھا، طلباء بے چین اور مضطرب ہو گئے اور ہر ایک نے دل ہی دل میں آئندہ صلوٰۃ التسبیح کے اہتمام کا عزم کر لیا اور یوں حضرت مولانا رحمہ اللہ کی جھکی و خاموش نگاہوں نے ایک سبق بن کر اپنا کام کر دکھای۔

اسی طرح حضرتؒ تلاوت کے ذاتی اہتمام کے ساتھ ساتھ طلباء کو بھی اس کا حکم فرمای کرتے تھے جس میں روزانہ حافظ کے لیے تین پ روں اور غیر حافظ کے لیے ایک پ رے کا ب مقرر تھا اور اِعلان تھا کہ کوئی طا علم اس کے بغیر درس میں شری نہ ہو، چنانچہ دورۂ حدی ث کے طا علموں کی سکو گاہیں ہر صبح کلام اللہ کے زمزمہ ر نغموں سے گونجتی تھیں۔ اور احقر نے تو یہاں بھی سن رکھا تھا کہ اَ کوئی طا علم تلاوتِ قرآن کے بغیر بیٹھتا تھا تو حضرت مولاناؒ کو اُس کے چہرے سے ا ازہ ہو جا تھا اِسی طرح دورانِ درس جہاں کہیں بھی محبوبِ کبری ء، سرورِ دو جہاں، دِلبر عاشقاں صلی اللہ علیہ وَسلم کا ذِکر مبارک آ جا تو حضرت مولاناؒ کے فرمان کے مطابق طلباء درودِ مبارک کے ورد سے اپنے طن کی کدورتوں کو صاف کیا کرتے تھے اور یوں جامعہ بنوری ٹ ؤن کے دار الحدی ث کا تسلسل روضہ رسول صلی اللہ علیہ وَسلم کے ساتھ ربط رہتا تھا۔

حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی رغبت و غیب کے اس ب میں یہ کچھ تیں کی ہیں وَ نہ توان گوں کی ز گی کا ہر ہر گوشہ قابل تقلید و قابل تحری ہے۔

……

بحیثیت ایک منتظم ومتعلقات

حضرت کی کل ذمہ داریں

(۱): صحیح بخاری شریف کی دونوں جلدوں کی تدریس۔ (۲): جامعہ کے مرکز سمیت ١٦/ شاخوں کا اہتمام واہتمام۔ (۳): وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی صدارت اعلیٰ اور وفاق سے ملحق مدارس کا معائنہ اور نگرانی۔ (۴): شعبۂ تصنیف وتالیف کی نگرانی۔ (۵): وفاق المدارس کے سلسلہ میں اجلاسوں میں شرکت کے لیے اسفار۔ (٦): ذاتی تصنیف وتالیف وترجمہ۔ (۷): سابقہ غیر مطبوعہ مسودوں پر نظرثانی۔

حضرت مولانا اور طلباء کی تربیت

مولانا مرحوم کو طلباء علوم نبوت میں جہاں علمی صلاحیت، لیاقت، اِستعداد وقابلیت، علمی پختگی، رسوخ، مضبوطی، ضبط واتقان پیدا کرنے کی فکر دامن گیر ہوتی تھی، وہاں ان کی عملی اور اخلاقی تربیت کی طرف خاص توجہ رہتی تھی، طلباء کو عادات واطوار، اخلاق و خصائل، صورت، شکل وشباہت، سیرت وکردار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ کی سیرت وکردار کے مطابق بنانے پر زور دیتے تھے، ان میں اِسلامی بقا، دینی تشخص اور اِسلامی اقدار باقی رکھنے کی کوشش کرتے تھے، طلباء کے لیے ایک نیک، صالح، پرسکون اور یکسوئی افزا ماحول اور دِینی فضاء فراہم کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ وہ ہمہ وقت یکسوئی و اِنہماک کے ساتھ اپنے تمام تر اوقات کو بہترین صلاحیت واِستعداد پیدا کرنے کے لیے مصروف رکھ سکیں اور اپنی اَنتھک محنت اور بھرپور کوشش وکاوِش کے ذریعہ اُمت مسلمہ کی قیادت وزعامت کے علمبردار بن سکیں۔

چنانچہ وہ ہر سال اِفتتاحی تقریب میں طلباء اور اساتذہ کے سامنے مفصل خطاب فرماتے تھے، خطاب میں طلباء کو اُن کے واجبات وفرائض، مسئولیات اور ذمہ داریوں کا احساس دلاتے اور جامعہ کے مؤقف، اہداف، اغراض ومقاصد، قواعد وضوابط سے متنبہ کرتے تھے، ان اُمور کی نشان دہی فرماتے تھے جن میں عام طور پر بے اِعتنائی اور

لاپرواہی ہوتی ہے اور جو علمی محرومیت اور خسارۂ عظیم کا باعث بنتے ہیں۔

علاوہ ازیں گاہ بگاہ مختلف مناسبات اور تقاریب مثلاً تقسیم انعامات کے موقعہ پر اپنے قیمتی نصائح اور مواعظ حسنہ سے طلباء کو محظوظ فرماتے تھے، اساتذہ کی مجالس میں جو بیانات ہوتے تھے اُن میں بھی اس چیز پر ترغیب وتشویق مدنظر رہتی تھی، چنانچہ وہ فرماتے تھے کہ اساتذہ کرام کو چاہیے کہ دورانِ سبق کسی مناسبت سے اخلاق وکردار کی دُرستگی اور اِصلاح پر روشنی ڈالیں، پھر اس پر خود بھی عمل پیرا ہوتے تھے، اُن سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے والوں پر عیاں ہے کہ وہ سبق کے دوران وقتاً فوقتاً کسی بھی مناسبت سے عادات وخصائل، اخلاق واطوار کی دُرستگی اور تزکیۂ قلوب سے متعلق نصائح فرماتے تھے، ان کے فکر انگیز اور نصیحت آموز کلمات اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہے ہیں، آج حضرت مولانا موجود نہیں ہیں، وہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکے لیکن اُن کے کلمات و اِرشادات، ملفوظات اور ہدایات لحہ بلحہ ہماری راہنمائی اور رہبری کر رہی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ آپ کے تلامذہ فراغت کے بعد اپنے اپنے علاقوں سے خطوط کے ذریعہ آپ کا شکریہ ادا کرتے تھے کہ آپ دورانِ سبق جو اِصلاحی بیانات فرماتے تھے اُس کا بڑا افادہ ہوا، آپ کے نصائح اور مواعظ حسنہ ہمارے لیے سنگ میل اور مشعل راہ ثابت ہو رہے ہیں، آپ جو دورانِ سبق ہمیں ہماری غلطی، سستی اور غفلت پر تنبیہ فرماتے تھے اُس کی اِفادیت آج ہمیں محسوس ہو رہی ہے، راقم الحروف کو بھی اس طرح کے کئی خطوط ملاحظہ کرنے کا اِتفاق ہوا ہے۔

چلتے پھرتے اگر کسی طالب علم کو غیر اخلاقی اور غیر زیبا شکل وصورت میں دیکھتے تو اسے اُسی وَقت تنبیہ فرماتے تھے، طلباء کو ہمیشہ صف اوّل میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے، صف سیدھی کرنے اور صف کو ہمیشہ درمیان سے شروع کرنے کی طرف خاص توجہ دیتے تھے، ہمیشہ یہ عادت تھی کہ صبح فجر کی نماز کے لیے جماعت سے دس منٹ پہلے مسجد کی طرف روانہ ہوتے تھے اور جو طلباء درس گاہوں کے سامنے یا اندر سوئے ہوئے ہوتے تھے اُنہیں جگاتے اور منتظمین دارالاقامہ کو مطلع فرماتے اور ساتھ

ہی ہدایت دیتے تھے۔

طلباء کولر سے پانی پیتے وقت بڑی بے اِحتیاطی کرتے ہیں، ٹھنڈا پانی کثرت سے ضائع کر دیتے ہیں، جامعہ کے دفتر اہتمام کے سامنے ایک بڑا کولر ہے، جن اوقات میں حضرتؒ دفتر میں تشریف رکھتے تھے اُن کی عقابی نگاہ کولر کی طرف بھی ہوتی تھی، اگر کسی کو پانی ضائع کرتے ہوئے دیکھ لیا تو کسی کے ذریعہ اُسے بلاتے اور تنبیہ فرماتے تھے۔

حضرت بنوری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

> ’’اساتذہ کرام جس طرح کتاب پڑھانے کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں اسی طرح طلباء کی صحیح تربیت کی طرف بھی توجہ دیں اور درس میں اخلاقی و عملی حالت سنوارنے کے بارے میں بیان کرتے رہیں۔‘‘

دورِ اہتمام

حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جامعہ علوم اِسلامیہ کو بعض ناگفتہ بہ اور سنگین حالات پیش آئے، یہاں تک کہ جامعہ کے تمام پیسے منجمد، اِدھر لاکھوں کے ماہانہ مصارِف، لیکن حضرت مولاناؒ کی ہمت، عزم و اِستقلال، اللہ کی ذات پر توکل، بھروسہ و اِعتماد کو صد آفریں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جامعہ کی شان و شوکت، اُس کی ترقی و عروج و اِقبال، اُس کی مقبولیت و اعلی معیار اور اس کی رعنائی و زیبائی میں ذرا فرق آنے نہ دیا، بلکہ اپنے بہت ہی مختصر دورِ اہتمام میں ایسے قابل رشک اِقدامات کیے جسے سن کر اِنسان حیران اور ششدر رہتا ہے، اُن کے دور میں بہت سی شاخوں کا اِجراء ہوا، مختلف شعبوں میں بڑے اہم کام ہوئے، جامعہ کو ظاہری و باطنی ترقیاں اور کامیابیاں حاصل ہوئیں، ذیل میں اُن کی تفصیل ملاحظہ فرمائی جائے۔

۱-شاخوں کا اِجراء

حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سات سالہ دورِ اہتمام میں متعدد شاخوں کا اِجراء کیا جن کے مکمل اِخراجات جامعہ برداشت کرتا تھا، حضرتؒ کی اِنتظامی

خوبی، ہمت وعزم اور بے . کی دُوراندیشی کو دیکھ کر لوگوں کا رُجحان اس طرف بڑھتا جارہا تھا، آئے دِن مختلف علاقوں سے شاخوں کے اِجرا کے لیے تقاضے آرہے تھے، ان کے دورِ اہتمام میں جن شاخوں کا افتتاح ہوا اُن کی تعداد َ ی رہ پہنچ جاتی ہے . . کہ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب . مرحوم کے زمانۂ اہتمام میں پانچ شاخوں کا اِجراء ہوچکا تھا، اس طرح مجموعی طور پر جامعہ کی شاخوں کی تعداد (۱۶) تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت وقتاً فوقتاً شاخوں میں تشریف لے جاتے اور تمام اُمور کا تفصیلی جائزہ لیتے تھے، علاوہ ازیں ہر سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ اِمتحانات میں پوزیشن لینے والے خوش نصیب طلباء میں گراں قدر اِنعامات تقسیم فرماتے اور تمام طلباء کی حوصلہ افزائی فرماتے، نیز اَپنے نصائح اور مواعظ حسنہ سے تمام اساتذہ کرام اور طلباء کو مستفید فرماتے تھے۔

(۲) جامعہ علوم اِسلامیہ للبنات (مدرسۃ البنات)

حضرتؒ نے ایک عظیم یادگار یہ چھوڑی ہے کہ جامعہ کے زیرِ اہتمام ایک طالبات کا مدرسہ کھولا جس میں درجہ ناظرہ قرآنِ کریم سے لے کر شعبۂ عربی کے درجہ عالمیہ یعنی مکمل عالمہ کورس کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کی نگرانی خواتین کے ذمہ تھی، حضرت کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مکمل شعبہ خواتین ہی سنبھالیں۔ ہم ضرورت کے وقت حضرات اساتذہ کرام سے تعاون لیا جاتا تھا، آج اس مدرسہ میں سینکڑوں طالبات زیرِ تعلیم ہیں اور سینکڑوں طالبات درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہوچکی ہیں، شعبۂ عربی میں پڑھنے والی طالبات کی اِستعداد اور صلاحیت بڑھانے کے لیے حضرتؒ نے شعبان ورمضان کی تعطیلات میں دورۂ تفسیر اور دورۂ صرف ونحو وادبِ عربی کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا تھا، جو الحمد للہ کافی حد تک کامیاب رہا، طالبات کی آمد ورفت کی سہولت کی خاطر گاڑیوں کی شدت سے ضرورت محسوس ہورہی تھی، حضرت مولاناؒ نے . ضرورت اور . مستطاع ٔ ی ٔ شروع کیا، اِس طرح جامعہ کو بوقت شہادت تقریباً دس گاڑیاں میسر ہوگئی تھیں۔

(۳) مدرسہ علم وعمل (تعلیمِ بالغان)

جامعہ کے مخلصین واحباب اور دِ نیک طینت حضرات کے بار بار اصرار پر

حضرت مولانا نے تعلیم بالغان کے لیے یہ مدرسہ کھولا تھا، جس میں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء وطالبات اور دیگر خواہش مند حضرات پڑھنے آتے تھے، عمر رسیدہ مرد وخواتین بھی شریک ہوتی تھیں، اس کا نصاب درسِ نظامی کے نصاب سے مختلف تھا، نصاب میں ناظرۂ قرآن کریم، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت وتاریخ، تجوید اور ادبِ عربی جیسے اہم اور ضروری مضامین شامل تھے، مدرسہ کا وقت شام کو تقریباً چار سے چھ بجے تک تھا، آئے دِن پڑھنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی، اس مدرسہ کے اِفتتاح کی غرض و غایت میں یہ بات پیشِ نظر تھی کہ جون جولائی کی تعطیلات میں اِسکولوں اور کالجوں کے طلباء وطالبات دِینی تعلیمات سے بہرہ ور ہوسکیں، چنانچہ مدرسہ میں ان دو مہینوں میں چالیس دِن کا کورس اور عام دنوں میں چار ماہ کا کورس کا سلسلہ تھا، طلباء وطالبات کے لیے الگ الگ کلاسیں لگتی تھیں، کورس کے اِختتام پر باقاعدہ اِمتحان ہوتا تھا اور کامیاب طلباء وطالبات کو گراں قدر اِنعامات اور اسناد سے نوازا جاتا تھا۔

(۴) شعبۂ تصنیف وتالیف

اِس شعبہ میں درج ذیل کام ہوئے:-

۱- کام میں تیزی کے لیے عملہ کی تقرری

حضرت مولاناؒ نے مزید افراد کا تقرر کر کے ‘‘ ’’ کے کام کو آگے بڑھایا، اس میں تقریباً پندرہ جلدوں کا کام مکمل ہوچکا ہے، حضرتؒ نے عہدۂ اہتمام سے قبل ابواب الصوم کے نصف تک کا کام کیا اور اہتمام کی وجہ سے یہ کام تعطل کا شکار ہوگیا تھا، بعد میں اراکین شعبۂ تصنیف نے حضرت مولانا محمد عمیر صاحب ، حضرت مولانا جاوید الرحمٰن صاحب ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب اور راقم الحروف نے ابواب الاحکام تک کام کیا، ان حضرات نے ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ حضرتؒ نے جو کام کیا تھا اس میں حوالہ جات کے ساتھ صرف صفحہ نمبر اور جلد نمبر درج تھا، ان حضرات نے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مسودوں پر ابواب اور رقم ڈالنے کا اہتمام کیا، نیز حضرت کے تراجم وتالیفات کے مسودے جو غیر مطبوعہ ہیں، اُن کی نظرثانی اور تصحیح کے فرائض انجام دیتے تھے۔

۲-تکملہ معارف السنن کی اِبتداء

حضرت علامہ بنوریؒ کی شرح جامع مذی ''معارِف السنن'' جو عظیم شاہکار ہے بے مثال عربی شرح ہے، اُس کے تکملہ کا کام شروع کرا ی، ابواب الجنا میں کام ہو رہا تھا، اس کام میں متعدد مراحل تھے پہلا مرحلہ حضرت مولا محمد زی صا اُستاذِ حدی جامعہ علوم اِسلامیہ اور حضرت مولا ابوا صا دونوں حضرات مسودہ تیار کرتے تھے، دُوسرا مرحلہ: ان دونوں کے تیار کردہ مسودہ پ حضرت مولا ڈاکٹر مفتی م الدین شامزئی صا اور حضرت مولا محمد انور خشانی صا نی فرماتے تھے، تیسرا مرحلہ: آ میں حضرت مولا رحمہ اللہ اُس کی تصحیح فرماتے تھے، شہادت کے سال اہتمام سے وَقت نکال کر دار التصنیف تشریف لاتے اور اس کی تصحیح فرماتے تھے۔

۳-معارِف السنن کی طبا

مختلف اداروں نے معارِف السنن کی طبا کا شرف حاصل کیا، لیکن جامعہ کی طرف سے اُس کی طبا کا اہتمام نہ ہو سکا تھا، حضرت نے اپنے دور میں دار التصنیف کی طرف سے اُس کی کمپوزِ تصحیح، قیم کروائی اور بہت ہی اعلیٰ اور نہای ہی عمدہ معیار پ طبا کا اہتمام کیا۔

۴- کی طبا

کی اب صرف پ نچ جلدیں منصۂ شہود پ آئی ہیں۔ کہ کئی جلدوں کا کام مسودوں کی شکل میں تیار رہے، حضرتؒ نے مزی کام کرا کر نئے سرے سے طبا کا سلسلہ شروع کر دی تھا اور جلد اوّل کی کمپوز اور تصحیح جاری تھی۔

(۵) شعبۂ اِفتاء

جامعہ علوم اِسلامیہ میں یومِ سیس سے آج یہ شعبہ بھی دوسرے شعبوں کی طرح سرَ م عمل رہا ہے، ا رون و بیرونِ ملک سے آنے والی ڈاک اور دستی سوالات

کی بھرمار اور زبانی مسائل کو دیکھتے ہوئے حضرت نے مزید مفتی حضرات کا تقرر فرمایا، نیز ایک نہایت قابل داد اور لائق تحسین کام یہ انجام دیا کہ اس شعبہ میں روزِ اوّل سے جتنے فتاویٰ جاری ہوئے ہیں، اُن کا عظیم ذخیرہ دارالافتاء میں محفوظ ہے، ان فتاویٰ کا یہ بے مثال مجموعہ بطونِ اوراق میں محبوس اور عام نگاہوں سے اوجھل تھا، ان فتاویٰ سے صرف مستفتی حضرات ہی نے اپنے اپنے وقت میں فائدہ اُٹھایا، دِین کے دوسرے طلب گاروں کو اُن تک رسائی کی کوئی صورت نہیں تھی اور اس طرح ان کا افادہ محدود اور خاص ہو کر رہ گیا، لہٰذا انہیں منظر عام پر لانے اور ان کی تبویب، ترتیب وتنسیق کی اشد ضرورت تھی، حضرت مولانا شہیدؒ نے جامعہ علومِ اِسلامیہ کی اس باقیاتِ صالحات کو عام نگاہوں کے سامنے لانے کے لیے بہت ہی عمدہ اور حسن اقدام کیا کہ جامعہ کے دو فاضل تخصص فی الفقہ کو اس کام کے لیے نامزد فرمایا، یہ حضرات دو سال تک حسن اسلوبی سے یہ کام انجام دیتے رہے، وہ ان میں ابواب وفصول کی ترتیب قائم کر کے ہر ہر مسئلہ کو متعلقہ باب اور فصل میں رکھتے تھے تاکہ اِستخراج اور اِستنباطِ احکام کے وقت کسی کو دُشواری اور مشکل پیش نہ آئے اور عوام وخواص اس بحر ذخار سے یکساں فائدہ حاصل کر سکیں۔

۶-شعبۂ حفظ وناظرہ

حضرت مولاناؒ کے دورِ اہتمام میں اس شعبہ میں بھی الحمدللہ کافی حد تک ترقی ہوئی، اس کی نگرانی سخت کر دی گئی، مرکز اور تمام شاخوں کے درجاتِ حفظ وناظرہ کے لیے ایک نگران مقرر کیے گئے، جن کے ذمہ تدریس نہیں ہے، وہ مرکز کے علاوہ وقتاً فوقتاً تمام شاخوں کا دورہ کرتے ہیں، اس شعبہ سے متعلق تمام اُمور کا جائزہ لیتے ہیں۔

۷-شعبۂ کمپیوٹر

حضرت مولانا مرحوم کے دورِ اہتمام میں ایک اہم کام یہ ہوا کہ کمپیوٹر کا شعبہ قائم ہوا، عرصہ سے نشر واِشاعت کے سلسلہ میں اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی بحمدللہ یہ ضرورت پوری ہوئی، اس وقت دو عالم مصروف کار ہیں، ایک عربی کے لیے، دوسرے اُردو کے لیے، اُردو اور عربی زبان میں چھپنے والے ماہانہ رسالے ''بینات'' (اُردو)

اور سہ ماہی ''   ''(عربی)، اور شعبۂ تصنیف و- لیف سے مسودوں کی کمپوزَ· یہیں سے ہوتی ہے، علاوہ ازیں دوسری جگہوں سے کام آتے رہتے ہیں، معارِف السنن کی تمام جلدوں کی کمپوزَ· بھی اسی شعبہ سے ہوئی ہے۔

۸-مجلّہ ''البینات'' (عربی ی۔ ت) کاا۔ ا

حضرت مولا· مرحوم کے دورِ اہتمام میں ای اہم کام یہ ہوا کہ عربی ز۔ن میں رسالہ ''   '' کاا۔ اکیاَ ی ہے، جو سہ ماہی ہے (یعنی ہر تین ماہ کے بعد· - ہے) رسالہ میں ۔صلا ی- اور قابل اسا- ہ کرام کی نگرانی اور سرپرستی میں حالاتِ حاضرہ کے تقاضے کے مطابق علمی اور معیاری مضامین پ- ہیں۔ حضرت مولاؒ کے مضامین بھی اس میں شائع ہوتے رہے۔

۹-شعبۂ کتب خانہ

کتب خانہ کے لیے حضرت مولاؒ نے ای معاون ·ظم کا تقرر کیا اور اس کے و کو عمدہ کیا، اس کے لیے ۔ ی مطبوعہ کتب· ی یں، جن میں اکثر کتب حدی· تھیں جن کو تکملہ معارف السنن اور کشف النقاب کے مراجع ومصادر میں شامل کر دیَ ی ہے۔

حضرت مولاؒ اور - ی- اولاد

اِ ن کے ذمہ صرف خود اپنی اِصلاح ہی وا۔ نہیں ہے بلکہ اپنے گھر والوں، اپنے بیوی بچوں اور اپنے ماتحت جتنے بھی افراد ہوتے ہیں ان ۔ کی اصلاح کر·، ان کو دین کی طرف راغب کر·، ان کو فرائض وواجبات کی ادائیگی کی - کید کر·، حق تعالیٰ شانہ کی · فرمانیوں سے اِجتناب کی - کید کر· بھی اِ ن کے ذمہ فرض ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پ ک میں فرمایا ہے:۔

''   ''

- جمہ: سرورِ دو عالم محمد عربی صلی اللہ علیہ وَسلم نے بھی اپنے ارشادات اور افعال کے ذریعہ سے اپنی اُمت کو اس طرف متوجہ فرما ی، آپ نے فرما ی۔

تم میں سے ہر شخص راعی ہے، نگہبان ہے، ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے قیامت کے روز اس کی ذمہ داری اور نگہبانی کے بارے میں سوال ہوگا، امام یعنی سربراہِ حکومت ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں آخرت میں سوال ہوگا کہ تم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ ان کی کیسی تربیت کی؟ ان کے حقوق کا کتنا خیال رکھا اور مرد اپنے گھر والوں کا، بیوی بچوں کا نگران اور نگہبان ہے، قیامت کے روز اس سے سوال کرے گا کہ بیوی بچے تمہارے سپرد کیے گئے تھے، ان کی کیسی تربیت کی؟ ان کے حقوق کس طرح ادا کیے؟ اور فرمایا:

یہی وجہ تھی کہ ہمارے مولاناؒ اپنی اولاد کی تربیت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، ایسے تو ان کی اولاد کو نجیب الطرفین ہونے کے ناطے نجابت و شرافت اور صلاح و طہارت کا وافر حصہ وراثت میں ملا، پھر مولاناؒ کی غایت توجہ نے ان میں صحیح رنگ لایا، آج ان کی محنت، کوشش و کاوش کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اولاد میں دو صاحبزادیاں حافظہ ہیں اور تین بیٹے حافظ ہیں اور عالم و مفتی کا کورس مکمل کر چکے ہیں، ماشاء اللہ سب کے سب اعلیٰ اخلاق، بلند اوصاف اور عمدہ خوبیوں کے بہترین نمونہ ہیں۔

حضرت مولاناؒ کی بھرپور کوشش تھی کہ تمام بیٹے دینی مزاج و مزاح، اِسلامی اخلاق و کردار اور دینی اقدار میں ڈھل جائیں، ہر بیٹے کے لیے نظام الاوقات بنایا تھا، اس پر تمام بیٹوں کو پابند رکھنے کی کوشش فرماتے تھے، جیسے وہ خود نظام الاوقات کے بڑے پابند تھے ہمیشہ ان کے فعل، ادا اور ہر حرکت کی کڑی نگرانی کرتے اور ان کے تمام معمولات کی دیکھ بھال کرتے تھے، قاری صاحبان اور اساتذہ کرام جن کے پاس وہ پڑھتے تھے اُن سے باقاعدہ رابطہ رہتا تھا، اُن سے ہمیشہ اہتمام سے تعلیمی رپورٹ، حاضری کی شرح اور دیگر اُمور سے متعلق معلومات لیتے۔ علاوہ ازیں خارج اوقات میں نگرانی کے

لیے دوسرے اساتذہ مقرر کیے ہوئے تھے۔

مشورہ کا اہتمام

ہمارے مولانا رحمہ اللہ کی اچھی اور عمدہ خصلتوں میں ایک خصلت یہ تھی کہ وہ جامعہ کے تمام امور اور معاملات میں اپنے رفقاء سے مشورہ کرتے تھے، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ’’ ‘‘آپ معاملات میں ان سے مشورہ کریں اور صحابہ کرامؓ کے اوصافِ حمیدہ میں ’’ ‘‘آپس میں مشورہ کرنا تھا۔

راقم الحروف کا سابعہ کا سال تھا، کسی اہم کام کے متعلق ایک درخواست لے کر درجہ کے چیدہ چیدہ تقریباً (۱۵) پندرہ طلباء حضرتؒ سے دار التصنیف ملنے گئے، راقم الحروف بھی اُن کے ساتھ تھا۔ ساتھیوں نے اپنی درخواست پیش کی تو فوراً رد نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ مشورہ کرلیں گے اور ساتھ ہی یہ آیت پڑھی ’’ ‘‘۔

راقم الحروف کسی مسئلے پر حضرت رحمہ اللہ سے گفتگو کرتا تو وہ اپنے اساتذہ کرام سے مشورہ کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

سزا کا عجیب طریقہ

حضرت مولاناؒ کہیں سے گزرتے تھے تو نظریں نیچی اور آنکھیں بند کر کے نہیں گزرتے تھے بلکہ اِردگرد کے حالات کا جائزہ لیتے تھے، ایک دفعہ آپ درجہ سادسہ کی کلاس کے سامنے سے گزر رہے تھے تو کلاس میں اُستاد نہیں تھے، کلاس میں بعض طلباء بیٹھے سو رہے تھے، حضرتؒ نے اُنہیں دیکھا تو بلا کر اُن کے لیے بطورِ تنبیہ اور بقیہ طلباء کے لیے بطورِ عبرت کے اُنہیں دار التصنیف کے سامنے ایسی جگہ بیٹھنے کا حکم دیا، جہاں سے طلباء اور اساتذہ گزرتے تھے طلباء انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کرتے تھے، اس وقت جامعہ کے شیخ الحدیث بھی دار التصنیف میں کام کر رہے تھے، وہ بطورِ مزاح کے اُن طلباء سے پوچھتے کہ تمہیں کیا ہوگیا ہے تم یہاں پر کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟

حضرتؒ کا مقصد اس سزا سے یہ تھا کہ کلاس ایک مقدس جگہ ہے، جہاں پر آدمی تعلیم

حاصل کرتا ہے، وہیں پر قرآن مجید اور دوسری مقدس کتابیں رکھی جاتی ہیں، جس کا ادب کرنا نہایت ہی ضروری ہے اور طلباء کے لیے کلاس میں سونا، کھیلنا، کودنا اور ہنسی مذاق کرنا مناسب نہیں، چاہے استاد کلاس میں ہو یا نہ ہو، اگر اساتذہ کلاس میں موجود نہ ہوں تو طلباء کو چاہیے کہ وہ اپنے مطالعہ میں مشغول ہو جائیں، ذکر واذکار اور تلاوت کریں جس طرح آلاتِ علم کا ادب ضروری ہے اسی طرح کلاس کا ادب واِحترام کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت مولاناؒ اور جامعہ کے اُمور

حضرت مولاناؒ کو جس طرح اپنے مربی محدثُ العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے حد درجہ کی محبت تھی، ویسے ہی جامعہ کے اُمور سے بے حد دِلچسپی اور لگاؤ تھا وہ اُن میں بڑے شوق اور لگن کے ساتھ مشغول رہتے تھے، چنانچہ اپنے ذاتی معاملات میں تو فرق آ سکتا تھا، لیکن جامعہ کے اُمور میں کوئی فرق نہ آتا تھا، بارہا ایسا ہوا کہ فجر کی نماز کے لیے اپنے گھر سے نکلے اور رات ساڑھے گیارہ بجے واپسی ہوئی، ایک مرتبہ عشاء کے بعد اساتذہ کا اِجلاس تھا، جس میں راقم بھی شریک تھا، اِجلاس کا سلسلہ طویل ہوتا گیا اور رات کے بارہ بج گئے لیکن حضرتؒ آخر تک تشریف فرما رہے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ امامت کا فریضہ تو عام علماء بھی انجام دے سکتے ہیں لیکن جامعہ کے اُمور خاص کر اہم اُمور کو انجام دینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے، اِس کلام سے مقصود حضرت کا اساتذہ کرام کو ترغیب دینا ہوتا تھا۔

حضرتؒ جامعہ کے اُمور کو اِنتہائی دِیانت اور تندھی سے انجام دیتے تھے، جامعہ اور اس کے تحت جتنی بھی شاخیں تھیں، ان کے آپ سرپرست تھے اس وجہ سے آپ کبھی کبھار شاخوں کے جائزے کے لیے تشریف لے جاتے، بعض اوقات تو آپ فجر کی نماز کے بعد ہی نکل جاتے اور فجر کی نماز شاخ میں ادا کرتے وہاں کا جائزہ لے کر واپس تشریف لے آتے، آپ تقسیم انعامات کے لیے بھی مختلف شاخوں میں بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور اپنے ہاتھوں سے طلباء میں اِنعامات تقسیم کرتے اور اُن کی حوصلہ افزائی

کرتے تھے غرض جامعہ کی تعمیر و ترقی میں جہاں حضرت بنوری رحمہ اللہ کا اخلاص وللّٰہیت اور مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کی محنت و کوشش ہے، وہیں حضرت مولاناؒ کا بھی اس میں بڑا ہاتھ ہے، آپ کے عہد میں جامعہ نے تعلیم و تعمیر کے میدان میں زبردست ترقی کی، مدارس والوں نے اپنے مدرسوں کا الحاق جامعہ کے ساتھ کیا، خلاصہ یہ کہ آپ جامعہ کے روحِ رواں تھے، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کے سچے اور پکے جانشین تھے، آپ نے اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جامعہ کی تعمیر و ترقی میں دن رات ایک کیا، جامعہ کے اُمور انجام دینے میں کبھی بیماری آڑے آئی اور نہ ہی کبھی تکلیف و پریشانی نے آپ کا ہاتھ روکا، بلکہ آپ کا مقصود و مطلوب جامعہ کو ایک اعلیٰ معیاری دینی درس گاہ بنانا تھا اور اس کے علمی چشمے سے ایسی نہریں نکالنا تھا، جن سے پورا عالم اپنی علمی پیاس بجھائے، آپ اپنے اس عظیم مقصد میں کامیاب و کامران ہوئے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے لگائے ہوئے پودے کو اپنی شہادت تک محنت سے، کوشش سے، لگن سے اور جذبے سے سیراب کرتے رہے۔

اِدارہ کسی کا محتاج نہیں ہے

ایک مرتبہ کسی نے حضرت مولانا رحمہ اللہ سے کہا کہ حضرت! جامعہ کے فلاں اُستاذ ہیں، اُن کو ادارہ سے کچھ شکایت ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ اِستعفاء دے دیں، حضرتؒ کو ان کی شکایت کا علم تھا، کیونکہ وہ شکایت جامعہ کے مزاج و مذاق کے لحاظ سے وزنی اور قابلِ قبول نہیں تھیں، اِس لیے حضرت نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: اگر وہ استعفاء دے دیتے ہیں تو ہم روک نہیں سکتے، ادارہ کسی کا محتاج نہیں ہے، حضرت بنوری رحمہ اللہ کی برکت سے اللہ ہی اسے چلائے گا (اِن شاء اللہ)۔ حضرت بنوریؒ نے کیا خوب فرمایا:

> ”فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے جس کے لیے مدرسہ قائم کیا ہے اس کو سب کچھ معلوم ہے وہ خود ہی [illegible] اور جس طرح چاہے گا اسباب و وسائل پیدا کر دے گا۔“

حضرت مولانا اور عام عملہ جامعہ

شریعت مطہرہ میں خدام، نوکروں اور ملازموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے

سنت کا حکم ہے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور قول سے اپنی اُمت کو یہی درس دیا، اِس سلسلے میں آپ کے خادم حضرت انسؓ کے ساتھ آپ کا رویہ اور سنت ہمارے لیے زندہ جاوید نمونہ ہے، وہ فرماتے ہیں:''

''ہمارے مولاناؒ پر ربِّ ذوالجلال کی خصوصی عنایت میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ خدام کے ساتھ نیک سلوک، اچھا رویہ، خوش طبعی اور وسعت ظرفی کا معاملہ اِختیار فرماتے تھے، گاہ بگاہ اُن کی مدد و اعانت فرماتے اور دِل جوئی کرتے، اُن کی خاطر مدارت اور ہمدردی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے، اُن کی ضروریات اور حاجات کا مکمل خیال رکھتے تھے، اپنی خوشی اور مسرت کے مواقع پر اُن کو شریک فرماتے اور اُن کی خوشی اور رنج و ملال کے مواقع میں شریک فرما کر اُن کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے حتیٰ کہ بعض ایسی جگہوں پر جہاں بڑے اساتذہ بھی مولاناؒ کے ساتھ نہ ہوتے تھے وہاں خدام کو حضرت کی ہم رکابی اور معیت کا شرف حاصل ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ یہ لوگ جامعہ کے ملازمین ہونے کے باوجود آپ کے ساتھ منسلک رہنے کو باعث سعادت اور قابل اِفتخار گردانتے تھے۔

حضرت مولانا اور اساتذۂ جامعہ

ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے اندر وہ تمام خوبیاں، اخلاقِ فاضلہ اور اوصافِ حمیدہ موجود تھے جو منصب اہتمام اور قیادت کے لیے درکار ہیں، وہ اِنتہائی عمدہ شمائل کے مالک تھے، والدین نے بھی اچھی تربیت کی تھی، وہ اپنی کریمانہ شان اور خداداد صلاحیت سے تمام احباب اور اساتذہ کو مطمئن کر لیتے تھے، اُن کے ہاں ہر استاد کی عزت اور قدر تھی، لیکن اس کی شان کے مطابق۔ لکل'' ''(لوگوں کو ان کے مرتبے میں اتارو) کا منظر تھا کہ کسی کی دل آزادی نہ ہو۔

دورِ اہتمام کی سات سالہ تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں اُنہوں نے کسی استاد یا کسی خادم سے نامناسب روش یا ترش رویہ اپنایا ہو، ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اساتذہ کے مابین ہم آہنگی، اُلفت و محبت، مواخات اور اتفاق و اتحاد کا ماحول اور خوش

گوار فضا قائم رہے اور تمام متعلقین کے آپس میں تعلقات استوار رہیں، جامعہ کے اساتذہ کرام کی خوشی وغم میں مکمل شریک ہوتے تھے، جامعہ کے ایک اُستاذ کی شادی میں تو ہم نے دیکھا کہ ایسا لگ رہا تھا کہ گویا آپ ہی میزبان ہیں، سارا اِنتظام آپ ہی کی سرپرستی میں ہوا۔ بارہا ہم نے دیکھا کہ حضرت کہیں جاتے تو اساتذہ کرام کو یاد فرماتے اور کہتے کہ فلاں کو بلاؤ، فلاں کو بلاؤ اگر کوئی اُستاذ جامعہ میں نہ ہوں بلکہ کسی مسجد میں امام ہوں تو وہاں سے ان کو ساتھ کر لیتے تھے۔

اساتذہ کی تقرری

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وَسلم کی سچ گوئی اور حقانیت کی ان بیسیوں علامات میں سے جن کی آج اُمت مسلمہ کھلے بندوں مشاہدہ کررہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی وہ پیش گوئی بھی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے آخری زمانے میں علم کے اُٹھ جانے کا ذِکر فرمایا ہے، اس حدیث کے مصداق اور اس پر ہونے والے ظاہری وسطحی اِعتراضات اور ان کے جوابات سے ہماری بحث متعلق نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث مبارک کی روشنی میں ہمارے لیے اس بات سے اِنکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ حقیقی علم درحقیقت روبہ زوال واِنحطاط پذیر ہے، خواہ کسی بھی صورت میں کیوں نہ ہو، چنانچہ علم جس کے حاملین پہلے سینے تھے، اب اس علم برداری کی نسبت کتابوں کی طرف منتقل ہوگئی ہے، اس زمانے میں وسیع وضخیم کتب خانے اور کتابیں تو بکثرت ملتی ہیں، لیکن صاحب کتاب خال خال ہی دیکھنے کو نصیب ہوتے ہیں، ہر طرف نشیب ہی نشیب ہے اور فرازیاں نظر نہیں آتیں، اِستعدادوں کو دیمک چاٹ گئی ہے، کسی بھی مضبوط اور پائیدار لکڑی کو پانے کے لیے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، طلباء کے لیے اِطمینان خیز اساتذہ قسمت سے ہی ملتے ہیں۔

علم کے اِس بحرانی دور میں کسی بھی نامور تعلیمی ادارے کے لیے اس کے معیار کے مطابق اساتذہ ومدرّسین کی تلاش کسی گہرے اور اتھاہ سمندر کی گہرائیوں میں بکھرے چیدہ چیدہ موتیوں کی تلاش کے مترادف ہے اور ان دونوں باتوں کا صحیح اِدراک اس

تعلیمی ادارے کے مہتمم یا اس پھیلے سمندر کے غواص کو ہی ہو سکتا ہے، اساتذہ کی تقرری کا عمل کسی کھارے پانی کو نکھارنے کی طرح بہت ہی اِحتیاطی پہلو پر مبنی ہے کیونکہ بات صرف اِستعداد کی یک جہتی پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ کسی ٹھیکری کے برتن کی طرح مدرّس کو اِستعداد، اخلاق، اعمال، عقیدے غرض ہر سے دیکھنا ہوتا ہے اور اس کے لیے ادارے کے منتظم کا ہمارے حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کی طرح گوہر شناس ہونا ضروری ہے ورنہ وہ ادارہ جلد ہی کسی بھیڑ بکریوں کے آوے کا، گھوڑوں، اونٹوں کے اصطبل یا مہذب صورت میں اِنسانوں کے اکھاڑے کا منظر پیش کرنے لگتا ہے جس میں ہر فرد فکری و علمی بے مہاری کا ایک مضبوط ستون بن جاتا ہے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ہمارے حضرت مولاناؒ کے زمانے میں کسی بھی نئے اُستاد کا اِنتخاب بڑے ٹ ے، وقیع اور احسن طریقے سے سرانجام پاتا تھا اور اس میں کسی تعلق یا سفارش وغیرہ کو کا موقع نہیں تھا، کسی بھی اُستاد کا تقریری و تحریری اِمتحان حضرت مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ لیتے تھے جس سے اس کی اِستعداد کا اِتنا صاف اور واضح پتہ چل جاتا تھا جتنا کسی کھڑے پانی میں لکڑی کو ڈال کر اُس کی گہرائی کا، اور اخلاقی اعتبار سے کسی حد تک تو اس کے اس ریکارڈ سے جو اس کو اپنے سابقہ تعلیمی مدرسے سے لانا ضروری تھا اور کسی حد تک ان خفیہ لوگوں سے بھی جو اس اُستاد کو عقیدے، اعمال اور اخلاق کے آئینے میں دیکھنے کے لیے مختلف طریقوں سے یہ خبر گیری کرتے تھے، اس کی ایک دو مثالیں جن کو مرورِ زمانہ نے دماغ کی لوح سے صاف نہیں کیا بیان کیے دیتا ہوں۔

ایک دفعہ کسی دوسرے مدرسہ کے اُستاد نے جامعہ میں تدریس کے لیے درخواست دی تو باقاعدہ اُن کا اِمتحان ہوا، جس میں وہ اپنی اچھی اِستعداد کی بنیاد پر کامیاب ہوگئے، لیکن چونکہ حضرت کی صرف اِستعداد پر نہ تھی بلکہ عقائد کی چھان بین پر بھی توجہ تھی، راقم السطور نے اُن کے سابقہ مدرسے سے معلومات لیں جن کی بناء پر وہ عقیدے کے اِعتبار سے قابلِ اعتماد نہیں تھے، چنانچہ حضرت نے اُن کو رد کر دیا۔ اسی طرح جامعہ کا

ایک فاضل جو حضرت سے بہت قریب رہنے کی کوشش کرتا تھا اور خدمت میں بھی پیش پیش رہتا تھا، لیکن اِستعداد کے اعتبار سے خاصا پختہ نہ تھا، فراغت کے بعد اُنہوں نے جامعہ میں ہی اپنی تعیناتی کے لیے سوچنا شروع کردیا اور راقم الحروف کے پاس آکر حضرتؒ کے ہاں سفارش کا کہا، بندے نے ہامی تو بھرلی لیکن یہ ہامی حقیقت پر پردہ ڈالنے کی قیمت پر نہ تھی، چنانچہ بندہ نے حضرتؒ کے ہاں جاکر مکمل معاملہ بیان کردیا، ان کا جائزہ پہلے ہی ہوچکا تھا، حضرتؒ نے معاملے کی نوعیت کو دیکھنے پ ٠ کے بعد معذرت کرلی اور کسی تعلق کا لحاظ رکھا اور نہ ہی اپنی اِیمان داری پر آنچ آنے دی۔

یں صفات وخصوصیات

حضرت مولاناؒ اور وقت کی قدر

اِن کی دانش مندی اور ہوشیارِی کی بات ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کی اس نصیحت کو ہمیشہ سامنے رکھے جس میں آپ نے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو:

۔(۱): جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، (۲): صحت کو بیماری سے پہلے، (۳): خوش حالی کو افلاس سے پہلے، (۴): فراغت کو مشغولیت سے پہلے، (۵): زندگی کو موت سے پہلے۔

ایک شعر ہے تو بہت مختصر ہے بڑا معنی خیز اور حقیقت آفریں، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ـ صبح ہوتی شام ہوتی ہے	عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت تھانویؒ) نے اسی مفہوم کو اپنے ایک شعر میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان فرمایا، وہ فرماتے ہیں:

رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم	ہو رہی ہے عمر مثل برف کم

ایک برف کا تاجر تھا وہ رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے خریدارو، جلدی آ کر خریدیں وا تم نے دیر کی تو میری یہ پونجی ختم ہو جائے گی اور برف آہستہ آہستہ پگھل جائے گی، پھر ہمارے ہاتھ نہیں آئے گی۔ بالکل اسی طرح انسان کی عمر ہے اس سے کام لیا جائے تو صحیح ہے ورنہ وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے وہ دنیا کے لیے کوئی عمل کرے نہ آخرت کے لیے۔

شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو زمانہ گزر چکا اس کو یاد کرنا عبث ہے اور آئندہ زمانہ کی طرف اُمید کرنا بس اُمید ہی ہے، تمہارے اِختیار میں تو وہی تھوڑا وقت ہے جو اِس وقت تم پر گزر رہا ہے بس اس کی قدر کرو۔

ہمارے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ وقت کے بڑے قدر دان تھے، حضرت کی ہمیشہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، تمام اوقات کو کسی نہ کسی عمل خیر میں مشغول رکھتے تھے، وقت ضائع ہونا حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ پر بہت بھاری ہوتا تھا کبھی حضرت رحمہ اللہ لکھ رہے ہوتے تھے، قلم رُک گیا، نہیں چل رہا ہے، اُس کو ایک طرف رکھ دیا اور ڈبے سے دوسرا قلم نکالا اور لکھنا شروع کر دیا اور فرمایا قلم ٹھیک کرنے میں کون وقت ضائع کرے، ٹھیک کرنے میں جتنا وقت لگے گا، اتنے میں انسان بہت کچھ لکھ لے گا۔

تواضع

ہمارے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے، خالق کائنات نے عجز وانکساری کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، وہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، شہرت، نام ونمود اور ریاکاری سے ان کو بڑی نفرت تھی، راقم الحروف نے بار بار اصرار کیا کہ آپ کی تالیفات اور تراجم میں نام کے ساتھ ''ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیۃ پاکستان'' کے الفاظ بڑھائے جائیں، لیکن حضرت نے شدت سے اِنکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ عہدہ ومنصب آنے جانے والی چیز ہے، آج ہے تو کل نہیں ہوگی۔

حضرتؒ نے چھ مرتبہ صحیح بخاری شریف ختم کرائی لیکن کبھی ختم کی تقریب نہیں کی بلکہ

آخری حدیث شریف کا درس عام اسباق کی طرح دیتے تھے، جامعہ کے اساتذہ کرام اور طلباء کو بھی پیشگی اس کا علم نہیں ہوتا تھا، کسر نفسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ اپنے تالیفی اور تصنیفی اُمور میں ساتھ دینے والے اساتذہ کرام سے مشورہ کرتے، اگر ترجمہ اور تعبیر میں انشراح نہ ہوتا تو ان سے پوچھتے، دورانِ ترجمہ اگر کسی عبارت کے مفہوم میں تسلی اور اِطمینان نہ ہوتا تو اپنے معاونین کو اہل علم سے رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے، چنانچہ حضرت کی کتاب ''عقل اور اُس کا مقام'' کے مسودہ میں ایک جگہ سوالیہ نشان لگایا، راقم نے حضرتؒ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا اس جگہ مجھے ترجمہ میں انشراح نہیں ہے کسی بڑے عالم سے معلوم کرلیں، اگر یہ ترجمہ صحیح ہے تو فبہا ورنہ صحیح ترجمہ کروالیں۔

اِسی طرح آپ کی دوسری کتاب ''حلم و بردباری'' میں کچھ اشعار آگئے، آپ نے فرمایا فلاں اُستاد (جامعہ کے ایک بڑے اُستاد کا نام لیا) سے ترجمہ کروالیں۔ جب کہ وہ خود بھی کرسکتے تھے۔

امامت، نکاح پڑھانا، نمازِ جنازہ پڑھانا وغیرہ اُمور سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، حضرت کے اکثر بیانات وتقاریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے محفوظ کرلی گئی ہیں، راقم الحروف نے بارہا اِصرار کیا کہ اُن کو ضبط و ترتیب کے بعد اِفادۂ عامہ کی خاطر کتابی شکل میں منظر عام پر لایا جائے، حضرتؒ فرماتے تھے اس میں ہے کیا؟ کوئی خاص مواد نہیں ہیں، فائدہ کیا ہوگا، علمی باتیں تو ہے ہی نہیں۔ ہمیشہ فتویٰ دینے اور مسئلہ بتانے سے اِحتیاط کرتے اور دارالافتاء کے اراکین کے سپرد کرتے تھے، حضرت مولاناؒ جب دفتر اہتمام میں تشریف فرما ہوتے اور کوئی فون پر یا بالمشافہہ دینی مسئلہ معلوم کرتا تو دارالافتاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے تھے، اگر ایسے وقت میں پوچھتا جس وقت دارالافتاء بند رہتا ہے تو حاضرین میں جو مفتی صاحبان یا اہل علم بیٹھے ہوتے تھے اُن سے پوچھنے کا حکم دیتے تھے۔

ہمارے مخدوم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ کی ایک اِمتیازی خوبی جس کا مشاہدہ ہوا وہ یہ تھی کہ ہر کام مستعدی، نشاط اور تندہی کے ساتھ انجام دیتے تھے، ہر کام وقت پر انجام دینے کی کوشش فرماتے، خواہ اس کے لیے جتنی بھی محنت کرنی پڑے، وہ

اس کے بڑے مخالف تھے کہ کوئی کام تعطل کا شکار ہو، وہ صبح صلوٰۃ اللیل سے لے کر رات سونے تک جتنے اُمور انجام دیتے تھے شاید ہی کوئی بڑی جماعت انہیں انجام دے سکے، اُن کو دیکھا جاتا تو کبھی ذکر و اذکار میں مشغول ہیں تو کبھی بخاری کے درس اور کبھی دفتر اہتمام میں اُمورِ جامعہ نمٹانے میں مصروف ہیں اور کبھی مطالعہ میں مصروف ہیں کبھی جامع ترمذی کی شرح تکملہ معارف السنن کی تصحیح فرما رہے ہیں، کبھی دار التصنیف میں کشف النقاب کے اُمور کی نگرانی فرما رہے ہیں اور کبھی دیگر تراجم اور تالیفات کی جو مسودے کی شکل میں ہیں، تطہیر فرما رہے ہیں، کبھی مدارس کے معائنے کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں اور کبھی شاخوں کی نگرانی کے لیے جا رہے ہیں اور کبھی ملتان دفتر وفاق تشریف لے جا رہے ہیں اور کبھی بیرون اور اندرون سفر کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔

غرض حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ ہمہ وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتے تھے، دیکھنے والے حیران ہو جاتے تھے کہ آخر اس بندۂ خدا کو آرام و راحت کا وقت کیا ملتا ہے؟ کیا ان کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی؟ یہ عادت حضرت مولانا رحمہ اللہ کی شروع سے تھی، فرماتے تھے کہ '' ''شرح ''صحیح البخاری'' کی ہم نے تصحیح کی تھی، اس طرح کہ رات کو دو دو بجے تک تصحیح کرتے تھے اور جب نیند آتی تھی تو کھڑے ہو کر تصحیح کیا کرتے تھے اور میرے ساتھ مفتی شاہد صاحب (سابق اُستاذِ حدیث) ہوا کرتے تھے۔

اور فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت بنوریؒ نے معارف السنن کی کسی جلد کی فہرست تیار کرنے کی ہدایت فرمائی اور تاکید فرمائی کہ اگلے دن صبح تک پوری جلد کی فہرست تیار کر کے پیش کی جائے میں نے پوری رات پوری جلد کا مطالعہ کیا پھر فہرست تیار کر کے صبح حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی، حضرت رحمہ اللہ بہت زیادہ خوش ہوئے۔

عقل مندی و ذکاوت

حضرتؒ کو جہاں اللہ نے اور بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہیں آپ عقل مندی، ذکاوت، ذہانت اور فہم و فراست کی دولت سے بھی مالا مال تھے، جس کا اندازہ ان ایک

دو واقعات سے بخوبی ہوسکتا ہے، حضرتؒ کا یہ معمول تھا کہ آپ ہر ہفتے جمعہ کی نماز کے بعد پھل فروٹ خریدتے تھے اور خریدتے وقت چند باتوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

(۱): آپ پھل ہمیشہ ٹھیلے والوں سے خریدتے تھے اور فرماتے تھے کہ دکان دار اکثر مہنگا پھل بیچتے ہیں۔ (۲): پھل ہمیشہ پرکھ کر خریدتے تھے۔ (۳): آپ پھل ہمیشہ زیادہ مقدار میں خریدتے تھے اور فرماتے تھے کہ جتنا زیادہ خریدو گے اتنی ہی رعایت ہوگی۔ (۴): آپ پھٹے پرانے نوٹ نہیں دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ لوگ لوگوں کو پرانے نوٹ دے کر خوش کرتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ اساتذہ کرام کے ہمراہ کلفٹن کی طرف گئے، راستے میں خریدنے کا ارادہ ہوا تو حضرت بھٹے والے کے پاس گئے ایک کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ کیا ٹیڑھے ہیں تو والے نے جواب دیا کہ یہ کوئی انسان تو نہیں کہ بالکل سیدھے ہوں حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ انسان بھی تو سیدھے نہیں ہوتے، ایک پٹھان ساتھی بھی ہمراہ تھے انہوں نے والے کو اپنی زبان میں سمجھایا اور حضرتؒ کے بارے میں بتایا تو حضرت نے ان پٹھان ساتھی سے فرمایا کہ چھوڑ دو۔

قبولِ ہدایا سے اِنکار

ہمارے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو لوگ مدارِس اور مساجد کے معائنہ یا کسی مدرسہ یا مسجد کے سنگِ بنیاد کی تقریب یا دوسری مناسبات پر مدعو کرتے تھے، جو لوگ حضرتؒ کے مزاج کو جانتے تھے مجال ہے کہ وہ کچھ ہدیہ پیش کردیں، اگر ایسی جگہ تشریف لے جاتے جہاں کے لوگ ناواقف ہوں تو وہ حضرتؒ کی خدمت میں کچھ پیش کرتے، حضرت فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ: یہ تکلف ہے، اس کی ضرورت نہیں ہے، مدارس کا معائنہ ہمارا فریضہ ہے، ہمارا کام ہے اور کوئی پہلے سے ہدیہ پیش کردے تو قبول نہیں کرتے تھے، یعنی ابھی مدرسہ کے معائنہ کے لیے نہیں گئے۔

مکارِمِ اخلاق

میں درجہ سادسہ میں پڑھتا تھا تو عصر کے بعد میرا یہ معمول تھا کہ میں دار

التصنیف کے سامنے ایک جگہ تھی، وہاں بیٹھ کر مطالعہ کرتا تھا، حضرت مولانا دار التصنیف میں بیٹھ کر تصنیف وتالیف کا کام کرتے تھے حضرت کو کوئی کام پیش آتا، چائے وغیرہ منگوانی ہوتی یا مہمانوں کی خاطر تواضع کرنی ہوتی تو حضرت کے ایک خادم تھے وہ ان امور کو انجام دیتے تھے، ایک دن حضرت کے پاس حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب (جو اُس وقت دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم تھے) تشریف لائے، اس دن خادم موجود نہیں تھے، حضرت نے مجھے بلایا اور پیسے دے کر فرمایا کہ ہمارے لیے جوس لاؤ اور گھر میں پکوڑے سموسے پہنچاؤ، میں جوس کی دکان میں گیا وہاں سے جوس بنوا کر حضرت کے پاس لایا، اس کے بعد میں نے پکوڑے سموسے خریدے، اِنتظام کرنے میں ذرا وقت لگ گیا تھا، اِس لیے جب میں نے حضرت مولاناؒ کے گھر سموسے وغیرہ دیئے تو حضرت کے گھر والوں نے مجھے ڈانٹا کہ: ''کتنی دیر ہوگئی گئے ہوئے اور ابھی لائے ہو''، اس بات کا حضرت مولاناؒ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ گھر میں سامان کافی تاخیر سے پہنچا ہے چنانچہ جب میں حضرتؒ کو بقایا رقم دینے کے لیے گیا تو حضرت مولاناؒ نے مجھے بہت نرمی سے سمجھایا کہ: ''پہلے آپ گھر سامان لے جاتے، اس کے بعد ہمارے پاس لاتے''، عام طور پر طلباء یہ سمجھتے تھے کہ حضرت بہت سخت مزاج ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ بہت ہی نرم مزاج آدمی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقویٰ وطہارت کی بدولت ایک رعب اور دبدبہ دیا ہوا تھا، البتہ حضرت قوانین کے سخت پابند تھے خود بھی عمل کرتے تھے اور دوسروں سے بھی عمل کرواتے تھے۔

حضرت مولاناؒ ایک باکمال شخصیت

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ شہید رحمہ اللہ ایک باکمال شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ہر وہ خصوصیت رکھی تھی جو ایک باکمال شخص میں پائی جاتی ہے، آپ عالم باعمل تھے، عقل مندی، ہوش روی، فہم وفراست اور ذہانت وفطانت کی دولت سے مالا مال تھے، آپ عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں ادیبانہ مہارت رکھتے تھے، آپ کے قلم سے کئی عربی واُردو کتابیں تصنیف ہو کر منظر عام پر آئیں، آپ نے کئی

کتابوں کے عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی ترجمے کیے، آپ ایک عظیم منتظم بھی تھے، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن جیسے بڑے ادارے کا سارا اِنتظام آپ کے ہاتھ میں تھا اور آپ نے اس ذمہ داری کو بہت ہی احسن طریقے سے انجام دیا، آپ ایک قابل محنتی مدرّس ہونے کے ساتھ ساتھ خدا کی مخلوق کی مدد کرتے تھے، اللہ نے آپ کو افہام وتفہیم کا زبردست ملکہ عطا کیا تھا، مشکل سے مشکل سبق کو آسان اور سادہ الفاظ میں مختصر وقت میں سمجھانے کی صلاحیت رکھتے تھے، آپ کی زندگی اخلاص واخلاق، تقوی و طہارت، علم وعمل، دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف جیسے اعمال سے عبارت تھی۔

آپ کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ ان تمام خوبیوں اور صفات کے پائے جانے کے باوجود بھی آپ اِنتہائی درجہ کی تواضع کرتے تھے، اپنے کسی بھی عمل پر ذرہ برابر بھی فخر وغرور نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ کا اِنعام اور اساتذہ کرام کی محنت اور دعاؤں کا نتیجہ سمجھتے تھے، جامعہ کے کسی شعبہ میں ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر فرماتے یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اور ہمارے حضرت شیخ محدثُ العصر حضرت بنوریؒ کی روحانی برکات کا نتیجہ ہے۔

آپ کی زندگی ہمارے لیے قابل رشک اور قابل تقلید ہے۔ جب تک آپ زندہ رہے ایک مجاہد جیسی زندگی گزاری اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت جیسی عظیم نعمت سے نوازا۔

حضرت مولاناؒ اور سادگی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو معاشرت میں یعنی لباس، پوشاک، کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے وغیرہ میں سادگی بہت پسند تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کو اس مزاج کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا اس سلسلے میں ذیل میں چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت مولاناؒ اپنی حکمت وفراست کی بناء پر چاول اور چائے اور اُن جیسی کئی دوسری چیزوں سے احتیاط برتتے تھے لیکن ان [illegible] پرہیز کے باوجود کبھی ہم سفر ساتھیوں کو اس کا احساس نہ ہونے دیا، چنانچہ شہادت سے چند روز قبل پنو عاقل کے ایک مدرسے میں ختم صحیح بخاری کی تقریب میں شرکت کرنی تھی، حضرت مولاناؒ کے ہم راہ جامِ شہادت

نوش فرمانے والے راقم الحروف کے اُستاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ کو بھی اُن کے ساتھ جانا تھا، سفر سے ایک دن قبل اُستاذِ محترمؒ نے احقر سے دریافت فرمایا کہ حضرت ناشتہ میں کیا پسند فرماتے ہیں؟ تو بندہ نے عرض کیا، ایک کپ دودھ اور پاپے، تو اُستاذِ محترم نے فرمایا کہ: بہت سے اسفار میں حضرتؒ کے ساتھ ہم راہی کا موقع نصیب ہوا لیکن کبھی اس کا احساس نہیں ہونے دیا۔

(۲) کورنگی کے مدرسہ ا[illegible]ریہ کے سالانہ جلسہ میں حضرت مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مدعو تھے، راقم کو بھی حضرتؒ کے ساتھ جلسے میں شرکت کی سعادت نصب ہوئی، جلسہ کے اختتام پر دعوت کا انتظام کیا گیا تھا، چنانچہ جب کھانا رکھا جاچکا اور جب لوگ کھانے کے لیے بیٹھ گئے، [illegible] کہ میزبان کو حضرت کے چاول سے پرہیز کا علم نہ تھا، اگرچہ بروقت اطلاع ہونے پر روٹی کا فوراً بندوبست کرلیا گیا لیکن اس سب کے باوجود حضرتؒ اس دوران دیگر مہمانوں کے ساتھ سلاد اور دوسری چیزیں کھانے میں شریک رہے بلکہ روٹی کے تکلف سے بھی [illegible] فرمادیا اور نہ تو کسی کو احساس ہونے دیا اور نہ ہی خود محسوس کیا بلکہ بڑی خندہ پیشانی وخوش روئی اور بشاشتِ طبع کے ساتھ تناول فرماتے رہے، اس طرح راقم نے بارہا مشاہدہ کیا کہ حضرت تصنع اور تکلف سے انتہائی اِجتناب فرماتے تھے بلکہ بڑی سختی سے اس کے مخالف تھے اور سادگی اور بے تکلفی حد درجہ پسند تھی۔

ہم نے انسانوں کو دیکھا ہے

اساتذہ کرام فرماتے ہیں: ہم انسان تو نہیں ہیں، البتہ انسانوں کو دیکھا جی ہاں یہ جملہ بے شمار مرتبہ اپنے بڑوں سے سنا کہ ہم انسان تو نہیں ہیں۔ ہم انسانوں کو دیکھنے کا موقعہ ملا الحمدللہ ثم الحمدللہ ہم نے جامعہ علومِ اِسلامیہ میں حضرت مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی، مفتی احمد الرحمٰن صاحب، مولانا بدیع الزمان صاحب، مولانا سیّد مصباح اللہ شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب شہید رحمہم اللہ کو دیکھا۔

حضرت مولاناؒ اور اِیفائے عہد

پروردگارِ دو جہاں نے جہاں اپنے بندوں کو بہت سے اُمور کی بجا آوری کا حکم

فرمای وہاں ا ئے عہد کا بھی حکم دی کہ اَ کوئی کسی سے وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے، کیو ’’ ‘‘کریم۔ ۔ وعدہ کرت ہے تو پورا کرت ہے چنانچہ اِرشادِ ۔ رِی تعالیٰ ہے:

ـ

پھر نبی دو جہاں صلی اللہ علیہ وَسلم کے اقوال وافعال میں بھی اس کی ۔ کید ملتی ہے کہ وعدہ خلافی ق کی علامت ہے چنانچہ فرمای: ’’

’’ ـ

’’منافق کی تین ں ہیں، ۔ ۔ وعدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور ۔ ۔ بولے تو جھوٹ کلام کرے اور ۔ اما۔ رکھی جائے تو خیا۔ کرے‘‘۔

ہمارے حضرتؒ کے ا۔ ر یہ خوبی بھی موجود تھی کہ وہ وعدہ کے پکے تھے، حضرتؒ کے پ س ہمیشہ ای ڈا ی رہتی تھی جس میں لوگوں سے کیے ہوئے وعدوں کا ا۔ راج ہو۔ تھا کہ آج کہاں جا۔ ہے؟ اور کس وقت جا۔ ہے پھر اس پ سختی سے عمل پیرا رہے تھے، ۔ ۔ شدی عذر نہ ہو پہلو تہی نہ فرماتے تھے، بلکہ ایسا بھی ہوا کہ حضرتؒ سخت بخار سے ہیں، گو۔ گوں مصروفیات ہیں، دفتر میں رش لگا ہوا ہے، لیکن ۔ وقت وعدہ ی دلانے پ تیار ہو گئے، چنانچہ ای مرتبہ ۱۴۱۷ھ بق ۱۹۹۶ء کو کورنگی کراچی میں ای مدرسہ (مدرسہ خیر یہ) کے معا کے لیے وقت دے رکھا تھا، جس دن۔ ریخ طے تھی، حضرت سخت علیل تھے ادھر میز۔ ن ی۔ آ گئے، بعض ۔ ے اسا۔ ہ نے زور دی کہ آپ معذرت کر لیں، لیکن حضرتؒ نے جواب دی کہ وعدہ خلافی ہو گی، آ۔ حضرت معا کے لیے تشریف لے گئے اور راقم کو بھی اپنی رفاقت کے شرف سے ہم کنار فرمای۔

ایسا بھی ہوا کہ رات گئے وعدہ ی دآ ی تو فوراً آمادہ ہو گئے، چنانچہ ای مرتبہ جامعہ کے اُستاذ مولا۔ فہیم الدین صا ۔ کے ہاں اہل خانہ کے ساتھ حضرتؒ کی دعوت تھی اور حسنِ اِتفاق سے راقم بھی بمع اہل خانہ مدعو تھا، حضرت مولا۔ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ دعوت میں۔ خیر سے پہنچے، راقم میز۔ ن کے ساتھ حضرتؒ کے انتظار میں تھا، چنانچہ۔ ۔ رہ

بجے کے بعد حضرتؒ تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ قربانی کا بکرا لینے گئے تھے، تاخیر ہوگئی اور ادھر دعوت کا وعدہ بھی یاد نہ رہا تھا، گھر واپسی پر یاد آیا تو چل دیے۔

اپنے بیانات میں بھی طلباء کو ہمیشہ یہی نصیحت فرماتے اور '' '' والا مقولہ سنا کر سال کے آغاز میں جامعہ کے قواعد وضوابط کی پابندی کرنے کا وعدہ یاد دلاتے۔

امانت داری اور معاملات میں صفائی حضرت مولاناؒ کی نمایاں صفات میں شمار ہوتی ہیں، چنانچہ ایسے حالات بھی آئے کہ حضرتؒ کو اس معاملے میں زبردست تنقید اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا گیا لیکن حضرتؒ نے بڑی پامردی سے ان مشکل حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور خیانت جیسی بدترین خصلت کے دھبے سے اپنے پاکیزہ دامن کو بچائے رکھا، مختلف تنظیموں کے سرکردہ افراد حضرتؒ سے ملتے تھے اور تنظیمی کاموں میں مالی تعاون کی درخواست کرتے تھے، لیکن حضرتؒ اپنی اس پاکیزہ خصلت کی بناء پر ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ ہمارے پاس اس کا الگ فنڈ نہیں ہے، یہ ایک وقف ادارہ ہے، یہاں جو کچھ آتا ہے وہ ادارے کی فلاح و بہبود اور ضروری مصارف میں خرچ ہوتا ہے، چنانچہ معذرت کر دیا کرتے تھے۔

اِسی طرح بعض کبار علماء نے تجویز دی کہ جامعہ کے واسطے کچھ لائسنس یافتہ اسلحہ ہونا چاہیے تاکہ بوقت ضرورت کام میں لایا جا سکے، لیکن حضرتؒ نے یہ فرما کر تجویز رد کر دی کہ اگر کوئی اس کے لیے علیحدہ مستقل فنڈ مہیا کر سکتا ہے تو انتظام کرے، اور مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں، لیکن مدرسے کی فلاح و بہبود کے لیے دیئے جانے والے فنڈ کو اس میں ہرگز نہیں استعمال کر سکتا۔

ایک مرتبہ ایک بڑے عالم نے حضرت سے عرض کیا کہ:

''حضرت فلاں (کسی دوسرے بزرگ کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے) تو ہمارے سر پر ہاتھ رکھا کرتے تھے''۔

تو حضرتؒ نے فرمایا کہ:

''سر پہ ہاتھ رَ ۰ کا کیا مطلب ہے؟ اَ تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تنخواہ کے علاوہ مزی سہولیات بہم پہنچاتے تھے اور اَلگ رَقم دیتے تھے تو ہمارے پ س تو اِس کے لیے اَلگ فنڈ نہیں ہے اور اَ اِس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کے ساتھ شفقت اور ۰ می کا رَویہ اِختیار کرتے تھے اور پیار و محبت کا ہاتھ آپ کے سر پ رَ تھے جیسے یتیم بچوں پ رَکھا جا- ہے تو بتا کہ ہم نے کون سے اُستاد سے . اسلوک اِختیار کیا اور اُن سے سخت لہجہ اپنا یا اور اُنہیں ڈَا ؟ـ''

اور اس سے .ڑھ کر مدرسے کے معا ت میں صفائی اور اما۰- داری کی مثال کہاں ملے گی کہ حضرت جس وقت اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے تو آپ کے ڈیکسوں اور الماریوں وغیرہ میں موجود ساز و سامان، رقم اور دِ اشیاء میں سے ہر چیز پ ایسی تحر ی اور ی دداش- موجود تھی جس سے ان اشیاء کے معا ت کو سمجھنے میں ذرہ . ا. دشواری پیش نہ آئی امانتوں میں ایسی احتیاط اور اہتمام کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے الا ماشاء اللہ۔

ہمارے حضرتؒ .ڑے صا. اور متحمل مزاج تھے، .ڑے .ڑے مصا ٔ . و آلام کے پہاڑ حضرتؒ پ َ ے لیکن اس ۰ ا-س بندے نے ہمیشہ ہر میدان میں صبر و تحمل کا اعلیٰ اور بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے شاَ دوں کو صبر اور وسعت ظرفی کا سبق دی۔

حضرتؒ کے صبر و استقامت کی داستان طویل ہے، آپ کے متعلقین میں سے شای ہی کوئی ایسا ہو جو اس عزیمت و اِستقامت کی کہانی سے ۰ آشنا ہو، حضرتؒ نے اپنے دفتر اہتمام میں، سامنے ڈ پ آ ی- کریمہ'' ''کسی خوش نویسی سے خوش خط لکھوا کر رکھی تھی- کہ ہر وقت اس پ نگاہ رہے، اور مصیبت زدہ قلب کے لیے تسلی کا سامان رہے، بلکہ یہ آ ی- حضرت سے ملنے والوں کے لیے بھی مستقل ای خاموش درس تھی۔

فرا- ایمانی سے بھا۰ پ لیا کہ بندہ کو اس قصہ میں غم اور ۰ن و ل کا سامنا ہے تو فرمانے لگے کہ ہمیشہ یہ .ت ی در کھو'' ''ہر زمانہ میں مختلف

مزاج لوگ ہوتے ہیں، اپنے ساتھیوں سے راحت بھی پہنچے گی اور ایذاء بھی، زندگی اسی کا نام ہے، اس موقع پر صبر اور ضبط سے کام لینا بھی کمال ہے پھر فرمایا ''

''(کہو کہ تم اپنے غصہ میں مر رہو) اور فرمایا کہ ہم بھی اگر ویسے ہی کریں گے تو خدا کی مدد ہٹ جائے گی۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جب بھی مخالفین اور حاسدین کی جانب سے کوئی ایذاء رساں بات پہنچے تو صبر سے کام لینا، اگر ہم بھی ان کی طرح کریں گے اور ان سے انتقام لینے کی تاک میں رہیں گے تو ہمارے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہ رہے گا، اور خدا کی مدد ہٹ جائے گی بندہ جب تک صبر سے کام لیتا ہے، خدا کی طرف سے خصوصی مدد شامل حال ہوتی ہے، لیکن جب صبر کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے اور خود انتقام کی فکر میں لگ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیتے ہیں۔

بالغ نظری و باریک بینی

ہمارے حضرت مولاناؒ بڑے باریک بین تھے، ہر چیز پر بڑی نگاہ رہتی تھی، اگر بیٹھے ہوتے تو اِردگرد کی اشیاء سے بخوبی باخبر رہتے تھے، آگے پیچھے دائیں بائیں ہر چیز کو بڑے و اور سلیقہ وصفائی سے رکھتے تھے اور اگر چل رہے ہوتے تو بھی ہر طرف کو ملاحظہ فرماتے ہوئے چلتے تھے، چنانچہ بیٹھے ہوئے، چلتے ہوئے کہیں بھی قابل اِصلاح بات آجاتی تو فوراً اِصلاح فرماتے تھے کہیں لائٹ جل رہی ہو یا کہیں صحیح صفائی نہ ہوتی ہو یا کوئی چیز غلط جگہ رکھی ہو تو فوراً اِصلاح فرماتے تھے۔

جامعہ اور اس سے متعلق متعدد شاخوں کے رئیس اور منتظم تھے لیکن اعلیٰ سے ادنیٰ تک تمام اساتذہ کی تقرری و معزولی سے لے کر مطعم اور باورچی خانے کے حساب وکتاب تک تمام شعبہ جات کے سے اپنے آپ کو آگاہ رکھنے کی کوشش فرماتے تھے، تاکہ جامعہ کا معیار بلند سے بلندتر ہو اور جامعہ عروج واقبال کی راہ پر گامزن رہے، اور جامعہ اور اُس کی شاخیں کسی بھی نقصان سے محفوظ رہے، چنانچہ وہ جامعہ کے شیخ الحدیث سے

لے کر نظامِ جامعہ تک، جامعہ اس کی تمام شاخوں کے اساتذہ و منتظمین میں اور عملہ کو اُن کے کاموں سے اچھی طرح پہچانتے تھے، پھر ان کی امانت و دیانت داری اور صلاحیت و استعداد سے واقف رہتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرتؒ کو جامعہ کے تمام اُمور پر مکمل کنٹرول حاصل تھا حضرتؒ کے فیصلہ کے بغیر کوئی کام نہ ہوسکتا تھا یہ درحقیقت ایک ادارے کے نظام کو قوی سے قوی تر بنانے اور اسے خلل و بدمزگی اور بدنظمی سے محفوظ رکھنے اور اہل ادارہ کو تشتت وانتشار اور خلفشاری سے بچانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

ہم مسودوں کی بقدرِ مستطاع نظرثانی اور تصحیح کے بعد حضرت کی خدمت میں پیش کرتے تو حضرت ایسی خامیوں پر گرفت فرماتے کہ ہم حیرت کے مارے اُنگلیاں کاٹتے کہ ہم سے یہ خامیاں کس طرح رہ گئیں اور حضرت مولاناؒ کی نگاہ کیسے اُن تک جا پہنچی۔

حضرت بنوریؒ کے متعلق بارہا سنا کہ انہیں روزمرہ استعمال ہونے والی چیزوں کے بارے میں خوب آشنائی حاصل تھی حتیٰ کہ حضرت بنوریؒ کی باریک بینی کا یہ عالم تھا کہ مارکیٹوں میں رائج الوقت اشیاء کے بھاؤ اور قیمت پھر پھلوں کی مختلف انواع واقسام اور ادویات کے اسماء تک یاد ہوتے تھے ہم نے مولاناؒ کے اندر بھی اس خوبی کا خوب مشاہدہ کیا۔

حضرت مولانا کی عمدہ صحت کے اسباب

اِسلام ایک ایسا جامع اور مکمل نظامِ حیات ہے جو نہ تو عیسائیت و بدھ مت وغیرہ کی طرح اِنسان کو عبادت خانوں میں محصور کرتا ہے اور نہ ہی موجودہ بے دین نظاموں کی طرح اس کو شترِ بے مہار قرار دیتا ہے، بلکہ زندگی کے ہر پہلو پر، خواہ اس کا تعلق محض عبادت سے ہو یا دینوی اُمور سے، ہر ہر گوشہ پر روشنی ڈالتا ہے چنانچہ اِسلام نے جہاں روحانی بیماریوں سے شفا کا بیڑہ اُٹھایا تو وہیں اُس نے جسمانی بیماریوں سے بچنے کی طرف بھی راہنمائی کی، خود طب نبوی ایک ایسا موضوع ہے کہ جس پر ان گنت کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یقیناً اگر کوئی مسلمان پورے اِسلام پر عمل پیرا ہو تو آخرت کی خوشیاں تو یقینی ہی ہیں خود دنیا بھی اس کے لیے راحت وسکون کا مکان بن جاتی ہے۔

ہمارے مولاناؒ بڑی عمدہ صحت کے مالک تھے حتیٰ کہ شہادت کے وقت بھی وہ اپنی زندگی کی چون (۵۴) کے قریب بہاریں اِسلام اور مسلمانوں کی آبیاری میں صرف کر چکے تھے، اُن کی داڑھی کے بالوں میں سفیدی کا نام و نشان نہ تھا بلکہ اُن کا منور چہرہ رات کی تاریکیوں میں روشن چاند کی مانند دکھائی دیتا تھا صرف پیشانی کے قریب سر کے بالوں میں سفیدی کے آثار شروع ہوگئے تھے، اس کا سبب سب سے بڑا تو یقیناً معاصی سے بچنا ہے کہ اللہ کے بندوں کی صحت کا راز رضاء اِلٰہی میں ہے، اگر کبھی کسی معصیت کا اِرتکاب ہوجاتا ہے تو اللہ سے دوری کا غم انہیں نڈھال کردیتا ہے اور اس حقیقت کا اظہار خود مولاناؒ نے ایک دفعہ دورانِ درس بڑے واشگاف الفاظ میں کیا۔ جب طلباء نے سوال کیا کہ آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ تو فرمانے لگے کہ: ''صحت کا راز معاصی سے بچنا ہے، گناہ کا خیال دماغ میں لانا تو دور کی بات ہے میں نے گھر میں والدین کی موجودگی میں سخت گرمی میں بھی قمیص نہیں اُتاری۔'' اس سے مولاناؒ کے باحیاء اور بااخلاق ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری پرہیز اور احتیاط کا اہتمام تھا چنانچہ چائے، ٹماٹر، چاول، وغیرہ سے اِحتراز فرماتے تھے اور زیادہ تر تازہ پھلوں پر اِکتفاء کو ہی ترجیح دیتے تھے، اس کے علاوہ دوسری بہت سے چیزوں میں اِحتیاط کو مدنظر رکھتے تھے بلکہ خود اپنی ذاتی حد تک حکیم تھے، چونکہ اُن کے والدؒ بڑے حکیم تھے اور اُن کا مطب بھی تھا، لہٰذا بڑی حد تک اُن کو دیسی دواؤں سے واقفیت حاصل تھی اور چنانچہ کئی دفعہ اُنہیں ہم نے اُن کی دواؤں کے لیے مخصوص الماری کے پاس دوائیاں بناتے بھی دیکھا۔

حضرت مولاناؒ کی دریا دلی

اِبتدائے آفرینش آدم سے بلکہ یوں کہیے کہ جب سے انسان نے معاشرے کی شکل اختیار کی، عموماً یہ رسم چلی آرہی ہے کہ جب کوئی کسی بڑے منصب پر فائز ہوجائے تو اُن کے اِرد گرد مخصوص لوگوں کا ایک گروہ حلقہ کی صورت میں جمع ہوجاتا ہے جس میں کسی دوسرے کو بولنے کا موقع کم ہی ملتا ہے اور شاہی داد و دہش کا مستحق بھی اُسے ہی سمجھا جاتا ہے اور خاص حالات میں یہ کوئی قابل عیب بات نہیں۔

جب دوسروں کے حقوق کی تلافی شروع ہو جائے تو پھر دینی اور دنیوی ہر دو لحاظ سے یہ بات کسی کو نہیں بھاتی بلکہ اس طرف اُنگلیاں اُٹھنا شروع ہو جاتی ہیں اور یہ ضابطہ کچھ ایسا ہے کہ اس میں اِستثناء بہت کم ہے لیکن حضرت بنوری رحمہ اللہ کی نگاہِ سحر اور آہِ سحر گاہی کی بدولت اور خداداد سلیم الفطرتی کی بناء پر ہمارے مولانا رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو ت ی اور موہوبی اِستثناء نے پہلے طبقہ سے ب اکر دیا تھا۔

ہمارے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ کی اِبتدائی زندگی مصیبتوں اور مشقتوں سے عبارت تھی، ت اور تنگی کا زمانہ تھا لیکن ’’ ‘‘ کے بمصداق اللہ نے بعد میں وسعت اور فراخی فرمائی اور اُن کو مستغنی بنا دیا، لیکن حضرت نہ صرف ہر حال میں شکر گزار رہے بلکہ اس کے موجب اور مقتضی پر عمل کر کے بھی دکھایا، چنانچہ جس طرح حضرت کا مال اُن کے خاندان پر خرچ ہوتا تھا اسی طرح اس میں حضرت کے متعلقین، خدام اور دوسرے غرباء کو بھی ایک حصہ ملتا تھا، چنانچہ کسی کی شادی ہے یا کسی کو کوئی سفر درپیش ہے، کوئی حضرت سے ملنے آیا ہے یا حضرت کہیں تشریف لے گئے ہیں، کسی کے ہاں کوئی وفات کا سلسلہ پیش آیا ہے یا کہیں بچے کی ولادت ہوئی ہے، اس دریا دل بندے نے ہر حال میں اپنی ہتھیلی کو کھلا رکھا، خود راقم الحروف کی شادی میں حضرت نے پانچ ہزار روپے کا ہدیہ فرمایا، بلکہ یوں ہوتا تھا کہ حضرت ہر سال متعلقین اور اساتذہ کرام میں ہدایا تقسیم کرتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ مختلف لفافہ جات میں مختلف رقوم رکھ دیتے تھے پھر ترتیب سے نام لکھنا شروع فرماتے اور آ ت لکھتے جاتے، پھر جس کے نام جو ہدیہ ہوتا اس کو فرماتے تھے، اُن کی شہادت کے المناک سا کے بعد ان کی ڈ کی صفائی ہوئی تو ان میں کچھ ایسے ہی مکتوبہ لفافہ جات رکھے تھے اور خوش قسمتی سے اُن میں ایک نام راقم الحروف کا بھی تھا، اللہ اُن کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں بھیجے اور جود میں اللہ کے بندوں کا ٹھکانہ تھا اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کا روزِ محشر میں ملجا و ماویٰ بن جائے۔ آمین

سیر و تفریح

اِسلام کے عین فطری دین ہونے کے جہاں دوسرے بہت سے دلائل ہیں وہاں یہ

بھی ہے کہ اِسلام نے انسان کے فطری وطبعی تقاضوں کا بڑا خیال رکھا، اِسلام کسی انسان کو ایک مشین قرار دے کر اسے کام کے بوجھ تلے ہی نہیں دبائے رکھتا بلکہ اس کو راحت و تفریح کے مواقع بھی مہیا کرتا ہے چنانچہ خود آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کا اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ میں مقابلہ اور مسابقت، اِسلام کو ن.ی د پ ت اور رہبانی دین کہنے والوں کے چہرے پر زبردست طمانچہ ہے۔

ہمارے مولانا نے متاعِ حیات سے کم فائدہ اُٹھایا لیکن اس قلیل عرصہ میں کشف النقاب جیسی بے . ل کتاب اور چھوٹی بڑی بیسیوں کتابوں کا لکھ ی نہ صرف کرامت بلکہ اِشارہ ہے کہ جس سے عقل مند بآسانی ان کی محنت کی رفتار کا اندازہ لگا سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضرت نے اپنے کے حق کو بھی ادا کیا جوان پر تھا کیونکہ منقول ہے:"

"کہ ٹھہر ٹھہر کر اپنے دلوں کی راحت وتسکین کا سامان کیا کرو کیونکہ دل بھی تھک جاتے ہیں تو اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولاناؒ کبھی کبھار بچوں کو اور کبھی اساتذہ کو بھی اپنے ساتھ شہر سے باہر کسی بھی تفریحی مقام پر لے جایا کرتے تھے، پھر اس میں کبھی تو قاسم العلوم . وانی (. چوکی) کا اِنتخاب ہوتا تھا جو کہ حضرت مولاناؒ کی زیرِ سرپرستی ایک بڑا مدرسہ تھا اور کبھی ساکران کے باغات میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اگر بچوں کا ارادہ ساحل سمندر کا ہوتا تو ساحل پر صبح سویرے فجر کے بعد چلے جایا کرتے کہ جس وقت ات سے سمندر کا ساحل پاک ہوتا تھا اور اس میں بسا اوقات اساتذہ کو بھی اپنے ساتھ رکھتے، اسی طرح حضرت کے ہاں اگر کوئی مہمان تشریف لے آتے تو حضرت ان کو بھی سیر کرواتے تھے، اس سلسلے میں حضرت کا ایک ایسا واقعہ کیے دیتا ہوں کہ آج . بھی وہ واقعہ یاد آتا ہے تو اس گزرے وقت کو تصور وخواب محسوس کرنے لگتا ہوں اور آج بھی میرے تصور کی قوت اسے ایسے ہی پ تی ہے جیسے میری آنکھوں نے اس دن مشاہدہ کیا تھا۔

واقعہ کچھ یوں تھا کہ حضرت قاسم العلوم . چوکی کے سالانہ جلسے پر تشریف لے

گئے تھے اُس جلسے میں بلوچستان، اندرونِ سندھ اور بنوری ٹاؤن کے اکثر اکابر مدعو تھے جن میں مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ بھی تھے، شام کے وقت میزبان نے گڈانی ساحل پر جانے کا پروگرام بنایا چنانچہ یہ بزرگ حضرات تشریف لے گئے، وہیں گڈانی میں ساحل کا کچھ حصہ ایسی نوک دار چٹانوں پر مشتمل ہے کہ جن کا اوپری حصہ سمندر کی طرف جھک گیا ہے اور نیچے سے مثلث کے وتر کی مانند پیچھے کی طرف چلی گئی ہیں، ان چٹانوں کا اندرونی حصہ کچھ کھوکھلا ہے اور جب سمندر کی لہریں شدت سے آتی ہیں تو ان چٹانوں کے نیچے اندر تک چلی جاتی ہیں اور وہاں ٹکرا کر بڑی خوفناک آوازیں پیدا کرتی ہیں اور کسی بھی نووارد کا ان سے اچھی طرح سہم جانا بعید نہیں ہوتا۔ میزبان نے ان بزرگ حضرات، مفتی عبدالسمیعؒ و مفتی نظام الدین شامزئیؒ کو ادھر متوجہ کیا چنانچہ جب یہ اُوپر چڑھنا شروع ہوئے تو پیچھے سے کسی نے آواز دی: ”واہ سبحان اللہ“ اس آواز کی شیرینی ابھی تک کانوں میں رس گھولتی ہے اور کیا ہی اس نے خوب کہا: ”آہستہ اور احتیاط سے چڑھیں آپ لوگ قوم کا سرمایہ ہیں“۔

ہائے افسوس کہ ظلم و بربریت کے پنجوں نے ان فرشتہ صفت لوگوں میں سے ہر ایک کا خون کیا اور کسی کو زمین پر باقی نہ رہنے دیا، لیکن کیا ہی عجب ماجرا ہے کہ ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے والے ظلم نے ان کو دوام بخش دیا۔

ہمہ وقت آگاہی

کسی بھی مربی، راہنما یا سربراہ کی حیثیت اور ریاست وحکومت کی پختگی اور مضبوطی اسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر اس کی تربیت یا ریاست کی جڑیں اپنے متعلقین اور عوام میں راسخ اور گہری ہوں، خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ایک سربرآوردہ جماعت کے مربی ومزکی تھے بلکہ ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے حکمران اور سربراہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کو بیک وقت کئی مناصب پر فائز ہونے کے باوجود اپنی پھیلتی جماعت کے نہ صرف ہر ہر فرد سے بلکہ اُس کے احوال سے ہمیشہ آگاہی رہتی تھی اور اُس کا ہلکا سا

ا۰ ازہ کعب بن مالکؓ جو کہ غزوۂ تبوک میں مسلمانوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور غزوہ میں شر ی نہ ہو سکے تھے اُن کی آپ ی سے لگا ی جا سکتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:۔

''غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر ز ی دہ تھی کہ اس غزوہ سے پیچھے رہ جانے والا یہ گمان کرت تھا کہ اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہ چل سکے گا ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے خود ہی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وَسلم کو اس کی اطلاع دے دیں۔

ان کی اور ۰ والوں کی حیرانگی اس وقت ز ی دہ ہو جاتی ہے کہ . آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے تبوک پہنچ کر در ی فت فرما ی کہ ''کعب نے کیا کیا؟ (یعنی لشکر کے ساتھ آ ی ہے، ی وہیں ٹھہرَ ی)''۔

آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی حیاتِ مبارکہ ایسے بیسوں واقعات سے لبر ی ہے، اِس طرح آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے بعد آپ کے جانشین خلفاء راشدین کا بھی یہی حال تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا راتوں میں نکل کر مدینے کی گلیوں کا گشت، ہر کسی کے احوال سے واقفیت اور اس . ب میں مذکور قصے ز . ن زد عام ہیں، تو حاصل یہ ہے کہ سر. اہ کی یں پیش پ دہ و در پ دہ دونوں پ ہوں، . ے کاموں کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے اُمور میں بھی اس کی . اِرا مداخلت اور راہ ئی ہو۔

ہمارے حضرت مولا۰ شہیدؒ ای ایسے ادارے کے منتظم اور مہتمم تھے کہ جو اسلامی درس گاہوں میں چوٹی کے ادارے کے طور پ نہ صرف سمجھا جا ہے بلکہ اُس کی ۰ مات اور وسعت عمل کو دیکھ کر بجا طور پ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اِسلامی اداروں کے ماتھے کا جھومر ہے اور ایسے کسی بھی ادارے کے اِنتظام کی مصروفیت کا ا۰ ازہ ہر وہ شخص لگا سکتا ہے جس کی ایسے اداروں سے وابستگی اور اس کو ان سے ادنیٰ واقفیت ہو۔ لیکن اس قلندر صفت . ۰رگ میں جو خلفائے راشدینؓ کی صفات کی عکاسی ہوتی تھی کہ جامعہ کی بیسیوں شاخوں کے عملے کے اسماء سے نہ صرف آ گاہی تھی بلکہ اُن کے احوال سے بھی گاہے بگاہے مطلع ہوتے رہتے تھے، جامعہ کے تمام اُمور میں چھوٹے ہوں ی . ے، بنفس نفیس شر ی کی از حد کوشش کرتے تھے اور اُن کی نگرانی بلا واسطہ خود فرماتے تھے، اس کی کچھ

مثالیں جو نقش خیال میں ابھی تک کندہ ہیں پیش کرتا ہوں ورنہ تو جن کی کتابِ زندگی کی ہر ہر سطر قابل درس ہو ان سے کچھ سطروں کا اِنتخاب قاری کے لیے مشکل ہوتا ہے۔

مدرسے کے دار الاقامہ کے نگران قیم حضرات کا ماہانہ مشورہ ہوتا تھا خود راقم السطور بھی بطورِ قیم شریک ہوتا تھا، اگرچہ حضرت کی تشریف آوری ضروری نہ تھی لیکن ہمیشہ حضرت تشریف لے آیا کرتے اور آخر تک بڑی دلچسپی کے ساتھ بیٹھے رہتے، اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتے اور عام منتظم حضرات کی طرح نہ تو ایسے اُمور میں اپنی اہانت وہتک تصور کرتے اور نہ ہی اس مصرف کو ضیاعِ اوقات کا سبب سمجھتے بلکہ جس دھن سے ان کو اُن کے شیخ بنوریؒ نے سرشار کردیا تھا اس میں لگے رہتے، اسی طرح مدرسے کے لیے عام دینی اداروں کی طرح سالانہ مہم ہائے قربانی جمع کرنے کا انتظام اور اہتمام تھا اور اب بھی ہے، اس سلسلے میں تقسیم کار کے اُصول کے مطابق مختلف اساتذہ کو مختلف فرائض سونپے جاتے تھے، جن کو وہ بڑی خوش اُسلوبی، دیانت اور فرائض کی ادائیگی کے جذبے سے نمٹاتے تھے لیکن جس سال مولاناؒ کو سفر حج درپیش نہ ہوتا تو بغیر کسی ذمہ داری کے کھالیں جمع کرنے کے مرکزی دفتر میں تشریف لے آتے اور وقت گئے تک نہ صرف تمام امور کی نگرانی فرماتے بلکہ وہاں بیٹھے لوگوں کو شرفِ صحبت بھی بخشتے اور یقیناً ہر چھوٹے بڑے کام کی نگرانی اور اس میں راہنمائی فرماتے۔

یہی وہ نبوی خصائل اور مشکوٰۃ نبوت کی ضیاء پاشی ہے کہ جس کی کرنوں کی روشنی میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے ظلم وجہالت کی اندھیر وادیوں میں ہدایت ونجات کے راستوں کی تعیین کی اور آج بھی اگر کوئی قائد ورہبر یا کوئی امیر جماعت اپنے مطلوبہ ہدف اور مقصد تک رسائی چاہتا ہے تو اس کو اپنی جماعت یا گروہ کے ہر ہر فرد، ہر ہر عضو کی بڑے سے لے کر چھوٹے کام تک، غرضیکہ ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی نگرانی درکار ہوگی ورنہ بڑی بڑی جماعتوں کو بنتے اور پھر تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرتے دیکھا گیا ہے اور اس وقت یقیناً اُمت مسلمہ کی ڈوبتی ناؤ کو چند ایسے ہی افراد بھنور سے نکال سکتے ہیں اور کچھ ایسے ہی حضرات بھول بھلے راستوں کی نشان دہی کرسکتے ہیں۔

موقع شناسی

صلاحیتوں کی تقسیم اللہ کی خاص حکمت کے تحت ہے کچھ لوگوں کو کچھ صلاحیتیں موہوب ہوتی ہیں تو دوسروں کو دوسری بعض صفات کے ساتھ مزین کیا جاتا ہے، اس طرح کچھ لوگ زیادہ صفات کے جامع ہوتے ہیں اور کچھ لوگ کمالات کے حصول کی اس دوڑ میں کچھ پیچھے پیچھے رہ جاتے ہیں، لیکن کچھ ایسے اضافی اوصاف بھی ہوتے ہیں جو چیدہ چیدہ لوگوں میں رکھے جاتے ہیں مثلاً: بعض لوگوں میں یہ صلاحیت اور بصیرت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کے چہروں کے خد وخال، ہلکے سے عملی اشارے یا کسی مبہم سی بات سے اُن کی مراد کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اُن کے مقصود ومطلوب کو بڑی حد تک بھانپ لیتے ہیں، ایسے موقع شناس، حاضر دماغ اور طبیعت بین لوگ کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں اور یہ عموماً وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی ایسی شخصیت کے زیر سایہ ہوتے ہیں جو اُن کے نزدیک انتہائی قابل عزت واحترام اور لائق تقلید واتباع ہو۔ چنانچہ عموماً یہ ان بڑوں کی خوش نودی وراحت کی خاطر رفتہ رفتہ موقع شناور بن جاتے ہیں۔

اس کی سب سے زیادہ قابل بیان اور جس کو خود مولانا نے بھی خصوصاً ذکر کیا وہ مثال ہے جو صحیح بخاری جلد ثانی میں امام بخاری نے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے مرض وفات کے باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ذکر کی ہے اور اس میں بھلا کیا شک ہوسکتا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اس کائنات میں آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی ہستی ہی سب سے زیادہ مقدس اور معظم تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کو بھی تو ان صاحبہ سے وہ خاص تعلق اور محبت تھی جس کی مثال کسی دوسرے میں نہیں ملتی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کے مرضِ وفات کا طویل قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آخری وقت میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم ” “ کا ورد فرما رہے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ایک تازہ ٹہنی لے کر گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وَسلم اس کی طرف دیکھنے لگے، فرماتی ہیں کہ“

”کہ میں بھانپ گئی کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وَسلم مسواک چاہ رہے ہیں تو میں نے اس شاخ کو لیا اور اس کو چبایا اور صاف کر کے آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کو تھما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے بہترین طریقے سے مسواک کی اور یوں آخری دنوں میں بھی اللہ نے میرے اور ان کے لعاب کو جمع کر دیا۔

خیر ویسے تو یہ قصہ ہر حدیث کی طرح اپنے ہر ہر جزء کے اندر گوہر بے بہا پوشیدہ کیے ہوئے ہے لیکن ہمارے اس عنوان کے لیے قابل اِستدلال وہ جزء ہے جس کے الفاظ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی انتہائی ذکاوت، سریع فہمی اور موقع شناوری کو تعبیر کرتے ہیں، وہ آپ کی اُٹھتی نگاہوں سے معانی کو سمجھ لیتی ہیں اور اس مبہم حکم کی بجا آوری میں لمحہ بھر توقف نہیں کرتیں۔

ہمارے حضرت مولاناؒ نے جب یہ قصہ حدیث کے درس کے دوران بیان فرمایا تو طلباء سے بے تکلفی اور دل لگی کی بناء پر تحدیث نعمت کے طور پر اسی نوع کا اپنا بھی ایک قصہ لگے ہاتھوں سنایا، فرمانے لگے:

”ایک دفعہ حضرت بنوری نماز عصر کے بعد مسجد میں بیٹھے فرمانے لگے کہ بھائی وہ ٹائپ کرنے والے ملازم کہاں ہے؟ اور پھر خود ہی فرمایا کہ اب تو وہ بھی نہیں ہوگا ٹائپنگ مشین کے ذریعے کچھ عبارت ٹائپ کرنی تھی“۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:

”میں سمجھ گیا کہ حضرت نے شدید حاجت کی بناء پر کچھ مضمون لکھوانا ہے اور ملازم بھی نہیں ہے میں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور سردست، دست بستہ عرض کیا کہ حضرت لائیے مجھے ہی دے دیجئے میں کچھ کر لاتا ہوں، حضرت نے وہ مضمون مجھے تھما دیا اور میں دفتر آگیا جہاں وہ مشین رکھی تھی۔“

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ:

”میں نے کبھی نہ تو ٹائپنگ مشین کے بٹنوں (Keys) پر اُنگلی رکھی تھی اور نہ ہی اس کا طریقہ معلوم تھا لیکن جیسا کہ وہ مثل مشہور ہے ”ہمت مرداں مدد خدا“ کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا اور کچھ حضرت بنوری کی نسبت وتوجہ کام آگئی اور میں وہ اوراق ٹائپ کر کے لے

آ یا اور حضرت بنوری نے یہ اوراق دیکھے تو انتہائی مسرور ہوئے اور دعا دیں۔"

نام رکھنے میں ذوق واِحتیاط

ایجادات کے اس جدید دور میں انسانی ذہن نئی نو اور ایسی چیزوں کی طرف منتقل ہوگیا ہے جن کے ش رفتگان نے نہ چھوڑے ہوں اور اس میں وہ مفید ومضر کی قید و بند سے آزاد ہوگیا ہے، چنانچہ ہماری روزمرہ زندگی میں جہاں دوسری بہت سی چیزوں میں اس کا مشاہدہ بکثرت ملتا ہے وہیں نام رکھنے میں بھی یہ سوچ جڑ پکڑ گئی ہے، جیسے ہی یہ حضرتِ مولود دنیا میں اپنا چہرہ دکھاتے ہیں، اسی طرح ان کے طفیل لوگ ایسے نئے ناموں سے بھی متعارف ہوتے ہیں جس کی آواز کانوں نے اس سے پہلے نہ سنی ہو، اگر یہ سلسلہ یہاں تک رہتا تو کوئی بڑی بات نہ تھی بلکہ کسی حد تک دلوں کو بھاتی بھی ہے، لیکن افراط وتفریط کا شکار یہ معاشرہ اس معاملے میں معنویت کی حد سے نکل گیا ہے چنانچہ کبھی کبھی تو ایسے بے تکے نام سننے کو ملتے ہیں کہ اگر ان کے معانی معلوم ہوں تو انسان بے اختیار ہنسنے کو ہوجاتا ہے اور ایسے لطیفے اور مضحکہ خیز باتیں دارالافتاء میں تو بہت ہی دیکھنے کو ملتی ہیں اور کبھی ایسے بھی شرکیہ نام کانوں سے ٹکراتے ہیں کہ معاشرہ یکسر اسلام سے قبل جاہلیت کی طرف پلٹتا محسوس ہوتا ہے اور راقم الحروف نے تو قرآن جاننے والوں کے ایک بچہ کا نام "عبدالعزیٰ" تک بھی سنا ہے اور یہ سب کچھ نئی راہوں کی متلاشی سوچ کا شاخسانہ ہے لیکن اگر (معنویت اور جدت) دونوں متوازی حدود میں ہوں تو شرعی اِعتبار سے بلکہ یقیناً پسندیدہ ہے کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام محمد اور احمد بھی دونوں ایسے تھے کہ شاید عرب نے ایسے تخیل میں بھی نہ لائے ہوں۔

شاید ہماری بات مولاناؒ کی سوانح سے دور نکل گئی، چنانچہ ہمیں لوٹ کر حضرت مولاناؒ کی شخصیت کے اس پہلو کو دیکھنا ہوگا جس کا کچھ اوپر ذکر ہوا ہے، ہمارے حضرت مولانا درحقیقت بیک وقت ذوقی ومتقی واقع ہوئے تھے، اپنی زندگی کے دوسرے کئی گوشوں کی طرح نام رکھنے کے سلسلے میں بھی جہاں اُن کا ذوق آڑے آیا تو وہیں احتیاط و جانچ پڑتال کا دامن بھی انہوں نے ہاتھ ہی میں رہنے دیا، وہ نام رکھنے میں جہاں ذوق کی

پیروی کرتے اور کوئی نام تجویز فرماتے تو وہیں اپنی عالمانہ شان کے پیشِ نظر اس کو خوب ناپتے تولتے اور اس کی واضح مثال جس کا حاضر گواہ خود راقم الحروف ہے جو اُن کے نواسے کی پیدائش پر سامنے آئی کہ جب ان کے ہاں نواسہ کی ولادت ہوئی تو نام تجویز کرتے وقت گھر والوں اور خود ذوق کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی اچھا سا مناسب حال اور نام ہونا چاہیے کہ جو بچے کی شخصیت پر اثر انداز بھی ہو تو حضرت نے بڑی سوچ و بچار کے بعد اس کا نام ''عارض'' رکھنے کا فیصلہ فرمایا اور اسے قرآن مجید کی ایک آیت '' '' سے اخذ کیا، عربی زبان میں یہ لفظ بادل کے لیے استعمال ہوتا ہے جو لفظ کی ظاہری خوب صورتی وضع قطع کے علاوہ معنوی طور پر بھی ہے انتہائی لطیف، نیک شگون اور حضرت کے ذوق کا مظہر ہے، لیکن انتہائی باریک بین ومحتاط ہمارے مولانا اپنے کمال علمی سے آیت کے سیاق وسباق کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ ''یہاں یعنی اس آیت میں تو ''عارض'' سے مراد وہ عذاب کے بادل ہیں جو بد قسمت قوم کے لیے بُرا پیغام لائے تھے اور اگر ''عارض'' سے مراد یہی عذاب کے بادل ہی ہیں تو ایک بدشگونی ہوگی اور پھر راقم کے ذمے لگایا کہ عربی زبان کی مشہور لغت ''تاج العروس'' سے دیکھ کر بتاؤ کہ آیا یہ صرف بادلوں کے لیے ہے یا عذاب کے بادلوں کے ساتھ خاص؟ چنانچہ بندہ نے دیکھ کر بتایا کہ یہ صرف بادلوں کے لیے ہی ہے اور آیت میں یہ عذاب والا معنی سیاق وسباق کی وجہ سے ہے چنانچہ حضرت نے اپنے نواسے کا نام یہی رکھ دیا۔

یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ حضرتؒ کی معتدل طبیعت کو ہر معاملے میں اس کا لحاظ رہتا تھا، انہوں نے خود اپنے صاحبزادوں کے نام بھی ایسے مختصر اور جامع رکھے مثلاً ان کے صاحبزادوں کے نام یاسر، فارس اور حارث ہیں جو اُن کی اعلیٰ سوچ اور دھیمی ومیانہ طبیعت کی علامت ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کی عادت

انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسا عنوان ہے کہ جس پر کچھ لکھنے کی احقر کو چنداں ضرورت نہیں کہ اس کے وسیع تر مفہوم کے تحت مؤمن کی زندگی کا ہر لمحہ بھی اسی کے

زمرے میں آجاتا ہے کیونکہ ایمان کے بعد اس کی حیات کا مقصد صرف اور صرف رضائے خداوندی ہے جس کا مظہر مال خرچ کرنے کی صورت میں ہو یا جان پر دینے کی اوڑھنی میں۔

ہمارے حضرت مولانا کے ذاتی انفاق فی سبیل اللہ اور سخاوت وفیاضی کا تذکرہ تو ہم کر چکے ہیں اور اس کا بخوبی بلکہ عملی علم ان کے جاننے والوں کو خوب ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے اُن سینکڑوں شاگردوں کے جن کے وہ مربی بھی تھے دلوں میں اس کا بوٹا لگا چھوڑا تھا کہ عملی زندگی میں یہ پورے بار آور درخت بن جائیں چنانچہ اُن کے درس و وعظ اور دوسری عام مجالس میں اس عنوان پر کافی سننے کو ملتا تھا۔ وہ طلباء کو اس کا سامان اور مقدور بھر نسخہ یہ بتلاتے تھے کہ وہ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت کو اپنی عادات کی فہرست میں طالب علمی کے زمانے سے ہی شامل کر لیں خواہ ماہانہ پانچ دس روپے کیوں نہ ہوں تاکہ وسعت وفراخی میں جانے کے بعد بند مٹھیاں کھولنے میں دقت نہ ہو۔

اسی طرح مدرسے کا عملہ بھی ضمناً آپ کی ذاتِ بابرکات سے مستفید ہوتا تھا بعض اوقات اہل زمین کسی کام کے بعد اس کا بل پیش کرتے تو اس میں کرایہ اور چائے وغیرہ کا بھی حساب کرتے تھے جیسا کہ عموماً کام کرنے والے اہل زمین کی عادت ہوتی ہے اور شاید یہ ان کا حق بھی ہو لیکن حضرت ایسے موقعوں پر بڑے شیریں انداز میں اس عظیم عادت وعبادت کی تبلیغ یوں فرماتے کہ:

''میاں اللہ کے راستے میں کچھ اپنی جیب سے بھی خرچ کرنے کی عادت ڈالو''۔

حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ جملہ جہاں اُن کی تعلیمات عامہ پر دلالت کرتا ہے تو وہیں خود حضرتؒ کی ذات کی بھی بڑی حد تک عکاسی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق حضرتؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

کسر نفسی

وہ کون سی صفت ہے جو مولانا رحمہ اللہ میں نہ پائی جاتی ہو، آپ درس وتدریس

کے میدان کے زبردست شہسوار تھے، اور آپ نے میدانِ تصنیف و تالیف میں قدم رکھا تو آپ کے قلم سے سینکڑوں علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف ہو کر منظر عام پر آئیں اور قبولِ خاص و عام ہوئیں۔ آپ ایک اعلیٰ درجہ کے منتظم اور مدبر تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ بیک وقت جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ تھے۔

ان تمام باتوں کے باوجود آپ اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے تھے، اور نہ ہی کبھی اپنی بڑائی بیان کرتے تھے، بلکہ آپ ہمیشہ تواضع اور کسر نفسی اختیار کرتے تھے، فراغت کے بعد میرا تقرر بطورِ رفیق دارالتصنیف ہوا، تو حضرت نے ایک مرتبہ احقر سے تواضع اور کسر نفسی اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اگر آپ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب کی خدمت میں رہ کر تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو زیادہ فائدہ ہوتا“۔

حضرتؒ کے یہ الفاظ سن کر میں بہت زیادہ حیران ہوا کہ اتنے بڑے مصنف جس کی تصنیفات و تالیف پوری دنیا میں علمی و تحقیقی لحاظ سے مشہور ہوں اور اُن کی تواضع اور کسر نفسی کا یہ حال ہے کہ اپنے کو دوسروں سے کمتر سمجھتے ہوں اور دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو جتنا مٹاتا ہے اللہ اسے اتنا ہی بلند مرتبہ دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتے ہیں اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتے ہیں اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

……

اسفار وغیرہ

شوقِ حرم

انسان کی سرشت کے اجزاء میں سے ایک جز یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی دنیوی چیز سے جلد بے زار ہو جاتا ہے اس کی متجسس طبیعت اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف اور

ای مرحلے سے دوسرے مرحلے کی طرف پھیرتی رہتی ہے لیکن چو . وی استثناء تو عموماً ہر جگہ مل ہی جات ہے لہٰذا ا نی فطرت کے اس گوشے کو بھی اللہ رب العزت نے اس استشنا دے . ی نہیں کیا اور زمین کے بیچوں بیچ ای ایسا خط یوں کہہ لیں کہ ٹ ٹ کے ا ر ریشم کا ٹکڑا لگا دی کہ جس کو دیکھنے والا ہر دفعہ دو . رہ دیکھنے کی خواہش لے کر لوٹتا ہے، جس پ پڑتے ہی بے ساختہ آنکھیں آب دِی ہ ہو جاتی ہیں، جس کو سامنے پ تے ہی پتھر دل پ نی ہو جاتے ہیں، جس کا رہ کر کے ز . ن اس کار کی تعریف میں پ ہو جاتی ہے، خشک بے آب و َی ہ اور ریتیلے صحراؤں کے جلو میں واقع یہ خطہ خشکی کے . وجود دلوں کی تسکین کا سامان ہے اور غم زدوں کے لیے رحمت کا . راں ہے زمین کے نشیب و فراز سے خوش قسمت لوگ اس خطے کا رخ کرتے ہیں اور یہ سلسلہ سینکڑوں سالوں سے آ رہا ہے اور بلا تفریق ان ی ء، اولیاء، عوام و خواص . اس کاروانِ حجاز میں شر کی سعی کرتے ہیں کسی بھی . رگ کی سوانح عمری کا یہ عنوان اس کے لیے ماتھے کا جھومر ہوت ہے بلکہ اس کی دنیوی ز گی کا حاصل اور آ ی ز گی کا توشہ۔

ہمارے حضرت مولا بھی ان . َ ی ہ اور فر درسیدہ لوگوں کی فہر میں ہیں جن کی روح نے دعوتِ ا . اہی کے موقع پ ”“ کہہ کر جواب دی تھا اور شای ای سے زی دہ . ر اپنی رغبت کا اِظہار کیا تھا کہ جس کا صلہ اُن کو کئی حج اور دسیوں عمروں کی صورت میں تھا، وہ دی رِ حرم سے ظاہری بعد کے . وجود وہیں کے ہی ای . سی معلوم ہوتے تھے کہ اُن کا دل ان مقدس گھروں کی ی داور کرے سے لبری اور معمور تھا چلتی پھرتی . ت نہیں آنکھوں دیکھے مشاہدے کی جمانی کر رہا ہوں کہ میری وں سے وہ منظر نہیں ہلتا . ہم حضرتؒ کو ائیر پورٹ پ الوداع کہنے گئے ہوتے تھے ہمارے دل عجمی گھر تھے کہ یہیں کا کرہ چھیڑ رکھا تھا اور حضرت ان مقدس گھروں کے تصور کو اپنا کر ایسی پ سوز آواز میں ” (اِلٰہی! تیری چوکھٹ پ حاضر ہوں)“ فرماتے تھے کہ اس سوز دل کے ساز کو ایسا بیدار کیا کہ آج حضرت کی مفارقت کو دو دہائیوں کا عرصہ َ ر چکا لیکن وہ نغمہ و ساز ابھی ز ہ ہے اور اس سال . احقر کو اللہ کے فضل سے

زیارتِ حرمین نصیب ہوئی تو تلبیہ کہتے ہوئے۔ جب بھی حضرت کی اس آواز کا استحضار ہوتا تو اس انداز کو اپنانے کے لیے بلا ساختہ کئی بار منہ سے ”[illegible]“ [illegible]۔

شاید پہلے کہیں [illegible] چکا ہے کہ حضرت کا ہر سال عمرہ رمضان المبارک میں کرنے کا معمول تھا جس کی [illegible]۔ کچھ ایسی تھی کہ یہ متبعِ سنت [illegible]۔ بزرگ اس عمل میں بھی تراویح میں ختم قرآن کی [illegible] کو جانے نہ دیتے تھے چنانچہ رمضان کے پہلے ہفتے میں کسی حافظ قرآن سے تراویح میں پورا قرآن سن لیتے اور پھر عمرہ کے لیے تشریف لے جاتے اور بسا اوقات عید الفطر کی نماز وہیں ادا کرکے واپس لوٹ آتے اور یوں اپنی عمر مختصر میں دسیوں عمرے اور بارہا حج کی سعادت حاصل کرکے اس بارگاہِ ظاہری سے بارگاہِ حقیقی و ابدی کی طرف کوچ فرما گئے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

بیرونِ ملک سفر

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت ساری صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں آپ کو وعظ و بیان کا ملکہ بھی [illegible] کیا تھا، آپ کا بیان انتہائی عام فہم اور تکلف و تصنع سے خالی ہوتا تھا، آپ نے اساتذہ کے اِصرار پر جامعہ میں ایک اصلاحی مجلس قائم کی تھی، جس میں آپ کا بیان ہوتا تھا، اس کے علاوہ جامعہ کی شاخوں میں بھی آپ کا اکثر بیان ہوتا تھا، نیز آپ بیرونی ممالک کے بھی سفر کرتے تھے اور وہاں پر مختلف اجتماعات سے آپ کا خطاب ہوتا تھا، ایک دفعہ آپ نے افریقہ کا دورہ کیا، جہاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی ایک شاخ بھی قائم ہے، وہاں کے احباب کے اِصرار پر آپ نے افریقہ کا سفر کیا اور وہاں پر مختلف اجتماعات سے آپ نے خطاب کیا، جن کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

اسی طرح ایک دفعہ آپ بنگلہ دیش کے علماء کی دعوت پر وہاں تشریف لے گئے، وہاں پر بھی آپ کے بیان ہوئے، ان میں سے زیادہ تر آپ کے خطبات دینی مدارس کے طلباء کے سامنے ہوئے جن میں آپ نے زیادہ زور طلباء کی تعلیم و تربیت اور موجودہ زمانے میں علماء اور طلباء پر جو دینی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اُن پر روشنی ڈالتے ہوئے

کیا، اس طرح حضرت کا یہ سفر بھی کافی سودمند ثابت ہوا اور جو مقصد لے کر بنگلہ دیش روانہ ہوئے تھے، آپ اس میں کامیاب وکامران ہوئے۔

……

معاصرین سے تعلق

حضرت علامہ بنوریؒ اور حضرت مولاناؒ

حضرت مولانا شہیدؒ کے حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے کیا تعلقات ومراسم تھے، اُن سے کیا نسبت تھی، وابستگی، تعلق اور نسبت کی نوعیت کیا تھی، آپس میں عقیدت، محبت اور اُلفت کی کیا کیفیت تھی؟ ان سوالات کے جوابات اہل علم پر مخفی نہیں۔ ہم اپنی معلومات کی بساط کے مطابق ذیل میں چند حقائق اِحاطۂ تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

عقیدت ومحبت

مولاناؒ کو زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے اُستاذ ومربی حضرت بنوریؒ سے تعلق پیدا ہوگیا تھا، اُن کو حضرت بنوریؒ سے بڑی عقیدت تھی، محبت کا یہ عالم تھا کہ اُن کی ایک ایک چیز حتیٰ کہ اُن کے دستخط تک محفوظ فرمالیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپؒ کے پاس اپنے شیخ کی بہت سی یادگاریں محفوظ تھیں، اُن میں وہ شیفر قلم بھی ہے جس کو حضرت بنوریؒ نے مولانا کو وفات سے پہلے عنایت فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ یہ چالیس سال استعمال کیا ہوا ہے، علاوہ ازیں ہمیشہ اسباق اور درس مجالس میں آپ کی زبان اپنے شیخ کے ذکر سے تر رہتی تھی۔

خدمت

مولاناؒ اپنے شیخ کے ان خاص خدام میں ایک تھے جن سے حضرت بنوریؒ کو سفر میں صحیح آرام وراحت میسر ہوتی تھی اور حضرت بنوریؒ کے مزاج اور طبیعت کو خوب جانتے تھے، راقم السطور کے بزرگ اُستاذ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رقم طراز ہیں:

> ”ایک موقعہ پر حضرت بنوریؒ نے فرمایا: دو ہی آدمی ایسے ہیں جن سے سفر میں صحیح آرام ملتا ہے اور پھر میرے مزاج کو خوب جانتے ہیں، ایک مولانا محمد حبیب اللہ صاحب اور دوسرا اس خادم کی طرف اِشارہ فرمایا۔“ (بینات محدث العصرؒ نمبر)

شرفِ تلمذ

حضرت شہید مرحومؒ کو اپنے اُستاذ و مربی حضرت بنوریؒ سے درج ذیل کتب میں شرفِ تلمذ حاصل ہے (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابن ماجہ

بیرون ممالک میں حضرت بنوریؒ کی خدمت ورفاقت

مولاناؒ جس زمانہ میں جامعہ اِسلامیہ (مدینہ منورہ) میں زیرِ تعلیم تھے انہیں اپنے شیخ کی خوب خدمت کے مواقع میسر آئے، شیخ کی خدمت کے جذبے اور ولولے کا یہ عالم تھا کہ دورانِ سال کسی ایسی چیز پ ڑ جاتی جو اپنے شیخ کے مزاج وطبیعت کے موافق ہو اور شیخ اُسے دیکھ کر خوش ہوں، خرید کر رکھ لیتے تھے، پھر شیخ حرمین کی زیارت کے لیے تشریف لاتے تو خدمت میں پیش کرتے اور دعا لیتے، ایسا بھی ہوا کہ اپنے شیخ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں معتکف ہوتے، حضرت بنوریؒ مولاناؒ کو تاکید کرتے تھے کہ اپنا بستر اُن کے بستر کے ساتھ لگائیں۔

‘‘ ’’کے لیے حضرت مولانا کا انتخاب

ابھی آپ جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں زیرِ تعلیم تھے کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ نے آپ کو اس عظیم تحقیقی کام کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ فرماتے ہیں:

> ‘‘حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ اس قیمتی کام کے لیے بے چین تھے، میں جس زمانہ میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں زیرِ تعلیم تھا مجھ سے بارہا فرمایا کہ ‘‘ ’’ کا کام بہت اُونچا کام ہے اور اس کی ضرورت بہت ہے، دل چاہتا ہے کہ آپ اس کام کو کریں، جامعہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا کہ: مزید تعلیم کے نام سے جامعہ یا کسی اور ادارہ میں جانے کی ضرورت نہیں ہے آپ فوراً یہاں آجائیں، حضرت بنوری نے گرامی نامہ کے آخر میں یہ بھی تحریر فرمایا:
>
> ’’۔

یہ چند حقائق ہیں جو نمونہ کے طور پر مدعی کے ثبوت کے لیے پیش کیے گئے ہیں، ورنہ نہ جانے اس قسم کے کتنے واقعات پیش آئے ہوں گے۔

کبار اساتذہ کی رائے

یہی وجہ تھی کہ مولانا رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد بعض کبار اساتذہ فرمانے لگے کہ:

''حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ رحمہما اللہ کے اندر تین باتیں مشترک تھیں:

(۱): ہر کام میں مستعدی، پھرتی، تندھی، یعنی دونوں حضرات ہر کام کو اِنتہائی مستعدی اور تندھی کے ساتھ انجام دیتے تھے، اُن کے پاس کوئی کام رکتا نہیں تھا۔

(۲): دونوں حضرات کی آراء بڑی وقیع اور قابل قبول ہوتی تھیں۔

(۳): دونوں حضرات سفر و حضر میں کام کرتے ہوئے کبھی بھی تکان اور تھکاوٹ محسوس نہ فرماتے تھے۔''

مولاناؒ کا معمول تھا کہ روزانہ اذانِ مغرب سے پہلے مسجد میں جاکر صف اوّل میں دائیں جانب بیٹھ جاتے تھے، اور کوئی تصنیفی کام اپنے ساتھ لے لیتے اور صف میں بیٹھ کر اذان تک مصروفِ عمل ہوتے گویا مولاناؒ '' '' کی عملی تفسیر تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مولاناؒ قلیل عرصہ میں وہ کام کر گئے جو ایک جماعت بھی نہیں کرسکتی، ایسی ہی شخصیات کے بارے میں حضرت بنوری رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا: ''کبھی ایک شخص اِتنا کام کرتا ہے جتنا کہ ایک جماعت نہیں کرسکتی۔''

حضرت کا اپنے شیخ و مربی سے والہانہ تعلق

عہد رسول صلی اللہ علیہ وَسلم میں ایک قریشی جاسوس مخبری کے واسطے اسلامی لشکر میں پہنچا اور جماعت صحابہؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم پر وارفتگی اور عشق و محبت کو دیکھا تو حیرت و یاس میں ڈوبے اس قریشی جاسوس نے واپس جاکر قریش سے کہہ دیا کہ جس سردار پر اس کے اصحاب اس والہانہ اعتقاد سے ٹوٹ کر مرتے ہیں، ان کو شکست دینا تمہارے بس کا کام نہیں، اس بات سے میرا مقصد اسلامی لشکر کی فتوحات کو بیان کرنا نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ اپنے مربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم سے غایت تعلق اور صحبت ہی ایسی چیز تھی کہ جس نے عرب کی وحشی قوم کو تہذیب و معاشرت کے معراج پر

پہنچایا اور بغیر کسی رسمی تعلیمی ادارے کے اُن کو معیار قرار دیا، اپنے شیخ اور مربی کے ساتھ کسی بھی سالک راہ کا تعلق جتنا زیادہ مضبوط ہوجاتا ہے اس قدر وہ حقیقت ومعرفت اور انوارات و برکات کے مشاہدہ میں ترقی کے زینے طے کرتا جاتا ہے، اور یہ خاصہ دینی امور میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں کسی بھی کام کو کرنے کے واسطے استاد کے دروازے پر دستک دینا پڑتی ہے خود ایک نامور یورپی سائنس دان نے ایک مرتبہ اس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

> ”میں نے کچھ عرصے میں اپنے استاد سے وہ کچھ سیکھا ہے کہ اگر میری ساری عمر سائنسی کتابوں کو کھنگالنے میں صرف ہوجاتی تو بھی میں اس کو نہ پاسکتا“۔

ہمارے حضرت مولاناؒ کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، اُن کو اپنے اُستاذ و مربی حضرت بنوریؒ سے ایسا تعلق تھا کہ وہ خال خال ہی دیکھنے کو ملتا ہے حضرت کی زبان حضرت بنوری کے ذکر سے ہی تر رہتی تھی اور کسی بھی معاملے میں حضرت بنوری ان کے لیے سب سے بڑی دلیل تھے، حضرت سے تعلق قائم ہوا تو ایسا کہ آخر دم تک حرز جان بنائے رکھا اور اگر کبھی کسی نے ان کی یا ادارے کی تعریف کی تو فوراً اس کی نسبت یہ کہہ کر حضرت کی طرف کردیا کرتے تھے کہ یہ تو حضرت بنوریؒ کی محنت اور اُن کی روحانیت کی برکت ہے، اپنے استاد کی تمام صفات کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا، حضرت کے مزاج کے آئینہ دار تھے، پوری زندگی اسی نہج پر گزار دی جس پر ان کے مربی ان کو چھوڑ گئے تھے، اگرچہ حضرتؒ سے بیعت کا تعلق نہ تھا لیکن شاید محبت شیخ سے بھی بڑھ کر تھی۔

حضرت بنوری نے ان کو ایک قلم ہدیے میں عطا فرمایا تھا اس قدردان بندے نے اس یادگارِ شیخ کو آخر دم تک سینے سے لگائے رکھا کہ یہ میرے مربی کا قلم ہے اور تو اور حضرت بنوری کے دستخط بھی فرطِ محبت سے کچھ یوں سیکھ رکھے تھے کہ اگر حضرت بنوری بھی دیکھتے تو شاید اِمتیاز نہ کرپاتے بلکہ اپنے مربی کے دستخط کے کئی نمونے کاٹ کر محفوظ کر رکھے تھے اور حضرت کی وفات کے بعد انہی کو دیکھ کر دل بہلانے کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

حضرت بنوری کا تذکرہ نجی اور عمومی مجالس میں کچھ اس کثرت سے کیا کرتے تھے

کہ دنیا والوں کے لیے حضرت ایک چلتی پھرتی شخصیت کے طور پر اُبھر گئے تھے اور کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ ہمارے خیال میں شاید حضرت بنوری کی اپنے شیخ سے محبت کی حق ادائی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے ان کو ایسا جانشین فرمایا جو زمانہ میں اُن کی یادگار کے طور پر بے چین قلوب کی تسکین کا سامان بنے۔ خود حضرت بنوری کی اپنے شیخ سے سچی اور پاکیزہ محبت کے قصے اس طرح کے ہیں کہ اُن کو سننے کے بعد لیلیٰ مجنون اور ان جیسے دوسرے قصے بے معنی سے لگتے ہیں، خیر وہ تو حقیقت سے زیادہ افسانے ہیں لیکن ایسا سچا اور پاکیزہ تعلق بھی خال خال ہی دیکھنے کو ملتا ہے، حضرت بنوری بھی اپنے شیخ کے ذکر میں ایسے رطب اللسان تھے کہ کئی بڑے بڑے اکابر جس میں جامعہ کے اُستاذِ حدیث حضرت مولانا محمد اِدریس میرٹھی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر ان کے پاس صرف اسی بنا پر آئے تھے کہ ان کے پاس جا کر ان کو اپنے بے مثال استاد کی مثل آتی ہے۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ مجھ سے کوئی حضرت شیخ (حضرت سیّد انور شاہ کشمیریؒ) کے متعلق پوچھے تو میں یہ کہوں گا ” “ لیکن ” “ کے معنی یہ ہوں ” “۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے ابوداؤد شریف امام العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہٗ سے پڑھی ہے، اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وَسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، دیکھتا ہوں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وَسلم سے ابوداؤد شریف پڑھ رہے ہیں، بے اِنتہا مسرت ہوئی، وہ نقشہ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہے، صبح کو میں نے حضرت شیخ قدس سرہٗ کی خدمت میں یہ خواب عرض کیا، فرمایا کہ: آپ کا پڑھنا قبول ہوگیا، یہ مقبولیت کی بشارت ہے۔

اور ہمارے خیال میں یہ بات کچھ یہیں تک ہی محدود نہیں بلکہ پاکیزہ اور سچی محبت، وفاء اور خلوص؛ خواہ کسی بھی سے ہو، اس کی مثالیں اس سدا بہار اُمت میں ڈھونڈنی مشکل نہیں ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم کو حضرت خدیجہؓ سے ایسی محبت تھی کہ اُن کی فرقت کے بعد اگر کبھی اُن کا تذکرہ چل پڑتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وَسلم

بڑی کثرت اور مٹھاس زدہ زبان سے اُن کے خصائل واحوال بیان فرماتے حتیٰ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں یہ خیال ہونے لگتا کہ شاید بیوی تو خدیجہؓ ہی ہیں۔

بات دور چل نکلی، حاصل یہ کہ حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے اپنے شیخ سے غایت تعلق نے ہی اُن کو اس اُونچے مقام پر فائز کیا جس کو دیکھ کر تمنا ہی کی جا سکتی ہے۔

تحریکوں سے وابستگی

دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں سے وابستگی

رہبر اُمت ہونے کے ناطے یوں تو حضرت کی ہر اس تحریک کے ساتھ تھی جو اسلام کے کسی بھی شعبے کے احیاء کے واسطے روئے زمین کے کسی بھی کونے میں سرگرم عمل ہو لیکن آپ کا قلبی رُجحان اور ظاہر عمل مروّجہ تبلیغی جماعت کے ساتھ محبت اور لگاؤ کا ثبوت دیتا تھا، کیونکہ جماعت اس زمانے میں بغیر کسی ریا وفساد کے محض خالصتاً اللہ رب العزت کا پیغام اس کے بندوں تک ابتدائے مشرق سے انتہائے مغرب اور شمال سے جنوب تک پہنچا رہی ہے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی سے نہ صرف اس کے حمایتی بلکہ ایک عملی کارکن بھی تھے اور جماعت میں کئی چلے لگائے تھے، والد ماجدؒ تو پکے تبلیغی تھے، مولاناؒ فراغت کے کچھ دن اس دعوتی کام میں صرف کیا کرتے تھے۔

اپنی ابتدائی تدریسی زندگی اور اس کے بعد دورِ اہتمام میں بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد میں کبھی کبھار بطورِ خاص دعوت وتبلیغ کے عنوان سے بڑا جامع بیان کیا کرتے تھے، جس میں اسی عظیم دعوتی کام کا تعارف اور اس کے فوائد وثمرات سے طلباء کو آگاہ فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ساتھ اس شعبے میں کام کرنے کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے، سال کے آخر میں دورۂ حدیث والوں کو سال اور نچلے درجات والوں کو چلے میں جانے کی دعوت دیتے اور یہ ترغیب ودعوت کچھ زبانی کلامی باتوں پر ہی موقوف نہ تھی بلکہ اس ترغیب کا بڑا حصہ اُن کا عمل بھی تھا، چنانچہ رائے ونڈ اور کراچی کے سالانہ اِجتماعات میں شرکت کا بڑا اہتمام اور رغبت تھی اور اس جماعت کے اکابر سے خصوصی مراسم بھی تھے

جن میں حضرت مولانا سعید احمد خانؒ، حضرت مفتی زین العابدینؒ اور حضرت حاجی محمد عبد الوہاب مدظلہٗ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت جی ثالث مولانا محمد اِنعام الحسن کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد زبیر الحسنؒ سے بھی ملاقاتیں فرماتے تھے۔

بعض اوقات کوئی شخص تحریکی جماعت سے شدتِ وابستگی اور اس کا فعال کارکن ہونے کی بناء پر عموماً دوسری جماعتوں پر تنقید کر بیٹھتا ہے یا ویسے ہی اختلافِ فکر کی بناء پر کسی جماعت کے بارے میں سخت رویہ اپناتا ہے اور یہ ایک عمومی بلکہ فطری بات ہے اور کوئی مضائقہ بھی نہیں بشرطیکہ اخلاقی حدود سے تجاوز نہ ہو، اور ہمارے تعلیمی اداروں میں خواہ وہ دینی تعلیم کے علمبردار ہوں یا عصری تعلیم کے نام لیوا ہوں، عموماً یہ سلسلہ بکثرت ہوتا ہے، چنانچہ ایک دفعہ جب اُنہیں کسی ایسی ہی خبر کی اِطلاع ہوئی کہ کسی صاحب کی طرف سے تبلیغ کے متعلق اسی نوع کی کچھ چہ میگوئیاں ہوئی ہیں اور اِعتراض و تنقید کا سلسلہ [illegible] ہے تو اساتذہ کی مجلس میں بڑی برہمی کا اِظہار فرمایا اور فرمانے لگے:

> ”جامعہ کے ۱۱/درجات میں سے آخری ۲/درجوں کے سوا باقی [illegible] درجات میں پڑھنے والے طلباء وہ ہیں جو شہر سے آتے ہیں (جامعہ بنوری ٹاؤن میں ابتدائی ۹/ درجات یعنی سادسہ تک رہائش کا انتظام نہیں ہے ان میں صرف شہری طلباء پڑھتے ہیں) اور ان کے دینی تعلیم کا واحد اور بڑا سبب یہی تبلیغی جماعت ہی تو ہے کہ ان کا تعلق تبلیغی گھرانوں سے ہوتا ہے“۔

اور یقیناً حضرت نے بجا فرمایا کہ اس دور میں یہی وہ جماعت ہے جس سے عوام الناس کا ہر طبقہ متعلق ہے اور یقین ہے کہ یہ اسی دعوتی جماعت کا مصداق ہے جس کے بارے میں پیش گوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ صدیاں پہلے کر دی تھی۔

اپنی کتاب ”تربیت اولاد اور اسلام“ میں لکھتے ہیں:

> ”یہ بھی بچے کی شخصیت کی تکمیل کا بنیادی عامل ہے کہ اس میں دعوتِ دِین اور دِین کی سربلندی کی حرکت پیدا ہو اور وہ اس سلسلہ میں داعی بنے، صبر کی عادت پڑے اور دین کے سلسلہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرے، یہ اس کی عادت بن جائے اور اس کی صحیح شخصیت سازی ہو اور وہ حق کا سچا سپاہی اور دعوت وتبلیغ کا مردِ مجاہد بن جائے“۔

حضرت مولانا اور جہاد

حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ دورانِ تعلیم طلباء کو زیادہ میل جول اور تنظیموں کے ساتھ وابستگی سے منع فرماتے تھے اور طلباء کے لیے تنہائی، اِنفرادیت اور یکسوئی کے حصول پر زور دیتے تھے۔ کہ طلباء کی پوری توجہ اپنے مقصودِ اصلی (اعلیٰ تعلیم) کی طرف ہو، لیکن وہ طلباء جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تبلیغی اور جہادی سرگرمیاں جاری رکھتے تھے ان کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی ہی نہیں بلکہ سرپرستی بھی کرتے تھے، مولاناؒ کو جہاد اور مجاہدین کے ساتھ خصوصی لگاؤ اور محبت تھی، مجاہدین کی دل سے قدر کرتے تھے، اور مجاہدین کے راہنماؤں کے ساتھ خصوصی اور گہرا تعلق تھا اور ایک دفعہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے جلسے میں عظیم طالبان راہنما حضرت مولانا جلال الدین حقانی دامت برکاتہم العالیہ کو مہمانِ خصوصی کے طور پر مدعو کیا اور جب وہ تشریف لائے تو آپ نے ان کا شاندار اِستقبال کیا، آپ خود بھی مجاہد تھے اور مجاہدین سے محبت بھی کرتے تھے۔

ایک دفعہ جب رُوس افغان مجاہدین سے شکست کھا کر اپنے ملک کی طرف بھاگ گیا اور افغانستان میں امارتِ اِسلامیہ قائم ہوگئی تو آپ نے اپنے مدرسے سے جامعۃ العلومِ الاسلامیہ کے اساتذہ کے ہمراہ ششماہی امتحان کی چھٹیوں میں افغانستان جانے کا پروگرام بنایا اور جب چھٹیاں ہوئیں تو باقی اساتذہ بذریعہ کوچ افغانستان کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت مولاناؒ نے چونکہ کوئٹہ بذریعہ جہاز جانا تھا اس وجہ سے آپ تاخیر سے روانہ ہوئے، چنانچہ اساتذہ کا قافلہ بذریعہ بس روانہ ہوا جس میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے تقریباً سترہ اساتذہ شریکِ سفر تھے، یہ عظیم قافلہ اپنے منزل کی طرف رواں دواں تھا کہ دورانِ سفر ایک حادثہ پیش آگیا، وہ اس طرح کہ ایک اُستاد نے کسی وجہ سے اپنا بازو شیشے سے باہر نکالا تو ٹرک کی ٹکر لگنے سے ٹوٹ گیا، اس حادثہ کی وجہ سے باقی اساتذہ اور خود حضرتؒ نے بھی اس سفر کو ملتوی کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ مجاہدین اور جہادی تنظیموں کے ساتھ ہر طرح کا ممکنہ تعاون خود ہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، حضرت مولاناؒ کا مجاہدین کے

ساتھ یہ تعلق مرتے دم تک قائم رہا اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھیے کہ اس نے حضرت مولانا کو بھی شہادت کی عظیم موت سے سرفراز کیا، دنیا کے اندر آپ نے جتنا بھی وقت گزارا مجاہد بن کر گزارا، اور قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اُٹھیں گے۔ ان شاء اللہ

اِیں سعادت بزورِ بازو نیست

……

ایک عظیم محدث

ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ جہاں ایک بڑے مصنف، محقق اور کامیاب مدرّس بن کر اُبھرے، وہاں ایک عظیم محدث کی صورت میں بھی سامنے آئے، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ آپ ایک بڑے عظیم محدث کے جانشین تھے یعنی حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کافی ساری خوبیاں حق تعالیٰ شانہ نے ہمارے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل فرمائی تھیں، حضرت بنوریؒ ہی کی برکات اور فیوض تھے کہ ہمارے حضرت رحمہ اللہ کو بہت ہی قلیل عرصے میں حدیث کی اہم اور چوٹی کی کتابیں پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ وہ عرصۂ دراز تک حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح جلد اوّل پڑھاتے رہے، پھر کافی عرصہ جامع ترمذی جلد اوّل پڑھاتے رہے، پھر حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کے اِنتقال کے بعد صحیح بخاری جلد ثانی. جبکہ آخری تین سالوں میں صحیح بخاری کی دونوں جلدیں پڑھاتے رہے اور جامعہ کے شیخ الحدیث کے مرتبہ پر فائز رہے۔

اہم کتب حدیث کی تدریس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اہم تصنیفی اور تحقیقی کام کتب حدیث سے متعلق رہے ہیں، دیکھیے:

(۱): آپ نے تخصص فی الحدیث کے لیے ایک مفصل تحقیقی مقالہ تیار کیا جو بعد میں ”
’’کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔

(۲): آپ نے دکتورہ کے لیے ”   ’’کے نام سے ایک ضخیم مقالہ تیار کیا۔

(۳): آپ نے ”“ کے نام سے بے مثال کتاب تالیف فرمائی۔

(۴): آپ نے احادیث طیبہ سے ماخوذ اور منتخب بہت سی کتابوں کا اُردو ترجمہ کیا۔

(۵): آپ نے متعدد کتب حدیث اور شروحِ حدیث کی تصحیح کا کام کیا، نیز بعض کتب حدیث اور شروحِ حدیث پر مقدمہ لکھا۔

(٦): آپ نے سنن ترمذی کی شہرۂ آفاق شرح ”معارِف السنن“ اور ”تکملہ معارِف السنن“ دونوں پر کام کیا۔

حضرت مولانا اور علمی وادبی لائبریریاں

خوش نصیب مصنف وہ ہے جو تالیف اور تصنیف کے ساتھ ساتھ اُس کی طباعت کا اِنتظام بھی بآسانی کرسکے، اور ساتھ ہی اُس کی نشر و اِشاعت کا اہتمام کرے، بہت کم مصنفین ایسے ہیں جو ان دونوں باتوں کے جامع ہیں، ورنہ عام طور پر لوگ کتابیں لکھ دیتے ہیں اور اُن کی طباعت کا اِنتظام کوئی اور کرتا ہے۔

حضرتؒ نہ صرف تصنیف فرماتے تھے بلکہ وہ اپنی تصنیف اور تراجم کی طباعت کا اِنتظام بھی خود کرتے تھے پھر طلباء، علماء کرام اور عامۃ الناس کو ہدیہ کرتے تھے، خاص کر دینی علمی اور ادبی لائبریریوں کے لیے ہدیہ کرنے کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے، حضرت رحمہ اللہ کی میز پر ایک لال رنگ کی کاپی رکھی رہتی تھی، اس میں ہدیہ پر دی جانے والی کتب اور جن کو دی جاتی تھیں اُن کے نام وغیرہ تمام تفصیلات درج ہوا کرتی تھیں۔

حضرت مولانا بحیثیت مفتی

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں چند ہستیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو اکثر علوم وفنون سے نہ صرف مناسبت ہوتی ہے بلکہ اُن میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ وہ بیک وقت مدرس، واعظ، مصنف، محقق، ادیب، منتظم اور فقیہ ہر لقب کے لائق ہوتے ہیں، ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان ہستیوں میں ایک تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو بہت سے خوبیوں

سے نوازا تھا، آپ نے دوسرے علوم وفنون کی طرح فقہ میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔

فقہ میں آپ نے مزی کمال اُس وقت حاصل کیا. آپ نے جامعہ علوم اِسلامیہ بنوری ٹ ؤن سے فرا ٔ ت کے بعد جامعہ ہی میں تخصص فی الحد ی ث کیا، اَ چہ تخصص فی الحد ی ث، تخصص فی الفقہ سے مختلف شعبہ ہے لیکن ای قابل طا . علم علومِ حد ی ث کے لیے متعلقہ کتب اور کتب حد ی ث کے ساتھ فقہ سے اِستفادہ کیے بغیر رہ نہیں سکتا، آپ کی قابلیت اور اِستعداد کسی پ مخفی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے کتب حد ی ث کے ساتھ کتب فقہ کا بھی مطالعہ کیا اور اچھی منا . ت پیدا کی، آپ کی بہترین صلا ی ت کو دیکھ کر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے آپ کا دارالافتاء میں تقرر کر د ی، آپ نے تقریباً نو ماہ ت اس میں بحیثیت مفتی کام ا م د ی، اس دوران مختلف موضوعات پ متعدد فتاویٰ دیئے۔

آپ دوسرے علوم وفنون کی طرح فقہ میں خاص دِلچسپی ر ت تھے، چنانچہ د اسباق کے ساتھ ساتھ فقہ کے اہم اسباق بھی پ ڑھاتے رہے، مختصر القدوری، کنز الدقائق، الاختیار اور ہدایہ کے اسباق ز ی ت رلیس رہے۔

حضرت مولا٠ اور پی. ایچ. ڈِی

علمی میدان میں آگے ب ڑھنے کا ذوق تو حضرت مولا٠ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ میں تھا ہی، اسی ذوق نے حضرت مولا٠ؒ کو صرف دینی مدارس اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی اسناد پ قانع نہیں بنا ی بلکہ جامعہ کراچی (یونی ورسٹی) میں دکتورہ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کی یہ خواہش اس طرح پوری فرمائی ہے کہ حضرت ”

“ پ کام کر رہے تھے، شروع شروع میں تو حضرت نے حضرت بنوری رحمہ اللہ کے طرز پ بہت ہی اِختصار سے کام لیا جیسا کہ پہلے اس کا ذکر آچکا ہے، کام کے دوران بہت سی احاد ی ث موفوعہ اور موقوفہ چھوٹ جاتی تھیں، اِس لیے حضرتؒ نے کتاب الصلاۃ سے کام کو مفصل کیا جو ” “ کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ تو حضرت کی خواہش تھی کہ ” “ پ دو ب رہ تفصیل سے کام ہو جائے اور اُس کے لیے فرصت کے منتظر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے

اس کے لیے ایک کام کو بنا دیا اور وہ ہے جامعہ کراچی میں PHD کے لیے مقالہ۔

قصہ یہ پیش آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رحمہ اللہ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی رحمہ اللہ کی معیت میں جامعہ کراچی گئے، وہاں جناب ڈاکٹر مظہر بقا صاحب سے حضرت کی ملاقات ہوئی، دورانِ ملاقات آپ نے ذکر کیا کہ آپ نے پر تخریج کا مختصر کام کیا ہے، اب اُس کو تفصیل سے کرنا چاہتے ہیں تو کیا اس کام کو PHD کے مقالہ کے لیے موضوع بنایا جا سکتا ہے؟، موصوف نے موافقت کی، اس طرح '' '' کی تخریج کا کام بھی ہوگیا اور PHD کا مقالہ بھی تیار ہوگیا اور آپ کو اس کی ڈگری بھی مل گئی، الحمد للہ۔

حضرت مولانا اور اصلاحی تقریریں

ہمارے حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبان اِنتہائی شائستہ اور فصیح تھی، وعظ وخطابت کی عادت نہیں تھی، لیکن بیان فرماتے تو بہت ہی دل نشین انداز، واضح اور صاف زبان میں بیان فرماتے کہ کسی کو بات سمجھنے میں دشواری پیش نہ آتی تھی، حضرت مہتمم نہیں بنے تھے تو خطابت کا معمول نہیں تھا، لیکن جامعہ علومِ اِسلامیہ کے مہتمم بنے اور ساتھ ہی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نگرانِ اعلیٰ کے عہدہ پر فائز کیے گئے تو جامعہ کے مرکز اور شاخوں میں مختلف مناسبات سے مختلف تقاریب اور پروگراموں میں طلباء اور اساتذہ کرام سے خطاب فرماتے تھے اور اہل مدارس کے اِصرار پر اُن کی تقاریب میں شرکت فرماتے تھے اور بیان بھی فرماتے تھے۔

چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین اور حضرات اکابر خاص کر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کی خاص توجہ کی وجہ سے حضرتؒ کے مزاج میں تصوف کا رنگ کافی غالب تھا، اِس لیے اپنے بیان میں اکثر اعمال اور اخلاق کی اِصلاح اور تربیت کے حوالہ سے گفتگو فرماتے تھے۔

حضرتؒ کی تقاریب میں ظاہری اور باطنی تربیت، تقویٰ وطہارت، صدق وامانت، توکل وبھروسہ، اِخلاص وللّٰہیت اور قوا کی پاس داری جیسی صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ

فاضلہ کو اپنانے کی ترغیب، جبکہ دوسری طرف جھوٹ، خیانت، نام ونمود، ریاکاری، دھوکہ، غفلت اور قانون شکنی جیسی بری صفات اور رذائل سے ت اور ا ار کی جھلک آتی تھی۔ ویسے تو حضرت رحمہ اللہ کی بیسیوں تقاریر ہوئی ہیں جن میں بعض کو بذریعہ کیسٹ محفوظ کرلیا گیا تھا، محفوظ کی ہوئی تقاریر میں سے بعض تقاریر کتابی شکل میں بنام ''خطباتِ حبیب'' منظر عام پر آچکی ہیں۔

حضرت مولانا اور اُن کے مشہور شاگرد

آپ سے قلیل عرصہ میں سینکڑوں علماء نے شرفِ تلمذ حاصل کیا جو اپنے اپنے علاقوں میں دینِ اِسلام کی خدمت میں مصروف ہیں، آپ کے مشہور تلامذہ درج ذیل ہیں:

١: حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب (مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ، کراچی)

٢: مولانا ء الرحمٰن شہیدؒ (سابق ناظم تعلیمات جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

٣: مولانا امداد اللہ صاحب (ناظم تعلیمات واُستاذِ حدیث جامعہ بنوری ٹاؤن)

٤: حضرت مولانا محمد عبدالعزیز غازی صاحب (خطیب لال مسجد اسلام آباد)

٥: حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ (سابق امیر اہل سنت والجماعت)

٦: حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب

٧: حضرت مولانا قاضی راحمد صاحب (مہتمم مدرسہ ۃ الاسلام، گلگت)

٨: مولانا سیّد یوسف حسن طاہر صاحب (امام وخطیب جامع مسجد بنوری ٹاؤن)

٩: مولانا سیّد عتیق حسن صاحب (نائب امام وخطیب جامع مسجد بنوری ٹاؤن)

١٠: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی صاحب (مشرف تخصص فی الفقہ جامعہ بنوری ٹاؤن)

١١: مفتی شعیب عالم صاحب (نائب مفتی دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی)

١٢: مولانا سیّد سلیمان بنوری صاحب (نائب ر جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی)

١٣: حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب (مقیم تبلیغی مرکز رائے ونڈ)

١٤: حضرت مولانا ء الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ احیاء العلوم سعید آباد)

١٥: حضرت مولانا جاوید الرحمٰن صاحب (مہتمم جامعہ تقویۃ الایمان کراچی)

۱۶: حضرت مولانا عبدالقادر صاحب (استاذ حدیث مدرسہ عائشہ للبنات)
۱۷: حضرت مولانا عمر فاروق صاحب (استاذ حدیث مدرسہ عائشہ للبنات)
۱۸: مولانا فاروق حسن زئی (استاذ حدیث جامعہ طیبہ شکار پور کالونی کراچی)
۱۹: حضرت مولانا فہیم الدین صاحب (اُستاذِ حدیث جامعہ حمادیہ کراچی)
۲۰: مولانا عتیق الرحمٰن صاحب (استاذ حدیث جامعہ تقویۃ الایمان کراچی)
۲۱: حضرت مولانا عتیق اللہ صاحب (نگران مدرسہ رحمانیہ بلال کالونی کراچی)
۲۲: حضرت مولانا محبّ اللہ صاحب (مہتمم مدرسہ بطحاء نارتھ ناظم آباد کراچی)
۲۳: حضرت مولانا محمد عمیر صاحب (خلیفہ مجاز حضرت صوفی محمد اقبال صاحب)
۲۴: حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (اُستاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن)
۲۵: حضرت مولانا محمد عثمان صاحب (مدینہ منورہ)
۲۶: حضرت مولانا عبدالغفار صاحب (منتظم جامعہ فریدیہ اسلام آباد)
۲۷: حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب (اُستاذِ حدیث جامعہ بنوریہ، کراچی)
۲۸: حضرت مفتی تاج الدین (مہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعۃ الاسلام موہڑہ چوک)
۲۹: مولانا فصیح احمد صاحب (نگران مدرسہ عربیہ اسلامیہ اسکاؤٹ کالونی کراچی)
۳۰: مولانا فرید الدین (مہتمم کوثر القرآن بٹگرام شہر و مسئول وفاق المدارس)
۳۱: مولانا عبدالشکور (صدر مدرس جامعہ رموز القرآن، فیکٹری، حسن ابدال)
۳۲: حضرت مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب (اُستاذ و مفتی جامعۃ الرشید)
۳۳: حضرت مولانا محمد شاہد مدنی صاحب (خطیب اوقاف پشاور)
۳۴: حضرت مولانا محمد ی فاروقی صاحب (ناظم مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی)
۳۵: حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب (مجاہد)
۳۶: حضرت مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب
۳۷: حضرت مولانا سعادت اللہ صاحب
۳۸: حضرت مولانا سہیل وا صاحب
۳۹: حضرت مولانا مفتی ابراہیم صاحب (بنگلہ دیش)
۴۰: مولانا سہیل احمد صاحب (مدینہ منورہ) خلیفہ مجاز حضرت صوفی محمد اقبال)

۴۱: حضرت قاری ضیاء الحق صاحب (مہتمم تعلیم القرآن الفلاح سوسائٹی)
۴۲: حضرت مولانا مفتی ارشاد احمد صاحب (نگران شرعی بورڈ بینک اسلامی)
۴۳: حضرت مولانا مفتی شہید الاسلام صاحب (بنگلہ دیش)
۴۴: حضرت مولانا مفتی فیض اللہ صاحب (بنگلہ دیش)
۴۵: حضرت مولانا روح الامین صاحب (بنگلہ دیش)

حضرت مولانا اور وفاق المدارس

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک ملک گیر ادارہ ہے جس کے ساتھ ہزاروں مدارس اور جامعات منسلک ہیں، اس کا سب سے بڑا عہدہ صدر کا ہے پھر ناظم اعلیٰ کا، ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اِنتقال کے بعد وفاق المدارس کی مجلس عاملہ نے اس عہدہ پر فائز فرمایا۔

آپ اس عہدہ پر تا یومِ شہادت فائز رہے اور اس عہدہ سے متعلق فرائض کو ہمیشہ تندہی، مستعدی اور حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے، اس کے لیے آپ دور دراز علاقوں اور مشکل گزار راستوں سے سفر کرتے ہوئے تکان محسوس نہیں کرتے تھے، اربابِ مدارس حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو مدارس کے معائنہ کے لیے مدعو کرتے تو اِنکار نہ فرماتے، اس لیے کہ آپ اس (ناظم اعلیٰ کے) عہدہ کو اہم فریضہ سمجھتے تھے۔

ہمیشہ آپ کی کوشش رہی ہے کہ وفاق کے کام میں خلل واقع نہ ہو، وفاق کی تمام اسناد پر آپ کے دستخط ہوتے تھے، آپ نے کبھی مہر اِستعمال نہیں فرمائی، فرماتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے قوت دی ہے تو مہر کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ اپنے دفتر میں اسناد کا بنڈل پڑا رہتا تھا، جب بھی فرصت ملتی دستخط فرماتے اور اِس طرح دفتر وفاق میں ترتیب تھی کہ جب دفتر وفاق (ملتان) تشریف لے جاتے تو وہاں فارغ اوقات میں اسناد پر دستخط فرماتے تھے۔

آپ کا فطری ذوق تحقیق اور تصنیف وتالیف کے کام میں تھا، لیکن اس کے باوصف وفاق کے کاموں میں آپ بہت زیادہ دِلچسپی لیتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے تصنیفی و

تحقیقی کاموں میں کافی زیادہ خلل واقع ہوگیا تھا،'' ''کا عظیم کام تعطل کا شکار ہوگیا، بیسیوں تالیفات و تراجم کے مسودے غیر مطبوعہ پڑے رہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دورِ نظامت علیا میں وفاق المدارس العربیہ نے کافی ترقی کی۔ الحمدللہ

حضرت مولانا اور دینی مدارس

حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ جامعہ علومِ اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن اور اُس کی تمام شاخوں کے سرپرست اور مہتمم تو تھے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے مدارِسِ دِینیہ تھے جن کی حضرت سرپرستی فرماتے تھے، ایسے تو وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ ہونے کی وجہ سے حضرت کی وفاق کے ساتھ ملحق ہزاروں دینی مدارس کی عمومی سرپرستی تھی، اربابِ مدارس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر درخواست کرتے تھے کہ ان کے مدارس میں تشریف لائیں اور ان کے اِفتتاحی و اِختتامی تقریبات میں تشریف لائیں، حضرت اِنکار نہیں فرماتے تھے، اُن کی دِل جوئی میں چلے جاتے تھے، اور جہاں جاتے وہاں اصلاحی بیان فرماتے تھے، اس طرح کے مواقع میں ہونے والے اصلاحی بیانات پر مستقل کتاب بنام ''خطباتِ حبیب'' احقر نے مرتب کی ہے جو چھپ چکی ہے۔ الحمدللہ

آپ نہ صرف مدارِس میں جا کر اہل مدارِس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے، بلکہ ان کے ساتھ تعاون بھی فرماتے تھے، اس طرح کہ اپنے متعلقین میں جو اہل ثروت اور مخیّر حضرات تھے اُن کے نام رقعہ لکھ کر بھیجتے تھے کہ مدارس کے ساتھ تعاون کرو اس طرح اہل مدارس کی کافی ہمت افزائی ہوتی تھی اور وہ آپ کے ساتھ تعلق کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔

آپ کی خدمت میں اہل مدارس حاضر ہوکر مختلف اُمور میں مشورہ کرتے تھے، اور حضرت کے تجربات اور مفید تجاویزات سے فائدہ اُٹھاتے تھے، نیز اپنے تنازعات اور مسائل میں حضرتؒ سے رجوع کرتے تھے پھر حضرت جو فیصلہ فرماتے اس پر عمل کرتے تھے۔

حضرت مولانا اور علمی اِصلاحی مضمون

حضرت مولانا شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے کی بڑی زبردست مہارت فرمائی تھی جیسا کہ مختلف مقامات میں اس کی توضیح کی گئی ہے، اُن کے اکثر اوقات تو لکھنے میں مصروف رہتے تھے، تحقیق، تالیف اور ترجمہ کام اکٹھے چل رہے تھے، آپ نے

جہاں مختلف موضوعات پر تالیفات اور تراجم سے دین اِسلام کی خدمت کی اور اس میدان میں آگے بڑھے وہاں مقالات اور مضامین میں بھی پیچھے نہ رہے، ماشاءاللہ آپ نے کافی اصلاحی اور علمی مضامین لکھے ہیں جو جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے شائع ہونے والے ماہنامہ رسالہ بینات اردو اور دیگر مختلف دینی رسائل میں شائع ہوتے رہے۔

حضرتؒ کے مضامین میں تصوف کا رنگ غالب رہتا تھا، حضرت ہمیشہ احوال، اعمال و اخلاق کی اصلاح کی تلقین کرتے تھے اور تحریر میں بھی یہی چیزیں نظر آتی تھی۔

حضرت مولانا اور اسنادِ عالیہ

۱۔ (جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے)
۲۔ (دورۂ حدیث) (وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے)
۳۔ (دورۂ حدیث) (جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے)
۴۔ (جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے)
۵۔ (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے)
۶۔ (ایم اے) (جامعہ کراچی (یونی ورسٹی) سے)
۷۔ (PHD) (جامعہ کراچی (یونیورسٹی) سے)

سفر آخرت اور شہادتِ عظمیٰ

جس طرح مولاناؒ جیسے اللہ کے نیک بندوں کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے مشعل راہ ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات کا سفر اخروی بھی ایک شانِ اِمتیازی کے ساتھ ہوتا ہے۔

آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو جلد بیدار ہو جاتے اور اس کے بعد تہجد و دیگر اذکار و تلاوت کرتے اور پھر نماز کے لیے چلے جاتے، نماز کے بعد آکر چاشت تک قرآنِ پاک پڑھتے، بعد میں چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر ناشتہ کیا کرتے تھے، ناشتے میں دودھ اور اس کے ساتھ کچھ نوش فرماتے، پھر مدرسے چلے جاتے، جہاں پر درجہ دورہ حدیث میں آپ کے بخاری اوّل و بخاری ثانی کے دو گھنٹے ہوتے۔

قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو داعی اجل کے عنقریب بلاوے کا اندازہ تھا

چنانچہ شہادت والے دِن آپ نے روانہ ہوتے وقت اپنے گھر والوں سے کسی امانت کو کسی کو پہنچانے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: اگر میں نہ آسکوں تو فلاں امانت مذکورہ شخص کو پہنچا دینا۔

چنانچہ شہادت والے دِن بھی آپ نے معمول بچوں کے ساتھ ناشتہ کیا اس کے بعد مدرسے سبق پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے، سبق پڑھانے کے بعد آپ کو مدرسے کے کام کے سلسلے میں جامعہ کی شاخ پوش نگر جانا تھا۔ چنانچہ درس کے بعد آپ اِتوار کی صبح دس بجے جامعہ کے اُستاذ اور ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی صاحب، رفیق سفر حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب اور جامعہ کے ڈرائیور جناب محمد طاہر صاحب اور جناب بشیر احمد نقشبندی کے ہم راہ پوش نگر روانہ ہوئے، کسی کو کیا معلوم تھا کہ کے یہ راہی بجائے دنیوی آ ی ر کسی سے مصافحہ کر رہے ہیں یا آ ی ر کسی سے مل رہے ہیں اور عنقریب یہ اپنے رب سے سرخرو ہو کر ملنے والے ہیں۔

چنانچہ جامعہ کی شاخ سے واپسی پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے قریب ہی دہشت گردوں نے آپ کی گاڑی کو روکا اور سامنے سے گاڑی پر فائرنگ کی، جس میں سے چند گولیاں ڈرائیور کو لگیں اور ایک گولی آپ کی پیشانی میں پیوست ہوگئی اور آپ یہ کہتے ہوئے ”لو مولانا آج ہم بھی چلے“ پڑے اور کا ورد شروع کر دیا، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے گاڑی سے چھلانگ لگائی تو مولانا کی پڑھنے کی آواز میرے کانوں میں آ رہی تھی، چنانچہ پڑھتے ہوئے آپ نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت مفتی عبدالسمیع رحمہ اللہ کو گولی ماری اور اُس کے بعد گاڑی کے اندر آتش گیر مادہ پھینکا جس سے آناً و فاناً پوری گاڑی میں آگ لگ گئی، جس سے آپ حضرات کے جسم جل گئے، یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبوب بندوں کو دُہری شہادت سے نوازا۔

روزنامہ اُمت کی رپورٹ ملاحظہ ہو:

”جامعہ بنورِی ٹاؤن کے مہتمم و شیخ الحدیث اور ممتاز محقق عالم دِین مولانا ڈاکٹر محمد

حبیب اللہ مختار اور جامعہ کے ناظم مفتی عبدالسمیع کو گرومندر کے قریب شہید کر دیا گیا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بانی مولانا سیّد محمد یوسف بنوری کے داماد تھے۔ اُنہوں نے جامعہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد مزید دینی تعلیم سعودی عرب کی مشہور و معروف درس گاہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونی ورسٹی سے حاصل کی تھی۔ جب کہ کراچی یونی ورسٹی سے ”ایم اے اِسلامیات“ فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا تھا اور پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر اُنہیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا تھا، اس کے بعد اُنہوں نے کراچی یونی ورسٹی ہی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اِس دوران جامعہ بنوری ٹاؤن میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن کی تعداد لگ بھگ ۱۲۰ رہی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں اُنہیں سابق مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن مفتی احمد الرحمٰن کی وفات کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن کا مہتمم بنایا گیا۔ اِس دوران اُنہوں نے اِدارے کی تعمیر و ترقی کے لیے کئی کام کیے اور لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے بنات کا شعبہ قائم کیا اور اِدارے کو وسعت دیتے ہوئے اِدارے کی کئی شاخیں قائم کیں۔

تفصیلات کے مطابق ۲؍نومبر کو مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اَپنے اِدارے کی ایک شاخ کے دورے کے لیے جامعہ کے ناظم تعلیمات مولانا عبدالقیوم چترالی، جامعہ کے ناظم دارُالاقامہ مولانا مفتی عبدالسمیع اور ناظم اُمورِ متفرقہ قاری بشیر اَحمد نقشبندی کی معیت میں رَوانہ ہوئے، وہاں سے واپسی پر جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے قریب بزنس ریکارڈر روڈ پر پہنچے تو ایک موٹر سائیکل اور کار میں سوار نامعلوم مسلح ملزمان نے اُن پر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر موقع پر شہید ہوگئے، جب کہ مولانا عبدالقیوم چترالی محفوظ رہے اور قاری بشیر اَحمد نقشبندی شدید زخمی ہوگئے۔ سفاک قاتلوں نے اسی پر بس نہ کیا، بلکہ ان حضرات کو شہید اور زخمی کرنے کے بعد ان کی گاڑی پر آتش گیر مادہ [illegible] دیا، جس سے آناً فاناً پوری گاڑی کو آگ نے اَپنی لپیٹ میں لے لیا اور لاشیں جل گئیں۔

بعد اَزاں اِس بہیمانہ و سفاکانہ قتل کا مقدمہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن نے ۳۵۴/۹۷ سولجر بازار پولیس اسٹیشن میں درج کرا دیا ہے۔ علماء کے بہیمانہ قتل کے

اِس وَاقعہ نے پورے ملک کو ہلادِیا ہے۔ علماء کی طرف سے تین روزہ سوگ اور جمعرات کو ملک گیر ہڑتال کا اِعلان کیا گیا ہے۔ وَزِیرِ اَعظم میاں محمد نواز شریف اور وَزِیرِ دَاخلہ چوہدرِی شجاعت حسین نے کہاہے کہ دہشت گرَدِی کا یہ وَاقعہ بہت ہی عظیم اور سنگین ہے، اِس قسم کے وَاقعات اوراُن کے فطری رَدِّعمل سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اوراُن کے ساتھیوں کی شہادَت کے پیچھے مختلف عوامل کارفرما ہیں، ذَرَائع نے اسے ''ایم کیوایم'' کی کارِستانی قرار دِیا ہے۔ بظاہر اس کے قرائن بھی موجود ہیں کہ جامعہ بنورِی ٹاؤن کی شاخ مدرسہ معارِف العلوم پاپوش نگر سے متصل مدرسہ کی خالی جگہ پر ''ایم کیوایم'' کا ایک قبضہ شدہ خالی یونٹ آفس ہے، مقامی اَفراد اُسے مدرسہ کے ساتھ شامل کرنے کے خواہش مند تھے، 'ایم کیوایم' نے اِس حوالے سے تنازع کھڑا کیا، اِسی تنازعے کے تصفیہ کے لیے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اوراُن کے ساتھی پاپوش گئے تھے، عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ وَہاں ان حضرات کو ایم کیوایم وَالوں نے دَھمکی دِی تھی اور وَاپسی پر بزنس رِکارڈَر روڈ پر اُن پر حملہ کیا گیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کے جنازے کے شرکاء کو بھی نہیں بخشا گیا، مسلح ملزمان کی فائیرنگ سے جنازہ کے ۲؍شرکاء بھی شہید ہوگئے۔'' (روزنامہ اُمت ۳؍نومبر ۱۹۹۷ء)

نمازِ جنازہ اور تدفین

آپ کی شہادت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی تھی، سول ہسپتال سے آپ حضرات کے جسدِ خاکی کو اسی مادرِ علمی میں لایا گیا جس کی آغوش میں یہ پھول پروان چڑھے تھے۔ اس دن جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے در و دیوار ماتم کناں تھے کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو ان حضرات کی مظلومانہ شہادت پر اشکبار نہ ہوئی ہو۔ ان شہداء کی نمازِ جنازہ جامعہ بنوری ٹاؤن میں ہی آپ کے بڑے بھائی (حضرت مولانا محمد احمد قمر مختار صاحب) کی امامت میں ادا کی گئی۔

اس کے بعد حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ کی میت اُن کے آبائی گاؤں لے جائی گئی، جبکہ آپ کو جامعہ کے ہی احاطہ میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اور آپ کے شیخ اور محبوب استاد حضرت بنوریؒ کے پہلو میں دفن کردیا گیا۔

……

باب دوم

مقالات ومضامین

(ش وت ث ات)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

تحریر: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

……

اِتوار یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۹۷ء پونے ایک بجے دِن جامعہ علومِ اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن کے رئیس و شیخ الحدیث، وفاق المدارِس العربیہ پاکستان کے ناظم اَعلیٰ، اِمامِ اہلِ سنت حضرت مولانا مفتی اَحمد الرحمٰنؒ کے جانشین، محدثُ العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنورِیؒ کے فرزند نسبتی اور محبوب وممتاز تلمیذ، حضرتؒ کی خصوصی توجہات کے مورد، آپؒ کے علوم و اِفادَات کے وَارِث واَمین، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رَائے پورِیؒ کے خلیفہ مجاز، ''کشف النقاب'' سمیت بیسیوں کتابوں کے مصنف، عظیم محقق، مجلس دَعوت وتحقیق جامعہ علومِ اِسلامیہ کے صدر نشین، ملک وملت کے سرمایہ اور ملت اِسلامیہ کے نامور سپوت مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو اَپنے رفقاء مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ کے ہم راہ جامعہ علوم اسلامیہ بنورِی ٹاؤن کے قریب بنس ر رڈر روڈ کے چوراہے پر دن دہاڑے شہید کر دِیا گیا۔

مولاناؒ کی شہادت سے مولاناؒ کے اہل خانہ اور اُن کے اعزاء واقرباء ہی نہیں پوری اُمت مسلمہ سوگوار ہے، اُن کی شہادت سے جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کے درو دِیوار ہی نہیں، وفاق المدارس العربیہ بھی غم زدہ ہے، اِسلام دُشمن قوتوں نے مولاناؒ کو شہید نہیں کیا بلکہ علم وعمل اور دین ودیانت اور فقہ وحدیث پر وَار کیا ہے۔

مولاناؒ کی شہادت خود اُن کے لیے اَگرچہ بہت بڑا اِعزاز ہے لیکن اُن کے اہلِ خانہ، حلقہ اہلِ علم اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے لیے نقصانِ عظیم ہے، بلکہ انتظامیہ کے لیے ایک لمحہ فکریہ اور مسلمانانِ پاکستان کے لیے عموماً اور اہلِ کراچی کے لیے خصوصاً ایک چیلنج ہے کہ دُشمنانِ دِین کی رِیشہ دَوانیاں اِس قدر بڑھ گئی ہیں کہ اُن کے ہاتھوں سے اَب کوئی بھی محفوظ نہیں۔ دِین کے وہ اِدارے جو مسلمانوں کے دِین و اِیمان کی بقا کے ذِمّہ دَار ہیں، جن کے دَم قدم سے اِس گلشن اِسلام کی آبیاری ہوتی ہے اُنہوں نے ہر دور میں ایسے رِجالِ کار پیدا کیے، جنہوں نے کفر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کا مقابلہ کیا اور اپنی جان پر کھیل کر گلستانِ نبوی کی حفاظت کا فریضہ اَنجام دِیا، یہ وہی علماءِ حقانی تھے جنہوں نے انگریز ''بہادر'' کو بوریا بستر لپیٹنے پر مجبور کیا، ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادِی ہو یا شاملی کا میدان، تحریکِ شہیدین ہو یا تحریکِ ریشمی رُومال، ۱۹۴۷ء کی تحریکِ آزادِی ہو یا ۱۹۵۳ء کا معرکہ ختمِ نبوت ہر موقع پر اُنہوں نے پھانسی کے پھندے کو چوما اور موت کو گلے لگایا۔ جامعہ بنورِی ٹاؤن بھی اِسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے اور اس کے کارکن اِسی قافلۂ حقانی کے کفش بردار اور نام لیوا ہیں۔ اِسلام دُشمن قوتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اُن کے اِن اوچھے ہتھکنڈوں سے جامعہ اور اُس کے کارکنوں کو اَپنے نصب العین سے پیچھے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ جامعہ کے رئیس مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت نے اُن کے اخلاف کو عظمت رفتہ کا احساس اور بھولا ہوا سبق یاد دِلا دِیا کہ ہمارِی تارِیخ قید و بند اور جہاد و شہادت سے عبارَت تھی، ہمیں اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے موت سے ڈَرنے کے بجائے موت کو گلے لگانا چاہیے۔ مولاناؒ کا شہادت نوش کرنا اِن شاء اللہ اِسلام دُشمن قوتوں کی بربادِی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوں گے اور نئی نسل کو اِسلام بیزار قوتوں کی دِین کش سرگرمیوں پر غور و فکر کا موقع ملے گا، خصوصاً مجرموں کے اِس بیان کے تناظر میں کہ ''جامعہ علومِ اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن علماءِ حقانی پیدا کرنے کی فیکٹری ہے، جسے نقصان پہنچانا ہمارے فرضِ منصبی کا حصہ ہے''۔

مولاناؒ کا کسی تحریک یا فرقہ وَارِیت کی جماعت یا گروہ سے کوئی تعلق تھا اور نہ ہی وہ

کسی سیاسی یا لسانی تحریک سے منسلک تھے، بلکہ خالص دِینی، علمی اور تحقیقی کام سے دِلچسپی رَکھتے تھے، اُن کا قصور صرف اور صرف یہ تھا کہ وہ اُمت کو قرآن و سنت کی تعلیمات سے آراستہ و پیراستہ کرتے تھے اور اُنہیں سلیقہ بندگی سکھاتے تھے۔ وہ اِنسان سازِی کے شعبے سے منسلک تھے، وہ مخلوقِ خدا کو خالق سے جوڑنے کا کام کرتے تھے، اس زاویہ سے اُن کا قتل علم و عمل اور دِین و دِیانت اور شرافت و [illegible] کا قتل ہے اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ اِس سانحہ پر مسلمانوں نے بھرپور اِحتجاج کیا، مظاہرے ہوئے اور بالآخر انتظامیہ تین میں سے دو قاتلوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اس واردات میں زِندہ بچ جانے وَالے دو حضرات نے مجرموں کو شناخت کیا، سماعت شروع ہوئی اور بالآخر ۲۴/اپریل ۱۹۹۸ء کو فیصلہ سنادِیا گیا، روزنامہ جنگ کراچی کی خبر ملاحظہ ہو:

> ”کراچی (اِسٹاف رپورٹر) اِنسدادِ دہشت گردِی کی خصوصی عدالت کراچی ڈِویژن کے جج حاکم علی عباسی نے جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کراچی کے مہتمم و شیخ الحدیث مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع اور محمد طاہر کو دہشت گردِی کے ذَریعے قتل کرنے کے اِلزام میں گرفتار ملزمان تنویر عباس جعفری، سلیم جعفری اور مفرور ملزم رضا امام کو سزائے موت اور پچاس پچاس ہزار رُوپے جرمانے اور بشیر احمد نقشبندی کو زخمی کرنے پر دس دس سال قید اور دس دس ہزار رُوپے جرمانے کی سزا کا حکم سنایا ہے۔ عدالت نے مزید حکم دِیا کہ ملزمان کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے زخمی بشیر احمد نقشبندی کو تیس تیس ہزار رُوپے اَدا کیے جائیں، ملزمان سزا کے خلاف سات روز کے اَندر سندھ ہائی کورٹ کے اپیلٹ ٹریبونل میں اپیل کرسکتے ہیں، ملزمان نے ۲/نومبر ۹۷ء کو گرومندر کے قریب [illegible] روڈ پر مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کی گاڑِی پر کلاشنکوف سے اَندھا دُھند فائرنگ کرکے دونوں علمائے کرام اور اُن کے ڈرائیور کو شہید کردِیا تھا، جبکہ بشیر احمد نقشبندی شدید زخمی ہوئے تھے۔ ملزمان فائرنگ کے بعد گاڑِی پر آتش گیر مادہ چھڑک کر اُسے آگ لگا کر فرار ہوگئے تھے۔ گرفتار ملزمان نے ڈِی ایس پی کے سامنے وِیڈیو پر اِعترافِ جرم کرلیا تھا، جس کی کیسٹ عدالت میں دِکھائی گئی، جبکہ زخمی بشیر احمد نقشبندی اور ایک اور چشم دِید گواہ مولانا عبدالقیوم چترالی نے عدالت میں

ملزمان کو شناخت کیا تھا، خصوصی عدالت نے سینٹرل جیل کراچی میں ۱۳؍فروری سے مسلسل سماعت کے بعد یکم اپریل کو فیصلہ محفوظ کر کے ہفتہ ۴؍اپریل کو سنایا، عدالت نے اَپنے فیصلے میں کہا کہ ملزمان نے اِنتہائی گھناؤنے جرم کا اِرتکاب کیا ہے جبکہ عینی شاہدین نے اُنہیں شناخت اور اِستغاثے نے اِلزام ثابت کردِیا ہے۔ ملزمان کسی رِعایت کے مستحق نہیں ہیں، اُنہیں موت کی سزا کا حکم سنایا جاتا ہے۔ وَاضح رہے کہ اِس وَاقعہ کے بعد شہر میں ہڑتال اور ہنگامے ہوئے اور عوام نے ملزمان کی فورِی گرفتارِی کا مطالبہ کیا تھا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبد السمیع اور محمد طاہر کے قتل کے ملزمان سزائے موت کا فیصلہ سننے کے بعد خصوصی عدالت کے کٹہرے میں فتح کا نشان بنا رہے ہیں۔ (جنگ فوٹو)”۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۴؍اپریل ۱۹۹۸ء)

بلاشبہ قاتل اور مجرم اِسی کے مستحق ہیں اور اُنہیں ضرور کیفرِ کردَار تک پہنچنا چاہیے تاکہ آئندہ اِس قسم کی کسی گھناؤنی حرکت کا اِعادَہ نہ ہوسکے اور دُوبارہ کسی کو اس سنگین فعل کے اِرتکاب کی جرأت نہ ہو۔

اِس موقع پر جہاں کراچی پولیس کی مجرموں کی گرفتارِی قابل ستائش ہے، وَہاں اِس بات کی بھی ضرورَت ہے کہ حکومت و اِنتظامیہ کو اس کے عوامل و محرکات کا بھی پتہ چلانا چاہیے کہ اِتنا بڑا سانحہ کن قوتوں کے اِشاروں پر ہوا؟ اور اُس کے پیچھے کون کون سے اَسباب و عوامل ہیں؟ اس کا پلان کہاں تیار ہوا؟ اور اس میں کون کون ملوث ہیں؟ اس کے پیچھے کون سی لابیاں ہیں؟ ظاہر ہے اِتنے بڑے سانحہ کو محض اِتفاقی نہیں کہا جاسکتا۔ جب تک اس کے محرکات اور عوامل سے پردہ نہیں اُٹھایا جائے گا، ایسے وَاقعات کی روک تھام ممکن نہیں۔ دُوسرے یہ کہ عدالت نے جب فیصلہ سنادِیا تو فوراً اُس کا نفاذ اور اُس پر عمل دَرآمد ہونا چاہیے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ عدالت ایک فیصلہ سنا دیتی ہے اپیل دَراپیل کا سلسلہ اِس قدر طول پکڑتا ہے کہ ظالم کا ظلم طولِ زمانہ کے باعث رَفتہ رَفتہ ذہنوں سے مٹنا شروع ہوجاتا ہے اور بالآخر ظالم مظلوم بن جاتا ہے اور مظلوموں کی اَشک شوئی کی بجائے اُن کے زخموں پر نمک پاشی کرتے ہوئے ظالم کو باعزت بری

کر دِ یجا ہے جس سے اِنتقام کی آگ بھتی ہے، جس سے کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجا ہے۔ اَخبارِی اِطلاع کے مطابق اِس فیصلہ کے خلاف بھی مجرموں کی اپیل منظور کرلی گئی ہے۔ ـ

اِس کے علاوَہ بعض اوقات اَ ظالم، عدالتوں کے فیصلہ کو اَپنی ''چمک'' کے ذَریعہ غیر مؤ قرار دِلا دیتے ہیں۔ اور وہ روزِ اَوّل سے یہی سمجھتے ہیں کہ عدالتی کارروَائی محض دِکھلاوَا ہے وَرنہ لآ فتح ہمارِی ہوگی۔ ز یبحث مقدمہ کے مجرم عدالتی فیصلہ کے بعد اِسی طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے دِکھائی دیئے، چنانچہ قومی اَخبارَات میں اُن کی جو تصو یں شائع ہوئی ہیں اُن تمام اَخبارَات نے لکھا ہے کہ وہ بہت ہی خوش دِکھائی دے رہے ہیں اور ہاتھ سے وِکٹری یعنی فتح کا ن بنا کر وَرکرا چاہتے ہیں کہ فتح ہمارِی ہوگی۔ حکومت اور اِنتظامیہ یہ وَاضح ہوجا چاہیے کہ وہ اَپنے اِس طرزِ عمل سے جہاں اَپنے م کا صاف صاف اِقرار و اِعلان کررہے ہیں وَہاں یہ وَرکرا چاہتے ہیں تمہارِی عدالتوں کے فیصلے ہم لاگو نہیں ہوں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ ایسے مجرموں کو جلد اَز جلد کیفر کردَار پہنچائے، اَ اِس فیصلہ عمل دَرآمد میں خیر کی گئی تو اَ یشہ ہے کہ جن قوتوں کے ایما دہشت دِی کی یہ وَاردَات کی گئی ہے وہ اُن کو چھڑانے میں کامیاب نہ ہوجا ۔ اسی کے ساتھ ضرورِی ہے کہ اِس سازِش کے تیسرے اور اَہم مجرم کو فی الفورَ فتار کرکے پھا کے پھندے یجائے کہ مظلوموں کی اَشک شوئی اور ظلم و دہشت دِی کی حوصلہ شکنی ہوسکے۔

ـ

مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ ۲۸؍فروری ۱۹۴۴ء کو جناب حکیم محمد مختار حسن خان دہلویؒ کے ہاں متولد ہوئے۔ قیامِ کستان کے بعد والدین کے ہم راہ کراچی تشریف لائے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم واڑہ کراچی میں ہوئی، اس کے بعد ابتدائی فارسی، درجہ اولیٰ اور درجہ کے ابتدائی اسباق آپ نے جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی میں تعلیم حاصل کی، درجہ سے دورہ حدی جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنوری ٹ وَن

کراچی میں تعلیم مکمل کی اور ۱۹۶۳ء میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے دورہ حدیث کا اِمتحان دیا اور پورے پاکستان میں دوسری پوزیشن حاصل کی، درسِ نظامی کی تکمیل کے بعد جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ہی میں تخصص فی علوم الحدیث کا دو سالہ کورس مکمل فرمایا اور ۱۹۶۵ء میں تخصص کے اس دو سالہ نصاب میں پہلی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی، ایک سال دارالافتاء جامعہ علومِ اِسلامیہ میں بحیثیت معاون مفتی کام کیا اور ۱۹۶۶ء میں حضرت بنوریؒ کے ایما اور مشورہ سے جامعہ اِسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لیا اور چار سالہ کورس مکمل کر کے ۱۹۷۰ء میں وہاں سے ڈگری حاصل کی۔

مدینہ منورہ سے واپسی پر حضرت بنوریؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد اور لائق و فائق روحانی بیٹے کو نہ صرف اپنے ادارہ میں استاذ مقرر فرمایا بلکہ اپنی دامادی کا شرف بھی بخشا۔ یہ دوہری نسبت اور تعلق رنگ لایا اور مولاناؒ کی صلاحیتوں میں خوب خوب نکھار آگیا اور دوسری جانب حضرت بنوریؒ نے شعبۂ تصنیف و تالیف میں آپ کو نہ صرف معاون بنایا بلکہ جامع ترمذی کی شہرۂ آفاق شرح ''معارف السنن'' کی تیاری میں آپ نے خصوصی کردار ادا کیا، اسی اثناء میں حضرت بنوریؒ نے امام ترمذیؒ کے ''فی الباب'' کی تخریج کا ارادہ فرمایا تو اس کام کی طوالت اور وسعت کے پیشِ نظر آپ نے یہ اہم ذمہ داری اپنے اس محبوب اور معتمد علیہ شاگرد پر ڈالتے ہوئے اُنہیں اس پر مامور فرمادیا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے علاوہ گوناگوں کمالات و اوصاف سے نوازا تھا، آپؒ حضرت بنوریؒ کی زندگی میں شعبۂ تدریس و تصنیف سے منسلک رہے، حضرت بنوریؒ کی وفات کے بعد جب جناب مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کو حضرت بنوریؒ کے انتخاب کے تحت مدرسہ کا مہتمم منتخب کیا گیا تو مدرسہ کی شوریٰ نے آپ کو جامعہ کا نائب مہتمم نامزد فرمایا، موصوف اپنی نیابت اہتمام کے دور میں بھی نہایت یکسوئی سے اپنے عادی معمولات، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ بلکہ شعبۂ تصنیف و تالیف کے صدر نشین رہے، اسی

اثناء میں آپ نے ''کشف النقاب'' کے ساتھ ساتھ دوسری بیسیوں چھوٹی بڑی کتابیں ترتیب دیں، آپ کی تصانیف میں زیادہ تر یہ عربی مصنفین کی ان مفید کتب ورسائل کے اردو تراجم ہیں جو باوجود مفید اور نافع ہونے کے اردو دان طبقہ کے لیے قابل انتفاع نہ تھیں چنانچہ آپ کی ان کتابوں میں سب سے زیادہ مقبولیت ''تربیت اولاد'' کو حاصل ہوئی، اس کی اسی مقبولیت کے پیش نظر اس کا اختصار کر کے ''مختصر تربیت اولاد'' کے نام سے ایک نئی کتاب شائع کی گئی۔ اسی طرح اس کا بے حد مفید اور سہل انداز میں انگریزی ترجمہ بھی کرایا گیا جو تاحال ماہنامہ بینات میں انگریزی حصہ کے طور پر شائع ہو رہا ہے۔

جناب مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے بعد جامعہ کے اساتذہ اور شوریٰ کی جانب سے آپ کو جامعہ کا مہتمم نامزد کیا گیا، تو دوسری طرف پاکستان بھر کے دینی مدارس کی تنظیم ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا آپ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔

آپ کے دورِ اہتمام میں جہاں جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی نے مزید ترقی کی منزلیں طے کیں، وہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ملک بھر کے دینی مدارس کو بھرپور انداز میں مرتب کیا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ نہایت اُونچے درجے کے منتظم، مدبر، اُصول پسند اور بھرپور قوتِ اِرادی کے مالک تھے، بلا شبہ اس دور میں آپ کی سی قوتِ اِرادی اور خود اعتمادی کی مثال نہیں ملتی۔ آپؒ جس کام کے کرنے کا عزم فرماتے اُسے کر کے ہی رہتے، چاہے کتنی ہی مشکلات ومصائب کا سامنا کرنا پڑتا، اُن کا عزم فولاد سے زیادہ مضبوط اور پہاڑ سے زیادہ بلند تھا، قوتِ اِستدلال اور طرزِ تکلم میں وہ اپنے اکابر سے کسی طرح کم نہ تھے۔ آپؒ جہاں اعلیٰ درجے کے مدرّس ومصنف تھے وہاں لائق وفائق محتسب اور با سلیقہ دار وگیر کے مالک تھے۔ بایں ہمہ وہ اپنے متعلقین ومنتسبین سے نہایت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے۔ کوئی چھوٹا بڑا ان کی اُصول پسندی سے بچ نہیں سکتا تھا، چنانچہ جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کی تمام

شاخیں، اُس کے تمام شعبۂ جات اور مدرسہ کے تمام اساتذہ، عملہ وطلباء اُن کی عقابی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے تھے۔ وہ کسی بھی بد انتظامی پر فورِی اِقدام فرماتے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے مشفق و مربی اُستاذ اور رُوحانی باپ محدثُ العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے ایماء پر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور اپنے پیر ومرشد کے تلقین فرمودہ معمولات پر زندگی بھر کاربند رہے اور بالآخر آپ کو حضرت رائے پوریؒ نے خلعت خلافت واجازت سے سرفراز فرمایا اور آپ باقاعدہ اُن کے خلیفہ مجاز قرار پائے۔

مولانا موصوف اپنے معمولاتِ یومیہ پر کس قدر کاربند تھے؟ اُس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس دن مولانا مرحوم کا نکاح ہوا اور آپ کو رِشتہ ازدواج میں منسلک کیا گیا اُس دن بھی آپ نے اپنے معمولات کا ناغہ کرنا گوارا نہیں فرمایا۔ چنانچہ اُن کے اکابر اور معاصر کی روایت ہے کہ عصر کے بعد نکاح اور مغرب کے بعد جامعہ ہی میں مہمانوں کا اِجتماع تھا، مولانا موصوف ان مہمانوں میں بیٹھنے اور اُن سے مشغول ہونے کے بجائے اوّابین سے فارِغ ہوتے ہی سیدھے دارالتصنیف میں تشریف لے گئے اور اپنے معمولات کی بجا آورِی میں مشغول ہوگئے۔ دوسری طرف جب دولہا میاں مجلس تعریس میں نہ پائے گئے تو تشویش ہوئی۔ تلاش کیا گیا تو آپ ذکر دوازدہ تسبیح میں مشغول پائے گئے۔ اُن سے عرض کیا گیا آج تو اس کو مؤخر کرلیا جاتا؟ اس پر فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:''

''(اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جس پر دوام واستمرار ہو، چاہے وہ تھوڑا سا عمل بھی کیوں نہ ہو) لہٰذا اس حدیث کے پیشِ نظر میں اپنی تقریب نکاح کی وجہ سے اپنے زندگی بھر کے معمول کو نہیں چھوڑ سکتا۔

الغرض مولانا موصوف بہت ہی خوبیوں کے مالک تھے۔ اعداءِ اِسلام کو گلشن بنورِیؒ کا یہ مہکتا پھول برداشت نہ ہوا اور اُنہیں اپنے دو رفقاء سمیت بے دردِی سے شہید کردیا گیا۔

حکومت کے دعووں کے مطابق مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور محمد طاہر شہیدؒ کے قاتلوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور اُن قاتلوں نے اِعترافِ جرم بھی کرلیا ہے، لیکن اِطلاعات کے مطابق اَصل سرغنہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا ہے۔ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اِتنی معمولی شخصیت نہیں تھے کہ اُن کے اَصل قاتل کو اِس طرح آسانی سے چھوڑ دِیا جائے، حکومت کی ذِمّہ دَارِی ہے کہ سرغنہ دُنیا کے کسی گوشہ میں ہو اُس کو گرفتار کرکے لائے اور قرارِ وَاقعی سزا دِی جائے تاکہ آئندہ ایسی حرکت کا کوئی اِرتکاب نہ کرے وزیر اعلیٰ سندھ سے پُرزور مطالبہ ہے کہ ان قاتلوں پر سرسری عدالت میں مقدمہ چلاکر فورِی طور پر قرارِ وَاقعی سزا دِی جائے اور اَصل سرغنہ کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔ قاتلین اِن شاء اللہ تعالیٰ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔

قارئین کرام سے دُعاؤں کی بھی درخواست ہے کہ اللہ ارحم الراحمین مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور محمد طاہرؒ کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور اُن کے قائم کردَہ دَسیوں تعلیمی اِدَاروں کو جارِی وسارِی رکھنے کا اِنتظام فرمائے اور حضرت بنورِیؒ کے قائم کردَہ جامعہ کے خلاف اِسلام دُشمن باطل قوتوں کی سازشوں کو ناکام فرمائے اور شہداء کے لواحقین، پسماندگان اور متعلقین اِدَارہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ہم ان تمام علماء کرام، دِینی مدارِس سے تعلق رکھنے وَالے منتظمین و دِینی مذہبی تنظیموں کے حضرات، بیرونِ ملک واندرُونِ ملک سے اِس سانحۂ فاجعہ پر جامعہ علومِ اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن کی مجلس منتظمہ اور مجلس شوریٰ کو خطوط وفیکس بھیجنے وَالے اور بذاتِ خود تعزیت کے لیے تشریف لانے وَالے اَفراد کا فرداً فرداً شکریہ اَدا کرنے سے قاصر ہیں، اِس تحریر کے ذَریعہ ہم ان سب کے شکرگزار ہیں کہ جنھوں نے اِظہارِ رَنج وغم کیا اور بیک آوَاز ہوکر صدائے اِحتجاج بلند کی، اللہ جل شانہ اُن کو ترقیات سے نوازے۔ آمین

……

مولانا حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت.......عدل واِنصاف کا خون

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

آج سے تقریباً ڈیڑھ دو سال قبل جامعہ بنورِی ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، اُستاذِ حدیث مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ کو جامعہ علومِ اِسلامیہ کے قریب فائرنگ کرکے شہید کردِیا گیا تھا، سفاک قاتلوں کے خلاف پورا شہر بلکہ پورا ملک سراپا اِحتجاج بن گیا تھا، اِنتظامیہ نے بخلافِ دستور پیشہ ورَانہ چستی دِکھائی اور قاتل گرفتار ہوگئے، چشم دِید گواہوں نے اُنہیں شناختی پریڈ میں شناخت کیا اور اِنسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر اَخبارَات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ: ''اِنسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت نے اِس گھناؤنے جرم کے مجرم ملزمان کو موت کی سزا کا مستحق قرار دے دِیا ہے''۔ یہ فیصلہ اَپنی جگہ نہایت معقول اور قرین قیاس تھا، اِس سے مظلوموں کی اَشک شوئی اور ظالموں اور مجرموں کو کیفرِ کردَار تک پہنچانے میں خاصی مدد ملنے کی توقعات تھیں، مگر کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اِس فیصلہ میں عدل واِنصاف کے تقاضے کس قدر پورے کیے گئے؟ عدالتی کارروَائی میں کہاں تک امانت ودِیانت کا پاس کیا گیا؟ صحیح معنی میں اِس کا اَندازہ اُس وَقت ہوا جب چند دِن بعد مجرموں نے ہائی کورٹ میں سزائے موت کے خلاف اپیل کردِی۔ تب معلوم ہوا کہ پاکستان میں مظلوموں کی مدد کی بجائے ظالموں کی سرپرستی کی جاتی ہے، یہاں عدالتیں اِنصاف کی نہیں ظلم کی پناہ گاہیں ہیں، یہاں ظلم سستا اور اِنصاف مہنگا ہے، اِن جگہوں میں اِ و

شرافت کا قتل ہوتا ہے، عدل و اِنصاف کی کرسی پر بیٹھنے وَالے یہ مہذب لٹیرے قانون اور دستور کی دھجیاں اُڑاتے ہیں، انہیں مظلوموں کی اَشک شوئی سے زیادہ اَپنی تجوریوں کا خیال ہے، انہیں یتیموں اور بیواؤں سے زیادہ قاتلوں کی اولاد سے تعلق خاطر ہے۔

چنانچہ ہائی کورٹ نے جب اِس فیصلہ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ نام نہاد فاضل جج نے بھرپور اَنداز میں مجرموں کو فائدہ پہنچانے کی ناپاک کوشش کی ہے، جس کی بناء پر یہ فیصلہ غیر مؤثر ہے اور اس کو کسی طرح برقرار نہیں رَکھا جا سکتا، جیسا کہ روزنامہ جنگ کراچی میں ہے:

”کراچی (اِسٹاف رپورٹ) سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس مسٹر عبد الحمید ڈوگر اور جسٹس مسٹر غلام نبی سومرو پر مشتمل ڈِویژن بینچ نے بنورِی ٹاؤن کے مہتمم ممتاز عالم دِین مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبد السمیع اور محمد طاہر کو قتل کرنے کے اِلزام میں سزائے موت کا حکم پانے وَالے سلیم حسین جعفری اور تنویر عباس رِضوی کی اپیل منظور کر لی اور اُن کی سزائیں کالعدم قرار دے دِیں، فاضل عدالت نے ملزمان کے خلاف کسی اور عدالت میں مقدمہ چلانے کا حکم دِیا ہے، فاضل عدالت نے اَپنے حکم میں کہا ہے کہ اِنسدادِ دہشت گردِی کی عدالت کے جج حاکم علی عباسی نے سماعت کے دَوران سنگین غلطیاں کی ہیں، اِس لیے سزا کو برقرار نہیں رَکھا جا سکتا، فاضل بینچ نے وِفاقی حکومت سے سفارِش کی ہے کہ مذکورہ جج کے خلاف سخت تادِیبی کارروَائی کی جائے، عدالت عالیہ نے ماتحت عدالت کے جج حاکم علی عباسی کو طلب کیا، جج حاکم علی عباسی نے وکلاء کی موجودگی میں یہ تسلیم کیا کہ اُن سے مقدمہ کی سماعت کے دَوران غلطیاں ہوئی ہیں، فاضل جج نے کہا کہ اُنہیں ٹیلی فون پر دھمکیاں مل رہی تھیں اور اُن پر سخت دباؤ تھا، جس کی وَجہ سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔

جمعرات کو جب اپیل کی سماعت شروع ہوئی تو ملزمان کے وکلاء ناصر حسین جعفری، وقار [illegible]ی نے نشاندہی کی کہ ماتحت عدالت نے مقدمہ کے فیصلے پر کوئی تارِیخ دَرج نہیں کی ہے اور فیصلہ کے ہر صفحہ پر جج کے دستخط نہیں ہیں، ملزمان کے بیانات پر جج کے دستخط نہیں ہیں، فاضل جج نے ملزمان کو سرٹیفیکیٹ بھی جارِی نہیں کیا کہ ملزمان نے ہوش و حواس میں اَپنے بیانات قلم بند کرائے اور بیان اَپنی مادرِی زبان میں سمجھنے کے بعد دِیا اور یہ بھی

نہیں لکھا کہ بیان عدالت میں ریکارڈ ہوا ہے، مقدمہ کی فائل پر بیشتر دستاوِیزات پر نمبر نہیں لگے ہوئے ہیں، وہ بیانات جو جج نے اَپنے قلم سے لکھے ہیں اُن پر بھی اُن کے دستخط نہیں ہیں، مفرور ملزم رضا اِمام زیدی کو اَخبارَات کے ذَریعے اِشتہارِی ملزم قرار دینے کے لیے جو اِشتہار شائع ہوا ہے اُس میں مفرور ملزم کا نام نہیں ہے، اِس طرح ملزم کو اِشتہارِی قرار دینے کی کارروَائی بھی بے اَثر ہوگئی"۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۱۲/مارچ ۱۹۹۹ء)

فاضل جج کا یہ کہنا کہ مجھ پر دباؤ تھا اور میں نے فیصلہ کرنے میں غلطیاں کی ہیں، اِس لیے غلط ہے کہ اَگر اُن کے لیے فیصلہ کرنا ممکن تھا تو فیصلہ سے اِنکار کر دِیا جاتا، پھر اَگر کوئی دباؤ تھا تو اُس دباؤ کا پورَا پورَا فائدہ ملزمان کو ہی کیوں پہنچا؟ یعنی اس پورے فیصلہ میں کوئی تو ایسی شق بھی ہوتی جس سے مظلوموں کے ساتھ ہمدردِی کا اِظہار ہوتا۔

یہی وَجہ ہے کہ عدالت عالیہ نے بھی جج کے اِس عذرِ لنگ کو قبول نہیں کیا بلکہ اسے دَانستہ اور سنگین غلطیاں قرار دِیا ہے اور اس جج کے خلاف تادِیبی کارروَائی کا مطالبہ کیا اور مقدمہ اَز سرِنو اِنسدادِ دہشت گردِی کی عدالت میں سماعت کے لیے بھیج دِیا گیا ہے۔

اِنسدادِ دہشت گردِی کے نام نہاد جج کی اِس جانبدَارِی کی جس قدر مذمت کی جائے کم ہے۔ عدل و اِنصاف کے اِس مقدس شعبہ سے منسلک ایسی کالی بھیڑوں کے طرزِ عمل سے ظلم و بربریت کو رِوَاج ملتا ہے اور قتل و غارَت گری، مار دَھاڑ کی آبیارِی ہوتی ہے، معاشرے میں اَنارکی پھیلتی ہے اور ملک و ملت کی بین الاقوامی سطح پر بدنامی ہوتی ہے، حکومت اور اِنتظامیہ کو اِس کا سنجیدگی سے نوٹس لینا چاہیے اور اس فیصلہ کے اَسباب و عوامل اور محرکات کا سراغ لگانا چاہیے۔

ملکی اَخبارَات میں اِس فیصلہ کے کالعدم ہونے کی خبریں شائع ہوئیں تو مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی، فوراً جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کراچی کے مقتدر علماء اور دِینی جماعتوں کا نمائندہ اِجلاس طلب کیا گیا، اِس ظالمانہ اور جانبدَارَانہ کارروَائی اور ظلم کے خلاف بھرپور اِحتجاج کیا گیا، آئندہ کے لیے لائحۂ عمل پر غور

کیا گیا۔ اور کیس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دِی گئی، جس کے ذِمّہ لگایا گیا کہ وہ گورنر سندھ، چیف سیکریٹری اور ہوم سیکریٹری سے ملاقات کر کے اُنہیں طلباء، علماء اور ملک بھر کے مسلمانوں کے رَدِّعمل سے آگاہ کرے۔ اور طے کیا گیا کہ اگر حکومت اور عدلیہ نے ہمارے ساتھ تعاون نہ کیا تو ہم راست اِقدام کا حق محفوظ رکھتے ہیں، چنانچہ اِس اِجلاس کے بعد فورِی طور پر اَخبارَات کو جو خبر جارِی کی گئی یہ ہے:

> ''کراچی (پ۔ر) سوادِ اَعظم اہلِ سنت کے سیکریٹری جنرل مولانا محمد اَسفندیار خان کی صدارَت میں جامعہ بنورِی ٹاؤن میں کراچی کے مقتدر علماء اور مذہبی جماعتوں کا ایک نمائندہ اِجلاس ہوا، جس میں سانحۂ بنورِی ٹاؤن کیس کے ملزمان کی سزائے موت کالعدم قرار دینے سے پیدا ہونے وَالی صورتِ حال پر تشویش کا اِظہار کیا گیا۔ اجلاس میں کیس کا مفصل جائزہ لینے کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دِی گئی جو گورنر سندھ، چیف سیکریٹری اور ہوم سیکریٹری سے ملاقات کر کے اُنہیں علماء، طلباء اور عوام کے ردِّعمل سے آگاہ کرے گی۔ اِس موقع پر حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ سانحۂ بنورِی ٹاؤن کیس میں کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں کیا جائے گا اور اگر اِس سلسلہ میں کوئی شبہ پیدا ہوا تو اُس کے خلاف اِحتجاج کیا جائے گا۔ اِجلاس میں کراچی کے حالات کے پیشِ نظر عوام کو پُراَمن رہنے کی تلقین کی گئی اور ایک قرار دَاد کے ذَریعے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ سانحۂ بنورِی ٹاؤن کیس کو اِنسدادِ دہشت گردِی کی خصوصی عدالت میں کسی غیر جانبدار جج کے پاس بھیجا جائے۔ اِجلاس میں ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا سیّد سلیمان بنورِی، مولانا محمد اَنور بدخشانی، مولانا محمد زبیر منجور، مولانا محمد قاسم، مولانا فضل محمد یوسف زئی، مفتی محمد عاصم زکی، مفتی محمد انعام الحق، مولانا محمد عادِل، مولانا عنایت اللہ، مولانا محمد زکریا، مولانا عبدالرّزاق، قارِی محمد اِقبال، مولانا محمد زروَلی خان، مولانا عبدالکریم ندیم، مولانا عبدالغفور ندیم، مولانا محمد اَمجد خان، قارِی محمد عثمان، مولانا فیض اللہ آزاد، مولانا فیض محمد فیض نقشبندی، قارِی عبدالمنان اَنور نقشبندی، مولانا منصورُ الرحمٰن، مولانا معاویہ، مولانا مشتاق احمد، مولانا ثناءاللہ، مولانا قاضی عبیداللہ اَحرار، مولانا محمد طلحہ رحمانی، مولانا غلام مصطفیٰ فارُوقی، مولانا امان اللہ طاہر ملک، مولانا شبیر احمد، مولانا محمد ہمایوں نے شرکت کی۔'' (روزنامہ جنگ کراچی ۱۵؍مارچ ۱۹۹۹ء)

اِس اِجلاس کے بعد . پ وَ ام علماء کمیٹی نے ہوم سیکریٹری اور متعلقہ حکام سے ملاقات کی اور اِس مقدمہ کے سلسلہ میں اَپنے خدشات کا اِظہار کیا اور اِس کھلی جانب داری پر بھرپور اِحتجاج کیا اور اس کو علماء کے خلاف ایک کھلی سازِش قرار دِیا، تو اُنہوں نے یقین دہانی کرائی کہ ہم ہر حال میں آپ کو اِنصاف مہیا کریں گے اور ظالم اِن شاء اللہ کیفرِ کردار کو پہنچیں گے اور مقدمہ پھر سے نئی قائم ہونے والی اِنسدادِ دہشت گردِی کی عدالت میں ی جائے گا۔ اِس بات کو تین ماہ ہونے والے ہیں حال اِس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، جس سے علماء، طلباء، عوام اور خصوصاً دِینی حلقوں میں روز بروز تشویش میں اِضافہ ہو رہا ہے۔ خصوصاً اَب . . کہ ۱۱ / مئی ۱۹۹۹ء سے کراچی میں اِنسدادِ دہشت گردِی کی ۶ / عدالتوں نے کام شروع کر دِیا ہے اور اِبتدائی طور پر ان میں تین تین مقدمات بھی بھیجے جا چکے ہیں اور ملزمان کو پیش کرنے کے لیے اِنتظامیہ کو ہدایت بھی دے دِی گئی ہے ان مقدمات میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے کیس کا کہیں کوئی تذکرہ نہیں (ملاحظہ ہو روزنامہ . کراچی ۱۲ / مئی ۱۹۹۹ء)، اِس سے مسلمانانِ پاکستان خصوصاً علماء اور شہداء کے وَارثوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے، اِس سلسلہ میں اِنتظامیہ خصوصاً ہوم سیکریٹری، چیف سیکریٹری، گورنر سندھ اور صدرِ پاکستان کو ذَاتی دِلچسپی لے کر اِس قضیہ کو حل کرنا چاہیے تاکہ ظالموں کو کیفرِ کردَار تک پہنچایا جا سکے۔

کائنات کا نظام ہی عدل و اِنصاف سے وَابستہ ہے نظامِ عالم کے لیے عدل و اِنصاف سے بڑھ کر اور کوئی چیز ضرورِی نہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ ملوک و سلاطین کا ظلم ہی سب سے پہلے اس عالم کی تباہی و بربادِی کا ذَریعہ بنتا ہے۔ اہلِ دَانش کا قول ہے کہ کفر کے ساتھ تو حکومت چل سکتی ہے ظلم و اِستبداد کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اِس لیے حکمرانوں اور عدلیہ کو اَپنے اور قوم کے حال پر ترس کھانا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے ظلم و اِستبداد کا عذاب و وَبال پورِی قوم کو بھگتنا پڑے۔

……

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی المناک شہادت

مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ

بروزِ اتوار مؤرّخہ ۲/نومبر ۱۹۹۷ء کو ۱۲/بج کر ۴۰/منٹ پر کراچی کی معروف شاہراہ .نس ر رڈر روڈ پر، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کراچی سے صرف ایک فرلانگ کے فاصلے پر، ہزاروں افراد کی آنکھوں کے سامنے، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ر ، کئی کتابوں کے مؤلف، وفاق المدارِس العربیہ پاکستان کے سیکریٹری جنرل حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ جامعہ کے اُستاذ، ناظم، طلباء کے دلوں کی دھڑکن، محبوب ترین اُستاذ جناب مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اورڈرائیور جناب محمد طاہرؒ کو گولیوں سے بھون کر شہید کرنے کے بعد گاڑِی کو آگ لگادِی گئی، جس سے دونوں بزرگ ہستیوں کی لاشیں جل کر بھسم ہوگئیں۔

دہشت و . . . ی کی ایسی مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔

تفصیلات کے مطابق حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، حضرت مولانا مفتی عبد السمیع، حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی اور جناب بشیر اَحمد نقشبندی جامعہ علومِ اِسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی گاڑی میں ڈرائیور محمد طاہر کے ساتھ جامعہ علومِ اِسلامیہ کی شاخ مدرسہ معارف العلوم چاندنی چوک پوش نگر میں ایک میٹنگ کے سلسلے میں تشریف لے

گئے، مدرسہ کے سلسلے میں اہل محلّہ کے کچھ اعتراضات اس حدتک پہنچ گئے تھے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب کا مصالحت کے لیے جانا ضروری ہوگیا تھا، وہاں سے تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹہ بات چیت کے بعد واپسی کے لیے روانہ ہوئے، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب کود اسا ہ کرام کے ساتھ مسجد اقصیٰ جمشید روڈ میں ختم قرآن کی ایک تقریب میں شرکت کر کے دعا کرانی تھی، گاڑی جب پٹیل پاڑہ سے گزرتی ہوئی گرومندر چوک کے قریب پہنچ کر آہستہ ہوئی تو اچانک ایک موٹر سائیکل سوار گاڑی کے آگے آکر رُکا اور اُس نے اُتر کر ڈرائیور پر فائرنگ شروع کردی، جس کی وجہ سے ڈرائیور گاڑی کو بچا کر نہ لے جاسکا، اتنے میں اچانک دونوں اطراف سے فائرنگ شروع ہوگئی، جس سے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب اور مفتی عبدالسمیع صاحب موقع پر ہی شہید ہوگئے، مولانا عبدالقیوم چترالی صاحب اور بشیر احمد صاحب نیچے دبک گئے، قاتلوں نے فوری طور پر آتش گیر مادہ کر گاڑی کو جلادیا، بشیر احمد نقشبندی صاحب جو اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے اُنہوں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر چھلانگ لگائی جس کی وجہ سے وہ زخمی ہوئے، جبکہ حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی صاحب نے ۲ر منٹ بعد جب سر اُٹھا کر دیکھا تو گاڑی دھویں سے بھری ہوئی تھی اور کچھ نہیں آرہا تھا اور گاڑی میں تپش بڑھ رہی تھی، اگلا حصہ محفوظ دیکھتے ہوئے حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی صاحب نے وہاں چھلانگ لگائی اور بشیر احمد صاحب والے دروازہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ پوری گاڑی آگ کی لپیٹ میں ہے اور اس سے اُٹھنے والے شعلے آسمان سے باتیں کررہے ہیں اور گاڑی کے اندر کا کچھ پتہ نہیں چل رہا، لوگ جمع ہوئے، بڑی مشکل سے دروازہ کھولا اور جلتی آگ میں گھس کر کچھ باہمت نوجوانوں نے اندر جاکر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب اور مفتی عبدالسمیع صاحب کو نکالا تو وہ نہ صرف شہید ہوچکے تھے، بلکہ اُن کی نعشیں بھی جل کر ناقابل شناخت ہوچکی تھیں، جناب بشیر احمد نقشبندی صاحب کو زخمی حالت میں اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد

حبیب اللہ مختار صا ، مفتی عبد السمیع صا اور ڈرائیور جناب محمد طاہر صا کو شہادت کی حا ت میں ہسپتال لے جای َ ی ، جہاں ڈاکٹروں نے بتای کہ ڈرائیور جناب محمد طاہر تو صرف گولیاں لگنے سے شہید ہوئے ، کہ مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا اور مفتی عبد السمیع صا گولیوں کے ساتھ ساتھ جلنے کی وجہ سے شہید ہوئے ۔

حضرت مولا· عبد القیوم چترالی صا کے مطابق جیسے ہی گولیاں چلیں ہم نے اس سے بچنے کے لیے اپنے سروں کو نیچے کیا اور میں ای طرف کو جھک َ ی ، میرے او پ مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا جھکے ، اِتنے میں میں نے آواز سنی ’’

’’ ، اور دوسری مرتبہ صرف سنائی دی اور آواز بند ہوگئی ۔ عینی شاہدین کے مطابق حملہ آور ۲/ اسکوٹ وں پ سوار تھے نیز ای گاڑی بھی دیکھی گئی ۔ بعض عینی شاہدین کے مطابق جلنے والی جگہ سے متصل عمارت کے لوگوں سے پ نی وغیرہ مانگا َ ی لیکن انہوں نے دروزے بند کردیئے ۔ ای عینی شاہد کے مطابق کسی بلڈ َ سے بھی گاڑی پ فائیر َ کی گئی ۔ گاڑی پ پھینکا جانے والا آتش گیر مادہ اتنا ز د ت تھا کہ تین چار منٹ کے ا· ر ا· ر گاڑی مکمل طور پ جل کر خاکستر ہوگئی ، نیز گاڑی کی چھت پ بھی فائیر َ کے ت ملے ہیں ۔

اِطلاع ملتے ہی طلباء جائے واردات پہ پہنچ گئے ۲/ گھنٹے امید وبیم کی کیفیت کے بعد ڈھائی بجے کے قری اعلان کردی َ ی کہ جامعہ کے ر وشیخ الحدی ث حضرت مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولا· مفتی عبد السمیعؒ شہید ہوگئے ہیں ۔ اعلان ہوتے ہی جامعہ علومِ اسلامیہ بنورِی ٹ ؤن کے در ودیوار سسکیوں اور آہوں سے گونجنے لگے ۔

ڈاکٹر مفتی م الدین شامزئی اور صا زادہ مولوی سیّد محمد بنوری نے طلباء کے سامنے مسجد میں ان علماء کی شہادت کا اعلان کیا تو طلباء اپنی چیخوں پہ قابو نہ پ سکے ، تھوڑی ہی دی میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے کراچی میں پھیل گئی ، کراچی کا اکثر علاقہ سوگ میں بند ہو َ ی اور لوگ جامعہ کی طرف روانہ ہوگئے ، عصر ت مسجد اور اس کے اطراف کی سڑکوں پ تل دھرنے کی جگہ ت نہیں تھی ، کراچی میں جگہ جگہ فسادات کے

خطرات شروع ہوگئے، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ء الرحمٰن، مولانا اِمداد اللہ اور جامعہ کے دیگر اساتذہ کرام طلباء کو تسلی دینے کے ساتھ ساتھ اطراف پر بھی نگاہ رکھے ہوئے تھے تاکہ شرپسند عناصر صورتِ حال کا ناجائز فائدہ نہ اُٹھالیں۔ صاحبزادہ مولوی سیّد محمد بنورِی صاحب نے ڈی سی ایسٹ جناب محمد حسین، کمشنر کراچی، ایس ایس پی اور رینجرز کے کمانڈروں سے رابطہ قائم کرکے اُن سے اپیل کی کہ وہ حالات کو اس المناک شہادت کے تناظر میں دیکھیں اور طلباء کو مشتعل نہ کریں۔ نشریاتی اداروں میں سے بی بی سی نے سب سے پہلے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مفتی عبدالسمیعؒ کی شہادت کی خبر نشر کرکے پوری دنیا کو اس المناک واقعہ سے آگاہ کیا۔ چند گھنٹوں میں یہ خبر پاکستان بھر میں پھیل گئی اور علماء کرام جامعہ بنورِی ٹاؤن پہنچنا شروع گئے، دوسری طرف ضلعی اِنتظامیہ بھی پہنچ گئی، شام پانچ بجے ہسپتال سے میتیں لائی گئیں اور دار الحدیث میں زیارت کے لیے رکھ دی گئیں، پورے پاکستان سے اِطلاعات آنی شروع ہوگئیں کہ علماء کرام آنا چاہتے ہیں، لہٰذا جنازہ کا وقت دوسرے دن کا مقرر کیا جائے، لیکن جامعہ کی اِنتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ تدفین رات کو ہی مناسب ہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کوئٹہ میں تھے، اُنہوں نے اِطلاع دی کہ وہ خصوصی طیارے کے ذریعہ کراچی پہنچ رہے ہیں، اُن کا اِنتظار کیا جائے، چنانچہ وہ حافظ حسین احمد اور مولانا عبدالغفور حیدری کے ہمراہ رات نو بجے پہنچے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی، حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا سعید احمد جلال پوری، مولانا یا احمد تو ی، مولانا محمد اسفندیار خان، مولانا محمد زرولی خان، مولانا محمد اسعد تھانوی، مولانا اقبال اللہ، مولانا محمد طیب نقشبندی، مولانا فیض محمد نقشبندی، مولانا محمد احمد مدنی، مولانا فیض اللہ آزاد، مولانا شجاع الملک، مولانا محمد یوسف کشمیری، الحاج بھائی یمین، الحاج بھائی عبدالرشید سورتی، مولانا سالک ر نی، مولانا شیر محمد، قاری شیر افضل، مولانا نصیر الدین سواتی، مولانا عبدالکریم عا ، مولانا حکیم محمد مظہر سمیت بے شمار علماء کرام، ہزاروں طلباء حضرت بنورِیؒ کے متعلقین، حضرت مفتی احمد

الرحمٰنؒ کے بے شمار عقیدت مند اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کے تلامذہ سوگ وَار حاضرین میں صف بندی کیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں صبر و تحمل کی طلب میں ایستادہ تھے۔ ۹؍بج کر ۵۰؍منٹ پر اِعلان ہوا کہ نمازِ جنازہ کی کرلیں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور جناب محمد طاہر شہیدؒ کی نمازِ جنازہ اَدا کی جارہی ہے تمام اَکابر۔ علماء کرام کی مشاورت اور خاندان کی اِجازت سے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے بڑے بھائی مولانا محمد احمد قمر مختار نے نمازِ جنازہ پڑھائی، نماز کی اَدائیگی کے بعد مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کا جسد خاکی ہزاروں سوگ وَاروں نے حضرت بنورِیؒ اور حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے پہلو میں دفن کرنے کے لیے اُٹھایا، منٹوں کا رَاستہ گھنٹوں میں طے ہوا، بعدازاں اَساتذہ کرام اور طلباء نے حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ کے پہلو میں اُنہیں سپردِ خاک کیا۔

مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کے عزیز و اقارب کا تقاضا تھا کہ وہ مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کی میت کو پنو عاقل لے جانا چاہتے ہیں، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کو جناب مولانا مفتی محمد عبد المجید دین پوری، مولانا مفتی خالد محمود، مولانا حماد اللہ شاہ اور مفتی صاحب شہیدؒ کے رشتہ داروں کے ہم راہ روانہ کرنے کے لیے۔ طلباء نے جنازہ اُٹھایا تو وہ بے تاب ہوگئے، جنازہ بڑی مشکل سے اُن سے چھڑا کر ایمبولینس کے ذریعہ روانہ کیا گیا، پنو عاقل میں لوگ رات سے ہی اِنتظار میں تھے، ہزاروں علماء کرام اور اہل حق سے وابستہ افراد جمع تھے۔ جنازہ کو اُن کے والد کی تعمیر کردہ مسجد لے جایا گیا، حضرت مولانا عبد الصمد ہالیجوی صاحب نے نمازِ جناہ پڑھائی اور بعدازاں اُن کو سپردِ خاک کردیا گیا۔ لاڑکانہ سے لے کر حیدرآباد تک کے علماء کرام اور اہل دین حضرات جنازہ میں شریک ہوئے اور وہاں پر ایک عظیم الشان تعزیتی اجلاس بھی ہوا، جس سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے مفتی صاحبؒ کی المناک شہادت کی مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلوں کو فورِی گرفتار کرے، بعدازاں اِحتجاجی مہم چلانے کا بھی اِعلان کیا گیا۔

ڈرائیور جناب محمد طاہر شہیدؒ نہایت ہی صالح نوجوان تھے اور اساتذہ کی خدمت

کے طور پر یہ فریضہ انجام دے رہے تھے، اُن کے رشتہ داروں کے کہنے پر میت کو عباس پور کشمیر لے جانے کا انتظام کیا گیا، طلباء نے اُن کی میت کو پہلے ائیر پورٹ اور پھر عباس پور پہنچایا، وہاں بھی علماء کرام جمع تھے اور اُنہوں نے نمازِ جنازہ اور تدفین کی تکمیل کے بعد احتجاجی جلسوں کا اہتمام کیا۔

اِس وَقت صورتِ حال یہ ہے کہ پورا پاکستان سراپا اِحتجاج ہے، ہر عالم دِین غم زدہ ہے اور ہر مدرسہ اپنے آپ کو یتیم سمجھ رہا ہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی ایک فردِ وَاحد کی حیثیت نہیں تھی، وہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اَعلیٰ اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن جیسے مرکزی مدرسہ کے مہتمم ہونے کی وَجہ سے طائفہ علماء حق کے نمائندے تھے، اُن کی ذَات پر حملہ پورے ایک مسلک پہ حملہ ہے، بقول کسے: یہ دِین پر اور اِسلام پر حملہ ہے، اِسی بنا پہ اِس وَاقعہ پر پورے پاکستان کے علماء کرام اور اہلِ دِین مغموم ہیں اور ہر شخص سراپا اِحتجاج بنا ہوا ہے۔

……………………………

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ کی شہادت کو تادم تحریر نو دِن ساڑھے سات گھنٹے گزر چکے ہیں، لیکن تاحال قاتلوں کے بارے میں اِبتدائی مقدمہ بھی پیش نہ ہوسکا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مسلکی مرکزیت کی وجہ سے اس سانحہ سے علماء دیوبند سے وابستہ ہر شخص متاثر ہے، بلکہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی علمی حیثیت اور مفتی عبدالسمیعؒ کے اِخلاص نے ہر مسلمان کے دل میں اس سانحہ پر غم کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ کراچی سے لے کر خیبر تک اور جولان سے لے کر بولان تک لوگ حکومت سے مطالبہ کررہے ہیں کہ قاتلوں کو فوری گرفتار کیا جائے، پیر کو کراچی میں تمام علماء کرام جمع ہوگئے، جماعت اسلامی اور اتحاد العلماء والے بھی شریک ہوئے، حضرت مولانا سلیم اللہ خان نے صدارت فرمائی، صاحبزادہ مولوی سیّد محمد بنوری، مولانا قاری افتخار احمد، مولانا محمد اسفندیار خان، مولانا محمد زرولی خان، مولانا عبدالرؤف، مولانا اقبال

اللہ، مولانا عبدالکریم عابد، مولانا علی شیر حیدری، مولانا یا احمد تو ی، قاری شیر افضل اور دیگر علماء کرام نے تجاویز پیش کیں، ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مولانا محمد اسفندیار خان، مولانا علی شیر حیدری، قاری شیر افضل، جناب سیّد خالد احمد بنوری، مولانا محمد زرولی خان، راقم محمد جمیل خان، مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا شیر محمد، مولانا محمد احمد مدنی وغیرہ شامل تھے، انہوں نے تجاویز کی روشنی میں غور وفکر کر کے لائحۂ عمل کا اعلان کیا کہ ''۵؍نومبر بروز بدھ پاکستان کے تمام دینی مدارس میں احتجاجی جلسے ہوں گے، تمام مدارس احتجاجی بینر لگائیں گے، حکامِ بالا سے قاتلوں کی فوری گرفتاری کا مطالبہ کیا جائے گا، جمعرات ۶؍نومبر کو جامع مسجد نیوٹاؤن میں احتجاجی جلسہ ہوگا اور جمعہ کے دن کراچی کی سطح پر پرامن ہڑتال کی جائے گی۔'' یہ تو کراچی کے فیصلے تھے، ادھر پنو عاقل اور سندھ کے بعض دوسرے شہروں میں جمعیت علماء اسلام کی اپیل پر پیر کے دن مکمل ہڑتال کی گئی۔ ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا عبدالصمد ہالیجوی، مولانا تاج محمد اور دیگر علماء کرام کی سربراہی میں بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکالے گئے، احتجاجی جلسے منعقد کیے گئے، کوئٹہ میں جمعیت علماء اسلام کی اپیل پر پیر کے دن ہڑتال کی گئی۔ صوبہ سرحد میں بدھ کے دن جمعیت علماء اسلام کی اپیل پر یومِ احتجاج منایا گیا۔ مردان میں فضلاء بنوری ٹاؤن نے احتجاجی جلوس نکالا۔ اسلام آباد اور دیگر شہروں میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ کوئٹہ میں عظیم الشان جلسہ ہوا، جس سے مولانا فضل الرحمٰن، حافظ حسین احمد، مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا محمد خان شیرانی، مولانا عبد الغنی، مولانا نور محمد، مولانا رشید احمد لدھیانوی اور مولانا محمد عبداللہ نے خطاب کیا۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت نے بھی مختلف شہروں میں احتجاجی جلسے کیے۔ منگل کے دن کراچی میں ہنگاموں کی سی کیفیت رہی۔ بدھ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت جلسوں کا اہتمام کیا گیا۔ جمعرات کے دن جامع مسجد نیوٹاؤن میں احتجاجی جلسہ تھا، جمعیت علماء اسلام نے اپنی نمائندگی کے لیے حافظ حسین احمد کو کوئٹہ سے بھیجا، بلکہ دیگر جماعتوں کی نمائندگی بڑے بڑے علماء کرام کر رہے تھے، حضرت مولانا قاری سیّد رشید الحسن وی

صاحب نے صدارت کی۔ مولانا قاری سیّد عتیق الحسن صاحب کی تلاوت سے احتجاجی جلسہ کا آغاز ہوا۔ شہداء کے بارے میں جب آیت تلاوت کی گئیں تو پورے مجمع کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ جلسے سے مولانا سیّد محمد اصلح الحسینی، مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان، حافظ حسین احمد، مولانا محمد اسفندیار خان، قاری شیر افضل، مولانا خان محمد ربانی، ڈاکٹر محمد ہارون القاسمی، جماعت اسلامی کے جناب نعمت اللہ خان ایڈووکیٹ، جمعیت غرباء اہل حدیث کے مولانا عبدالرحمٰن ، جمعیت اہل حدیث کے مولانا اختر محمدی، اہل حدیث یوتھ فورس کے محمد عمران ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مولانا احسان اللہ ہزاروی، مولانا نذیر احمد تونسوی، مولانا انوار الحق اور دیگر علماء کرام نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اتنے بڑے سانحہ پر علماء کرام نے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، کراچی جو پہلے ہی بدامنی کی وجہ سے پوری دنیا میں بدنام ہو چکا ہے، اس میں فسادات پھیلانا کیا مشکل ہے؟ لیکن ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا ء الرحمٰن، مولانا امداد اللہ، قاری محمد اقبال، مولانا حماد اللہ شاہ، مولانا عزیز الرحمٰن رحمانی نے نہایت کا ثبوت دیتے ہوئے مختلف مقامات پر خود جا کر فسادات کی کوششوں کو ناکام بنایا اور شرپسندوں پر نگاہ رکھی۔ اس پر وہ خراجِ تحسین کے مستحق ہیں، لیکن اس کے باوجود حکومت کا کیا رویہ ہے؟ ابھی تک قاتلوں کی گرفتاری کا کوئی امکان نظر نہیں آتا، بلکہ ساری توجہ علماء کے احتجاج کو روکنے پر ہے۔ اگر علماء کرام فسادات کرانے والے ہوتے تو آج یہ کام بہت آسان تھا، کراچی بلکہ پورے ملک کو فسادات کی آگ میں جھونک دیا جاتا، لیکن علماء کی امن دوستی، دین اور پاکستان سے محبت کا مشاہدہ آج نے کرلیا اور دیکھ لیا۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا قصور کیا تھا؟ مفتی عبدالسمیعؒ کیوں شہید کیے گئے؟ یہ سوچنے کی باتیں ہیں، اس کی کڑیاں بہت دور تک جا گی، یہ اشاعت علوم دین کے خلاف سازش ہے، یہ دینی مدارس کے خلاف سازش ہے، علماء اس کو کسی صورت کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ حکومت قاتلوں کو گرفتار کرے، بصورتِ دیگر تحریک کا دائرہ کراچی سے نکل کر پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے، کل مکمل پ

امن ہڑتال ہوگی، کسی اعلان پر نہ جائیں یہ آخری اعلان ہے اور ہڑتال کی تیاری کریں۔ اسٹیج سیکریٹری کے فرائض راقم محمد جمیل خان اور جناب محمد فاروق قریشی صاحب نے انجام دیئے۔ جمعہ کے دن کی ہڑتال کے فیصلے کی مذہبی جماعتوں نے حمایت کردی تھی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے لوگ سوگ کی وجہ سے ہڑتال کی تیاری کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کراچی کے غیور عوام کو کہ اکثر اسکول والوں نے جمعرات کو اعلان کردیا کہ علماء کی شہادت کی وجہ سے کل ہڑتال ہوگی۔ ٹرانسپورٹ برادری اور تاجر برادری نے بھی ہڑتال کی حمایت کردی۔ یہ خالص اللہ رب العزت کا احسان تھا کہ صبح نماز فجر کے لیے نمازی گھروں سے نکلے تو کراچی جیسے پُر رونق شہر پر ہوکاعلم طاری تھا، سناٹے کی وجہ سے خوف محسوس ہورہا تھا، دور دور تک ایک گاڑی بھی نہیں آرہی تھی، نو بجے کچھ پرائیویٹ گاڑی والے نکلے تو لڑکوں نے ان سے کہا کہ آج مسلمانوں کی ہڑتال ہے اگر آپ مسلمان ہیں تو واپس چلے جائیں، اکثر لوگ واپس چلے گئے، عجیب بات یہ ہے کہ پتہ نہیں کہاں سے کراچی میں فرشتے اُتر آئے تھے اور لوگوں سے ہڑتال میں شرکت کی درخواست کررہے تھے، قیامِ پاکستان سے اب تک سینکڑوں ہڑتالیں ہوئی ہیں لیکن اس ہڑتال کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ پورے دن کی ہڑتال میں ایک جگہ بھی فائرنگ نہیں ہوئی، ایک گاڑی نہیں جلی، کسی گاڑی کا شیشہ نہیں ٹوٹا، ایک آدمی کو چوٹ نہیں لگی، زخمی ہونا تو دور کی بات ہے، کسی کے خراش تک نہیں آئی، چند جگہوں پر صرف ٹائر جلائے گئے، وہ بھی شوقیہ۔ بی بی سی کے مطابق مکمل طور پر ہڑتال رہی اور تشدد کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ تمام اخبارات نے لکھا کہ برسوں بعد ایسی پُرامن ہڑتال ہوئی، بقول مولانا سلیم اللہ خان صاحب کہ ہڑتال کی کامیابی نے لوگوں کا تعلق جامعہ بنوری ٹاؤن سے ثابت کردیا۔ بہرحال ہڑتال ایک ریفرنڈم ثابت ہوئی کہ لوگ اب بھی علماء کے ساتھ ہیں۔ لانڈھی اور چاکیواڑہ جو کسی ہڑتال میں بند نہیں ہوتے، اس ہڑتال میں بند تھے۔ انتظامیہ نے بھی اس پُرامن ہڑتال پر علماء کا شکریہ ادا کیا کہ علماء نے کراچی کو فسادات سے بچاکر اِستحکامِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔

ہڑتال کے بعد اِنتظامیہ پر دباؤ ڈالنے کے لیے صدر، وزیراعظم اور وزیراعلیٰ کو خطوط روانہ کیے گئے حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے اِجلاس بلا کر اس سلسلے میں غور کیا، اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کی شہادت اگرچہ بہت بڑا المیہ ہے، لیکن ہڑتالیں، احتجاجی جلوس وغیرہ علماء کرام کے شایانِ شان کام نہیں ہیں، اِس لیے علماء کرام دباؤ کے لیے حکام سے ملاقاتیں کریں گے، اس سلسلے میں ''سات رکنی بنورِی ٹاؤن علماء کمیٹی'' تشکیل دی گئی، وفاق المدارس اور سواد اعظم اہلِ سنت کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان کو اس کمیٹی کا سربراہ مقرر کیا گیا اس کمیٹی نے صدرِ پاکستان، وزیراعظم، گورنر اور کور کمانڈر کو ملاقات کے لیے خطوط رَوانہ کیے۔ اس دَورَان وَزیراَعلیٰ سندھ نے تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام کا اِجلاس طلب کیا، جامعہ بنورِی ٹاؤن اور مسلک دِیوبند کی نمائندگی مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر، صاحبزادہ مولوی سیّد محمد بنورِی، مولانا محمد اَسفندیار خان، مولانا اَسعد تھانوی، مولانا تنویر الحق تھانوی، مولانا سیف اللہ ربانی، طارِق مدنی، قارِی محمد اِقبال، مولانا اِحسان اللہ ہزاروِی، رَاقم محمد جمیل خان نے کی۔ جبکہ بریلوی مسلک کی نمائندگی مولانا فرید الحق، مولانا تراب الحق قادرِی اور حاجی حنیف طیب وَغیرہ نے کی، وزیراعلیٰ نے اِس عظیم سانحہ پر علماء کرام کو صبر وتحمل کا مظاہرہ کرنے پر خراجِ تحسین پیش کیا اور یقین دِلایا کہ قاتلوں کو بہت جلد گرفتار کرلیا جائے گا علماء کرام نے اِنتظامیہ کی جانب سے تفتیش میں سستی پر اظہارِ افسوس کیا۔ جمعرات ۱۲؍نومبر کو جمعیت علماء اِسلام نے مولانا فضل الرحمٰن کی قیادَت میں ایک عظیم الشان ریلی نکالی، جس میں مولانا فضل الرحمٰن نے اِعلان کیا کہ قاتلوں کی گرفتارِی تک تحریک جارِی رہے گی، اُنھوں نے کہا کہ رُوس کو نکالنے وَالے پاکستان سے انگریزوں کی اولادوں کو بھی نکال دیں گے مولانا محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادَت سے اگر حکومت سمجھتی ہے کہ مدارِس بند ہوجائیں گے تو یہ اس کی بھول ہے۔

۱۷؍نومبر کو حضرت مولانا سلیم اللہ خان، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر، مولوی سیّد محمد بنورِی، مولانا محمد اَسفندیار خان، مولانا اَسعد تھانوی، سینیٹر اِسمٰعیل بلیدی،

مولانا اَمیر حسین گیلانی، رَاقم محمد جمیل خان، حاجی مسعود پاریکھ اور مفتی محمد نعیم پر مشتمل وفد نے صدرِ پاکستان سے تفصیلی ملاقات کی، ڈیڑھ گھنٹہ کی اس ملاقات میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب نے سانحۂ بنورِی ٹاؤن کے پس منظر اور مدارِسِ دِینیہ کے خلاف حکومتی اور بیرونی دُنیا کے پروپیگنڈہ اور اِسلام کے خلاف سازشوں کا تذکرہ کیا، صدرِ پاکستان نے اِظہارِ تعزیت کرتے ہوئے وَفد کو یقین دِلایا کہ قاتلوں کی گرفتارِی کے لیے وہ اَپنے فریضہ کو بھرپور اَنداز میں اَدا کریں گے۔ اس سے قبل بھی وہ صوبائی حکومت اور گورنر کو ہدایت جارِی کرچکے ہیں، اُنہوں نے مدارِس کے خلاف کارروَائیوں کی مذمت کرتے ہوئے یقین دِلایا کہ دِینی مدارِس کے خلاف کسی بھی مہم کو چلانے کی اِجازت نہیں دِی جائے گی، اُنہوں نے علماء کرام سے اَپیل کی کہ وہ فرقہ وَارِیت کے خاتمے اور منافرت کی فضا کو کم کرنے کے لیے پہل کریں اور پھر حکومت سے ان ضابطوں پر عمل کراکر اِستحکامِ پاکستان کے لیے کام کریں۔ اُنہوں نے کہا کہ دِینی مدارِس سے متعلق بعض مسلم ممالک کی جانب سے اِحتجاج کو اُنہوں نے مسترد کردِیا ہے، اُنہوں وَاضح کیا کہ بعض پڑوسی ممالک پاکستان میں عدمِ اِستحکام کے لیے کوشاں ہیں۔

اَب صورَتِ حال یہ ہے کہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ کی شہادَت اور اس المناک سانحہ کو کئی دِن گزر گئے ہیں، جمہورِی طریقے پر اِحتجاج کے تمام طریقے اَپنائے گئے، وَزیرِ اَعلیٰ سندھ یہاں تک صدرِ پاکستان تک سے رُجوع کرلیا گیا ہے، اِنتظامیہ کو ہر اَنداز سے مطلع کرلیا گیا لیکن اَبھی تک اِبتدائی طور پر بھی عدالت میں مقدمہ نہیں پیش کیا گیا۔ جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ قاتل متعین ہیں۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مفتی عبدالسمیعؒ جس قضیہ کے تصفیہ کے لیے گئے تھے وَہاں اُنہیں ایسی دَھمکیاں دِی گئی تھیں کہ اگر اس قضیہ میں شامل اَفراد کے خلاف تفتیش کی جائے تو قاتلوں تک پہنچا جاسکتا ہے اِسی طرح بین الاقوامی تناظر میں تحقیق کی جائے تو اس کے سرے ملنا کوئی مشکل نہیں، لیکن کرے کون؟ آج کل تو ہر شخص کی اَپنی اَپنی

مصلحتیں ہیں، وَزیر اعلیٰ صاحب کی کل ۱۸/ سیٹیں ہیں، اُن کو اَپنا اِقتدار بچانے کے لیے کئی قسم کی سودے بازیاں کرنی پڑتی ہیں۔

یہاں یہ افسوس ناک پہلو بھی قابلِ ذِکر ہے کہ ملک کی ان انتہائی محترم علمی شخصیات کے سانحۂ قتل پر صدرِ مملکت اور وزیر اعظم کی طرف سے تعزیت و مذمت یا قاتلوں کی گرفتاری کے لیے کسی فوری اِقدام کا اِعلان نہیں کیا گیا۔ جبکہ چار امریکیوں کے قتل پر اِظہارِ اَفسوس میں صدر اور وزیر اعظم ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کی فکر میں رہے۔ امریکہ کی خوش نودی کے لیے فوری تعزیت، اِظہارِ افسوس، سے معذرَت، تفتیشی ٹیموں کا اِعلان، ملزموں کے تصویری خاکے، قاتلوں کی گرفتاری کی یقین دہانیاں، ٹیلی فون پر صدرِ امریکہ کے سامنے صفائی، غرضیکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ پوری حکومت کے سامنے صرف ایک مسئلہ ہے اور اِنسپکٹر پولیس سے صدرِ مملکت تک اِسی کے لیے کوشاں ہیں کہ اِس وَاقعہ سے جناب بل کی پیشانی پر بل نہ پڑ جائے، کسی غیر ملکی کا پاکستان میں قتل ہو جانا ہمارے لیے یقیناً باعث اَفسوس ہے، بڑی طاقت کا دباؤ بھی اَمر وَاقعہ ہے، قرضوں کا لالچ بھی بڑی بلا ہے، اس کے ساتھ حمیت بھی اَپنا مقام رَکھتی ہے، عزتِ بھی کوئی چیز ہے اور خود آگہی کا بھی کوئی مرتبہ ہے۔ غیر ملکیوں کے قتل پر سرکارِی بیان جارِی کیا جانا ایک معمول کی رِوَایت ہے۔ اِسی پر اِکتفا کیا جاتا تو ہمارِی غلامانہ ذہنیت اور اِحساسِ کمتری کا پردہ سرِعام چاک نہ ہوتا، بہرحال غیر ملکیوں کے قتل پر اِس قدر اِضطراب اور ہم وَطن علمائے دین کے قتل پر سنگ دِلانہ سکوت قابلِ مذمت ہے۔

جناب وَزیر اعظم میاں محمد نواز شریف صاحب کو اَپنے دھندوں سے فرصت نہیں، اُنہوں نے کئی دَفعہ اِلتواء کے بعد آخر کار تقریر فرمائی، جس میں اَپنے ساتھ کیے گئے اِنتہائی سلوک کی شکایتیں کر کے عوام کو اِعتماد میں لیا اور اُن کی ہمدردِی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اِس تقریر میں بہت سی باتیں کی گئیں، امریکیوں کے قتل کا تذکرہ بھی کیا گیا، لیکن نواز شریف صاحب کو اس تقریر میں جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کراچی

کے علماء مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کا وحشیانہ قتل اور پھر اُن کو جلا کر بھسم کرنے کا اِتنا بڑا واقعہ یاد نہیں آیا؟ اِس سے قبل وہ اِتنے بڑے وَاقعہ پر تعزیت کرنا بھی بھول گئے تھے۔ تین چار دِن بعد قومی اسمبلی اور سینیٹ میں آواز اُٹھائی گئی تو اُن کو پتہ کے علماء کرام وَحشیانہ اَنداز میں شہید کیے گئے ہیں، اور اُنہوں نے اُس وَقت بھی خود آنا گوارا نہیں فرمایا، وَزیر داخلہ صاحب کی خدمات حاصل کیں، وَزیر داخلہ صاحب نے معمول اِس سانحہ کو سردخانے کی نذر کروادِیا۔

دَراصل ہمارے حکمران اَب امریکہ کے غلام بے دَام ہیں، علماء کرام سے اُن کو کیا دِلچسپی؟ بلکہ ایک طرح کا بغض ہے، کیونکہ علماء کرام ہمیشہ اُن کے لادِینی کاموں میں رُکاوَٹ بنتے ہیں۔ جناب میاں محمد نواز شریف صاحب نے جمعہ کی چھٹی ختم کی تھی تو علماء کرام نے آواز بلند کی، سودِی م کو تقویت دِی تو علماء کرام نے آواز اُٹھائی، شریعت کے ذ کے وعدے سے جناب میاں محمد نواز شریف صاحب منحرف ہوئے تو علماء کرام نے طعن وتشنیع کی، غالبًا اِسی بنا پر جناب میاں محمد نواز شریف صاحب علماء کرام کی شہادَت کو بھول گئے، اس کے باوجود ہم جناب نواز شریف صاحب کو یہی کہیں گے کہ علماء کرام کو آپ سے ذَاتی بغض وعداوت نہیں ہے بلکہ اُن کی ت سے آپ کا اِقتدار محفوظ ہے، اِس لیے ان علماء کرام کے قاتلوں کو فورِی طور پر گرفتار کر کے قرارِ وَاقعی سزا دِیجیے، وَرنہ اس کی ذِمہ دَارِی نواز حکومت پر ہوگی۔

قوم یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہے کہ کیا مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع کے قاتل بھی نامعلوم رہیں گے؟ کیا اس سانحہ کو بھی بھلا دیا جائے گا؟ کیا علماء کرام کا خون اسی طرح بہتا رہے گا؟ مولانا حق نواز جھنگوی، مولانا ایثار القاسمی، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی، مولانا ا الرحمٰن درخواستی اور دِ علماء کرام کے قاتلوں کا سراغ آج تک کیوں نہیں؟ آج جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے در و دیوار نوحہ کناں ہیں اور یہ سوال پوچھ رہے ہیں کہ ہمارے ر اور اُستادِ محترم

کے خون کا بدلہ کب لیا جائے گا؟ قاتلوں کو کب سزا دی جائے گی؟ اس سوال کا جواب صرف اور صرف حکومت یا اس کے ساتھ شامل جماعتیں دے سکتی ہیں۔ ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر اربابِ حکومت نے قاتلوں کو گرفتار نہ کیا تو اس کی جواب دہی کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے، علماء کرام نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے، آج نہیں تو کل قیامت کے دن قاتلوں کا چہرہ بے نقاب ہوگا اور ربِّ کائنات خود ہی ان علماء کرام کا اِنتقام لیں گے اور وہ اِنتقام بہت ہی دردناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ کی شہادت کو دینی مدارس کی ترقیات کا باعث بنائے۔ اِن شاء اللہ علماء کرام اور دینی مدارس اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں گے۔

……

ادھر جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مجلس شوریٰ، مجلس تعلیمی اور اساتذہ کرام کا اِجلاس منعقد ہوا، جس میں جامعہ کے رئیس حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ کی شہادت پر رنج وغم کا اِظہار کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی گئی، بعد ازاں متفقہ طور پر طے کیا گیا کہ بدستور سابق جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داریاں ایک کمیٹی ادا کرے گی، جامعہ کے اُستاذِ حدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر کمیٹی کے ممبر اوّل اور صاحبزادہ مولوی سیّد محمد بنورِی ممبر دوم ہوں گے، جبکہ ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی اس کمیٹی کے بلحاظِ عہدہ تیسرے ممبر ہوں گے، یہ کمیٹی مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی پابند ہوگی، مجلس شوریٰ اور اساتذہ کرام نے ان تمام علماء کرام، مخلصین، محبین اور ان تمام جماعتوں کا شکریہ ادا کیا، جنہوں نے اس المناک سانحہ پر جامعہ کے غم میں شرکت کی اور علماء کرام کی شہادت پر اِظہارِ غم کیا اور جامعہ کے اساتذہ کرام اور اراکین شوریٰ کے زخموں پر مرہم رکھا، اِظہارِ مذمت کے لیے پُراَمن ہڑتال کر کے جامعہ سے اِظہارِ یکجہتی اور محبت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ واضح رہے کہ بانی جامعہ حضرت بنوریؒ کے انتقال کے بعد مجلس شوریٰ

نے حضرت مفتی احمد الرحمٰن، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مولوی سیّد محمد بنوری اور حضرت مفتی احمد الرحمٰن کے انتقال کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مولوی سیّد محمد بنوری پر مشتمل کمیٹی قائم کی تھی۔ مجلس شوریٰ نے اس توقع کا اِظہار کیا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر، مولوی سیّد محمد بنورِی جامعہ کو بحسن وخوبی ترقی کے مدارج پر لے جائیں گے اور اپنے فرائض منصبی کو اِخلاص وللّٰہیت کے ساتھ انجام دے کر اس سے عہدہ برآ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو محض اپنے فضل وکرم سے توفیق عنایت فرمائیں۔ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر، مولوی سیّد محمد بنورِی اور حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی کی سرکردگی میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ کرام پاکستان اور بیرونِ پاکستان علومِ دِینیہ کی اشاعت اور لادینی سرگرمیوں کے سدِباب کے لیے اپنا کردار بھرپور انداز میں ادا کریں گے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد، نائب امیر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ناظم اعلیٰ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری، شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا، مولانا نذیر احمد تونسوی، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی نے اساتذہ کرام کے اس فیصلے کو مبارک قرار دیتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر اور مولوی سیّد محمد بنورِی کے اہتمام میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنورِیؒ، حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا یہ گلشن مزید ترقیات کی طرف گامزن ہوگا۔

بہرحال دُعا ہے کہ اللہ رَبُّ العزت مولاناؒ کے درجات بلند فرمائے اور جامعہ کو یہ صدمہ سہارنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (اداریہ ہفت روزہ ختم نبوت نومبر ۱۹۹۷ء)

……

مولا ٔ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت کے محرکات وعوامل اور خصوصی عدا ت کا اِ ف

مولا ٔ سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

آج سے ۴ سال قبل یکم ر. . المر. . ۱۴۱۸ھ. وزِ اِتوار جامعہ علوم اسلامیہ کے اسا ہ کی گاڑی پ فا ٔ کر کے ر جامعہ حضرت مولا ٔ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ کو شہید کر دی ، قاتل فتار کر لیے گئے، عینی شاہدین کے ذریعے اُنہیں شنا ت کرا ی ، . سے .ڑھ کر ان در ہ صفت قاتلوں نے نہا ت ڈھٹائی سے اس ؤنے . م کا اعتراف کیا، نہ صرف یہی بلکہ انہوں نے پولیس کے سامنے اپنے اس. ین عزم کا اظہار کیا کہ: ا ہم رہا ہو گئے تو آئندہ بھی اپنی ان سفاکانہ اور مجرمانہ سر میوں کو جاری رکھیں گے اور علماء کو اپنے راستے سے ہٹاتے رہیں گے۔

اِ ادِ دہشت دِی کی عدا ت میں مجرموں کے اقراری بیان کی روشنی میں مقدمہ ، ان پ فردِ. م عا ٔ ہوئی اور عدا ت نے انہیں موت کی سزا سنائی، دھونس، دھا ٔ لی ی نوٹوں کی چمک نے اِ ادِ دہشت دی کے جج کو اس فیصلے میں بعض ایسی خامیاں چھوڑنے پ مجبور کیا کہ. . مجرموں نے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی تو پہلے ہی مرحلہ میں ان کی سزا کالعدم قرار دے دی گئیں اور عدا ت عالیہ

نے قرار دیا کہ چونکہ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت کے جج حاکم علی عباسی نے سماعت کے دوران سنگین غلطیاں کی ہیں، اس لیے اس فیصلے میں دی گئی سزا کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا، چنانچہ عدالت عالیہ نے حکم دیا کہ مقدمہ دوبارہ نئے سرے سے انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں سنی جائے اور فیصلے میں موجود خامیوں کا اِزالہ کرکے اِنصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

مارچ ۱۹۹۹ء میں جب عدالت عالیہ نے اس مقدمے کو انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں واپس بھیجا، تو قاتلوں کو پھانسی گھاٹ کی کوٹھڑیوں سے نکال کر عام قیدیوں کے وارڈ میں منتقل کردیا گیا اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرکار کی مہربانی سے اب انہیں قاتلوں کی فہرست سے نکال کر ''معزز شہریوں'' کے درجے پر ترقی دے دی گئی ہے اور اب وہ روایتی جیل کی بجائے ''بی کلاس'' کی سہولتوں سے مالا مال ہیں۔ حکومت وانتظامیہ کی اس کھلی جانبداری پر احتجاج کرتے ہوئے جب اس سلسلے میں چیف سیکریٹری سندھ سے رابطہ کیا گیا، تو انہوں نے صاف طور پر کہا کہ: ''میں اس سلسلے میں آپ کی کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہوں، اس لیے کہ عدالت کی طرف سے مجرموں کو بی کلاس دینے کا حکم دیا گیا ہے۔''

مارچ ۱۹۹۹ء سے جون ۲۰۰۱ء تک تین سال تک یہ مقدمہ چلتا رہا، اس طویل عرصہ تک انصاف نہ ملنے کے باوجود بھی شہداء کے وارث مطمئن تھے کہ ''دیر آید درست آید'' کے مصداق ضرور ہماری اشک شوئی ہوگی، ہمارے زخموں پر مرہم رکھا جائے گا اور مجرم اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہیں گے، خصوصاً جب سے فوج نے ملکی نظم و نسق اور اقتدار سنبھال لیا تو حصولِ اِنصاف کی توقعات مزید روشن ہوگئیں، اور یہ سمجھا جانے لگا کہ اب ان شاء اللہ عدالت آزادی سے انصاف کے تقاضے پورے کرے گی، اور ملک وقوم کا نام روشن کرے گی۔ ورثاء کا خیال تھا کہ فوجی حکومت کے دوران عدالت کسی کے دباؤ میں نہیں آئے گی اور نہ ہی ان کو کوئی خارجی اثرات متاثر کرسکیں گے، لیکن ۲۶؍جون ۲۰۰۱ء کے اخبارات کی اس خبر سے ان کی توقعات کا وہ شیش محل چکنا چور ہوگیا، جس میں کہا گیا ہے کہ:

''مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار کا قتل، ملزمان عدم ثبوت کی بناء پر بری۔ ۱۹۹۸ء میں سزا کے بعد سپریم کورٹ کے فیصلے کے تحت مقدمہ کی دوبارہ سماعت ہوئی''۔

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے جج عبدالحمید ابڑو نے ۲؍نومبر ۱۹۹۷ء کو بنس روڈ پر فائرنگ کر کے جامعہ علوم اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع، ڈرائیور محمد طاہر کو شہید اور بشیر احمد نقشبندی کو زخمی کرنے کے الزام میں ملوث (ملت تشیع سے تعلق رکھنے والی کالعدم تنظیم) سپاہِ محمد کے کارکن سلیم جعفری اور تنویر عباس رضوی کو عدم ثبوت کی بناء پر بری کرنے کا حکم دیا ہے، ملزمان کو ۱۹۹۸ء میں انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے جج حاکم علی عباسی نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا، مئی ۲۰۰۱ء میں مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی، ملزمان نے ہائی کورٹ میں انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کی، جہاں سے مقدمے کو دوبارہ سننے کا حکم ہوا، اس فیصلے کے خلاف سرکار نے سپریم کورٹ میں اپیل کی، جہاں سے فیصلہ ہوا کہ مقدمہ شروع سے دوبارہ نہ کیا جائے بلکہ ملزمان کے بیانات سے دوبارہ کیا جائے، سپریم کورٹ نے ۲۳؍جنوری ۲۰۰۱ء کو اپنا فیصلہ سنایا اور مئی ۲۰۰۱ء میں مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی''۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۲۶؍جون ۲۰۰۱ء)

عقل و خرد محو حیرت ہے کہ جس مقدمے کی پیروی سرکار کر رہی ہو، جس کے ملزمان پولیس نے خود گرفتار کیے ہوں، عینی شاہدوں نے ان کو پہچان لیا ہو اور انہوں نے خود اعترافِ جرم کیا ہو، وہ کس قانون کے تحت بری ہو گئے؟ کیا دنیا میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے، جہاں قاتل اعترافِ جرم اور عینی شاہدوں کی گواہی کے باوجود بے قصور اور معصوم قرار دیئے گئے ہوں؟

حیف اور صد حیف ہے حصولِ انصاف کے اس طریقۂ کار پر....! جس میں مظلوموں کے بجائے مجرموں کو تحفظ فراہم کیا جائے اور روایتی ٹال مٹول سے کام لے کر مظلوموں کو احساسِ محرومی سے دوچار کیا جائے، ظالم کا ساتھ دے کر اس کو مزید ظلم و دہشت گردی پر آمادہ اور ظالموں کو انتقام کی آگ کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے۔ غالبًا

حکومت و عدلیہ ملک میں امن و امان کا قیام نہیں چاہتی، اس لیے کہ جہاں مظلوموں کی اشک شوئی نہ ہوگی، ان کو انصاف نہیں ملے گا، قاتل سرعام دندناتے پھریں گے اور حکومت کی جانب سے ان کی سرپرستی کی جائے گی، تو وہاں مظلوم عدالت کا رخ کرنے کے بجائے اپنا بدلہ خود چکانے لگیں گے، جس سے ملک میں بدامنی، طوائف الملوکی اور انارکی کو فروغ ملے گا، ہر طرف دنگے فساد کا دور دورہ ہوگا، عدلیہ اور انتظامیہ بے بس ہو جائے گی، ملکی قانون معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں امن و امان قائم ہو اور اس کے اقتدار کو بقا نصیب ہو تو اسے چاہیے کے قانون کے تقاضوں کو پورا کرے، مظلوموں کو انصاف مہیا کرے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے، اس لیے حکومت سے ہماری خیر خواہانہ درخواست ہے کہ وہ اس فیصلے پر نظرثانی کرے اور خود ذاتی دلچسپی لے کر اس کیس کا نئے سرے سے جائزہ لے کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ چنانچہ اس فیصلے کے منظر عام پر آنے کے بعد علماء اور عوام میں بے چینی اور عدمِ تحفظ کے احساس کی لہر دوڑ گئی، جس کے تدارک اور آئندہ کے لائحۂ عمل کے تعین کے لیے جامعہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ اور ذمہ داران کا ایک اہم اجلاس ہوا جس میں اس فیصلے کے محرکات پر غور کیا گیا اور متفقہ طور پر درج ذیل بیان اخبارات کو جاری کیا گیا:

> "مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے قاتلوں کو بری کرنے کے فیصلے پر نظرثانی کی جائے۔ خصوصی عدالت کے جج نے انصاف کی دھجیاں بکھیر کر عدلیہ کو پوری دنیا میں بدنام کر دیا۔
>
> کراچی (پ۔ر) جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے رہنما مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، شیخ الحدیث ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا امداد اللہ، مفتی محمد جمیل خان، مولانا سعید احمد جلال پوری، مولانا [illegible] احمد تونسوی اور قاری محمد اقبال نے جامعہ بنوری ٹاؤن میں ایک اہم اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ کے قاتلوں کی خصوصی عدالت کی طرف سے بری کرنے کا فیصلہ انصاف کی دھجیاں بکھیرنے کے مترادف ہے، ملزمان کے اقراری بیان، گواہوں کے بیانات اور شناخت اور ثبوت کی فراہمی کے بعد،

عدلیہ کا یہ فیصلہ پوری دنیا میں پاکستان کی عدلیہ کی کارگزاری پر ایک بدنما داغ ہے۔ اسی قسم کے فیصلوں کی وجہ سے امریکی سفیر کو پاکستان کی عدلیہ پر ریمارکس دینے کی جرأت ہوئی۔ شریعت اسلامیہ کی رو سے ایسا غلط فیصلہ کرنے والا قابل مؤاخذہ ہے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کا مجاز نہیں۔ اس لیے ہم علماء کرام سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ازخود نوٹس لے کر اس فیصلے پر نظر ثانی کریں اور ایسے ججوں کے خلاف تادیبی کارروائی کریں، اگر عدالتوں نے اس طرح اقراری مجرموں کو چھوڑا، جو اپنے اقراری بیان میں دھمکی دیں کہ اگر وہ رہا ہو گئے تو دوسرے علماء کرام کو شہید کریں گے تو پھر کسی عالم دین کی جان محفوظ نہیں رہے گی اور عدلیہ پر لوگوں کا اعتماد مکمل ختم ہو جائے گا‘‘۔

اس کے ساتھ یہ قراردادِ مذمت بھی پاس کی گئی:

’’قراردادِ مذمت‘‘

’’محترم چیف جسٹس صاحب السلام علیکم!

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس جامعہ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ اور ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ کے قاتلوں کی عدالت سے رہائی کا معاملہ زیر غور آیا، شوریٰ کو بتایا گیا کہ اس کیس کے جج نے پورا ثبوت ہونے کے باوجود قاتلوں کو چھوڑ دیا اور کیس کو بگاڑا ہے، اس کیس کے نامزد ملزمان کو انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت سے بجا طور پر سزائے موت کا حکم ہوا تھا، لیکن بعد ازاں ملزمان کی جانب سے اپیل کی وجہ سے کیس کو مختلف عدالتوں میں بھیجا گیا اور اس کے بعد سے اس کیس میں جانبداری کا سلسلہ شروع ہوا اور ملزمان کو مختلف انداز میں بری کرنے کی کوششیں کی گئیں، آخر کار انہیں خصوصی عدالت سے بری کر دیا گیا۔ مجلس شوریٰ نے ملزمان کی رہائی کی شدید مذمت کی اور متعلقہ جج کے بارے میں کہا کہ چونکہ انہوں نے ثبوت کے ہوتے ہوئے قاتلوں کو چھوڑا ہے، اس لیے انہیں اس الزام میں فی الفوران کے منصب سے برطرف کیا جائے اور ایک تحقیقاتی کمیشن کے ذریعے ان کے خلاف تحقیقات کر کے تادیبی کارروائی کی جائے اور ملزمان پر دوبارہ غیر جانبدار عدالت میں حکومت سندھ کی جانب سے ایک ایماندار اور ایک اچھے وکیل کی پیروی میں ایسا مقدمہ

یا جائے کہ جس میں ان ملزمان کو بے گناہ افراد کے سفاکانہ قتل پر جلد از جلد سخت ترین سزا دی جاسکے۔ اراکین مجلس شوریٰ، اربابِ حکومت کو متنبہ کرتی ہے کہ ہماری خاموشی سے غلط فائدہ اٹھا کر اسے ہماری کمزوری نہ سمجھا جائے، بلکہ ملکی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کے جانبدارانہ فیصلوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے اور ملک کے عدالتی نظام کو مزید خرابی سے بچایا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مظلوم خود اپنا بدلہ چکانے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اراکین مجلس شوریٰ جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن"۔

ہماری رائے ہے کہ اس سلسلے میں اربابِ اقتدار سے رابطہ کیا جائے، خصوصاً فوجی حکام کو اس ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے اور انہیں اس قسم کے ناقص فیصلوں کے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا جائے اور کہا جائے کہ اس سے قبل کہ مظلوموں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور وہ اپنے زخموں پر نمک پاشی کی تاب نہ لاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئیں، ایسے نام نہاد ججوں کا علاج کرلیں، جو اقراری مجرموں کو معصوم اور معصوموں کو مجرم قرار دینے میں مہارت رکھتے ہوں۔

عدلیہ کی اس حرکت سے واضح طور پر پاکستان کا وقار مجروح ہوا ہے اور یہ بات عام طور پر کہی جانے لگی ہے کہ حکومت پاکستان دینی رہنماؤں اور علماء کرام کے تحفظ میں ناکام ہوگئی ہے اور غیر محسوس طور پر دینی رہنماؤں کے مسلسل قتل کی مذموم کارروائیوں کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ اور حکومت خود اس سے اپنے آپ کو کسی صورت بری قرار نہیں دے سکتی۔

……

آج ۳۰ رمئی ۲۰۰۵ء کو جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے رئیس، شیخ الحدیث، عظیم محقق اور بین الاقوامی اسکالر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، جامعہ کے فاضل و وفادار، لائق و فائق مدرِّس مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت کو تقریباً آٹھ سال ہونے کو ہیں، اب تک اُن کے قاتلوں کا سراغ نہیں مل سکا اور جن قاتلوں کو پکڑا گیا وہ بھی باعزت بری ہو کر کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں، نہ صرف یہ کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان مظلوموں کے خون سے بے وفائی کی گئی اور اُن کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا گیا، بلکہ آئندہ بھی دور دور تک اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ مظلوموں کی اشک شوئی کی جائے گی۔

اس سانحے پ کراچی، سندھ اور پورا ملک سراپا احتجاج بن َ ی تھا اور پوری ملت اسلامیہ میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی، حکومت اور انتظامیہ نے اپنے اپنے ا ازمیں قاتلوں کی َ فتاری کے دعوے اور وعدے کیے، اب قاتل َ فتار نہیں ہوسکے اور نتیجہ صفر رہا۔

کیا کہا جائے کہ قاتل اتنا طاقت ور تھے ی ان کے سر پ اتنا منہ زور، کہ کوئی ان کا ل بیکا نہ کر سکا؟ جس ملک میں امریکہ کے دشمن پہاڑوں اور غاروں سے کھوج لگا کر نکالے جا ہوں، ممکن نہیں وہاں علماء کے قاتل چھپ سکیں؟ جہاں ممکنہ حملے کی منصوبہ سازی کرنے والے پیشگی دھر لیے جاتے ہوں، وہاں یہ کیونکر کہا جائے کہ دشمنوں اور قاتلوں کا سراغ نہیں ؟

حالا اس ملک کی فعال ایجنسیاں ا َ کسی معاملہ کی تہہ پہنچنا چاہیں تو ممکن نہیں کہ کوئی مجرم اُن سے بچ کر نکل سکے۔ پھر اب کہ اس ملک میں فوجی حکومت کا راج ہے اور پولیس کے علاوہ فوج بھی اِ را ی ملکی امن و امان میں دلچسپی لے رہی ہے، تو کیسے یقین کیا جائے کہ ابھی ملکی ایجنسیاں قاتلوں نہیں پہنچ سکیں؟ یہ تو طے شدہ امر ہے کہ قاتلوں کو زمین نے نگلا ہے اور نہ وہ آسمان پ ڑھ گئے ہیں، بلکہ وہ اسی زمین کے لوگ تھے اور یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں، سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں ہماری ان تفتیشی ایجنسیوں کی رسائی نہیں ہے اور وہ کون سے ایسے عوامل و وجوہات ہیں جن کی بناء پ ہماری فوج اور پولیس اس معاملہ میں سرد مہری کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ کیا واقعی پولیس، انتظامیہ، حکومت اور فوج بے بس ہے ی انخواستہ وہ اس سلسلہ میں سنجیدہ ہی نہیں ہے؟ موجودہ صورتِ حال سے عوام الناس میں یہ تأ اُبھر رہا ہے کہ ی تو حکومت کو اس کیس کی سنگینی کا ا ازہ نہیں ہے ی پھر وہ اسے لیت و لعل کے حربوں سے سرد خانے کی ر کر چاہتی ہے۔

……

آئے دن پیشہ ور دہشت َ د علماء کرام کے پ ک خون سے ہاتھ رنگین کرتے ہیں، ان کی جانوں سے کھیلتے ہیں اور اپنی کمین گاہوں میں چھپ جاتے ہیں۔

حکومتی ایجنسیاں اور انتظامیہ اس وقت پہنچتی ہیں یہ سارا کھیل مکمل ہوجا

ہے، اگر مسلمان انتظامیہ کی غفلت، لاپروائی، سرد مہری اور دہشت گردی کی ان ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف کسی قسم کے احتجاج اور غم و غصے کا اظہار کریں یا ان میں فطری اشتعال پھیلے تو دہشت گردوں کے بجائے اُلٹا ان معصوموں کی گرفتاریاں شروع ہو جاتی ہیں، جس سے حالات کا رخ یکسر بدل جاتا ہے اور تجربہ ہے کہ ایسے موقع پر حکومت جان بوجھ کر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ایسی کارروائیاں کرواتی ہے جس سے ان واقعات کی اہمیت کو کم کیا جاسکے۔

پھر ایسے واقعات کے بعد حکومت اور اس کی ایجنسیاں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لیے اخبارات و جرائد کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہیں کہ یہ فرقہ واریت کا شاخسانہ ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مذہبی جنونیوں کی کارروائی ہے، کبھی اسے دہشت گردوں اور ملک دشمنوں کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی اس کو ملکی امن وامان کو خراب کرنے والی بیرونی ایجنسیوں کی کارروائی کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن اگر حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ سب کچھ ایجنسیوں اور حکومت کا فریب، دھوکا، حقائق کو چھپانے کا بھونڈا انداز اور بیوروکریسی کی وہ چال ہے، اس لیے کہ اگر یہ بات صحیح اور درست مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا حکومت اور اس کی دسیوں ایجنسیاں دہشت گردوں کے مقابلے میں اس قدر بے بس ہیں کہ دہشت گرد جب چاہیں، جہاں چاہیں اور جس کو چاہیں دن دہاڑے دہشت گردی کا نشانہ بنائیں اور صاف بچ کر نکل جائیں؟ اگر ایسا ہے تو عوام یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ ملکی بجٹ کا بیشتر حصہ جن ایجنسیوں پر صرف ہوتا ہے وہ کیا کرتی رہتی ہیں؟ بہرحال یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ انتظامیہ کی ناک کے نیچے یہ سب کچھ ہوتا رہے اور قاتل و دہشت گرد اپنی کارروائی مکمل کر کے موقع سے بچ کر نکل جائیں۔

اگر کسی قدر غور و فکر اور تدبر و تحمل سے کام لیا جائے تو صاف اور واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ سارا کھیل ''نیو ورلڈ آرڈر'' کی تکمیل کے لیے کھیلا جارہا ہے اور پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کے انتظامات ہو رہے ہیں، چونکہ فرعون امریکہ اور اس کے اتحادی

جانتے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے اور یہاں کے مسلمان، علمائے کرام اور دینی مدارس دنیا بھر کے مسلمانوں کو افرادی اور اخلاقی امداد مہیا کرتے ہیں۔ جب تک ان کا صفایا نہ کردیا جائے اس وقت تک ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے انہوں نے اپنے گماشتوں کے ذریعے یہ حکمت عملی اپنائی ہے کہ نہایت رازداری اور منصوبہ بندی سے علماء کو راستے سے ہٹایا جائے اور دوسری جانب اسلام دشمن افراد اور قوتوں کی سرپرستی کر کے دینی قوتوں کی کمر توڑ دی جائے۔

چنانچہ بیک وقت پاکستان میں علماء کشی، دینی مدارس کے خلاف آپریشن، مفلوک الحال اسلامی ریاست افغانستان میں مسلم کشی اور دینی اداروں کو بدنام کرنے کی غرض سے اُن کے خلاف طرح طرح کے الزامات اور علماء کو نہتا کرنے کے احکامات و بیانات کی کڑیوں کو جوڑ کر دیکھا جائے تو اسلام دشمنوں کے ارادوں اور عزائم کی تصویر کا صحیح رخ بالکل عیاں ہوکر سامنے آجاتا ہے۔

……

آج ہم اپنی مظلومیت کا دُکھڑا کس کو سنائیں؟ اور اپنی رودادِ غم کس کے آگے بیان کریں؟ کوئی بتلائے کہ ہم کہاں جائیں؟ اور اپنے اکابر و بزرگوں کے مسلسل بہنے والے خون کی لکیر کا سرا کہاں سے پکڑیں؟ کس کو مجرم اور کس کو قاتل کہیں؟ نہیں معلوم کہ یہ ہماری شرافت کا صلہ ہے یا وطن سے محبت کی سزا! ملک وقوم کی خدمت کا تحفہ ہے یا امن وامان کی پاسداری کا اعزاز! آخر کس کو کیا نام دیا جائے؟

کیا ہم یوں ہی گردنیں کٹواتے رہیں گے اور اربابِ فضل وکمال کی تیار فصلیں اُجڑتی دیکھتے رہیں گے؟ کیا ہم اس ملک کے شہری نہیں؟ کیا ہمارے خون کی کوئی قیمت نہیں؟۔

''ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات'' کے مصداق کہیں ہماری شرافت و دینداری کو ضعیفی و بزدلی کا نام تو نہیں دیا جارہا؟ کہیں یہ اہل حق کا نام و نشان مٹانے کے پروگرام کا حصہ تو نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہمارے اکابر کی اِستخلاصِ وطن کی مساعی اور خدمات کا یہی صلہ ہے کہ ان کی اولادوں اور ان کے نام لیواؤں پر زمین تنگ کردی جائے؟ آج کوئی بتلائے قرآن و سنت اور دین و مذہب سے وابستگی اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی کے علاوہ

ہمارا قصور کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو گلیوں اور سڑکوں پر بے دریغ ہمارا خون کیوں بہایا جا رہا ہے؟ اور اس کے سد باب کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جاتی....؟

بلاشبہ ان اکابر کا خون اربابِ اقتدار کی گردنوں پر قرض ہے اور شہداء کی روحیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے خونِ ناحق کا حساب دو، ورنہ عذابِ آخرت اور قہرِ الٰہی کے لیے تیار ہو جاؤ، اس لیے کہ:

ذرا اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

سمرقند و بخارا کی تاریخ گواہ ہے کہ وہاں شروع میں اسی طرح ایک ایک کر کے علماء اور حاملین دین کو تہہ تیغ کیا گیا، پھر رفتہ رفتہ وہ منحوس وقت بھی آیا کہ وہاں قرآنِ پاک رکھنا بھی جرم قرار پایا۔ اسی طرح ان لا دین قوتوں نے پڑوسی ملک افغانستان میں بھی یہی کھیل کھیلنے کی کوشش کی اور ایک ایک دن میں ہزاروں علماء کو شہید کیا جاتا رہا، اللہ جزائے خیر دے علماء امت اور افغانستان کے غیور مسلمانوں کو کہ انہوں نے اس یہودی سازش کو ناکام بنا دیا اور روس ان قدسی صفات علماء سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہو گیا اور جہاد کی برکت سے نہ صرف افغانستان اس یلغار سے محفوظ رہا، بلکہ ان کی مساعی کی برکت سے وسط ایشیاء کے وہ ممالک جو گذشتہ ستر سال سے روس کے ظلم و استبداد کا شکار تھے، وہ بھی آزادی کا پھریرا لہرانے میں کامیاب ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح اب پاکستان میں بھی اسی قسم کے خطرات پیدا ہو رہے ہیں کہ یہاں دین کا کام کرنا اور مخلوقِ خدا کو خدا سے جوڑنا، دین کی بات کرنا اور دینی اقدار کو پروان چڑھانا جرم بنتا جا رہا ہے، بظاہر اس کو دہشت گردی اور فرقہ واریت کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کے پیچھے بہت بڑی اور گہری سازش ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس سیلابِ بلاخیز کے سامنے بند باندھا جائے اور اس کے لیے کوئی حکمت عملی متعین کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس حادثہ کے اسباب اور مضمرات بہت خوفناک اور ہماری فوری اور بھرپور توجہ کے طالب ہیں۔

……

یہ بات اپنے پرائے سب کے سامنے روشن ہو چکی ہے کہ پاکستان کا اہل علم طبقہ

اس وقت کفر کی یلغار کے سامنے واحد رکاوٹ ہے۔ بیرونی دنیا میں عالمی طور پر یہ بات باور کرلیا گیا ہے کہ پاکستانی علماء حضرات اور دینی ادارے وہ آہنی دیوار ہیں جنہوں نے رہے سہے دین کے گرد حفاظتی حصار کھینچ رکھا ہے، چنانچہ وہ ان کے خلاف بالواسطہ اور بلاواسطہ مربوط اقدامات کرنے کے ساتھ اب انہیں براہِ راست ہدف بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہو چکے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک ۵۳/سالہ عرصے میں مسلسل اور یکے بعد دیگرے پاکستان میں صرف علماء دیوبند ہی کو کیوں نشانہ بنایا جاتا رہا؟ جبکہ پورے ہندوستان میں آج تک کسی عالم کو دہشت گردی کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ دوسری جانب دنیا میں قتل ہونے والے ہر شخص کے قتل کا سراغ مل جاتا ہے لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ اس محسن کش سرزمین پاکستان میں شہید ہونے والے علماء میں سے آج تک ایسے کسی قاتل کا سراغ نہیں مل سکا۔

ہم نہایت دل سوزی اور خیر خواہی سے اربابِ اختیار کی خدمت میں عرض کریں گے کہ ہمارے صبر کا مزید امتحان نہ لیں، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ سمیت تمام علماء کرام کے قاتلوں اور ان کے پس پردہ محرکات اور سازشوں کو بے نقاب کرے، اور قاتلوں کو فوراً گرفتار کرکے انہیں کیفرکردار تک پہنچائے، تاکہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہو، اگر حکومت نے اپنی روایتی سستی کا مظاہرہ کیا تو وہ عوامی غیظ وغضب سے نہیں بچ سکے گی۔ اور پھر اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں، لہٰذا اللہ کی دی ہوئی مہلت اور ڈھیل سے دھوکہ کھا کر اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہ ہوں، اس لیے بلاتاخیر مظلوموں کی اشک شوئی کریں، ورنہ یاد رکھیں: (بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے!)۔

……

اس وقت اسلام دشمن قوتیں اسلام کو نابود کرنے، مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کے قائدین خصوصاً علماء حق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے کی جس روش پر گامزن ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں اور خصوصاً علماء امت نے اس طوفان اور

یلغار کے سامنے معقول ومضبوط بند باندھنے کی کوشش نہ کی تو... معاذ اللہ... وہ دن دور نہیں جب لوگ اسلام کا نام لینے اور اسلام سے اپنا رشتہ جوڑنے سے گھبرانے اور ہچکچانے لگیں۔

بلاریب ہمارا عقیدہ وایمان ہے کہ اسلام قیامت تک باقی رہے گا اور اس کے نام لیوا بھی رہیں گے، البتہ اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ بے حسی، انہیں اسلام سے وابستگی کی اس سعادت سے محروم نہ کردے۔ بلاشبہ موجودہ روش مسلمانوں کو کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار کرسکتی ہے، عین ممکن ہے کہ ہمارا دشمن ہمارے اختلاف، انتشار، خودغرضی، مفاد پرستی، عصبیت، گروہی، لسانی اور مسلکی تقسیم در تقسیم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہمیں فتح کرنے میں کامیاب ہوجائے، بہرحال اس وقت پاکستان ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت قابل ترس اور لائق اصلاح ہے۔

اس صورتِ حال میں طبقہ اہل علم بھی نہایت بے بسی سے خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہا ہے، ممکن ہے وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوں۔

ہائے افسوس! کس قدر بے حسی کا دوردورہ ہے کہ جس ادارہ پر افتاد پڑتی ہے، اکیلا وہی روتا، چیختا، چلاتا اور سر پیٹتا ہے، اس کی آواز میں آواز ملانے کو کوئی تیار نہیں ہوتا، اس سے انکار نہیں کہ وقتی طور پر کچھ ہلچل ہوتی ہے، دوچار میٹنگوں اور اجلاسوں کے بعد بڑے سے بڑا معاملہ بھی سرد خانہ کی نذر ہوجاتا ہے۔

حالانکہ اب دہشت گردی سے کوئی بھی محفوظ نہیں، بلکہ علماء دہشت گردوں کے نشانہ پر ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور طے شدہ منصوبہ ہے، جس کی تکمیل اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک نیٹ ورک قائم ہے اور مخفی قوتیں ان کی سرپرستی کررہی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی پشت پناہی کرنے والی قوتیں کون سی ہیں؟ ان کے عزائم ومقاصد کیا ہیں؟ اور یہ کہ اس گھمبیر صورتِ حال کے نتائج کیا برآمد ہوں گے؟ ملک وقوم پر اس کے کیا اثرات وثمرات مرتب ہوں گے؟ اربابِ اقتدار، فوج اور

سول سروس کے ذمہ داروں، علماء امت اور مسلمانوں پ اس سلسلے کی کیا ذمہ دار یں عائ ہوتی ہیں؟ اور اس کے لیے مذکورہ افراد، اداروں اور جماعتوں نے کیا کردار ادا کیا ہے؟ سے ڑھ کر یہ کہ دہشت دی کا نہ والے علماء کرام نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے؟ ا نہیں تو کیا ابھی اپنی بقا اور تحفظ کے لیے آواز اٹھانے، اس کے لیے ٹھوس لائحۂ عمل اپنانے اور متحد و متفق ہونے کا وقت نہیں آ ی؟ کیا اب بھی خاموش رہنے اور مصلحت کوشی کی گنجائش ہے؟ ہمارے خیال میں ا اس صورتِ حال کا ارک نہ کیا ی، متفقہ اور متحدہ آواز نہ اٹھائی گئی اور کوئی مضبوط اور ٹھوس لائحۂ عمل نہ اپنا ی تو ہمیں چن چن کر ختم کر دی جائے گا، نہ صرف یہ کہ اس سے اسلام کا م ی والے ختم ہو جا گے بلکہ آنے والی نسلیں بھی ہمارے اس م کو کبھی معاف نہیں کریں گی۔

جس طرح ہر طبقہ ز گی اور شعبے کے لوگ اپنے ہم پیشہ افراد کی عزت و موس اور جان و مال کے تحفظ کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو وئے کار لاتے ہیں اور وہ ایسی کارروائی کے موقع پ ی ز ن ہو کر میدان میں کود جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء کو بھی اس وقت بقا کے لیے ٹھوس لائحۂ عمل اختیار کر چاہیے۔

د بھر میں رکشہ، ٹیکسی، بس، ٹ ک، ٹینکر، ڈرائیوروں، کلرکوں حتیٰ کہ بھنگیوں کا بھی ا اور اتحاد ہے اور وہ بھی اپنے کسی ہم پیشہ کی جان، مال اور عزت و آ و کے لیے کچھ قر ن کرنے کے لیے تیار آتے ہیں، تو اہل علم اور علماء اتنا عظیم مقصد پ کیوں جمع نہیں ہو ت؟

ا دنیوی پیشہ سے منسلک افراد میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کی ادری، حکومت اور انتظامیہ کو بے بس کر سکتی ہے تو کیا علماء حکومت کو ٹ پ مجبور نہیں کر ت؟ یقیناً کر ت ہیں، افسوس کہ علماء کو اپنی قوت و طاقت کا ازہ نہیں ی پھر انہیں اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔

اس لیے اب وقت اور حالات کا تقاضہ ہے کہ علماء اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمت و أت سے اس ین صورتِ حال کا مقابلہ کریں، سر جوڑ کر بیٹھیں

حکومت کو مجبور کریں کہ وہ اس صورتِ حال کا ٓ ارک کرے، نیز اسے ۔ ورکرا یا جائے کہ اَ اس نے اس کا سد ۔ ب نہ کیا تو بگڑنے والے حالات کی تمام ٓ ذمہ داری حکومت اور انتظامیہ پ ہوگی۔

ان حالات و واقعات کا جا ٔ ہ لے کر مسلما ٠ نِ پ کستان اور خصوصاً علماء کرام کی ذمہ داری دہری ہوجاتی ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں، اپنے دشمن کو پہچا اور مضبوط حکمت عملی طے کر کے کفر کے اس سیلاب کے سامنے بند ۔ ٠ ھنے کی کوشش کریں، اب وقت آ َ ی ہے کہ عصبی، َ وہی اور فروعی اختلافات کو ۔ لائے طاق ر ٓ ہوئے دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اس کے عزائم کو خاک میں دیں۔

اَ ٠ انخواستہ اس ٠ زک موڑ پ بھی ٓ ۔ وتفکر سے کام نہ لیا َ ی تو دشمن ای ای کر کے ۔ کو ختم کرنے کے اپنے ٠ پ ک منصوبے میں کامیاب ہوجائے گا۔

!

یہ چند معروضات دَردِ دِل کے طور پ قلم ۔ داشتہ لکھ دی ہیں، ٠ اکرے ہمارے اکا ۔ علماء، ار ۔ بِ مدارِس اور دینی جماعتوں کے ذمہ داران اس کی طرف توجہ فرما اور اس پ یشان کن صورتِ حال کا ٓ ارک فرماویں۔

منا ۔ ہوگا کہ اس موقع پ وفاق المدارس العربیہ پ کستان آگے آئے، قیادت سنبھالے، اپنی بھرپور قوت اور مؤ ٔ طاقت کو استعمال کرتے ہوئے پ کستان بھر کے ار ۔ بِ مدارس کا اجلاس بلائے اور سر جوڑ کر اس صورتِ حال کا جا ٔ ہ لے اور اس کا سد ۔ ب کرے اور بحمد اللہ وہ اس کام کو بحسن و خوبی ا م دے سکتا ہے، لہٰذا وفاق المدارس کے متفقہ پلیٹ فارم سے اس آواز کو اٹھا یا جائے اور وفاق ہی اس قضیہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر قا ٔ انہ کردار ادا کرے۔ ـ

……

آہ! علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ

مولانا حافظ عبدالرشید ارشدؒ

۲؍نومبر ۱۹۹۷ء یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ دِن کے تقریباً ایک بجے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کی ایک سوزوکی وین پر آتشیں اسلحہ سے حملہ کیا گیا، جس سے اس میں سوار علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوگئے۔

حضرت مولاناؒ اپنے رفقاء مفتی عبدالسمیعؒ، مولانا عبدالقیوم چترالی اور قاری بشیر احمد نقشبندی کے ساتھ اپنے جامعہ کی ایک شاخ معارف اسلامیہ واقع پوش نگر کے منتظمین و اساتذہ سے مشاورت کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن واپس آرہے تھے کہ جامعہ کے نزدیک ایک موٹر سائیکل سامنے آیا اور ڈرائیور کو فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا، اس کے بعد گاڑی پر دونوں جانب سے فائرنگ شروع ہوگئی، جب حضرات نے اپنے آپ کو ل پ جھکالیا، لیکن حملہ آوروں نے فائرنگ جاری رکھی اور جاتے ہوئے وین پر آتش گیر مادہ کر فرار ہوگئے، وین کو آگ لگ گئی۔ مولانا عبدالقیوم چترالی صاحب تو کسی نہ کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہوگئے قاری بشیر احمد نقشبندی شدید زخمی ہوئے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور مفتی عبدالسمیع صاحب تو آگ کے شعلوں کی نذر ہوگئے۔

اس پر کیا لکھا جائے اور کیا کہا جائے اور کس سے کہا جائے؟ کہ ملک کا کتنا بڑا نقصان ہوا اور کتنا عظیم ا ن گیا، جو بڑی خاموشی اور متانت سے اپنے کام میں لگا رہتا تھا اور جلسے جلوس اور وعظ وتقریر کا بھی آدمی نہ تھا اور اپنے آپ کو علمی کاموں اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے انتظام واہتمام کے لیے وقف کر رکھا تھا کسی سے اس کی دشمنی نہ تھی، انتہا درجے کا خلیق اور مہمان نواز تھا،

طلباء اس پ جان چھڑ کتے تھے اور علماء راسخین اس کے علمی کاموں کو دیکھ کر دم بخود تھے۔

حضرت مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا ۔ؒ سے ۱۹۷۷ء میں میری پہلی قات اور تعارف ہوا اس کے بعد آج ت ان کو بیسیوں مرتبہ ، ہمیشہ متبسم پ ی۔ گول، نورانی چہرہ، سرخ و سپید بھرے ہوئے رخساروں پ موٹی موٹی غلافی آنکھیں، چال میں وقار و تمکنت، گفتار میں حلاوت و شیرینی، آواز ایسی کہ وہ گفتگو کریں تو ایسا معلوم ہوت کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ز ۔ن میں ت نم و موسیقی کو سمو دی ہے۔ مخاطب کی خواہش ہوتی کہ وہ ز ی دہ سے ز ی دہ گفتگو کریں لیکن محترم اختصار اور جامع الفاظ کا انتخاب کر کے جواب دیتے اور دوسرے کی ۔ت کو ٗ ٗ ز ی دہ پسند کرتے، ۔ ۔ کہ ابنائے زمانہ کا دستور یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم ہی ۔ت کریں اور لوگ اس کو سنیں لیکن اس کے ۔ وصف وہ خلوت اور اپنے علمی کاموں میں انہماک اور اشغال کو پسند کرتے لیکن اَ کوئی ملنے آجات تو انکار بھی نہ کرتے۔ تھوڑے عرصے میں خاصا علمی کام کیا۔ علمی کتب کا انتخاب کر کے اس کا اردو میں ت جمہ کرتے، ز ی دہ کام جو کرتے وہ عربی میں کرتے اور وہ ٹھوس ہوت کہ آدمی حیران ہوت ایسے افراد و حضرات کے متعلق کہاَ ی ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرت ہے فلک ۔سوں
ت ۔ خاک کے پ دے سے ا ن ت ہیں

کسی ۔ڑے آدمی کے کسی عز ی ز کی گاڑی گم ہو جائے تو بہت جلد اس کا سراغ مل جات ہے وائے حسرت ! کہ حضرت مولاؒ کے سا پ سوائے اس کے کہ چند پولیس کے حکام کو تبدیل کر دی َ ی ، ت حال کوئی کارروائی سامنے نہیں آئی اور شای آئے بھی نہ کہ حکومت کو یہ علم ہی نہیں کہ کتنا ۔ڑا نقصان ہوا ہے ی پھر ان کی ادھر توجہ ہی نہیں۔ شیر شاہ سوریؒ ایسے حکمران اب کہاں سے لا ؟۔ ا ی علاقہ میں کوئی عام آدمی قتل ہوَ ی لیکن قاتلوں کا سراغ نہ ۔ ورث ء شیر شاہ کے پ س پہنچے تو انہوں نے کہا: یہ میرا ذمہ ہے میں تلاش کروات ہوں، چنانچہ خفیہ طور پ حکم دی کہ علاقے میں ۔ نیلی سڑک کا ا ی درخ ت کٹوا دی جائے ایسا ہونے کے دو چار دن بعد علاقے کے نمبرداروں ی سر ۔ اہوں نے ان اشخاص

کا سراغ لگالیا جاتا۔ شہرشاہ سوری نے چار ارد گرد کے گاؤں کے پنچوں کو کہا کہ تمہارے علاقے میں ایک درخت کاٹا گیا اور تمہیں علم ہو گیا لیکن ایک آدمی قتل ہوا اس کا علم نہ ہوا؟۔ ایک ہفتہ دیتا ہوں اگر اس کے اندر قاتل معلوم نہ ہوا تو تم سب کو گرفتار کرلیا جائے گا دو تین دن گزرے تھے کہ قاتل کا پتہ لگ گیا اور اسے گرفتار کرلیا گیا۔

ابھی چند ہفتہ پہلے کی بات ہے کہ کسی ''بڑے'' کی گاڑی گم ہوگئی تو چند دن میں نہیں دو تین دن میں اس کی بازیافت ہوگئی اور اس سے چند دن قبل ایک ''بڑی شخصیت'' کی عزیزہ اغوا ہوگئی تو شاید دو دن یا ایک دن بعد اس کو بازیاب کرلیا گیا۔ ''بڑوں'' کا ذرا نقصان ہو جائے تو سب کچھ جلد ہو جاتا ہے، لیکن اہل علم وتقویٰ جو درحقیقت سرمایۂ ملک وقوم ہیں پر قیامتیں گزر جائیں تو بھی کچھ نہیں ہوتا۔ ہمارے خیال میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کے پائے کے آدمی ملک میں شاید دو چار اور ہوں اور وہ بھی اس قبیلہ عشاق میں لیکن افسوس کہ ہمیں اس کا احساس ہے اور نہ حکومت کو، اور ہم اس انجام سے بے فکر ہیں کہ قدرت جب انتقام لیا کرتی ہے تو پھر بڑوں کی بڑائی خاک میں مل جایا کرتی ہے:

[illegible] اس دن سے بچائے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحبؒ خالص علمی آدمی تھے، ان کا کسی سیاسی یا فرقہ وارانہ مذہبی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا، وہ پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کے آدمی تھے، آج کل وہ ایسی دینی جامعہ کے سربراہ تھے کہ جس کی کراچی کی مختلف شاخوں میں ہزارہا طلباء دین کا علم حاصل کرتے ہیں، ان کو اپنے علمی، تدریسی اور انتظامی ذمہ داریوں سے فرصت ہی نہ تھی کہ جامعہ سے خارج کسی مسئلہ پر لب کشائی کرتے۔ حرمین شریفین کے حج وعمرہ کے علاوہ یا سال بسال دعوت وتبلیغ کے اجتماع میں شرکت کے علاوہ کوئی سفر نہ کرتے بس کام اور کام سے تعلق تھا۔

گزشتہ دو ماہ عدلیہ اور انتظامیہ کے درمیان ججوں کی تعداد کا تنازعہ چلتا رہا جو بالآخر حل ہو گیا کہ انتظامیہ نے عدلیہ کا مطالبہ مان لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دورانیے میں ملک میں بیس ارب روپے کا کاروبار میں نقصان ہوا لیکن یہ وہ نقصان ہے جو اندازہ لگایا

جاسکتا اور نہ جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب کے دنیا سے جانے سے جو علمی نقصان ہوا اس کا تخمینہ و اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ اپنے میدان کے اتنے قابل انسان تھے کہ جس کو دولت دنیا زر و سیم سے نہیں تولا جاسکتا اور نہ مادی دنیا کے چکروں میں پڑے رہنے والے لوگ اس نقصان کی تلافی کا تصور کرسکتے ہیں جو اس ایک شخص کے جانے سے ہوا۔ ملک میں کتنے وزیر اعظم اور صدر آئے اور گئے اللہ تعالیٰ ملک کو زندہ و سلامت رکھے نہ معلوم کتنے اور آئیں گے لیکن جو سورج ۲/نومبر کو ڈوبا ہے وہ کبھی طلوع نہیں ہوگا اور نہ مستقبل قریب میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ ان جیسا کوئی شخص تیار ہوگا۔ ملک کی پچاس سالہ دینی و علمی تاریخ کو دیکھیں تو اُن کے اساتذہ و مشائخ میں تو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر زعماء ملیں گے لیکن ان کے قران میں ان کے مثیل و حریف شاید دو چار مل سکیں۔ غالب کا یہ شعر ان پر پورے طور پر صادق آتا ہے:

کون ہوتا ہے حریف مے مردِ افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

حضرت بنوریؒ کی مردم شناس نظر نے ان کو تاڑا اور ان کے والد سے مانگ لیا اور تعلیم و تربیت کی اور اپنی دامادی کا شرف عطا فرمایا اور مرحوم حضرت مولاناؒ کی آرزوؤں اور امیدوں پر پورے اترے۔ حضرت بنوریؒ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں دورۂ حدیث مکمل کیا اور پھر مدینہ یونی ورسٹی میں مزید تعلیم کے لیے چلے گئے، وہاں سے فراغت کے بعد وہیں کام کرتے تھے، لیکن حضرت بنوریؒ نے آپ کو کراچی بلالیا اور جامعہ میں مدرس رکھ لیا اور حدیث کے ایک خاص کام کی طرف متوجہ کیا، جس کے متعلق خود مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ نے بینات ''محدث العصر نمبر'' میں ایک مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اس جوہر قابل نے کس مشکل کام کے کرنے کا بیڑا اُٹھایا وہ مضمون اس کا مظہر ہے۔

امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب جامع ترمذی میں احادیث کو فقہی انداز میں ترتیب دیا ہے حدیث کو بیان کرکے اس کے صحیح حسن اور غریب ہونے کی تحریر لکھ کر صحابہ

کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور اہل مکہ و مدینہ کا تعامل بیان کر کے ''وفی الباب'' کہہ کر اپنے علم کے مطابق ان تمام اصحاب و رواۃ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے اس باب کے مسئلہ پر کوئی روایت بیان کی۔ حضرت بنوریؒ نے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو فرمایا کہ ''وفی الباب'' کے اصحاب کی روایت کی تلاش کر کے اس کو ترتیب دو اور ایک نقشہ بنا کر دیں۔ مرحوم نے یہ کام شروع کر دیا، یہ ''جوئے شیر'' لانے کے مترادف تھا لیکن مرحوم نے اس کو شروع کر دیا اور اس کی پہلی جلد اس وقت میرے پیش نظر ہے، اس کے لیے آپ نے ۱۷۶/ کتب کا شروع میں ذکر کیا ہے اور پہلی جلد صرف ''کتاب الطہارۃ'' پر مشتمل ہے۔

اللہ بھلا کرے مولانا مفتی محمد جمیل خان اور مخدوم زادہ مولوی سیّد محمد بنوری کا کہ انہوں نے احباب سے مل کر فیصلہ کیا کہ آج ہی نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی جائے، ورنہ ملک بھر کے علماء اور کراچی کے عوام کا یہ مطالبہ تھا کہ جنازہ اگلے دن ہو، اگر ایسا ہوتا تو یہ جنازہ اتنا بڑا ہوتا کہ کراچی کا ریکارڈ ٹوٹ جاتا، لیکن اتنے بڑے اجتماع کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا اور جانی و مالی نقصان کا بھی تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس فیصلے کے مطابق ۹-۵۰ پر (عشاء کے بعد) جنازہ پڑھ کر اپنے عظیم المرتبت استاذ حضرت بنوریؒ اور ہم زلف مفتی احمد الرحمٰنؒ کے پہلو میں دفنا دیے گئے، گویا بانی و پہلے مہتمم اور دوسرے مہتمم کے ساتھ تیسرے مہتمم کو جامعہ کے احاطے میں مسجد کی شمالی جانب سپردِ خاک کر دیا گیا۔

اس سے اگلے دن جمعہ کو کراچی میں ریکارڈ ہڑتال ہوئی جس پر لاہور میں ایک اخبار نے تبصرہ کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اب کراچی میں علماء کا زور بڑھ گیا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہے یا غلط، معلوم ہوتا ہے کہ اخبار کی انتظامیہ کو پتہ نہیں کہ مرحوم کی شخصیت کتنی قد آور تھی، اگر پورے ملک والوں کو اس کا علم ہوتا تو سارے ملک میں ہڑتال ہوتی۔ ہم یہاں گزشتہ بات پھر دہراتے ہیں کہ اگر مولانا احسان اِلٰہی ظہیر، مولانا قدوسی اور دیگر ساتھیوں کے جلسہ میں جاں گداز حادثے کے بعد آہنی ہاتھوں سے حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا جاتا تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔

……

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی

(مشرف تخصص فی الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن)

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن چھوٹی سی جگہ میں ہے، لیکن خدمات وقربانیوں کی وجہ سے پاکستان میں اپنی مثال آپ ہے۔ پاکستان اور پاکستان سے باہر بھی اللہ تعالیٰ نے اسے قبولِ عام سے نوازا ہے، یہ اس کے بانی حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۷۹ھ) کے اخلاص، حسنِ اور بزرگوں کی دعاؤں کا ثمرہ و نتیجہ ہے۔

یہاں کے استاذ، خادم وکارکن جہاں بھی ہوتے اور زندگی گزارتے ہیں، خدمت خلق سے پہلوتہی اور جان کی بازی سے دریغ نہیں کرتے۔

چنانچہ قربانی کا یہ سلسلہ آج سے چودہ سال پہلے ۱۴۱۸ھ۔۱۹۹۷ء کو شروع ہوا اور آج تک جاری ہے، سب سے پہلے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحبؒ مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ وخلیفہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ (۱۴۰۵ھ) شہید ہوئے۔

خدمات: مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (۱۴۱۱ھ) کی وفات کے بعد سات برس تک مہتمم کی حیثیت سے عظیم خدمات انجام دیتے رہے۔ انتظامی امور کے ساتھ ساتھ درس وتدریس اور تصنیف کا سلسلہ جاری رکھا، ۱۳۹۰ھ میں ”کشف النقاب عما یقوله الترمذی وفی الباب“ پر کام شروع کیا، جو ”کتاب الطهارة سے باب ماجاء فی کثرة الرکوع والسجود“ تک ۵؍جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ موصوف کی اردو، عربی تصانیف وتراجم کی بڑی تعداد ہے۔

شہادت وتدفین: موصوف نے یکم رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲؍نومبر ۱۹۹۷ء کو اپنے دوساتھیوں سمیت جامِ شہادت نوش فرمایا۔ نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد جامعۃ العلوم

الاسلامیہ میں حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ (۱۳۹۷ھ) اور مفتی احمد الرحمٰنؒ (۱۴۱۱ھ) کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

مولانا مفتی عبدالسمیع شہید رحمہ اللہ

آبائی گاؤں پنو عاقل میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب بڑے عالم باعمل تھے، ابتدائی تعلیم انہی سے حاصل کی، اس کے بعد سندھ کے مشہور مدارس دار الفیوض کندھ کوٹ، مدرسہ قاسم العلوم گھوٹکی کے استادوں سے ابتدائی درجات پڑھے، اس کے بعد جامعہ اشرفیہ میں مولانا موسیٰ خان روحانی بازیؒ (۱۹۹۸ء۔۱۴۱۹ھ) سے استفادہ کیا، وہاں سے کراچی آگئے اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں دورۂ حدیث حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ (۱۳۹۷ھ) سے پڑھا۔ دورہ سے فارغ ہوکر یہیں افتاء کیا، مفتی احمد الرحمٰنؒ (۱۴۱۱ھ) کو آپ کی استعداد کا اندازہ طالب علمی کے زمانے سے تھا، اس لیے ان کو جامعہ میں مدرس مقرر کردیا، موصوف جلد ہی ترقی کر کے حدیث شریف کی کتابیں پڑھانے لگے۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ (۱۴۱۱ھ) ن ء سوادِ اعظم اہل سنت پاکستان قائم کی تو موصوف ان کے ہم راہ کام کرتے رہے۔ یہ جامعہ کے مقبول متدین اساتذہ میں سے تھے، جامعہ کے لیے ان کی عظیم خدمات ہیں۔

شہادت و تدفین: یکم ر ۱۴۱۸ھ کو مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا، پنو عاقل میں اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

ڈرائیور محمد طاہرؒ

محمد طاہرؒ عباس پور کے رہائشی تھے، نیک و صالح نوجوان تھے۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے اساتذہ کے ڈرائیور تھے۔ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مفتی عبد السمیع شہیدؒ کے ساتھ یکم ر ۱۴۱۸ھ کو جامِ شہادت نوش کیا۔ نماز جنازہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں ادا کی گئی، نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد آبائی گاؤں عباس پور آزاد کشمیر میں دفن ہوئے۔

وہ جو امر ہو گئے

مولا غلام رسول

(اڈمنسٹریٹر جامعہ بنوریہ عالمیہ سا ، ای کراچی)

قرآنِ مقدس کی پہلی سورت فاتحہ جو ہر ز کی رکعتوں میں پ ڑھی جاتی ہے، اس سورۃ میں خالق کائنات نے ای دعا تعلیم کی ہے، سکھائی ہے کہ ہمیں سیدھے راستہ کی ہدا ی نصیب فرما۔ سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) کا تعین بھی خود ہی فرما ی: ان لوگوں کا راستہ جن پ تو نے ا م فرما ی، پھر ان لوگوں کی وضا ی بھی خود ہی فرمائی کہ وہ چار قسم کے لوگ ہیں: نبی، صدیق، شہید، صالح۔

ت کا دروزاہ تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمیشہ کے لیے بند کرد َ ی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی یہ کوئی کسبی چیز نہ تھی یہ خالصتاً ئی نعمت اور اللہ کا انتخاب تھا۔

صدیقین، شہداء، صالحین کے شعبے کھلے ہوئے ہیں، َ رتے دنوں کے ساتھ فہرستوں میں موں اور شخصیات کا اضافہ ہو جا رہا ہے، کسی کو یہ معلوم نہیں کہ میرا شمار کن صفوں میں ہوگا، کیوں کہ دار و مدار خاتمہ پ موقوف ہے، البتہ خواہش ہر صاحبِ ایمان کی یہی ہے کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جائے اور اس کی کوششوں میں عمل اور دعا کے ذریعے لگا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت محض اپنے لطف و کرم سے کسی بھی صا ایمان کو محروم نہ فرمائے۔ آمین۔

مذکورہ لاتین عظیم مقامات اور درجات میں شہادت فی سبیل اللہ ا ی ایسا عظیم مقام ہے جسے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس طرح چاہا کہ: میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں پھر ز ہ کیا جاؤں اور ایسا ر رہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کا حاصل کرنے والا بظاہر اور حقیقت میں موت کو منہ لگا ی کے وجود مردہ گمان کرنے سے بھی روکا َ ی، وہ د سے َ رجانے کے وجود ایسا ز ہ ہے کہ اس کو اپنے رب کے پ س سے رزق د ی جا ہے۔ اللہ کے فضل سے اسے جو کچھ مل رہا ہو ہے اس پ انتہائی

خوش اور شاداں ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ بن الخطاب مدینہ میں رہتے ہوئے اس عظیم رتبہ اور مقام کے طالب رہے اور اللہ نے اپنے اس خاص بندے کو اس کی چاہت کے مطابق وہ مقامِ بلند و عظیم مرحمت فرمایا۔ مادیت کے اس دور میں آج بھی اس مقام و رتبے کے متوالے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام و مسلمان کی حفاظت کے جذبے سے اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پہ رکھ کر جہادی میدانوں میں موت کے تعاقب میں سرگرداں ہیں۔ وہ اپنی نیتوں کا ثمرہ ان شاء اللہ پاکر رہیں گے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبدالسمیع رحمہما اللہ تعالیٰ کوئی سرمایہ دار، جائیداد و جاگیر کے مالک نہیں تھے کہ کوئی مال کا لٹیرا، جائیداد و جاگیر کا لالچی اُن کا جان لیوا بننے پر اپنے آپ کو مجبور پاتا۔ وہ کوچہ سیاست کے باسی بھی نہ تھے کہ کوئی لیلائے کرسی کا مجنوں اپنی راہ کی رکاوٹ سمجھ کر انہیں راہ سے ہٹانا اپنی ضرورت سمجھتا۔ یہ تو خالص علمی و مذہبی شخصیات تھیں، جو نبوت کی میراث کی تقسیم میں شب وروز اپنے آپ کو منہمک کیے ہوئے تھیں۔ اگر کہیں کسی کو آنکھیں دکھائی تھیں تو علم قرآن کی تحفیظ کے لیے، اگر کسی کے لیے کہیں آنکھیں بچھائی تھیں تو ترویجِ علوم نبوت کے لیے۔ اگر کہیں قول و زبان کی سختی تھی تو احادیث کے علوم کی اہمیت کے لیے، اگر کہیں زبان کی شیرینی اور چاشنی بکھیری تھی تو آفاقی علوم کی جاذبیت کے لیے، ان کا ہر اٹھنے والا قدم اشاعت اسلام کے لیے تھا، ہر بڑھنے والا ہاتھ دین کی نعمت کے فروغ کے لیے تھا، ہر اُٹھنے والی نگاہ کی کشش اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کے لیے تھی، ہر جھکنے والی نگاہ اللہ کے بندوں کو دین سے منسلک کرنے کے لیے تھی۔ اٹھنے اور جھکنے والی گردن قرآن کے لیے وقف تھی۔ مؤقف پر جمنا اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی۔

ایسی شخصیات کا ہمارے درمیان موجود رہنا اللہ کی رحمت کے سہارے کی علامت ہے۔ ان کا طبعی موت کے ذریعے سے بھی ہمارے درمیان میں سے اٹھالیا جانا اللہ کی ناراضگی کی علامت ہوتا ہے۔ ان کا شہید کردیا جانا غضبِ رحمٰن کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے کے مترادف ہے۔

سیدنا عمرؓ کا زخمی ہونے کے بعد تھوڑا سا بات کا موقعہ دیا جانا قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے لیے تھا، ہوش میں آتے ہی معلوم فرمایا کہ میرا قاتل کون ہے؟ بتانے پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے۔ یہ رہنمائی فرما دی کہ ایسا کام کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ ہر صاحبِ ایمان کے کانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان گونج رہا ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے، دینِ اِسلام کا ماننے والا، قرآنِ مقدس پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان اپنی شب و روز کی تلاوت میں یہ آیتِ قرآنی تلاوت کرتا ہے: جس نے جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کیا وہ اس کے بدلے میں ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ کوئی تو ہے جس نے یہ عمل کیا ہے اور کوئی تو ہے جس نے یہ عمل کرایا ہے، جو کوئی بھی ہے یقینی طور پر ملت اِسلامیہ کا فرد نہیں ہوسکتا۔ ملت اِسلامیہ تو دور کی بات ہے انسانی معاشرے کا فرد بھی نہیں ہوسکتا۔ سفاکیت اور درندگی میں درندوں کو مات دے گیا ہے، اِنتہائی گھاٹے کا سودا ہے جو اس نے کیا ہے، وہ اپنے ضمیر کی عدالت کا مجرم تو ہے ہی، انسانی اور خدائی عدالتوں میں بھی ناقابل معافی جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

متانت وسنجیدگی، علم وعمل، حلم وتدبر کے پیکر علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اس دور میں وہ شخصیات تھیں جن کی دشمنی اللہ کی طرف سے اعلانِ جنگ کے مترادف تھی۔

علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ تو موت کا پیالہ نوش فرما کر شہادت کی نعمت عظمیٰ پر فائز ہوگئے۔ عالم برزخ کی ان کی حالت قابل رشک ہوگی، لیکن ان کو اس نعمت کبریٰ پر پہنچانے والے اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے مدمقابل لے آئے ہیں، کیا جرأت و بے باکی ہے اور کیسے جہنم کی آگ پر صابر ہیں؟ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوتی چلی جائے گی۔ بچانے والے اَن دیکھے اِنتقامی ہاتھ سے کیسے بچا سکیں گے۔ سازشی عناصر اپنی اپنی چالیں ہمیشہ کی طرح کھیلتے رہیں گے، اللہ کی چال ہمیشہ کی طرح آج بھی ان پر بھاری ہے۔ ان کے سفاک قاتل اصل مالک

کی نگاہ سے کبھی پوشیدہ نہیں رہتے۔

مستقبل قریب میں اسلام کی تشریح، مسلمان کی رہنمائی، صحیح سمت کے تعین کے لیے چاروں طرف سے ہونے والے کفر و الحاد کے حملوں سے مدافعت کے لیے ابھی ان کے وجودِ مسعود کی ضرورت تھی، آسمانِ دنیا کے نیچے ابھی ان کے علوم کے محتاجوں کی کمی نہیں تھی۔ آہ! قاتلوں نے ا ہی کو نہیں دنیا ہی کو ختم کر دیا۔ آہ! ظالموں نے دنیا کے وجود کو سنبھالا دینے والے وجودوں میں کمی پیدا کر دی۔ ہم جیسے خس و خاشاک ان اللہ والوں کی آہ و بکاء، نالوں اور فریادوں کی آڑ میں بچے ہوئے تھے، آہ! دہشت گردوں نے ہم سے یہ چھتری چھین لی۔

جانے والے حاملینِ علوم جنت کو جاتے ہوئے یہ خاموش پیغام دے گئے کہ حق نے حق والوں کا ہمیشہ بڑا امتحان لیا ہے، لیکن حق ہی نے ان کو پائے استقامت دیا ہے۔ لہٰذا حالات جیسے بھی آئیں، اہل حق کے قدم ڈگمگانے نہ پائیں، یہی تمہاری کامیابی ہے۔ تمہارا اور امت مسلمہ کا بہتر مستقبل اسی میں پوشیدہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اور ان جیسے ان گنت جانبازوں اور سرفروشوں کی جانبازی اور سرفروشی سے آج کے دور میں تم تھے، تمہاری جانبازی، سرفروشی، قربانی آئندہ آنے والی امت مسلمہ کے روشن مستقبل کی ضامن ہوگی۔ یہ قافلہ چل بھی رہا ہے، بڑھ بھی رہا ہے، سوئے منزل گام زن بھی ہے، سو قابل رشک ہے جو اس قافلے کا امیدوار ہو اور منتخب کر لیا جائے۔

آج ان حضرات کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً اٹھارہ برس ہو رہے ہیں، اس دوران بہت نشیب و فراز آ چکے ہیں، ہم درجنوں علمائے حق سے محروم ہو چکے ہیں، کراچی کی پیاسی سرزمین درجنوں علمائے کرام و دینی قائدین کے لہو سے اپنی پیاس بجھا چکی ہے، قاتلوں کو اب اس زندہ حقیقت کا ادراک ہو جانا چاہیے کہ حق کا قافلہ کسی کے روکنے سے کبھی نہیں رکتا، آندھیوں میں حق کے چراغ جلتے رہیں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ حق کو غالب کر کے رہے گا۔ دعا ہے کہ اللہ شہر قائد کو امن کا گہوارہ بنائے اور ہمیں متحد و متفق ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

کاروان بنوریؒ کے حدی خواں

مولانا محمد حسین صدیقی

(اُستاذِ حدیث، جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ ایریا کراچی)

موت اس کی جس کا زمانہ افسوس کرے
یوں تو آئے ہیں دنیا میں سبھی مرنے کے لیے

میرے محبوب اُستاذِ محترم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کمالات سے نوازا تھا، اس مختصر مضمون میں ان کے ہمہ جہتی اوصاف وکمالات کا کما حقہ تذکرہ تو مشکل ہے، البتہ ان کی چند صفات، جن کا بندے نے خود بھی مشاہدہ کیا، ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۸۳ء میں حضرت مولاناؒ سے مشکوٰۃ شریف جلد ثانی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یوں وہ میرے استاذ بھی ہیں، ان کا فیض ان کی مستجاب دعاؤں کے طفیل جاری وساری ہے اور الحمدللہ بندہ کو بھی ایک طویل عرصہ اس کتاب کی تدریس اور ان سے حاصل شدہ فیض آگے منتقل کرنے کا موقع ملتا رہا۔

استاذ محترم درمیانی قد، کتابی چہرہ، کشادہ جبیں، گندمی رنگت، آنکھوں سے ذہانت وعبقریت کے آثار نمایاں، رفتار میں وقار، گفتار میں اعتماد، حرارت وصلابت، دل کشی و حلاوت، پرکشش شخصیت، مجموعی وضع پرکشش، سفر وحضر میں جس شخص کی بھی نگاہ آپ

پڑتی وہ صاحب شخصیت کے غیر معمولی ہونے کا یقین کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آپ جہاں جاتے وہاں پر مرکزِ نگاہ آپ ہی ہوتے تھے۔

صحن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آئے اور ساری بہاروں پہ چھا گئے

میرے استاذ محترم لباس و پوشاک میں انتہائی نفاست پسند تھے اور کسی بھی چیز میں بے قاعدگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ تواضع وانکساری ان کی شخصیت کا خاص وصف تھا اور طلباء کے اپنے اساتذہ کے احترام میں کھڑے ہونے کو بھی ناگوار سمجھتے اور اس سے منع کرتے تھے، فرماتے: تعظیم اور عزت دل میں ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام کو سلیقے اور قرینے سے اور ڈھنگ سے انجام دینا، گویا ان کی فطری مجبوری تھی۔

دار التصنیف جس میں حضرتؒ کی اپنی تدریس کے اوقات کے علاوہ نشست گاہ تھی، متعدد بار طالب علمی کے دور میں بھی اور فراغت کے بعد بھی جانا ہوا اور ہر بار متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ہر چیز اپنی جگہ پر قرینے اور سلیقے سے رکھی ہوتی، جس سے دار التصنیف کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا۔ ملاقات کرنے والوں کو اپنی تصانیف کے ہدیے سے بھی نوازا کرتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑے وقت میں زیادہ کام کرنے اور بہت زیادہ نتائج بروئے کار لانے کی صلاحیت سے بدرجہ اتم سرفراز فرما رکھا تھا، خود اعتمادی ان کا سب سے کارگر ہتھیار تھا، تعجب خیز حد تک انھیں اپنے دست و بازو پر اعتماد تھا۔

الغرض وہ بے پناہ قوتِ حافظہ کے مالک، مالی معاملات میں بہت زیادہ احتیاط کرنے والے، اعلیٰ درجہ کے تقویٰ والے، تواضع وعاجزی کے پیکر اور دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے، تحقیقی مزاج رکھنے والے، پرکشش اور پروقار شخصیت کے حامل تھے۔

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی، تو مگر کہاں

حضرت استاذ محترم اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمے میں جو کمال رکھتے تھے، شاید کہ بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جن کو اس طرح کمال حاصل ہو، آپ کے متعدد تراجم اس پر شاہد ہیں۔ حضرت مولاناؒ کو اُردو اور عربی زبان کا صحیح مذاق حاصل تھا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک اس زبان کے مذاق اور ثقافت سے آگہی نہ ہو، کما حقہ کسی زبان کی خوبی اور خامی کا ادراک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بظاہر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی موت ایک بے بسی ولاچاری کی موت تھی، لیکن ایسی مقبول شہادت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ آپ کی شہادت سے پہنچنے والے صدمے سے ہمارے دل و دماغ پر جو زخم لگے ہیں، وہ اب تک مندمل نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول سے نوازے۔

یہ انتہائی خوشی و مسرت کا مقام ہے کہ ان کی شہادت کو ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ان کو بھلایا نہیں گیا اور اب جامعہ بنوریہ عالمیہ کے مہتمم مولانا مفتی محمد نعیم مدظلہ کے حکم پر اُن کے دستِ راست مولانا غلام رسول اور ان کی مستعد ٹیم ان کے تذکرے کو کتابی شکل دے کر ایک قرض ادا کرنے کی سبیل کر رہی ہے، جو ان کی شہادت کے بعد سے ہم سب کے کاندھوں پر تھا۔ عزیزم مولانا محمد جہان یعقوب کے اِصرار پر عجلت میں یہ چند سطور سپردِ قرطاس کر رہا ہوں۔ اس شعر پر اپنے ناقص مضمون کو ختم کرتا ہوں

محدود الفاظ میں کہاں سما سکیں گے وہ
لامحدود صفات والے تھے وہ
احساس بن کر زندہ رہیں گے وہ
ذہنوں میں ہمیشہ رہیں گے وہ

……

نئی بہار کی اقدار لے کے آیا ہوں

مولانا محمد جہان یعقوب

(انچارج ہفت روزہ اخبار المدارس واستاذ جامعہ بنوریہ عالمیہ سائٹ ایریا کراچی)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ و مولانا مفتی عبد السمیعؒ کی شہادت ہوئی تو راقم کا جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ ایریا کراچی) میں پہلا سال تھا اور دینی تعلیم کی جانب بھی پہلا قدم، مارچ میں میں نے جامعہ بنوریہ عالمیہ (سائٹ ایریا کراچی) میں درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا تھا اور نومبر میں یہ روح فرسا واقعہ پیش آیا، ذہن پر بہت زور دینے کے بعد بھی بس اتنا یاد آتا ہے کہ جامعہ میں تعلیمی سلسلہ منقطع کرکے جامعہ کے تمام اساتذہ اور بڑے طلباء جن میں درجہ ثالثہ اور اس سے اوپر کے درجات کے طلباء شامل ہیں، شہداء کے جنازے میں شرکت کے لیے گئے تھے، جبکہ چھوٹے طلباء کے جامعہ سے باہر جانے پر پابندی لگادی گئی تھی، یوں ہم ان عظیم شہدائے کرام کے جنازے میں بھی شرکت سے محروم رہے۔ تعلیمی سال کے اِختتام پر جامعہ بنوریہ عالمیہ میں ختم بخاری و تقسیم انعامات کی تقریب میں مولانا بشیر احمد نقشبندی کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا، ان کا تعارف کراتے ہوئے اسٹیج سیکریٹری نے جب سانحۂ بنوری ٹاؤن کا تذکرہ کیا تو شہداء کے ذکر سے محفل پر ایک سوگ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور جب درجہ ثالثہ کا ایک طالب علم مولانا نقشبندی سے جامعہ کے امتحانات میں اوّل آنے کا انعام وصول کر رہا تھا، تو وہ خود کو اس حوالے سے خوش قسمت تصور کر رہا تھا کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب و مفتی عبد السمیع صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی تو زیارت کا شرف حاصل نہ

ہوسکا، آج ان کے ہم سفر ایک زندہ شہید کے ہاتھ سے وہ اسلامی کتابیں وصول کر رہا ہے، جو معجزانہ طور پر شدید زخمی ہونے کے باوجود بچ گئے تھے۔ آج . میرے اور نقشبندی صاحب کے دفتر میں صرف ایک دروازے کا فاصلہ ہے اور ان کی صحبت سے شب وروز استفادے کا موقع مل رہا ہے، تو سوچتا ہوں کہاں وہ لمحات اور کہاں یہ دن!!

اس تفصیل کو ذکر کرنے کا مقصود کسی قسم کی خودستائی وخودنمائی نہیں، نہ کسی ریکارڈ کی درستی مقصود ہے، بل کہ اس بات کی وضاحت مطمحِ نظر ہے کہ جس شخص کو ان دونوں حضرات کی زیارت کا بھی شرف حاصل نہ ہوا ہو، وہ ان کے بارے میں کیا لکھ سکتا ہے؟

ان دونوں حضرات سے بلاواسطہ شاگردی کا شرف کچوکے دے رہا ہے کہ اس شرف کے بھی کچھ تقاضے ہیں، تم نے اپنے اساتذہ سے صرف ونحو اور حدیث میں جو کچھ پڑھا ہے، اس میں ان دونوں شہیدوں کا فیض بھی شامل تھا، سو یہ بے رخی ہے کہ تم قرطاس پر ان حضرات کے سلسلے میں کچھ رقم نہ کرو، بل کہ یہ تمہاری محرومی ہوگی کہ ایک ایسی کتاب میں تمہیں کچھ لکھنے کا موقع میسر آرہا ہے، جس میں راہِ حق کے متعدد شہداء کے مضامین ہیں، کیا پتا اسی بہانے کتاب کی فہرست میں ان شہداء کے ساتھ مصاحبت ربِّ قدیر کو پسند آجائے اور وہ روزِ محشر بھی ان شہداء کے ساتھ تمہارا حشر فرمائے، بس یہ اُمید اور تمنا ہے جو مجھے آمادہ ہی نہیں بل کہ مجبور کر رہی ہے کچھ لکھنے پر، اللہ اس امید کو تمام اہل ایمان کے لیے یقین میں بدل دے۔ آمین۔

میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شخصیت کے بارے میں سوچتا ہوں تو دنگ رہ جاتا ہوں۔ یہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہی تھا کہ ایک شخص میں اس قدر صفات جمع فرمادیں، جن کا اس قحط الرجال کے دور میں کسی ایک شخص میں تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ وہ ایک کامل انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں وہ تمام صفات جمع فرمادی تھیں، جو کسی کامیاب ومثالی انسان میں ہوسکتی ہیں۔ ایک طرف وہ ایک قابل عالم ومفتی تھے، تو دوسری طرف ایک لائق گریجویٹ اور پی ایچ ڈی ہولڈر بھی۔ وہ ایک طرف ایک کامیاب مدرّس تھے تو دوسری طرف ایک مثالی منتظم بھی۔ وہ

ایک طرف صاحبِ نسبت ولی اللہ تھے تو دوسری طرف زمانے کی سے بھی واقف و آگاہ ایک بیدار مغز منتظم بھی۔ وہ ایک طرف علومِ آلیہ میں کامل دسترس رکھنے والے استاذ تھے تو دوسری طرف محدثین کی علمی موشگافیوں کی تہ تک پہنچ کر ان سے موتی نکالنے کا ہنر بھی جانتے تھے۔ انھیں تفسیر قرآن کا بھی ایک خاص ذوق حاصل تھا، قدیم و جدید تفسیری مآخذ ہوں یا جدید تفسیری تحقیقات، ان کی دونوں پر یکساں نظر تھی۔ ان کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ وہ اہل لسان بھی تھے اور عربی میں مہارت بھی انھوں نے اہل لسان ہی سے حاصل کی تھی، یوں ان کے تراجم میں دونوں زبانوں کی جو جامعیت، ادبی چاشنی اور جاذبیت نظر آتی ہے، وہ اس میں بلا شبہ یکتائے روزگار تھے۔ ان کے قلم معجز رقم سے ہونے والا عربی سے اردو کا ترجمہ پڑھنے والا قاری ہو یا اردو سے عربی ترجمہ پڑھنے والا کوئی صاحبِ ذوق ہو، وہ ان کی تحریر کے سحر میں یوں کھو جاتا تھا کہ اسے ترجمے کا گمان بھی نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ان کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ عبارت میں باریک سے باریک غلطی کو بھی پکڑ لیتے تھے۔ مولانا حسین قاسم صاحب نے ایسے متعدد واقعات لکھے ہیں۔

……

اس قوم پر سوائے حسرت وافسوس کے کیا کیا جا سکتا ہے، جس نے اس ہیرے کی قدر نہ کی، مفادات کے اسیروں کی نظر صرف اپنے مفادات پر ہوتی ہے، خواہ اس کی بڑی سے بڑی قیمت ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ قارئین امریکی سفیر کے وہ الفاظ یقیناً نہ بھولے ہوں گے جو اس نے ایمل کانسی کی حوالگی پر کہے تھے کہ یہ پاکستانی اپنے مفادات کے لیے اپنی ماں بہن تک غیروں کے حوالے کرنے سے نہیں چوکتے۔ تب اس قوم کی رگوں میں کچھ خون تھا، سو یہ جملہ بہت برا محسوس کیا گیا، لیکن جب ایک مطلق العنان آمر نے قوم کی آبرو ڈاکٹر حافظہ عافیہ صدیقی کو دشمن کے حوالے کیا تو اس قوم کو پتا بھی کئی برس گزرنے کے بعد، مردہ قوم کی رگوں میں حمیت کا خون نہ دوڑا، یہاں تک کہ اس مظلوم دخترِ پاکستان کو اسی برس کی قید بھی سنا دی گئی۔

اس قوم کی مردہ نبضوں میں احساس کو زندہ کون کرے

جس خون سے قومیں بنتی ہیں اس خون کا سودا کون کرے

سوا اتنے بڑے جبالِ علم و عمل کے خاک و خون میں تڑپائے جانے کے باوجود کوئی ارتعاش پیدا نہ ہوسکا، اس دھرتی نے ایسے ایسے علماء کا خون پیا جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں اور جن کے زہد و اتقاء پر مسلمانی بھی نازاں ہے، قاتل ہر واردات کے بعد نئی واردات کی پلاننگ میں لگ گئے، قوم بہ دستور خوابِ خرگوش کے مزے لوٹتی رہی اور علماء نے امن پسندی کی پالیسی اپنائے رکھی اور یہ وطیرہ بن گیا: لاشیں اُٹھاؤ، چند دن جانے والوں کے گن گاؤ، پھر سب کچھ بھول کر اپنے کاموں میں مگن ہوجاؤ، اب الحمدللہ! فضا کافی بدل چکی ہے، اس شہر سے آسیب کے سائے اب چھٹتے جارہے ہیں، قاتل پناہ گاہوں کی تلاش میں ہیں، خونِ مسلم کی ارزانی کا سلسلہ کچھ تھم چکا ہے، کاش! کراچی کی سرزمین پر تڑپائے جانے والے شہداء کے قاتلوں کے گریبانوں تک بھی قانون کا آہنی ہاتھ پہنچے اور وہ اپنے کیے کی سزا کا کچھ مزا اس دارِ فانی میں بھی چکھ لیں۔

آیئے! قاتلوں تک پہنچنے کے لیے اس وقت کے حالات کا ایک جائزہ لیں، تاکہ اس سفاکی و بربریت کے اسباب و عوامل اور محرکات و مضمرات سامنے آسکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاست وہ عنصر ہے جو ملک کے دیگر شعبہ جات پر بلاواسطہ یا بالواسطہ اثر انداز ہوتا ہے، اس لیے کسی بھی ملک کی ترقی اور خوش حالی کا دارومدار سیاسی استحکام سے وابستہ ہے۔ وطن عزیز میں تو سیاسی تبدیلیوں کے بعد اکثر اداروں پر اس قدر اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ان کے حلیے بگڑ جاتے ہیں، سیاسی تبدیلیوں کے فوراً بعد معاشی، اِقتصادی، صورتِ حال کے ساتھ امن عامہ میں تبدیلیاں بھی مشاہدہ میں آتی ہیں۔ اس لیے وطن دشمن عناصر کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ ملک میں سیاسی استحکام نہ ہونے پائے۔

۱۹۹۷ء میں بھی ایسی ہی صورتِ حال تھی، عرصۂ دراز کے تجربات و مشاہدات کے بعد پاکستانی قوم نے ملکی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی حکومت کو اتنا بھاری مینڈیٹ دیا تھا اور سیاسی عدم استحکام کی جڑ کاٹ دی تھی۔ ہر وقت کی سیاسی رسا کشی اور لوٹ کریسی کا خاتمہ

ہوا تھا۔ حکومت نے آہستہ آہستہ اپنے قدم مضبوط کر کے وطن عزیز کی ترقی کے لیے کام کا آغاز کر دیا تھا، لیکن ملک دشمن عناصر نے ایک نئی پالیسی اختیار کی اور امن عامہ کو تباہ کرنے کی کوششیں شروع کر دیں اور نو منتخب حکومت کے ابتدائی ایام میں ہی ملکی تاریخ کے متعدد خوفناک سانحات پیش آئے۔ مثلاً: سانحہ جامعہ خیر المدارس ملتان، سانحہ لاہور، سانحہ خانہ ڈوگراں ان واقعات کے ذریعے مصنوعی فرقہ واریت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر مذہبی حلقوں نے دہشت گردی کے ان واقعات کے باوجود کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا اور ملک بھر کی مذہبی فضا کو زہر آلود ہونے سے بچا لیا اور مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام نے بھی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے فوراً عوام کی راہنمائی کی اور حکومت کو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے تعاون کا یقین دلایا، یوں ماضی کی طرح اس بار بھی دینی حلقوں اور مذہبی قوتوں کے تعاون اور بروقت فیصلوں کی وجہ سے ملک دشمن قوتوں کو ایک مرتبہ پھر ناکامی ہوئی۔

ملک دشمن عناصر نے اپنی چالوں کو یوں ناکام اور کوششوں کو یوں رائیگاں جاتے دیکھا تو ایک مرتبہ پھر فرقہ وارانہ فسادات کے ذریعے ملک میں امن وامان برباد کر کے سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے، جس کا نئے سرے سے آغاز ملتان میں نئی دہشت گردی سے کیا گیا، ملتان کے حالات ابھی معمول پر نہیں آئے تھے کہ کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کی گاڑی پر حملہ کر کے جامعہ کے مہتمم و وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار اور ان کے دستِ راست معروف علمی شخصیت مولانا مفتی عبدالسمیع رحمہما اللہ تعالیٰ کو بدترین دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، سفاکی کی انتہاء یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو شہید اور ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھے دوسرے حضرات کو شدید زخمی کرنے پر بھی سفاک قاتل کا جوشِ درندگی و [illegible] درندگی سرد نہ ہوا، بلکہ گاڑی پر آتش گیر مادہ چھڑک کر گاڑی کو بھی خاکستر کر دیا گیا، اس کے اسباب وعوامل کچھ بھی ہوں، پشت پناہی کرنے والی قوت کوئی بھی ہو، استعمال ہونے والا ہاتھ کسی کا بھی ہو، مگر یہ طے شدہ بات تھی کہ اس درندگی و

سفاکی کا بنیادی مقصد ملک میں لوگوں کو مذہبی دہشت گردی کی بنیاد پر سڑکوں پر لانا تھا، اس کے لیے کراچی کا انتخاب کرنے والے اس شہر کی اہمیت سے بہ خوبی واقف تھے کہ ملک کا سب سے بڑا شہر ہونے کی وجہ سے یہاں آنے والا عدم اِستحکام بہت جلد پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، یہاں کی بد امنی کے اثرات چشم زدن میں ملک بھر میں پھیل جاتے ہیں اور یہاں کی اقتصادی و معاشی ناہمواری پورے ملک کا اقتصادی و معاشی پہیہ جام کر کے رکھ دیتی ہے۔

علمائے کرام اور مذہبی طبقے کی دوراندیشی نے اس سازش کو بھی ناکام بنا دیا اور ملک دشمن اپنے مذموم عزائم کی تکمیل نہ کر سکا، لیکن اٹھارہ سال گزرنے کے باوجود ہمیں اب بھی علماء اور حکومت و اداروں کے درمیان ایک ایسی خلیج نظر آتی ہے، جسے آج تک نہ پاٹا جا سکا۔ پورے ملک کو تو ایک طرف رکھیں، صرف کراچی ہی کی صورتِ حال میں دونوں طبقوں کے کردار کا جائزہ لیں۔ کراچی میں مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار و مفتی عبدالسمیع رحمہما اللہ کی شہادت سے شروع ہونے والا سفاکانہ سلسلہ علمائے کرام کی دور اندیشی، امن پسندی، اداروں اور حکومت سے بے لوث تعاون کے باوجود علماء اور مذہبی طبقے کو صلہ لاشوں، زخمیوں اور الزام تراشیوں ہی کی صورت میں ملا۔ عدالت نے ان دونوں حضرات کے قاتلوں کو ہی نہیں، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ، امام المجاہدین ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئیؒ، شہید ختم نبوت مفتی محمد جمیل خانؒ، شہید ناموسِ رسالت مولانا سعید احمد جلالپوریؒ، شہید مظلوم مفتی عبدالمجید دینپوریؒ، داعی قرآن مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ، مفسر قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوریؒ، مولانا محمد امینؒ اور مفتی عبدالصمد سومروؒ سمیت متعدد علمائے کرام کے قاتلوں کو، جب کہ وہ تختۂ دار سے چند قدم کے فاصلے پر رہ گئے تھے بری کر دیا۔ کراچی کے تقریباً تمام ہی قابل ذکر دینی مدارس کی گاڑیوں پر حملے ہوئے، جن کے مجرم اور ان کے پشت پناہوں کو تاہنوز آج تک قانون کا آہنی شکنجے میں کسنے کی کوئی مؤثر کوشش نہ کی جا سکی۔ ایسے ایسے علمائے کرام، جن کی ذات اتحاد کا سمبل، جن کی مساعی کا مرکز و محور اتحاد بین المسلمین تھا، جو ہر قسم کی مسلکی، جماعتی، عسکری سرگرمیوں کو

اپنے ہی نہیں اپنے حلقۂ اثر کے لیے بھی شجرِ ممنوعہ سمجھتے رہے، جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسلمان کو حقیقی معنوں میں مسلمان اور اہل وطن کو سچا پاکستانی بنانے کے لیے وقف رہا، جو رب کا قرآن سکھاتے اور اسلام کے اس مضبوط حلقے کو، جو نہ کبھی ٹوٹنے والا ہے اور نہ ہی چھوٹنے والا تھامنے کی دعوت دیتے رہے، جو بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر، ہر قسم کی مسلکی و سیاسی، لسانی و علاقائی نسبتوں کو تج کر ملت میں گم ہونے کا درس دیتے رہے، انھیں دن دھاڑے بھری پری سڑکوں پر اس بے دردی سے نشانہ بنایا گیا کہ انسانیت منہ چھپانے پر مجبور ہوگئی، اس روح فرسا ظلم در ظلم کے بعد بھی دینی طبقے نے اشتعال انگیزی اور قانون کو ہاتھ میں لینے سے گریز کیا، پھر بھی کچھ نہیں۔ قابلِ گردن زدنی انہی کو ٹھہرایا گیا، حوالات میں انہی کو ڈالا گیا، سرزنش انہی سے کی گئی کہ تمہارا یہ جرم ہے کہ تم روئے کیوں؟

ہم بڑی ذمے داری سے آج یہ بات لکھ رہے ہیں کہ فرقہ واریت مذہبی و مسلکی نہیں، سیاسی مسئلہ ہے۔ کیا پاک فوج جو بلاشبہ آج اس ملک کے عوام اور بالخصوص شہر قائد کے عوام کے لیے مسیحا اور ابرِ رحمت بن چکی ہے، وہ اس مسئلے کے اس پہلو پر غور کرے گی؟ فرقہ واریت کی روک تھام کے لیے نیشنل ایکشن پلان سر آنکھوں پر، لاؤڈ اسپیکر ا کی پابندی قابل تحسین، ایک دوسرے کی تکفیر پر قدغن بہت خوب، ان سیاستدانوں کی بیٹھکوں، اوطاقوں اور فارم ہاؤسز تک رسائی کب ہوگی، جہاں فرقہ واریت کو ہوا دینے کے منصوبے ترتیب دیے جاتے، اُنھیں رُوبہ عمل لانے کے مشورے اور اسکرپٹ کے مطابق کردار ادا کرنے کے لیے فنکار تلاش کیے جاتے ہیں۔ اصل یہ فنکار نہیں، ان کے اسکرپٹ رائٹرز اور اسپانسرز ہیں، ان کی بیخ کنی کے بغیر ماضی کی طرح اب بھی ہر اقدام بے اثر و بے ثمر ہی رہے گا۔ کیا اصحابِ اختیار اس جانب بھی توجہ دیں گے؟

……

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت

مولانا اللہ وسایا

(مدیر ماہنامہ لولاک ملتان و ناظم شعبۂ نشر و اشاعت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ دہلوی خاندان کے چشم و چراغ تھے، خداداد صلاحیتوں اور بے پناہ حافظہ، متانت وسنجیدگی اور دینی علوم میں گہری [illegible] کی خوبیوں کو دیکھ کر حضرت بنوریؒ ایسے محدث نے آپ کو داماد بنالیا۔ حضرت بنوریؒ کے زمانے میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبۂ تحقیق وتصنیف کے انچارج تھے، اُن کی وفات کے بعد جامعہ کے نائب مہتمم بنائے گئے اور حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم مقرر ہوئے، اہتمام سنبھالتے ہی جامعہ کو وہ عروج بخشا کہ اکابر کی ارواح خوش ہوگئیں، جس طرح بلا کے ذہین تھے، اسی طرح اعلیٰ درجے کے منتظم ثابت ہوئے، انہوں نے اپنے وجود سے اکابر کے خلا کو محسوس نہ ہونے دیا، انہوں نے اکابر کے خلا کو پُر کیا لیکن ان کا خلا شاید مدتوں پُر نہ ہوسکے گا۔

دیگر خوبیوں کے علاوہ عربی زبان کے ماہر اور عربی سے اردو ترجمہ کرنے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، متعدد کتابوں اور کتابچوں کے ترجمے کیے، اتنا سلیس بامحاورہ ترجمہ جس سے اصل کتاب کے اردو زبان میں ہونے کا احساس ہوتا تھا، دن، رات، صبح، شام سفر وحضر میں عربی سے اردو میں علوم کو منتقل کرنے میں گزاری، بلاشبہ پچاسیوں عربی

کتابوں کو اردو کے قالب میں ڈھالا، جس پر محدثین ومفسرین سے لے کر عوام تک سبھی نے خراجِ تحسین پیش کیا اور عقیدت کے پھول برسائے، آپ کی ان خداداد صلاحیتوں اور معاملہ فہمی کو دیکھ کر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا آپ کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، اور آپ نے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی طرح وفاق المدارس کی بھی خونِ جگر سے آبیاری کی اور اس کا حقِ خدمت ادا کیا۔

آپ کی ان تمام تر گراں قدر خدمات کے علاوہ آپ کی منفرد خدمت، حدیث شریف کی معروف کتاب ترمذی شریف کی تخریج احادیث ہے، حضرت امام ترمذیؒ کی کتاب پڑھنے پڑھانے والے جانتے ہیں کہ امام ترمذیؒ ایک باب کے تحت چند احادیث درج فرماتے ہیں اور باقی ان کی یاد میں جتنی احادیث اس باب کے متعلق ان کے حافظے میں محفوظ ہوتی ہیں اُن کے متعلق '' '' کے تحت باقی احادیث مبارکہ کے راوی صحابہ کرامؓ کے اسماء ذکر کر دیتے ہیں، جس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ہر محدث کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسی مسئلہ سے متعلق اور بھی روایات فلاں فلاں صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں، اللہ رب العزت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی قبر کو اپنے نورِ رحمت سے بھر دیں آپ نے ''ترمذی شریف کی'' '' کی ذکر کردہ احادیث مبارکہ کو جمع کرنا شروع کیا، سب سے پہلے انہوں نے اس کا نام تجویز کیا جیسا کہ اس کے مقدمہ میں مذکور ہے، یہ ۱۴۰۶ھ میں شائع ہوئی، اس کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس پر میں نے ۱۶ر سال صرف کیے، ۱۶ر سال کی محنت شاقہ سے یہ کتاب جب منصۂ شہود پر آئی تو اس کا نام ٹائٹل پہ تحریر تھا '' '' صرف کتاب الطھارۃ کی تخریج کے لیے ۱۸۶ر کتب احادیث کی طرف مراجعت کرنی پڑی، اللہ رب العزت مولانا مرحوم کو جزائے خیر دیں کہ وفی الباب کے تحت امام ترمذیؒ کی مبارک سے نہیں گزری تھیں یا اُن کا اُنہوں نے تذکرہ نہیں فرمایا تھا اُن کو بھی باحوالہ کر دیا،

آپ نے وفی الباب کے تحت ترمذی شریف کی تخریج کیا فرمائی کہ ایک ایسے احادیث کی انسائیکلوپیڈیا کی بنیاد فراہم کی کہ کتاب کے منصۂ شہود پر آتے ہی دنیا بھر کے علم حدیث سے شغف رکھنے والے حضرات عش عش کرا ٹھے، انہوں نے اس کی تکمیل کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی اور حدیث شریف کی اس عظیم علمی خدمت پر بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا، آپ نے اب جلد اوّل تحریر فرمائی ۱۴۰۷ھ میں چھپی، اس کے چھ سو صفحات ہیں، جلد ثانی بھی ۱۴۰۷ھ میں ہی شائع ہوئی، اُس کے پانچ سو پچانوے صفحات ہیں، چوتھی جلد میں کتاب الصلوٰۃ تک پہنچے تھے، اُس کے بعد اُس کی اِشاعت موقوف ہوگئی، عرصہ سے فقیر کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنورِی ٹاؤن کراچی کے فارِغ التحصیل علماء کرام کی رَدِّ قادیانیت پر خدمت کا موقع ملتا ہے، ہر سال اپنی کتابوں کے تین سیٹ عنایت فرماتے تھے۔ (۱) دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کی لائبریری کے لیے۔ (۲) چناب نگر مسلم کالونی کی لائبریری کے لیے۔ (۳) فقیر کے لیے۔

مولاناؒ کی شہادت سے ایک سال پہلے فقیر نے کشف النقاب کے بارے میں معلوم کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس پر خاصہ کام ہوگیا ہے، اب عربی کمپیوٹر اپنا لے کر اس کی کمپوزنگ کرانی ہے، باہر سے کمپوز کرانے پر زیادہ خرچہ آتا ہے، اس کے بعد کیا ہوا معلوم نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے تفسیر لکھنی شروع کی اس دوران آپ کی عالم آخرت کو روانگی ہوگئی، تو تکمیل شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کر دی، علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم لکھنی شروع کی، مکمل نہ ہو پائی کہ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے، تو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس کی تکمیل کا بیڑہ اٹھایا، حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے معارف السنن لکھنی شروع فرمائی ۶/ جلدیں تحریر فرمائیں اور اللہ کو پیارے ہوگئے آج تک کوئی معارف السنن کی تکمیل نہ کر سکا اور میرے خیال میں شاید کشف النقاب کی بھی کوئی تکمیل نہ کر سکے۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ درس و تدریس کے آدمی تھے، میٹنگوں اور جلسوں میں شریک ہونے کا مزاج نہیں رکھتے تھے، مولاناؒ کی شہادت سے کچھ پہلے حضرت مولانا خواجہ خان محمد نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اسلام آباد میں اکابر علماء کی میٹنگ بلائی تو اس کے لیے تیار ہوگئے اور فرمایا کہ میٹنگوں میں جانے کی عادت نہیں لیکن حضرت خواجہ صاحب کے حکم کو ماننے بغیر چارہ بھی نہیں اس واقعہ سے آپ اندازہ کریں کہ اکابر کا کتنا احترام ان کے دل میں تھا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ بہت ہی محنتی اور گہری نظر والے محدث تھے، ان کی محنت کو دیکھ کر اکابر کی محنتوں کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا تھا۔

۲ر نومبر ۱۹۹۷ء بمطابق یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ بروز اتوار دن کے بارہ بج کر پچیس منٹ پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پہ دہشت گردی کی واردات میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، جامعہ کے استاذ مفتی عبدالسمیعؒ، اور ڈرائیور محمد طاہرؒ شہید اور ان کے ایک اور ساتھی قاری بشیر احمد نقشبندی زخمی ہوگئے، یہ واقعہ اچانک رونما ہوا، جس شخص نے خبر سنی سکتے میں آگیا، ملک بھر میں صف ماتم بچھ گئی، اُن کی شہادت بلاشبہ اُن کے لیے سعادتِ اُخروی ہے وہ سرخ رُو ہوگئے، وہ مبارکباد کے مستحق ہیں، لیکن ان کے جانے کے بعد جو خلا پیدا ہوا وہ اب تک پُر نہ ہوسکا، ہر آنے والے نے جانا ہے لیکن بعض حضرات کی وفات علم کی وفات ہوتی ہے، اُن کے فوت ہونے سے جو علمی خلا پیدا ہوتا ہے، اُس کا پُر ہونا ممکن نہ دیکھ کر قلب وجگر مزید زخمی ہوتے ہیں، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کیا گئے علم کی محفل سونی ہوگئی، اُن کی قبر پر اللہ ربُّ العزت کی کروڑوں رحمتیں ہوں۔

……

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کا کربناک سانحۂ شہادت

مولانا عزیز الرحمٰن

(مدیر ماہنامہ البلاغ کراچی واستاذِ حدیث جامعہ دارالعلوم کراچی)

جامعہ بنوریہ ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحبؒ، مفتی عبدالسمیع صاحبؒ اور جناب محمد طاہر صاحبؒ کو بروزِ اِتوار یکم رجب ۱۴۱۸ھ مطابق ۲؍نومبر ۱۹۹۷ء کو اُس وَقت شہید کیا گیا جب وہ پوش نگر ناظم آباد میں وَاقع جامعہ کی شاخ سے دِن کے تقریباً پونے ایک بجے بنوریہ ٹاؤن آرہے تھے، بنس رِ رڈَر روڈ پر گرومندر کے چوراہے کے قریب اُن کی ہائی ایس گاڑِی کو سامنے سے موٹر سائیکل سواروں نے آکر روکا اور گولیوں کی بوچھاڑ کر دِی اور اُس کے ساتھ ہی آتش گیر مادہ بھی گاڑِی میں دِیا، جس سے آگ لگ گئی، فوراً ہی گاڑِی کو شعلوں نے گھیر لیا اور دہشت گردِی کی سفاکانہ وَاردَات نے علمائے حق کی جانیں لے لیں۔

دَرِندگی کی اِس ہولناک وَاردَات نے پورے ملک میں اہلِ حق کے طبقہ میں اِضطراب کی لہر دوڑا دِی اور بیرونِ وَطن بھی دَردمند مسلمان بے چین ہوگئے، یہ اَپنی نوعیت کی ایسی وَاردَات ہے جس کی کوئی صاف وَجہ بھی سمجھ میں نہیں آرہی ہے، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کسی تنظیم سے کوئی تعلق تھا نہ کوئی سیاسی وَابستگی تھی، وہ مدرسہ کی چار دِیوارِی میں علومِ نبوت کی خدمت میں سرَگرم عمل تھے اور یہی کام اُن کی زِندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جن لوگوں نے دیکھا ہے اُن

کو اچھی طرح اندازہ ہے کہ وہ خلوت پسند شخصیت کے حامل تھے، اور سماجی معاملات کے مقابلہ میں اُن پر علمی مشاغل کا غلبہ تھا، موصوف محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم ہونے کے علاوہ وفاق المدارِس العربیہ پاکستان کے ناظم اَعلیٰ بھی تھے، موصوف کے وَالد جناب حکیم محمد مختار حسن خان صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حاذق طبیب اور وَقت کے اَولیاء اللہ میں سے تھے، خالص دِینی اور علمی ماحول کے پروردَہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تدوین کا غلبہ تھا، مولانا مرحوم کی چار بیٹیوں اور تین کم سن بیٹوں میں سے ماشاء اللہ چھ قرآنِ کریم کے حافظ ہیں۔

جناب مفتی عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اَندرُونِ سندھ پنو عاقل سے تھا اور مرحوم جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کے سرکردَہ علماء میں سے تھے، انہوں نے اَپنا علاقہ چھوڑ کر علومِ دِینیہ کی خدمت کے لیے اَپنی زِندگی وَقف کر دِی تھی اور پورِی زِندگی لگن سے جامعہ کے تدرِیسی اور تصنیفی کاموں میں مشغول رہتے تھے، ملنسار طبیعت اور باوقار شخصیت کے حامل تھے، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کے اَندرُونی اور بیرونی معاملات پر اُن کی نظر تھی اور مشاورَت میں اُن کی رائے کو وقیع سمجھا جاتا تھا۔

بے رحمی کی اِس وَارِدَات کی وَجہ سے جامعہ کے ہزاروں متعلمین اور دِینی مدارِس کے طلباء میں اِضطراب و اِشتعال پھیل جانا ایک فطری اَمر تھا، لیکن کسی نے صبر کا دَامن نہیں چھوڑا، اَلبتہ جمعہ کے دِن اس دہشت گردِی کے خلاف کراچی اور اَندرُونِ سندھ ہڑتال ہوئی، یہ ہڑتال بہت مکمل اور مؤثر تھی، اور مسلمانوں نے اس کے ذَرِیعے اَپنے گہرے رَنج وغم کا اِظہار کیا، ملک کے دِیگر حصوں میں بھی مؤثر اِحتجاج کیا گیا۔

کچھ عرصہ سے پاکستان میں ملک وملت کے بدخواہوں کی خواہش ہے کہ اِس ملک کا اِسلام سے جو کچھ رِشتہ ہے، اُسے توڑ دِیا جائے اور اِسلام کی بالادستی کے لیے کی جانے وَالی کوششوں کو ملیامیٹ کر دِیا جائے۔ یہ ملک اِسلام کے نام پر بنا تھا یہی وَجہ ہے کہ دُنیا بھر کے مسلمان اس ملک کو اُمید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں، عالم اِسلام کے کسی

خطے میں اَگر بے چینی کی لہر دوڑ جاتی ہے، تو یہاں کے مسلمان مضطرب ہوجاتے ہیں، اِسی لیے اِسلام دُشمن عناصر اِس ملک کو مٹانے کے دَرپے ہیں، اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے لسانی، علاقائی اور فرقہ وَارَانہ منافرت کے جھگڑے تخلیق کرنے سے ایک لمحہ نہیں چوکتے۔ دُشمن نے اَب یہ طریقۂ وَاردَات بھی اَپنا لیا ہے کہ لوگوں کے ضمیر خرید کر اُن سے جرائم کرائے جائیں اور ان وَارداتوں کو باہمی فرقہ وَارانہ کارَنگ دے کر مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا جائے، یوں اِس ملک پر اَندرُونی اور بیرونی دُشمنانِ اِسلام نے یلغار کر دِی ہے۔

دِینی مدارِس چونکہ علومِ اِسلامیہ کی حفاظت کے قلعے ہیں، اِس لیے عالمی سطح پر کافرانہ سازِش کے تحت اُن کے خلاف بے ہودَہ پروپیگنڈے کا بازار گرم ہے اور بعض اوقات خودسرکارِی اِدَاروں کا رویہ بھی معاندانہ ہوتا ہے۔

جناب مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کربناک شہادَت کے اِس وَاقعہ کو ایک ماہ سے زیادہ کا وَقت ہوگیا ہے، اِس دَورَان وَزِیراَعلیٰ سے لے کر صدرِ مملکت تک ہر سطح کے ذِمّہ دَاروں سے رَابطہ کیا جاچکا ہے، لیکن وَاردَات کرنے وَالے مفسد عناصر اَبھی تک پردہ میں ہیں، اور حکومت اِس معاملہ میں دَانستہ یا نادَانستہ خاموش ہے۔ یہ قتل دَرِندہ صفت لوگوں کی ظالمانہ کارروَائی تھی، اِس ظلم کا خمیازہ اِن شاء اللہ ظالموں کو ضرور بھگتنا ہوگا۔ حکومت کی اَصل ذِمّہ دَارِی لوگوں کی جان و مال کا تحفظ اور مظلوموں کی دَادرَسی ہے، اَگر حکومت اِس ضمن میں اَپنے فرائض میں کوتاہی کی مرتکب ہوگی تو خود ظالموں کی صف میں آجائے گی اور قہرِ خداوندی سے نہیں بچ سکے گی۔

رَبِّ کریم مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مفتی عبدالسمیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جناب محمد طاہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس فرمائے، پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور اِس ملک کو ہر طرح کے فتنوں سے اَپنی پناہ میں رَکھے۔ آمین (ماہنامہ البلاغ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۷ء)

······

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

مولانا محمد ازہر
(مدیر ماہنامہ الخیر ملتان واستاذ حدیث جامعہ خیر المدارس ملتان)

افسوس کہ یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ، ۲؍نومبر ۱۹۹۷ء بروزِ اتوار نمازِ ظہر سے قبل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے ر اور وفاق المدارس کے ناظم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو ظالم ہاتھوں نے گولیاں مار کر شہید کر دی ۔ ۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا شمار ہمارے دور کے ان محقق علماء میں ہوتا ہے جو ذہانت ، ذکاوت اور علمی استعداد کے ساتھ ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور سادگی وگوشہ نشینی میں بھی اکابر واسلاف کا نمونہ تھے، مولانا مرحوم بہت او نسبتوں کے جامع تھے۔ وہ پاکستان کے سے بڑے دینی ادارے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کے مہتمم اور ملک گیر خالص علمی تنظیم وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلی، ماہنامہ بینات کے مدیر مسئول، استاد العلماء حضرت شیخ بنوریؒ کے فرزند نسبتی اور بلند پایہ مصنف ومحقق تھے، اتنی او نسبتوں اور مناصب کے باوجود ا ز ز گی انتہائی سادہ، درویشانہ اور متواضعانہ تھا۔ مولانا حبیب اللہ مختارؒ مدینہ یونی ورسٹی کے فاضل اور جامعہ کراچی کے متخصص (P.H.D) تھے، علم وفضل کے ساتھ انتہائی مدبر ومنتظم بھی تھے، اِسی لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے مہتمم بھی مقرر ہوئے اور پھر وفاق کے ناظم اعلیٰ بھی منتخب ہوئے۔

احقر نے انہیں جتنی مرتبہ دیکھا پختہ عمل صوفیوں کی طرح تسبیح ہاتھ میں لیے

دیکھا، علمی مشاغل کے ساتھ ذکر وفکر اور اوراد و وظائف اور تلاوت ونوافل کا اہتمام فرماتے، درس وتدریس اور فتاویٰ کے علاوہ تصنیف وتالیف کے ساتھ خاص مناسبت تھی، متعدد تحقیقی وعلمی تصنیفات کے علاوہ درجنوں کتابوں کا ترجمہ کیا، ان کی تحریر میں علمی سنجیدگی اور دینی فکر کے ساتھ ساتھ سلاست اور سادگی پائی جاتی تھی، الفاظ بے ساختہ دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔ موت ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

> ''موت کو یاد کرنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ انسان گناہوں میں لگنے سے بچتا ہے، دنیا کے جھمیلوں میں نہیں پڑتا اور مصائب کا جھیلنا آسان ہوجاتا ہے۔ بھیا! ذرا اتنی بات تو سوچیے کہ جس کو سولی پر چڑھانے کا فیصلہ ہوگیا ہو وہ کسی گناہ کا سوچتا ہے؟ کیا وہ دنیا کی کسی مرغوب چیز اور دنیا کی عیش و عشرت کی طرف دوڑتا ہے؟ اس پر ہر مصیبت آسان ہوجاتی ہے۔ بخلاف اس کے جسے طویل دنیوی زندگی کی امید ہو وہ اس کے بالکل خلاف ہوجاتا ہے۔ سخت دلی دور کرنے والی چیزوں میں سے ان لوگوں کو دیکھنا بھی ہے جن کی روح پرواز کرنے والی ہو، اس لیے کہ موت کی شدت، موت کے سکرات اور مرتے وقت روح پرواز کرنے کی تکلیف وغیرہ انسان کے لیے بڑی عبرت کا ذریعہ بنتی ہے اس لیے کہ انسان کو یہ خوب معلوم ہوجاتا ہے کہ عنقریب اس کے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آنے والا ہے۔ جو شخص مرنے والوں سے عبرت حاصل نہیں کرتا اسے کسی وعظ و نصیحت سے فائدہ نہیں ہوتا''۔

دوسروں کو موت سے عبرت پکڑنے کا درس دینے والا اپنی المناک موت سے بھی یہ سبق دے گیا کہ:

جگہ جی لگانے کی یہ دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ حضرت بنوریؒ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جنہیں ان سے تلمذ اور استفادے کی وافر سہولت نصیب ہوئی، اور کئی سال تک انہیں حضرت بنوریؒ کی نگرانی میں تحقیق وتخریج کا موقع ملا اور پھر حضرت بنوریؒ کے قرب اور اعتماد اتنا حاصل ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صاحبزادی کا عقد نکاح بھی آپ کے ساتھ کردیا۔

علم وفضل کے ساتھ مولا۰ مرحوم کی انتظامی صلاحیتوں کا ر اُس وقت ہوا۔ .

انہیں ۱۴۱۱ھ میں محدثُ العصر حضرت شیخ مولا۰ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے جانشین حضرت مولا۰ مفتی احمد الرحمٰن صا . رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹ ؤن کراچی کا مہتمم مقرر کیا َ ے، اس وقت جامعہ . لخصوص جامع مسجد بنوری ٹ ؤن کے بعض معا ت اُلجھے ہوئے تھے، کچھ حقیقی اور کچھ مصنوعی پیچید َ ےں پیدا ہو گئیں تھیں، جن کے حل کے لیے ؔ . وحکمت اور دورا۰ یشی کے ساتھ انتظامی تجربہ کی بھی ضرورت تھی، حضرت ڈاکٹر صا . نے اس ذمہ داری کو قبول کیا، اپنی کم آمیزی اور دھیمے مزاج کے ساتھ ان تمام گتھیوں کو سلجھا د ے جو ا ے عرصے سے لاینحل آ رہی تھیں۔

مولا۰ نے اپنے سات سالہ دورِ اہتمام میں اپنے فعال کردار، متوا ؔ . وجہد اور انتھک محنت سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹ ؤن کراچی کے وقار کو نہ صرف . قرار رکھا بلکہ اس میں اضافہ فرما ے، آپ کے دورِ اہتمام میں جامعہ کی نئی شاخیں قائم ہو جو خود مستقل مدارس کی حیثیت ر ؔ ہیں، اور جامعہ سے متصل مجلس الدعوۃ وا الاسلامی کی عمارت میں بچیوں کے لیے ا ے علمی ادارہ ’’جامعۃ العلوم الاسلامیہ للبنات علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹ ؤن کراچی‘‘ قائم فرما ے جس میں سینکڑوں کی تعداد میں بچیاں علمی پیاس بجھاتی ہیں، حضرت مرحوم ا ے عجیب قسم کے مربی تھے، بچیوں کی ؔ ے ے کا خاص خیال ر ؔ تھے، اہتمام کی ہمہ وقتی مصروفیات کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پ کستان کے ۰ظم اعلیٰ کی ذمہ دار ےں بھی آپ کے کا۰ ھوں پ تھیں آپ کی فعال اور متحرک شخصیت ان تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھا رہی تھی۔

(ماہنامہ الخیر ملتان شعبان ۱۴۱۸ھ بق دسمبر ۱۹۹۷ء)

……………………………

شہید علم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا زبیر احمد صدیقی

(مدیر ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد دور وشیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ شجاع آباد)

قیامِ پاکستان کے وقت علوم نبوت کی مرکزی اور معیاری دینی درس گاہیں اور جامعات ہندوستان کے حصہ میں چلے گئے، دیوبند، سہارن پور اور مراد آباد جیسے مردم خیز علاقوں سے بھی اِسلامیانِ پاکستان محروم ہوگئے، ہر چند کہ پاکستان میں مقامی اور ہجرت کی صعوبتیں برداشت کرنے والے نووارد علماء کی کمی نہ تھی، تاہم ان علماء کرام کو ایک لڑی میں پرو کر اُنہیں خوب صورت مالا اور ہار کی شکل دینے اور ان شاہ سوارانِ میدان کے لیے میدانِ عمل کی فراہمی کی اشد ضرورت تھی۔ ایسے اداروں کے قیام کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ جہاں ایک طرف علوم نبوت کی تعلیم واِشاعت کا فریضہ کما حقہ ادا کیا جاسکے تو دوسری جانب حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تحقیق وریسرچ کے شعبہ جات قائم کیے جائیں۔ اہل علم کو اہل فتویٰ اور مدرّسین کو محققین بنایا جائے، ملک میں ہمہ قسم دِینی راہنمائی اور قیادت کے لیے اربابِ فتویٰ، اربابِ قلم، ماہرین فقہ، ماہرین قانون، ماہرین شریعت، ماہرین حدیث اور راسخین فی العلم تیار کیے جائیں۔ گویا پاکستان میں جہاں انجینئرز، سیاست دان، ڈاکٹرز، سرکارِی مشینری کے کل پرزوں اور دنیوی اِرتقاء کی ضرورت تھی، وہاں اس نوزائیدہ مملکت خداداد کو دینی قائدین اور علماء کی بھی اشد ضرورت تھی۔ اِس مقصد کے لیے بحمد اللہ تعالیٰ علماء کرام میدان میں اُترے اور ملک کے طول وعرض میں جہاں قدیم دِینی اِداروں کو فعال فرمایا وہاں نئی نئی جامعات اور [illegible] ریس کی داغ بیل بھی ڈال دی۔

کراچی ایک عرصہ تک پاکستان کا دار الحکومت رہنے کے ساتھ ساتھ ایک صنعتی شہر اور اہم ترین بندرگاہ ہے۔ یہاں ہر طرح کے کارخانے قیامِ پاکستان سے پہلے سے موجود ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہاں کے کارخانوں میں اِضافہ ہوتا گیا، دیکھتے

ہی دیکھتے کراچی منی پاکستان (Mini Pakistan) بن گیا، ملک کے طول وعرض سے لوگوں نے کراچی کا رُخ کیا، مزدور، تاجر، انجینئر اور ہمہ قسم کے لوگوں نے کراچی کو اپنا وطن بنا لیا۔ بنا بریں شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ کراچی میں دینی اور عصری علوم کے مزید مراکز قائم کیے جائیں، جن کا مشن نہ صرف ملک بھر میں بلکہ بیرونِ ملک بھی مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ انجام دینا ہو۔

اِس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی نورَ اللہ مرقدہٗ نے کراچی میں ۱۹۵۴ء بمطابق ۱۳۷۴ھ میں ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ'' کے نام سے ایک شان دار ادارہ قائم فرمایا۔ اس ادارہ کی بدولت بحمداللہ ملک و بیرونِ ملک کے ہزاروں افراد زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ ہوکر اپنے اپنے منصب پر فائز ہیں۔ تحریکِ ختمِ نبوت، تحریکِ ناموسِ صحابہؓ اور دِین کے جملہ شعبۂ جات میں اس ادارہ کا کردار روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

شہیدِ علومِ نبوت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ بھی اسی مرکزِ علم کے قابلِ فخر سپوت وفرزند اور پھر اسی کے حدیث خواں اور مہتمم بنے۔ اُنہوں نے بلاشبہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کو خالص تعلیمی نہج پر ڈال دیا۔ اُنہوں نے اپنے قول وعمل سے جامعہ اور اربابِ جامعہ کی توجہات ومشاغل کو تصنیف و تحقیق پر مرکوز کیا اور اُمت کو گوہرِ یکتا مرحمت فرمائے۔ آپ بلاشبہ مجسمہ علم وعمل، پیکر اخلاق، زہدوتقویٰ کے امام اور مصنف کتب ورسائل کے بہترین مترجم تھے۔

مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے والد محترم حکیم مختار حسن خان دہلویؒ تھے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت ۲۸؍فروری ۱۹۴۴ء بمطابق ۱۳۶۳ھ دہلی میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء میں اپنے والدین کے ہم راہ پاکستان ہجرت فرمائی اور تاحیات کراچی میں مقیم رہے۔ آپ نے کراچی ہی میں اِبتدائی تعلیم حاصل فرمائی۔ دارالعلوم نانک واڑہ سے تکمیل حفظ قرآن کریم اور دارالعلوم کراچی سے وسطانی درجات تک کی تعلیم حاصل فرمائی، بعدہٗ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں داخل ہوئے اور یہیں سے فاتحہ فراغ پڑھا۔

یہیں پر آپ نے تخصص فی الحدیث فرمایا۔ آپ کو جامعہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ، مولانا فضل محمد سواتیؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیات کی صحبت وتلمذ نے چار چاند لگا دیے۔ علاوہ ازیں آپ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان سے بھی شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ آپ مزید کمالِ علمی کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جا پہنچے اور یہاں چار سال تک جوارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر علم وعمل میں کمال پیدا کیا، مدینہ منورہ سے واپس تشریف لا کر حضرت شہیدؒ نے ۱۹۷۰ء میں کراچی یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل فرمائی۔ یوں مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ علومِ نبوت کے حامل اور ماہر شریعت بن گئے۔ [illegible] کمال علماء ان علومِ ظاہریہ پر ہی اِکتفا نہیں فرماتے، وہ علومِ ظاہریہ میں رنگ بھرنے اور اُن کی حقیقت کو قلب وجگر میں اُتارنے کے لیے کسی مردِ خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر علومِ باطنیہ اور طریقت کے ذریعے اخلاقِ رذیلہ سے اِجتناب اور اخلاقِ حسنہ کا اِرتکاب بجالاتے ہیں۔ مولانا رومیؒ بڑے پائے کے عالم وکامل تھے، وہ اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولیٰ روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

چنانچہ مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے اس دولتِ عظمیٰ کے حصول کے لیے اپنا ہاتھ سلسلۂ رائے پور کے منصب نشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادِر رائے پوریؒ کے جانشین و خلیفہ مجازِ بیعت، مرشد علماء حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے ہاتھ میں دے کر اپنی اِصلاح وتزکیہ کے لیے اپنے آپ کو اُن کے سپرد فرمایا، حضرت رائے پوریؒ کی نگاہیں بھی اس گوہر یکتا پر جا ٹھہریں، آپؒ کی توجہات وہدایت سے یہ سونا کندن بن گیا، گویا علمی کمال عملی کمال کی شکل اِختیار کر گیا، آپ میں اکابر کی نسبتیں منتقل ہو گئیں، ایک جانب آپ میں حضرت کشمیریؒ کے علم وفضل کی نسبت حضرت بنوریؒ کے واسطہ سے منتقل ہوئی تو دوسری جانب حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی نسبت اِرشاد اور نسبت جہاد بواسطہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ آپ کی جانب متوجہ ہوگئی۔

محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی رحمہ اللہ نے بھی آپ کے کمالِ علم وعمل کو بھانپ کر اپنی چھوٹی صاحبزادی کا نکاح آپ سے کردیا، یوں آپ حضرت بنوریؒ کے علمی خاندان کے فرد ہونے کے ساتھ ساتھ نسبی خاندان کے بھی رکن رکین بن گئے۔ نہ صرف آپ حضرتؒ کے خاندان کے فرد ٹھہرے، بلکہ حضرتؒ کے معاونِ خاص، مشیر اور علمی سلسلہ میں اُن کے دست و بازو بن گئے، آپ کو جامعہ بنوری ٹاؤن کا مدرِّس اور معاونِ مفتی مقرر کیا گیا۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد آپ جامعہ کے نائب مہتمم اور پھر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے وصال کے بعد مہتمم مقرر کیے گئے۔

آپ کے دورِ اہتمام میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی ٹاؤن کراچی کی ترقی کی رفتار میں اِضافہ ہوگیا، آپ نے جامعہ کو خالص دارا[illegible] اور دار التصنیف بنا ڈالا، معیارِ تعلیم اور جامعہ کے بڑھتے ہوئے کام کی وجہ سے شاخوں کے قیام پر توجہ فرمائی، ملک بھر کے دینی مدارس کی سرپرستی کا حق ادا فرمایا، چھوٹے سے چھوٹے مدرسہ کی دعوت پر بھی آپ طویل سفر کرکے وہاں تشریف لے جاتے۔

ہمارے وَالدِ محترم حضرت مولانا رشید احمد صدیقی صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ بھی محدثُ العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے شاگرد اور خادم رہے، ان دنوں حضرت شہیدؒ وسطانی درجوں میں زیرِ تعلیم تھے، ہم مکتب ہونے کی اس نسبت کی حضرت شہیدؒ نے زندگی بھر لاج رکھی، ہمیشہ اُن کا اِکرام فرماتے، ایک مرتبہ شجاع آباد جامعہ جو اس وقت محض ایک مدرسہ تھا میں تشریف لائے، ایک مرتبہ شجاع آباد کے قریب نواحی گاؤں میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی، قریب کے اضلاع میں بھی آپ کی آمد و رفت کی خبریں ہم سنتے رہے، آپ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا اور تاحیات آپ اس عہدہ پر قائم رہ کر ملک بھر کے مدارس کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ اَخلاق اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار کیا تھا، آپ تقریر سے زیادہ تحریر پر یقین رکھتے تھے، چنانچہ کاغذ قلم اور کتاب ہمیشہ آپ کے رفیق سفر وحضر رہے، سفر حرمین میں، اِنتظارِ صلوٰۃ میں، صف اوّل میں پہنچ کر بھی آپ لکھنے لکھانے

کا کام جاری ر ت، عربی کتب و رسائل کے ت اجم کے علاوہ علم حدی ث کی جو مت آپ نے '' '' کی شکل میں فرمائی، . صغیر میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

جامعہ علوم اِسلامیہ بنورِی ٹ ؤن کی اس . ق رفتار ت قی اور علمی تحری سے صیہونی قوتیں دم بخود رہ گئیں، ملک بھر کے مدارِس کے ساتھ جامعہ کا تعاون و سرپستی اور ملک بھر کے مدارس کی بنوری ٹ ؤن کے ساتھ والہانہ عقیدت و محبت کو یہ عناصر . دا ش ت نہ کر سکے، بنوری ٹ ؤن کی حق گوئی و صداقت اور حکمرانوں کی آ میں آ ڈال کر دین و حق کی خاطر اُن سے دو دو ہاتھ کر · اُن سے کیسے . دا ش ت ہو سکتا تھا، بنا . یں دُشمنانِ دِین نے مدارِسِ دِینیہ . لخصوص بنورِی ٹ ؤن کے خلاف طویل المیعاد منصوبہ بندی کر ڈالی، اس منصوبہ کا نقطہ آغاز مورّخہ یکم ر . ۱۴۱۸ھ بق ۲ر نومبر ۱۹۹۷ء کو ہوا . حضرت مولا· حبیب اللہ مختار شہیدؒ جامعہ بنوری ٹ ؤن کے د اسا ت ہ کرام کے ہم راہ ای شاخ کا معائنہ کر کے واپس تشریف لا رہے تھے، اُن پ دہشت دوں نے حملہ کر ڈالا اور پھر شہید کر کے ان کے مبارک جسموں پ آتش گیر مادہ کر آگ لگا دی، یہ سازش ت . سے اب ت مسلسل جاری و ساری ہے، شہداء کے اس سلسلہ میں بیسیوں علماء داخل ہو چکے ہیں، لیکن علومِ ت کا یہ سلسلہ اِن شاء اللہ کبھی نے رُکنے پ ئے گا۔

مولا· ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے لے کر مولا· سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور مفتی عبدالمجید دین پوری شہیدؒ ت درجن بھر شہداء کی شہادت اور جامعہ بنوری ٹ ؤن پ متعدد . ٹ توڑ حملے اس تحری علم و عمل کو د . نے کی · کام کاوش . ت ہوئے۔ ان شہداء کا غم فراق اور . ائی کا صدمہ اپنی جگہ ت ہم ان کے اِخلاص کی . ت سے . ڑھتے ہوئے دِینی کام کو دیکھ کر جو مسرت حاصل ہوتی ہے وہ اس غم کے لیے مداوا کا کام دیتی ہے۔

مولا· حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے اپنے پسما· گان میں ای بیوہ اور تین صا . زادے بطور الباقیات الصالحات کے چھوڑے، ماشاء اللہ تینوں صا . زادے عالم و مفتی اور اپنے والد محترمؒ کے نقش قدم پ چلنے والے اور اُن کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

……

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت.. دہشت گردی یا دین دشمنی؟

مفتی غلام الرحمٰن

مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ، نوتھیہ روڈ پشاور

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم و شیخ الحدیث، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور عالم اسلام کے نامور محقق و مصنف حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ ۲/نومبر ۱۹۹۷ء بمطابق یکم رجب ۱۴۱۸ھ اتوار کے دن ایک بجے کے قریب مدتوں سے جاری دہشت گردی کے شکار ہو کر واصل حق ہوئے، آپ کے ساتھ جامعہ کے دیرینہ فاضل اور فعال اُستاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور ڈرائیور محمد طاہرؒ بھی شہید ہوئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ O إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَا أَعْطٰى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم ۱۹۴۴ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہونے پر تعلیم کا اِبتدائی تعلق دارالعلوم نانک واڑہ سے جوڑا، جلد ہی آپ کی دوراندیشی، فہم وفراست اور خوش قسمتی نے حضرت بنوریؒ کے دامن تربیت کا انتخاب کر کے جامعہ بنوری ٹاؤن سے دیرپا وابستگی حاصل کی۔ زندگی کیا بلکہ حضرت بنوریؒ کے مبارک ہاتھوں سے لگائے ہوئے سرسبز و شاداب باغ ''جامعہ علوم اسلامیہ بنوری

ٹاؤن" کی آبیاری کے لیے خون کا نذرانہ پیش کر کے آخری آرام گاہ بھی آپ کے جوار میں حاصل کی۔ دورہ حدیث سے فراغت کے بعد جامعہ سے تخصص فی الحدیث کیا۔ بعدازاں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں پر چار سال استفادہ کے بعد [illegible] واپس تشریف لائے تو جامعہ میں تدریسی اور تصنیفی سرگرمیوں میں ہمہ تن مشغول رہے۔ اسی دوران ۱۹۸۱ء میں کراچی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۱ء میں حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نوّر اللہ مرقدہٗ کی رحلت کے بعد آپ جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مقرر ہوئے۔

آپ طبعی طور پر کم گو، خاموش [illegible] زیرک، معاملہ فہم اور مزاج شناس شخصیت کے مالک تھے۔ جامعہ کے اہتمام کی ذمہ داریوں سے قبل آپ کا تعارف جامعہ کے حلقہ تک محدود رہا۔ آپ ہمہ وقت تدریس و تصنیف میں مصروف رہتے۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی زندگی میں بندہ جامعہ میں وفاق المدارس کے امتحان کے سلسلہ میں پہلی دفعہ حاضری ہوئی تو حضرت مولانا [illegible]ء الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا امداد اللہ صاحب کی رفاقت میں آپ کے کتب خانہ میں ملاقات ہوئی۔ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم نے آپ کو کتابوں کے درمیان تحقیقی کاموں میں مصروف پایا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہ کتب خانہ ڈاکٹر صاحب کی [illegible] ہے، درس گاہ سے فراغت کے بعد آپ ہمہ وقت یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ کے ذوقِ تحقیق کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت بنوریؒ کی زندگی میں آپ مجلس دعوت و تحقیق اِسلامی اور دار التصنیف کے نگران مقرر ہوئے۔ بعض اطلاعات کے مطابق ۱۰۰ار کے قریب کتابیں آپ نے لکھیں۔ لیکن آپ کی شبانہ روز محنت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اب بھی آپ کا [illegible] کئی مخطوطات سے بھرا پڑا ہو۔ اہتمام کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود سفر و حضر میں آپ لکھنے کی طرف متوجہ رہتے۔ گزشتہ سال وفاق المدارس کے سلسلہ میں سوات کے ایک سفر میں رفاقت نصیب ہوئی، جہاں کہیں آپ کو پانچ دس منٹ کا وقت مل جاتا تو ضائع کیے بغیر بیگ سے کاپی و قلم نکال کر مصروف ہو جاتے، اُس وقت شاید آپ کسی کتاب کا ترجمہ کر رہے تھے۔

تدریس اور تصنیفی خدمات میں ہمہ وقت مشغول رہنے کی وجہ سے جامعہ کے حلقہ میں آپ کے بارے میں یہ تأثر عام تھا کہ آپ پر گوشہ نشینی غالب ہے، درس گاہ یا کتب خانہ سے باہر نکلنا کام آپ نہیں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دوران کسی جماعت سے وابستگی یا کسی اضافی ذمہ داری کا بوجھ آپ نے نہیں اُٹھایا، لیکن اہتمام کا بوجھ اُٹھانے کے بعد آپ کا احساسِ ذمہ داری بیدار ہوا اور آپ نے گوشہ نشینی یا خلوت پسندی کو خیر باد کہہ کر ہر میدان میں فعال کردار ادا کیا۔ منصب اہتمام میں آپ کے پیش رو مفتی احمد الرحمٰنؒ نے جامعہ کے منصب اہتمام کو ایسی ہمہ گیری اور فعالیت بخشی تھی کہ جو بھی اس منصب پر آئے وہ صرف جامعہ کی مسئولیت کا بوجھ نہ اُٹھائے بلکہ اس کے ساتھ کراچی کی سطح پر مسلک دیوبند سے وابستہ مراکز و مساجد، ملکی سطح پر وفاق المدارس العربیہ کے مدارس و معاہد اور جہادی تنظیموں کی سرپرستی بھی شامل تھی۔ چنانچہ جب آپ مہتمم مقرر ہوئے تو آپ نے اس منصب کا حق ادا کرتے ہوئے پوری توجہ اور دل جمعی سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اس میدان میں آتے ہوئے آپ کی طبعی خلوت پسندی یکسر تبدیل ہوئی۔

وفاق کی سطح پر ناظم اعلیٰ مقرر ہونے پر صدر وفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کا دستِ راست بن کر ہر میدان میں مدارس کی سرپرستی فرمائی۔ آپ کی حسنِ کارکردگی پر آفرین ہے کہ ہر میدان میں جوہر کمالات دکھلائے، تاہم مروّجہ سیاسی میدان سے دور رہتے ہوئے اپنی تمام تر صلاحیتیں تعلیمی میدان کے لیے وقف کیں۔

آپ کی شہادت کے موقع پر کراچی میں کامیاب ہڑتال بلکہ پورے ملک میں چند روزہ احتجاجی تحریک سے آپ کی شخصیت کی ہمہ گیری اور علماء وطلباء کے دلوں میں بنائے مقام کی نشان دہی ہوتی ہے۔

آپ کی شہادت کے موقع پر ظالموں نے جس بربریت کا مظاہرہ کیا کہ پہلے گولی ماری اور پھر گاڑی پر آتش گیر مادہ ڈال کر لاشیں تک ایسی جھلسا دی گئیں کہ پہچان مشکل رہی۔ علماء اور پھر ایسے مقدس اور دین دار شخصیات کے ساتھ ایسا سلوک کرنا کسی مسلمان کے ہاتھ کا کام نہیں ہوسکتا، لیکن جن ہاتھوں نے یہ کام کیا ہے، کافی وقت

کرنے کے باوجود آج تک اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ خود حکومتی ذرائع تہہ تک پہنچنے سے قاصر نظر آتے ہیں، چند سالوں سے کراچی میں جاری فسادات اور دہشت گردی میں اس کا تعین بھی مشکل ہے، کچھ حلقوں کا کہنا ہے کہ یہ لسانی فسادات کا شاخسانہ ہے، کراچی کے حالات کو بد سے بدتر بنانے میں کچھ مدت سے جو قوت متحرک ہے، یہ اس کی مسلسل کارروائیوں کا ایک حصہ ہے، تاکہ اس کے ذریعہ وہ اپنے مذموم مقاصد پورے کر سکیں۔ بعض لوگ یہ خدشہ ظاہر کر رہے ہیں کہ وقوعہ کے ایام میں جامعہ کی ایک شاخ واقع پوش نگر میں مدرسہ اور مسجد پر جھگڑا چلا آرہا تھا۔ چنانچہ اس دن بھی حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اس تنازعہ کے فیصلہ سے واپس آرہے تھے، ایسا نہ ہو کہ اس واقعہ میں ان لوگوں کا ہاتھ ہو اور یوں یہ کہیں مذہبی تعصّبات اور منافرت کا نتیجہ نہ ہو۔

بعض حلقے افغانستان کے طالبان سے جامعہ بنوری ٹاؤن کے دیرینہ تعلقات اور فعال کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ شبہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ افغان طالبان کی مخالف قوتوں نے جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کو طالبان کا مرکز سمجھ کر یہ حملہ کیا ہو۔

اس سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ امریکہ نے ہدف بنا کر یہ حرکت کی ہو۔ بہر حال جو بھی ہو یہ حکومت وقت کا فرض ہے کہ جارح ہاتھ کا تعین کر کے مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائے۔ بھاری مینڈیٹ کی دعویدار حکومت اگر ایسے جرائم کے انسداد کی طاقت نہ رکھتی ہو اور ملک کے وفادار اور مخلص شہریوں کو جان و مال کا تحفظ فراہم نہیں کر سکتی ہو، تو پھر اس کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، بھاری مینڈیٹ جب ملک کی معیشت اور اقتصادی بدحالی کا علاج نہ کر سکے، کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں معصوم شہری کی حفاظت نہ کر سکے تو پھر یہ کس بیماری کی دوا ہے؟ آئے دن ظالمانہ ٹیکسوں کے اجراء اور لوٹ کھسوٹ کے لیے کبھی بھی شہریوں نے ان کو ووٹ نہیں دیا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ پر صرف علمائے کرام کا نہیں بلکہ پورے ملک کے دین دار طبقہ کے احتجاج اور اِظہارِ غم سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے عوام کے دل و دماغ میں دین کی عظمت اور علماء کی قدر و قیمت کیا ہے؟ کہا جاتا ہے

کہ ۱۹۷۷ء میں تحریک نظامِ مصطفیٰ کے بعد کبھی ایسی کامیاب ہڑتال نہیں ہوئی ہے، جو ہڑتال حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے موقع پر اہل کراچی نے کی۔ لیکن اس کے ساتھ اربابِ اقتدار کی سرد مہری اور غافلانہ رویہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ سرکاری ذرائع ابلاغ نے شہادت کی خبر شائع کرنے میں کتنے تکاسل کا مظاہرہ کیا۔

اس نازک موقع پر علماء کرام کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرنا چاہیے کہ بعض معمولی قسم کے اختلافات سے باطل کتنا فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کی وحدت کی طاقت کو کیسے تہس کرسکتا ہے۔ اوّلاً تو آپس کی رائے کے اختلاف کو کفر و اسلام کا مسئلہ بنانا کہیں کی دانشمندی نہیں، ایسی صورت میں کسی ذاتی رائے کو تفوق دینے کے بجائے دوسرے کی رائے کو ·· چاہیے، ·· کہ · ہمی طور پر قوتِ · دا ·· پیدا ہو، تو یقیناً بے دین لوگ علماء کے آپس کے اختلافات کا بہانہ بنا کر کبھی ایسی حرکت نہیں کریں گے، جس سے مسلمانوں کی وحدت کا شیرازہ بکھر سکے، یہ احساس ہونا چاہیے کہ ایک عالم کی رحلت سے اُمت کو کتنا نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔

” ”یعنی کسی عالم کی وفات پوری د کی · دی کے مترادف ہے، اس کے احساس کا ادراک حکومت کرسکتی ہے اور نہ کوئی دوسرے ادارے۔ یہ احساس ہماری نئ کو کرانے کے لیے علماء کرام کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے۔ ۔

……

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

حیات و خدمات

قاری حافظ سید محمد اکبر شاہ بخاری

(مہتمم مدرسہ اشرفیہ احتشام العلوم جام پور)

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ ۲۸ / فروری ۱۹۴۴ءکو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اور ثانوی تعلیم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی زیر نگرانی جامعہ دارالعلوم کراچی میں حاصل کی، بعدازاں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۹۶۳ء میں دورہ حدیث پڑھ کر مکمل تعلیم کی سند الفراغ حاصل کی، آپ نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحان میں پورے پاکستان میں دوسرے نمبر کی پوزیشن حاصل کی، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے اساتذہ میں محدث العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا فضل محمد سواتیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکیؒ، حضرت مولانا محمد اِدرِیس میرٹھیؒ، حضرت مولانا لطف اللہؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم وغیرہ حضرات شامل ہیں، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے فراغت کے بعد آپؒ نے حضرت

علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے مشورے سے جامعہ اسلامیہ مدینہ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۰ء میں سند فضیلت حاصل کر کے واپس کراچی آئے، مدینہ منورہ سے واپسی پر حضرت مولانا بنوریؒ نے آپ کو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تدریس کے لیے مقرر فرمایا اور پھر آخر وقت تک آپ نے ابتدائی کتابوں سے لے کر دورۂ حدیث تک کی کتب پڑھائیں اور ہزاروں طلباء کو اپنے علم وفضل سے سیراب و شاداب کیا، اسی دورانِ تدریس حضرت بنوریؒ کی صاحبزادی سے آپ کا عقد نکاح ہوا اور حضرت بنوریؒ کی دامادی کا شرف حاصل کیا، دورانِ تدریس آپ نے کراچی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، آپ نے حضرت بنوریؒ کے حکم سے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رَائے پورِی نور اللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت و اجازت سے بھی نوازے گئے، حضرت بنوریؒ کی رحلت کے بعد حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کو جامعہ کا مہتمم مقرر کیا گیا تھا اور آپ کو نائب مہتمم بنایا گیا، بعد ازاں حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے بعد آپ ہی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم منتخب ہوئے اور آخر وقت تک جامعہ کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے دینی خدمات انجام دیتے رہے، آپ نے درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد کے علاوہ تصنیف وتالیف کی خدمت بھی سرانجام دی اور بہت سی معرکۃ الآرا تصانیف آپ کے قلم سے منظر عام پر آئیں جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں، قحط الرجال کے اس دور میں آپ کا وجود عام مسلمانوں اور دینی حلقوں کے لیے بہت بڑا سہارا تھا، افسوس کہ دہشت گردی کی اس لہر نے اہل پاکستان سے بیک وقت ایک مفسر، محدث، محقق، فقیہ، ادیب، مؤرِخ، مدبر، منتظم، اور عابد وزاہد اور متواضع انسان چھین لیا، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ہزاروں افراد نے نماز جنازہ پڑھی، حضرت بنوریؒ اور حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

……

یادوں کے چراغ

محمد فاروق قریشی

(مینیجنگ ڈائیریکٹر مفتی محمودؒ اکیڈمی)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ کراچی میں دہشت گردوں کا نشانہ بن کر داغِ مفارقت دے گئے، یہ ایسا زخم ہے کہ وہ شے جسے دِل کہتے ہیں مسلسل کچوکوں اور داغوں کی بہار سے لہولہان ہوکر رہ گیا ہے، صورتِ حال کچھ ایسی ہے کہ:

ی ر لگا پنبہ و مرہم کہاں سے
سوزِ دروں سے سارا بدن داغ داغ ہے

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور مولانا مفتی عبدالسمیعؒ ایسی جامع الصفات شخصیات تھیں کہ ہر شخص اُن پر دل و جان سے واری ہوتا تھا اور ان کی دنیا سے رخصتی کا منظر ایسا دل خراش تھا کہ ہر شخص نے اس المیہ کو اپنی ذات میں محسوس کیا، یہی وجہ ہے کہ کافی عرصہ گزر گیا ہے لیکن قوم ابھی تک اُن کی جدائی کے کرب ناک المیہ کو فراموش نہیں کرسکی۔ امر واقعہ یہی ہے کہ یہ لوگ فراموش کرنے کی چیز بھی نہیں ہیں۔

مولانا حبیب اللہ مختارؒ سے راقم کا تعارف ١٩٧١-٧٢ء میں اس وقت ہوا تھا کہ وہ بنوری ٹاؤن کے استاد اور کراچی یونی ورسٹی میں ایم اے کے طالب علم تھے۔ جمعیت علماء اسلام کراچی کے صدر کی حیثیت سے اکثر و بیشتر جامعہ بنوری ٹاؤن جانا ہوتا تھا، حضرت بنوریؒ اُس وقت حیات تھے اور ان کی شخصیت کا سحر ایسا تھا کہ ان

کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ویسے بھی اُن کے دور میں طلباء کو غیر نصابی سرگرمیوں کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ اس لیے حضرت بنوریؒ سے محض سلام و دعا تک معاملہ رہا اور جامعہ میں جن اساتذہ نے جمعیت طلباء اسلام کے لیے سرپرستی اور تعاون کے لیے دیدہ و دل فراش راہ کیے اُن میں مفتی احمد الرحمٰنؒ، مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ، مولانا سیّد مصباح اللہ شاہؒ اور مولانا بدیع الزمانؒ شامل تھے، ان حضرات کا وجود مجھ ایسے بے بضاعت اور تہی دست و پیں طالب علم کے لیے بہت بڑا سہارا اور حوصلے کا باعث تھا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ نے کراچی یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا، وہ اِنتہائی علمی ذوق کے حامل تھے، قدیم و جدید عربی پر عبور حاصل تھا، اِس لیے عربی کی معرکۃ الآراء کتب کا اِنتہائی سہل ترجمہ کرنے کی قدرتِ فراواں رکھتے تھے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے تخصص کے طلباء کو پڑھاتے اور اپنی علمی سرگرمیوں میں مگن رہتے تھے۔ اُن کی طبیعت عوامی نہیں تھی بہت کم آمیز تھے، لیکن جن سے تعلق تھا اُن کو ہمیشہ اپنے دل کے قریب رکھا اور بیگانگی کا احساس نہیں ہونے دیتے تھے، دور سے دیکھتے ہی چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگتی کہ آنے والا یوں محسوس کرتا کہ گویا مولاناؒ اُس کے لیے ایک عرصہ سے منتظر ہیں۔

تقریباً ۱۰۰ ر کتابیں اُن کی عرق ریزی کا شاہ کار ہیں اور اہل علم سے داد پا چکی ہیں، اگرچہ تحقیق و تصنیف اور ترجمہ اُن کے میلانِ طبعی کے خاص میدان تھے، لیکن حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کی رحلت کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن کے اہتمام کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی۔ مفتی احمد الرحمٰنؒ کی فعال اور ہر دل عزیز شخصیت کے تناظر میں عام تأثر یہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس ذمہ داری کو شاید کما حقہ پوری نہ کرسکیں۔ لیکن انہوں نے اپنے عمل پیہم اور دھیمے انداز میں جامعہ کو اس مقام تک پہنچادیا، جس کے بارے میں اس سے قبل تصور نہیں کیا جاسکتا تھا وہ ایک صلح جو اور محبت کے سفیر تھے، کراچی میں مسلک حقہ کی ترویج و اشاعت اور تحفظ میں اُن کا حصہ بیشتر جماعتوں اور اداروں سے کہیں زیادہ ہے، دورِ اہتمام میں اُن سے ملاقاتیں کم ہوکر رہ گئیں تھیں۔ تاہم جب بھی ملتے یہی شکایتیں کرتے کہ آج کل ہماری طرف نہیں آتے؟۔ وہ اخلاقِ حسنہ کا شاہ کار تھے، مجھ

ایسے ناکارہ کے لیے ایسے محبت وشفقت کا اِظہار کرتے کہ طبیعت نہال ہو جاتی، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے سلسلۂ بیعت تھا اور حضرت بنوریؒ کے داماد تھے۔

آپ کی آرام گاہ بھی حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے پہلو میں میسر آئی۔ اور یوں شہادت کے بعد جامعہ بنوری ٹاؤن سے رِشتہ منقطع نہ ہو سکا بلکہ مستقل اور پختہ ہو گیا۔

آخر گل اپنی جوف دار میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

مولاناؒ غیر متنازعہ اور متواضع شخصیت کے طور پر معروف تھے، وہ اپنے مسلک میں پختہ ہونے کے باوجود کسی کے مسلک کی تحقیر کے روادار نہ تھے، مسلکی لڑائی اور فرقہ وارانہ جنگ کے سخت مخالف تھے، وہ امن و آشتی کے پیامبر اور اتفاق و اخوت کے سفیر تھے، شاید ان کا یہی انداز طاغوتی قوتوں کو اپنے مقاصد مذموم کی تکمیل کے لیے رکاوٹ آیا اِس لیے اُنہوں نے فکرِ شاہ ولی اللہؒ کے علمبردار، امام محمد قاسم نانوتویؒ کے وارث، شیخ بنوریؒ کے جانشین اور ملک کی بڑی جامعہ کے رئیس کو ختم کر کے اپنی منزل آسان کرنے کی کوشش میں مسلمانانِ پاکستان کے دلوں کو تڑپا کر رکھ دیا ہے۔ عوام کی محبت و اخلاق کا مظاہرہ ۷؍ نومبر کی فقید المثال ہڑتال تھی، ہڑتال کی اپیل اگرچہ کراچی کے لیے تھی۔ ہم ملک کے دیگر شہروں میں بھی عوام نے علماء سے محبت اور یکجہتی کے طور پر کاروبارِ زندگی کو معطل رکھا اور کراچی میں تو ایسی ہڑتال کی نظیر اس سے قبل ۱۹۷۷ء کے بعد نہیں مل سکتی، ہر ایک نے اُن کی جدائی کا درد اپنے سینے میں محسوس کیا ہے، لیکن وزیر اعلیٰ اور وزیر داخلہ کی جامعہ آمد اور رسمی تعزیت کے سوا حکومت کوئی مثبت پیش رفت نہیں کر سکی، تمام وسائل اور اداروں کے ہوتے ہوئے علماء کے قاتل ہنوز گرفتار نہیں کیے جا سکے۔

اس معاملے کی ۲؍ ہی صورتیں ہیں اوّل یہ کہ حکومت اپنی تمام تر خفیہ اور حساس ایجنسیوں اور قانون نافذ کرنے والوں کی فوج ظفر موج اور اُن پر صرف ہونے والے خطیر بجٹ کے باوجود ملک کے سب سے بڑے شہر کے وسط میں دن دہاڑے اعلا دہشت گردی میں ملوث ملزمان کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی ہے، ثانیاً حکومت خود ایسا

کر٠ نہیں چاہتی اس کے بھی دو پہلو ہیں: اوّل یہ کہ حکومت نے ملک میں عالمی سطح پ دینی قوتوں کو ''کریش'' کرنے کے پ وَ ام عمل شروع کر دیہ ہو کیو اس سے قبل کراچی میں شیخ الحدیہ ث مولا٠ ا الرحمٰن درخواستیؒ سر. زار شہید کر دیئے گئے، بعدازاں ملتان میں دینی مدارس کے طلباء کو اغوا اور تشدد کے بعد گولیوں کا نہ بنادیہ َ۔ لیکن ہنوز مجرمان٠ معلوم ہیں اور حکومت چین کی. نسری بجا رہی ہے، دوم یہ کہ قاتل حکومت سے زیدہ منظّم اور طاقت ور ہیں، جن کے سامنے حکومت اپنے تمام ت وسائل کے. وجود بے بس ہے، ہر صورت میں اُن کی٠ اہلی عیاں ہے۔

کراچی کے علماء، ار. بِ جامعہ بنوری ٹ ؤن اور اُن کے جاں رطلباء اور دینی جماعتوں اور اداروں نے انتہائی صبر و ضبط اور قابل رشک بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمن کی چال کو٠ کام بنادیہ، وفاق المدارس کے صدر کی حیثیت سے مولا٠ سلیم اللہ خان صا. کی٠ مات لائق تحسین ہیں، جامعہ بنوری ٹ ؤن کے نئے ر الجامعہ مولا٠ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، ٠ٔ. ر مولوی سیّد محمد بنوری اور شیخ الحدیہ ث ڈاکٹر مفتی م الدین شامزئی نے کمال حوصلے اور ت. کا مظاہرہ کیا اور نہ صرف یہ کہ اتنے ٹے نقصان اور جاریہ ت کے. وجود مشتعل نہیں ہوئے بلکہ طلباء کو بھی جو. کچھ کر دینے کی پوز میں تھے، بہترین حکمت عملی کے تحت کنٹرول کیا، حادثہ کے وقت جمعیت علماء اسلام کی مجلس عاملہ کا اجلاس کو میں جاری تھا، شام کی کراچی کے لیے کوئی فلائ ٹ نہیں تھی پھر بھی خصوصی طیارے کا اِنتظام کر کے مولا٠ فضل الرحمٰن، حافظ حسین احمد، مولا٠ عبد الغفور حیدری اور سیّد صدیق شاہ صا. کراچی آکر ز جنازہ میں شریہ ہوئے، . ادرم جناب حافظ حسین احمد تین روز کراچی میں جامعہ بنوری ٹ ؤن کے مسائل کو نئی صورتِ حال کے مطابق حل کرنے کے لیے موجود رہے۔ اور جامعہ کی انتظامیہ کی ہر سطح پ مشاورت میں مدد کی، جمعیت علماء اسلام کی رکنی قیادت سے لے کر عام کارکن ت اس سا میں وفاق المدارس العربیہ اور جامعہ کے ساتھ ساتھ رہے۔ مشترکہ احتجاجی جلسے سے لے کر کراچی ر ت پیش پیش رہے۔ احتجاجی ر کی قیادت

مولانا فضل الرحمٰن نے کی، جس کے لیے خصوصی طور پر لاہور سے تشریف لائے تھے۔

جمعیت علماء اسلام کی احتجاجی ریلی نے ثابت کر دیا کہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی لاوارث ادارہ نہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرے، قائدِ جمعیت مولانا فضل الرحمٰن نے ریلی سے خطاب کرتے ہوئے اربابِ اِقتدار کو متنبہ کیا کہ: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن یا ملک کے کسی بھی دینی اِدارہ کو نقصان پہنچانے کی پالیسی حکومت کے لیے بہت مہنگی ثابت ہوگی، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو شہید کر کے یہ سمجھ لینا کہ اب دینی جامعات پر ہاتھ ڈالنا بہت آسان ہو گیا ہے، انتہائی درجے کی خودفریبی ہے، پاکستان کے ایک ایک قریہ میں قائم مدارس کا تحفظ کیا جائے گا۔

مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت کا صدمہ بلاشک ناقابلِ برداشت ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولوی سید محمد بنوری، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی کی فراست سے قوم کو امید ہے کہ وہ اس جامعہ کی روایت کو قائم رکھتے ہوئے مزید درخشاں کریں گے اللہ انہیں بہت ہمت واستقامت عطا فرمائے قوم ان کے ساتھ ہے۔

مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کا تعلق پنوعاقل سے تھا، اُن سے تعارف و تعلق کا زمانہ بھی ۱۹۷۳ء کا ہے، جب راقم جمعیت طلباء اسلام صوبہ سندھ کے سیکریٹری اطلاعات کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا تھا۔ مفتی عبدالسمیع شہیدؒ جمعیت علماء اسلام صوبہ سندھ کے ناظم کے عہدہ پر فائز تھے، اکثر وبیشتر اجلاس میں ان کی ہم راہی حاصل ہوتی، صوبائی اجلاس سکھر اور حیدرآباد میں زیادہ ہوا کرتے تھے، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ ضلع سکھر کے رہائشی ہونے کے ناطے میزبانی کے فرائض انجام دیتے۔ ہر مہمان ساتھی کو ہر طرح کی راحت پہنچانا اُن کی طبیعت کا حصہ تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ مقرر ہوئے، ابتداء میں وہ ایک سخت گیر ناظم کی حیثیت سے طلباء میں معروف ہوئے، حالانکہ ان کی طبیعت میں سختی اور درشتگی نام کو نہیں تھی، لیکن جمعیت طلباء اسلام کے کام کی حیثیت سے نظم وضبط اُن کی طبیعت ثانیہ بن

چکی تھی۔ لہٰذا بدنظمی عدم توجہی اور لاپرواہی اُن کے لیے ناقابل برداشت تھی اس لیے وہ ہر طور پر طلباء کو تعلیم میں مگن دیکھنا چاہتے تھے اور ہاسٹل میں غیر اخلاقی اور بدانتظامی کے روادار نہ تھے۔ انہوں نے جامعہ کی خدمت میں خود کو مدغم کیا تھا اور جماعتی حیثیت بھی اس سلسلہ میں ان کے لیے کسی رعایت کا جواز نہ تھا، تاہم جماعتی احباب کی اندرونِ سندھ سے آمد اُن کے ہاں معمول بنی ہوئی تھی، وہ اپنی فیاضی اور کشادہ طبیعت کے بوصف مہمانوں کی قدردانی کرتے ہوئے ان کی خدمت میں لگے رہتے، یہاں تک کہ محدود آمدنی اور مہمانوں کی کثرت وضیافت کے سبب اکثر زیرِ بار رہے۔

جامعہ سے تعلق و محبت اور طلباء کی خدمت کا جذبہ اُن کی رگوں میں لہو بن کر دوڑتا تھا، جامعہ میں اُن کی ذمہ داری کسی نظام الاوقات سے مشروط نہ تھی بلکہ وہ ہمہ وقتی ناظم و نگران تھے۔ جب بھی اُن سے ملاقات ہوئی اسی غم میں اور اسی فکر میں پریشان پایا، اس لیے اُن کے بال وقت سے پہلے سفید ہو گئے تھے، حالانکہ اُن کی عمر محض ۴۴؍سال تھی، عمر میں وہ مجھ سے چھوٹے تھے، لیکن مقام اور منصب کے اعتبار سے وہ انتہائی قابل رشک تھے اور پھر اہم کار شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے، آخر دم تک جامعہ کی خدمت اور اپنے رب کی خدمت میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے ہمیشہ کے لیے سرخرو ہو گئے۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مفتی عبدالسمیع شہیدؒ کا جسد خاکی اُن کے آبائی شہر پنو عاقل لے جایا گیا، جہاں سندھ کے مشائخ و علماء اور عوام کی کثیر تعداد نے ۳؍نومبر ۱۹۹۷ء کو اشکوں کی برسات میں سپردِ خاک کیا، اللہ تعالیٰ شہیدؒ کو اپنی رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین

……

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت
ایک عظیم المیہ

جمال عبدالناصرؒ

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی شہادت جیسے افسوس ناک، شرم ناک، اذیت ناک واقعہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے کراچی میں پھیل گئی، جس نے بھی اس واقعہ کے بارے میں سنا، اُس پر ایک دفعہ تو سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور وہ اس خبر پر یقین کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ خود میری بھی یہی حالت تھی، چنانچہ جس نے بھی سنا اس نے جامعہ بنوری ٹاؤن کی طرف رُخ کیا تاکہ خبر کی تصدیق کر سکے، لیکن [illegible] بنوری ٹاؤن جا کر معلوم کیا تو حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ اندوہناک واقعہ کراچی کی معروف چورنگی گرومندر پر دن دہاڑے ہوا اور حکومت اور انتظامیہ کے خالی دعووں کے سوا کوئی عمل نہ ہوا، یہ شرم ناک اور تکلیف ناک واقعہ ہماری مینڈیٹ [illegible] اور عوامی حقوق کے دعوے کرنے والی حکومت کے چہرے پر [illegible] داغ ثابت کرگیا اور اس حکومت کے امن وامان قائم رکھنے کا پول کھل گیا کہ ایک انسان کا قتل [illegible] کا بدترین فعل ہے لیکن یہ دو علماء کرام کا قتل تو اور بھی بڑا اور سنگین جرم ہے، کیونکہ ایک عالم دین ہزار ہا بے دین حضرات سے بہتر ہوتا ہے اور یہ دو علماء کرام تو ہزاروں نہیں، لاکھوں نہیں، کروڑوں علما، طلباء اور

فضلاء کے دلوں کی دھڑکن تھے۔ یوں تو حکام کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے کہ علماء اور مدارس کی تذلیل نہ کرتے ہوں اور آج کل تو مدارس کو اس طرح بھی بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ مدارسِ عربیہ دہشت گردی کے اڈے ہیں اور اُن کو بند کرنے اور اُن کی امداد ختم کرنے کے بارے میں منصوبے بنارہی ہے، لیکن اس واقعہ نے حکومت کے تمام ایسے منصوبوں پر پانی پھیر دیا ہے، ہماری حکومت کی دین دشمنی، علماء دشمنی اور مدارس دشمنی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس حادثہ والے روز وفاقی وزیر ثقافت اور روز وزیر اعظم کے چہیتے بھائی وزیر اعلیٰ پنجاب کی تصاویر اور خبریں اخبارات کی زینت بنیں جس میں وہ رقص وسرور سے لطف اندوز ہورہے ہیں ہمارا حکمران طبقہ عیاشی اور مستی کے [illegible] میں [illegible] اللہ اور اس کے احکامات کو تو بھول ہی گئے اور آئے روز ایسے ایسے بیانات دے رہے ہیں کہ جیسے یہ اسلامی ملک کے حکمران نہ ہوں بلکہ عیاش ملک کے ٹھیکیدار ہوں، جس کو پڑھ کر ایک غیرت مند مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، اس واقعہ کے پیچھے مرزائی اور غیر ملکی ایجنٹوں کا ہاتھ کارفرما ہے اور یہ باقاعدہ پلاننگ اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کارروائی کی گئی، کیونکہ ایک مسلمان جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے، وہ اس قسم کا واقعہ کرتو کیا سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی مسجد کا تقدس پامال کرے یا کسی عالم دین کو شہید کرے! یہ دراصل قادیانی ہی کرتے ہیں یا کرواتے ہیں، کیونکہ جامعہ علومِ اسلامیہ نے قادیانیوں کو کافر قرار دلوانے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ جب ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت اپنے عروج پر تھی تو اس وقت تحریک ختم نبوت اور پورے ملک کے دینی حلقوں کی قیادت حضرت بنوریؒ کررہے تھے جو اس وقت جامعہ بنوری ٹاؤن کے رئیس الجامعہ تھے اور اس کے بعد جب ۱۹۸۴ء والی تحریک چلی تو اس وقت بھی تحریک کی قیادت جامعہ کے مہتمم اور حضرت بنوریؒ کے جانشین حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کررہے تھے، اس طرح بنوری ٹاؤن تحریک ختم نبوت کی تمام تحریکوں میں سرفہرست رہا اور یوں مرزائیوں پر ملک پاکستان میں زمین تنگ اور عرصۂ حیات ختم کرنے میں

جامعہ بنوری ٹاؤن نے مرکزی کردار ادا کیا۔ کراچی میں اتنے عرصہ سے حالات کی خرابی اور آج کل پنجاب کے حالات کی خرابی بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، کیونکہ مرزائی نہیں چاہتے کہ اس ملک میں امن و امان کی فضا قائم ہو اور عوام چین و سکون سے رہیں۔ اب اُنہوں نے رُخ تبدیل کر کے مساجد اور مدارس کے علماء کی طرف کر لیا ہے، جس کا پہلا نشانہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مولانا مفتی عبد السمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ بنے۔ مرزائیوں کے اس واقعہ میں ملوث ہونے کی واضح مثال قادیانیوں کے بھگوڑے پیشوا کا بیان بھی ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ: یہ سال علماء کی تباہی اور بربادی کا سال ہوگا۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبد السمیعؒ اور جناب محمد طاہرؒ کی شہادت پر جتنا بھی افسوس اور مذمت کی جائے کم ہے، اس واقعہ کے بعد وزیر داخلہ اور وزیر اعلیٰ سندھ تعزیت کے لیے جامعہ بنوری ٹاؤن آئے لیکن تاحال ملزموں کی گرفتاری عمل میں نہ آسکی، سوائے خالی دعووں اور وعدوں کے کچھ بھی منظر عام پر نہ آسکا اور نہ ہی وزیر اعظم پاکستان نے کوئی رابطہ کیا اور نہ ہی اس واقعہ کا کوئی نوٹس لیا گیا اور نہ ہی صدرِ پاکستان نے کوئی اقدام اُٹھایا! یہ کیسے اِسلامی ملک کے حکمران ہیں کہ اتنے بڑے سانحہ پر ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، ایک مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے کہ مسلمانوں اور رعایا کی معمولی سی تکلیف پر تڑپ اُٹھتے تھے، اِس لیے میری اور کراچی بلکہ تمام علماء کی طرف سے حکومت سے گزارش ہے کہ جلد از جلد اس واقعہ میں ملوث مجرموں کو گرفتار کر کے عبرتناک سزا دی جائے ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ پاکستان میں تحریک نظام مصطفیٰ اور نظامِ خلافت راشدہ کے لیے جدوجہد شروع ہو جائے اور نااہل حکمرانوں کو کینسر کے مریض کی طرح بوریا بستر سمیت بھاگنا پڑے۔

……

میرے والد، میرے مربی اور ایک محقق عالم دین حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ!

(یوم شہادت: یکم رجب المرجب ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲ر نومبر ۱۹۹۷ء)

صاحبزادہ مولانا محمد یاسر حبیب اللہ مختار

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں شہادتوں کا سلسلہ ۱۹۹۴ء سے شروع ہوا۔ جب مدرسہ کے دو تہائی طلباء کو نامعلوم مسلح ملزمان نے شہید کیا، اُس کے چند سالوں بعد شہادتوں کا یہ سلسلہ چلتا گیا اور تاحال جاری ہے۔ ان طلباء کی شہادت کے بعد ۱۹۹۷ء میں پاکستان میں بالخصوص کراچی میں علماء کرام کی شہادتوں کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا، اس دوران کئی نامور اور جید علماء کرام مختلف ادوار میں شہید کیے جاتے رہے، ان علماء کرام کی شہادتوں کا یہ سلسلہ جس کی ابتداء ۱۹۹۷ء سے ہوئی اور اب تک سینکڑوں علماء کرام، مساجد کے ائمہ آئے روز شہید کر دیے جاتے ہیں، لیکن اب تک سینکڑوں علماء کی شہادتوں کے باوجود کسی بھی حکومت نے اس پر توجہ دی اور نہ ہی ان قاتلوں کی گرفتاری میں کوئی سنجیدگی دکھائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء کی شہادتوں کا یہ سلسلہ طول پکڑتا گیا اور اب ملک کے طول و عرض میں یہ سلسلہ پھیل چکا ہے، اب تک کراچی کی بے شمار مساجد کے ائمہ کرام اور دینی مدارس کے اساتذہ شہید کیے جا چکے ہیں شاید ان کا اعداد و شمار بھی مشکل ہے۔

جس وقت یہ سلسلہ شروع ہوا اس وقت میڈیا بھی اتنا آزاد نہیں تھا چنانچہ اس وقت کے واقعات کو میڈیا میں بھی زیادہ کوریج نہ مل سکی، حالانکہ اللہ کے نبی کی حدیث میں آتا ہے ”ایک عالم کی موت پورے عالم (دنیا) کی موت

کے . ا. ہے، اس حدیث کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس وقت پاکستان کے طول و عرض میں آئے دن پورے عالم کو یہ سفاک دہشت گرد موت کے منہ میں دھکیل دیتے ہیں لیکن حکومت نہ تو ان علماء کو سیکورٹی فراہم کرتی ہے اور نہ ہی مدارس کو، اس پر مستزاد یہ کہ میڈیا بھی ان واقعات کو ایسے پیش نہیں کرتے جس طرح دیگر خبروں کو پیش کیا جاتا ہے، لہٰذا اخبارات کی حد تک یہ خبریں محدود ہو کر رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے حکومت بھی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتی۔

یہ ۱۹۹۷ء کی بات ہے اس وقت وفاق میں حکومت موجودہ وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف صاحب کی تھی کراچی کا مشہور و معروف دینی ادارہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی جس کی بنیاد محدثُ العصر حضرت علامہ مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نورَ اللہ مرقدہٗ نے رکھی تھی۔ اس ادارہ کا اہتمام آپ کے دوسرے داماد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب کے پاس تھا، آپ نے سعودی عرب کی مشہور و معروف یونی ورسٹی ''جامعہ اِسلامیہ مدینہ منورَہ'' نے سے بی اے کیا، اُس کے بعد ''کراچی یونی ورسٹی'' سے ''ایم اے اسلامیات'' فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کر کے ''گولڈ میڈل'' کے حق دار قرار پائے، اس کے بعد کراچی یونی ورسٹی سے ہی ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، اس دوران آپ اسی ادارے میں تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے، آپ کی شخصیت اور کمالات کو حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ نے ابتداء میں ہی بھانپ لیا تھا یوں آپ کو اپنی شاگردی میں نہ صرف اپنے ساتھ ساتھ رکھا بلکہ اپنی سب سے چھوٹی صاحبزادی کا عقد بھی آپ کے ساتھ کر دیا۔

مولانا حبیب اللہ مختارؒ بے شمار کتابوں کے مصنف بھی تھے، آپ کے بے شمار شاگرد آج دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں، آپ نے اپنی زندگی میں بیسیوں کتابوں کے تراجم کیے اور کئی کتابیں تصنیف کیں، جن کی تعداد لگ بھگ ایک سو بیس کے قریب ہے، ۱۹۹۲ء میں حضرت بنوریؒ کے پہلے داماد حضرت مفتی احمد الرحمٰنؒ کے انتقال کے بعد مدرسے کے اہتمام کی ذمہ داری آپ کے کاندھوں پر آ گئی، اس دوران آپ نے

ادارے کی ترقی و تعمیر کے لیے کئی کام کیے اور لڑکیوں کے لیے دینی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ادارے میں لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے بنات کا شعبہ قائم کیا اور ادارے کو وسعت دیتے ہوئے ادارے کی کئی شاخیں قائم کیں۔

۲ نومبر ۱۹۹۷ء کو آپ اپنے ادارے کی ایک شاخ کے دورے کے لیے جامعہ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا عبدالقیوم چترالیؒ اور اپنے ادارے کے استاد حضرت مولانا مفتی عبدالسمیعؒ اور جناب بشیر احمد نقشبندی صاحب اور ڈرائیور جناب محمد طاہرؒ کی معیت میں اپنی شاخ کے دورے پر روانہ ہوئے وہاں سے واپسی پر یہ حضرات مدرسہ کے قریب بنس ر رڈرروڈ پر پہنچے تو ایک موٹر سائیکل اور کار میں سوار نامعلوم مسلح ملزمان نے حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر موقع پر شہید ہو گئے، اور حضرت مولانا عبدالقیوم چترالی اور جناب بشیر احمد نقشبندی شدید زخمی ہو گئے، سفاک قاتلوں نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ ان حضرات کو شہید اور زخمی کرنے کے بعد ان کی وین پر آتش گیر مادہ دیا جس سے آناً فاناً پوری گاڑی کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ان حضرات کی نعشیں تک جل گئیں، اس بہیمانہ سفاکانہ قتل کا مقدمہ سولجر بازار پولیس اسٹیشن میں درج ہوا، اُس وقت ملک کے وزیر داخلہ جناب چوہدری شجاعت حسین صاحب تھے۔

علماء کی بہیمانہ شہادت کا یہ پہلا واقعہ تھا، پورا ملک اس واقعہ سے ہل گیا، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت اس واقعہ کو ٹیسٹ کیس بناتی اور اپنی مدعیت میں اس مقدمہ کا اندراج کر کے ان قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچاتی، لیکن ایسا نہ ہوا، ادارے کی انتظامیہ نے نامساعد حالات کے باوجود اس مقدمہ کی پیروی کا فیصلہ کیا اور اس واقعہ کی ایف آئی آر اپنی مدعیت میں تھانہ سولجر بازار میں درج کرائی۔ کچھ عرصہ بعد ان علماء کے دو قاتل گرفتار ہوئے، جنہوں نے اپنا تعلق کالعدم اہل تشیع تنظیم سپاہ محمد سے بتایا اور اِعترافِ جرم بھی کر لیا، ان کے نام تنویر عباس حیدری اور سلیم جعفر تھے، ان دو قاتلوں تنویر عباس حیدری اور سلیم جعفر نے گرفتاری کے بعد انویسٹی گیشن ٹیم کے سامنے قتل کا اِعتراف کیا اور

اِقبالِ جرم بھی کیا جس کے بعد گواہان نے شناختی پریڈ کے ذریعہ ان قاتلوں کی شناخت کی اور یوں یہ مقدمہ انسدادِ دہشت گردی عدالت منتقل ہوا اور ان قاتلوں کو انسدادِ دہشت گردی کی عدالت سے سزائے موت سنائی گئی، لیکن بعدازاں یہ مقدمہ سیشن کورٹ، ہائی کورٹ سے ہوتا ہوا سپریم کورٹ پہنچا، اس دوران سرکاری وکیل جس نے ان قاتلوں کو پھانسی کی سزا دلوائی تھی، انہیں بھی قتل کردیا گیا اور بعدازاں اس مقدمہ میں قانونی سقم پیدا کر کے اس کو اتنا کمزور کردیا گیا کہ سپریم کورٹ تک پہنچ کر یہ قاتل عدالت سے باعزت بری ہوگئے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ان قاتلوں نے انویسٹی گیشن ٹیم کے سامنے باقاعدہ اِعترافِ جرم کیا تو اس وقت ان سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں نے انہیں قتل کیوں کیا؟ کیا تم انہیں جانتے تھے یا ان سے کوئی ذاتی دشمنی تھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہماری ان حضرات سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی ہم انہیں جانتے تھے بلکہ ہمیں یہ کہا گیا تھا کہ یہ اس مدرسے کے بڑے ہیں، اگر ان کو ختم کردیا گیا تو یہ مدرسہ ختم ہوجائے گا، لہٰذا ہم نے انہیں اسی وجہ سے قتل کیا۔ اسی مقدمہ قتل میں مزید تیسرا ملزم رضا امام تھا جو اس پورے کیس کے دوران گرفتار نہیں ہوا، بعدازاں دیگر علماء کرام کی شہادت میں بھی کئی بار اس کا نام سامنے آیا، مثال کے طور پر اسی ادارے کے ایک اور بزرگ عالم دِین حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ جو کہ شہادت کے وقت ۷۰/سال کے تھے اُن کو شہید کرنے والے قاتلوں میں جس قاتل نے حضرت شہیدؒ سے ہاتھ ملا کر اُن پر فائر کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ وہ یہی شخص رضا امام تھا جو بعدازاں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ کے قتل میں بھی ملوث پایا گیا، جس کے بارے میں ذرائع یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ملزم اِیران کے شہر قم میں مفرور ہے اور حیرت ناک امر یہ ہے کہ سیکورٹی ادارے باوجود اس بات سے باخبر ہونے کے اب تک اُس شخص کو گرفتار کرنے میں ناکام رہے ہیں، جو کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی کارکردگی پر بھی ایک سوالیہ نشان ہے۔

یہاں یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اس ادارے کی ابتداء سے یہ پالیسی رہی ہے کہ

اس میں پڑھنے والے طلباء دورانِ تعلیم کسی بھی قسم کی سیاسی و غیر سیاسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیتے تھے، چنانچہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے دور میں بھی طلباء اس بات کے پابند تھے کہ وہ دورانِ تعلیم اپنی توجہ صرف تعلیم تک محدود رکھیں لہٰذا اس قتل میں مسلکی و سیاسی رنگ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، چنانچہ یہ خالص ایک دہشت گردانہ کارروائی تھی، لہٰذا حکومت وَقت کی یہ ذمہ داری بنتی تھی کہ وہ ان قاتلوں کو گرفتار کرکے منطقی انجام تک پہنچائے لیکن تاحال ایسا نہ ہوسکا بقول شاعر:

پھر ''قصر جہانگیر'' ہے ''زنجیر'' سے خالی
ایوان کوئی عدل کے قابل نہیں ملتا
اس کوچۂ وحشت میں ہم آباد ہیں جس میں
مقتول تو مل جاتے ہیں قاتل نہیں ملتے!

دعا ہے اللہ تعالیٰ والد محترمؒ کی شہادت کو قبول فرمائے علماء حق کے قاتلوں کو دنیا و آخرت میں نشانِ عبرت بنادے آمین

یقیناً کسی نے سچ کہا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

اللہ رب العزت ہم سب کو آخرت میں ان حضرات شہداء کرام کی معیت نصیب فرمائے اور دنیا میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، میرے والد گرامی کی شہادت صرف میرے لیے ہی نہیں پورے ملک و ملت کے لیے بہت بڑا نقصان ہے لیکن یہ اطمینان ضرور ہے وہ کامیاب و کامران ہوگئے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ دیگر علماء کرام کی حفاظت فرمائے آمین۔

……

محبت...... تذکرہ چاہتی ہے!

مولانا صاحبزادہ محمد یاسر حبیب اللہ مختار

ضبط کہتا ہے خموشی سے بسر ہوجائے

درد کی ضد ہے کہ دنیا کو خبر ہو جائے

۲ر نومبر آج یومِ شہادت ہے...... اس ہستی کا ...... جو صرف ہم کی ہی حبیب نہ تھی ...... بلکہ جس کسی نے بھی آپ کی شخصیت کو قریب سے دیکھا اور جانا ......تو یہی حبیب اس کا محبوب بن گیا ......اور وہ حبیب لوگوں کا محبوب کیوں کر نہ ہو جو بیک وقت مدبر بھی ہو اور مفکر بھی ......مربی بھی ہو اور مشفق و مہربان بھی ...... میرے والد صرف ہم کے ہی حبیب نہ تھے ...... بلکہ اللہ جل شانہ نے آپ کی شخصیت میں ایسی کشش رکھی تھی کہ جو کوئی بھی آپ سے ایک بار مل لیتا وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا ......آج آپ کا یومِ شہادت ہے ...... میں آپ کی شخصیت پہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن ......اندیشے اور وسوسے مجھے چہار جانب سے گھیر لیتے ہیں...... میں کہ گناہوں کے دلدل میں دھنسا......جہل کی گھاٹیوں میں سرگرداں......ضعیف و ناتواں...... آپ کی شخصیت کے کس کس پہلو کا احاطہ کروں...... کہاں سے ابتدا کروں...... کہ میری اپنی کوتاہیوں کی سیاہ چادر...... میرے الفاظ کو ڈھانپ لیتی ہے...... میں دہل جاتا ہوں......اور کچھ نہیں سوچ پاتا...... میں قلم ہاتھ میں لیے...... کاغذ کی جانب نگاہ کرتا ہوں تو فرطِ ندامت کے آنسو ...... میری آنکھوں کو دھندلا کر دیتے ہیں...... میں لرز جاتا ہوں......اور کچھ رقم نہیں کر پاتا...... میں اپنے گناہ گار ہاتھوں میں وہ سکت نہیں پاتا...... جس سے میں اپنے محبوب والد کا تذکرہ لکھ سکوں...... میں ڈرتا ہوں...... مبادا کہیں میرے الفاظ لغزش نہ کر دیں...... میرا انداز......احترام و عقیدت کا وہ پاس نہ کر پائے......جس کے آپ حق دار ہیں......لیکن لطف کی بات ہی یہی ہے...... کہ میں ڈروں بھی......اور اپنے گناہوں پہ نادم بھی ہوتا رہوں...... اور ساتھ ہی لرزتے ہاتھوں کے ساتھ اس حبیب ہستی کا تذکرہ بھی لکھتا جاؤں...... جو کہ شہید ہے......اور ہمارا ایمان ہے کہ شہید زندہ ہوتے ہیں......لطف کا مقام ہی یہی ہے...... کہ میں ندامت کے آنسوؤں سے اپنے الفاظ کو وضو کروا کر...... محبت اور عقیدت کو جملوں میں پرو کر...... اس حبیب کا تذکرہ کروں...... جو بحیثیت شاگرد...... اپنے اُستاذ حضرت بنوریِ نورَ اللہ مرقدہٗ کا محبوب ہو، جو بحیثیت اُستاذ...... اپنے سینکڑوں شاگردوں کا محبوب ہو...... جو بحیثیت والد...... اپنی اولاد کا محبوب ہو......

جو بحیثیت بھائی...... اپنے بہن بھائیوں کا محبوب ہو...... اور جو بحیثیت مرید ...... اپنے شیخ مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کا محبوب ہو...... جی ہاں! ...... ''محبت'' ...... تذکرہ چاہتی ہے...... ''عقیدت'' ...... بیاں کرنے سے دل میں جاگزیں ہوتی ہے...... کسی شاعر نے کہا اور کیا خوب کہا......

تیرے جانے سے چمن میں اس طرح چھائی خزاں
ہر کلی نوحہ کناں ہر پھول کے آنسو رواں

جی ہاں! آنسو رواں ہیں، ذہن کے دریچوں میں گھومتے ان تمام مناظر کو یاد کرتے ہوئے...... وہ ساعتیں وہ لمحے یاد کرتے ہوئے...... جو ساعتیں اور لمحے زندگی کے سب سے حسین لمحے ٹھہرے...... آپ حبیب تھے...... آپ حبیب ہیں...... اللہ نے آپ کو اپنے پاس بلایا بھی تو کس اہتمام سے...... اپنے رفقاء (حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع شہید علیہ الرحمہ اور ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ) کے ساتھ...... شہادت جیسا بلند مرتبہ دے کر...... پھر شہادت بھی ایسی مظلومانہ کہ...... پیشانی پہ گولی کھا کے...... راہِ حق میں اپنا جسد خاکستر کروا کے بارگاہِ حق میں جا پہنچے...... اپنے محبوبوں کے پاس...... اور پھر آپ کے محبوب بھی کیسے...... جو خود حق شانہ کی سب سے زیادہ محبوب...... بلکہ کائنات کی سب سے زیادہ محبوب ہستی حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے محبوب نواسوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کی اولادوں میں سے ایک تھے...... جی ہاں میری مراد خانوادۂ رسول کے ایک جلیل القدر فرزند تحریک ختم نبوت کے امیر حضرت اقدس علامہ بنوری ہیں جن کے پہلو میں آپ مدفون ہیں...... بقول شاعر:

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

دعا ہے اللہ رب العزت مرے والدین سمیت تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ہمیں ان حضرات کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور روز محشر ہمیں ان مبارک ہستیوں کی معیت میں شافعِ محشر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور حوضِ کوثر پہ آقا کے مبارک ہاتھوں سے جامِ کوثر پینا نصیب کرے آمین!!

......

میرے شیخ و مربی

مولانا عبدالرزاق

(فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن)

بڑی بڑی آنکھیں اور آنکھوں پر نفیس چشمہ، آنکھوں میں رُعب وحیا، روشن ودَراز چہرہ، متناسب اَعضاء، جسم مائل بفربہ لیکن موٹاپے کے عیب سے محفوظ، چال میں متانت، ڈِھیلا ڈھالا کرتا، دَراز پائنچوں وَالی شلوار، عین حدیث کے مطابق ٹخنوں سے اُوپر یعنی نصف ساق تک، سر پر اَکثر جالی دَار ٹوپی، بظاہر سخت مزاج لیکن حقیقتاً اِنتہائی نرم دِل اُصول پسند، مزاج شناس، صاف گو، جامعہ علوم اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن اور حضرت بنورِیؒ کی محبت اور خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وَسلم) پر مرمٹنے کے جذبہ سے سرشار، یہ تھے میرے مربی، میرے مرشد، میرے شیخ، میرے اُستاذ، اُستاذُ العلماء، محدثِ وَقت، محقق العصر، مصنف شہیر، رَئیس جامعہ علوم اِسلامیہ، ناظم وِفاق المدارِس العربیہ پاکستان اور خادِمُ القرآن وَالحدیث حضرت علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ جنہیں ۲/نومبر ۱۹۹۷ء بروزِ اِتوار دُشمنانِ اِسلام نے ہم سے چھین لیا، عجیب اِتفاق کہ میں اُس دِن کوئٹہ میں تھا رَات کو دس بجے ریڈیو سے معلوم ہوا کہ جامعہ بنورِی ٹاؤن کے رَئیس وشیخ الحدیث علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کو شہید کر دِیا گیَا۔ یہ سنتے ہی سکتہ سا طارِی ہوگیَا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیَا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمنڈ آیا، مولاناؒ کی حادثاتی شہادت کی خبر کے ساتھ اُن کی وہ تمام صحبتیں ایک ایک کر کے سامنے آتی گئیں جو اُن کے دَم قدم سے قائم رہا کرتی تھیں۔ صبح ہوتے ہی کراچی کے لیے رَختِ سفر باندھا، جامعہ بنورِی ٹاؤن پہنچتے ہی اُن کی آخری آرَام گاہ کی طرف بڑھا، ہمارے حضرت بنورِیؒ، اور میرے محبوب اُستاذ، مخدومُ العلماء حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں حضرت شیخ شہیدؒ کی کچی قبر دیکھ کر ضبط پر قابو نہ رہ سکا اور اشک ہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کر کے اَپنے دِل کا بوجھ ہلکا کیا۔

اَوّل الذکر دونوں خوش قسمت بزرگوں نے اَپنے چاروں طرف قرآن وحدیث کا

دستہ سجایا اور ہزاروں شاگردوں کو سوگ وَار چھوڑ کر عالمِ آخرت کو سدھار گئے۔ اللہ اکبر! کتنے سچے تھے یہ اللہ کے مقبول بندے جو کہتے وہ کر دِکھاتے تھے، طالبِ علمی میں جن کے ہاتھ میں ہاتھ دِیا تھا آج اُسی کے پہلو میں محوِ اِستراحت ہیں، جو اُن کے صدق و اِخلاص اور وفاء کی وَاضح دَلیل ہے۔

وطن عزیز میں علومِ نبوت کے بہت سے مراکز ہیں اور ہر مسلمان کے لیے ان مراکز سے عقیدت و محبت جزوِ ایمان ہے، صرف کراچی ہی میں اِتنی جامعات ہیں کہ ہر ایک اَپنا ایک خاص مقام رَکھتا ہے، کوئی اِدَارہ کسی دُوسرے اِدَارہ سے اَہمیت و خدمت کے اِعتبار سے قطعاً کم نہیں، لیکن نہ جانے جامعہ بنورِی ٹاؤن کے دَر و دِیوار سے عشق کی حد تک محبت کیوں ہے؟ میں جامعہ بنورِی ٹاؤن کو عالمِ اِسلام کی مادرِ علمی اور پاکستان کا دَارُالعلوم دِیوبند سمجھتا ہوں، ہمارے زمانۂ طالبِ علمی میں محمد شعیب نام کے جامعہ کے ایک کارکن تھے، اُن کی معمولی سی بُرائی بھی میرے لیے دَائرۂ برداشت سے باہر ہو جاتی تھی، چہ جائیکہ ہمارے وَلی صفت اَساتذہ مجاہد العصر، محبوب العلماء وطلباء حضرت مولانا مفتی عبد السمیع شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کوئی سوءِ اَدب کا مرتکب ہو اور میرا چونکہ حضرت شیخ (مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار) شہیدؒ اور مفتی عبد السمیع شہیدؒ سے بہت زیادہ خاص قلبی تعلق تھا، اِس لیے جب بھی اُن کی زِندگی کے بعض گوشوں کو سپردِ قلم کرنے کا اِرَادہ کیا، آنکھوں کے آنسوؤں نے روک دِیا، بہرکیف تاخیر کے بعد آج خیالات کو سمیٹ کر اُن کی شفقتوں کی دَاستانِ محبت اور فضل و کمال دُہرانے بیٹھا ہوں۔

شیخ شہیدؒ کی پہلی زِیارت ۱۹۸۰ء کے اَوائل میں اُس وَقت ہوئی کہ جب اعدادیہ کے دَاخلہ کے لیے جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی ٹاؤن کراچی میں حاضر ہوا، اُس زمانہ میں اِبتدائی دَاخلہ کے بعد جائزہ کے عنوان سے دُوسرے اِمتحان کا معمول تھا، یہ اِمتحان دَاخلہ کے اِمتحان سے قدرے مشکل ہوتا۔ جامعہ کے دو اَکابر اَساتذہ کی معیت میں حضرت شیخ شہیدؒ یہ اِمتحان لیتے، اِمتحان کیا تھا؟ تجربہ کار، مزاج شناس اور ماہر اَساتذہ طلباء کا علمی، اَخلاقی اور سیاسی جائزہ لیتے اور کچھ ضرورِی نصیحتیں بھی فرماتے۔ اس اِمتحان میں کامیابی کے بعد دَاخلہ مکمل ہوتا، کتابوں کی وصولی کے لیے

ناظم کتب خانہ اور کمرہ کے تعین کے لیے ناظم دَارُ الاقامہ سے رُجوع کرنا پڑتا۔ طالب علم اِدریس سے سنا تھا کہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ بہت سخت آدمی ہیں، اُن کے اِمتحان میں شاذ و نادِر طالب علم ہی کامیاب ہوتے ہیں، مولاناؒ کی سختی اور نام ضرور سنا تھا لیکن بالمشافہ نہیں جانتا تھا، کسی قدیم طالب علم نے دُور سے مولاناؒ کی نشان دہی کر دِی، نمبر وَار طلباء اِمتحان دیتے رہے، میرا نمبر آیا تو ڈَرتے ڈَرتے حاضر ہوا، مولانا موصوف کے ساتھ بیٹھ گیا، اِمتحان کے لیے سوال و جواب کا سلسلہ اِس طرح شروع ہوا:

> ”مولوی صاحب! کیا نام ہے؟ اُستاد جی: عبدالرزّاق۔ کون سے درجے میں پڑھنا چاہتے ہو؟ اعدادیہ میں۔ مولانا نے فرمایا: اَچھا بھائی اَپنے گھر اور وَالدین کو دِین کی خاطر خیرباد کہہ دِیا؟ ظاہر ہے کہ وَالدین یاد آتے ہوں گے؟ تو دِل بہلانے کے لیے اور کتاب کے بعض مقامات حل کرنے کے لیے دوست بھی ضروری ہے، تو جامعہ کے کسی دَرجہ میں آپ کا کوئی دوست ہے؟ مجھ بے اَدب نے خوش ہو کر کہا جی ہاں! بہت سارے دوست ہیں۔ مولانا نے جلدی سے اَپنے خاص اَنداز میں فرمایا کہ: اچھا دوستی لگانے کے لیے یہاں آئے ہو، پڑھنا تمہارا مقصد نہیں، جاؤ اَپنا بوریا بستر لے جاؤ، دوستیاں لگانے وَالے کے لیے جامعہ میں دَاخلہ کے دَروَازے بند ہیں۔ میں نے معافی مانگی اور محنت و یکسوئی سے پڑھنے کا وعدہ کیا۔ بس اِتنی گفتگو کے بعد حضرت نے فرمایا: جاؤ کل بورڈ پر کامیاب اور ناکام طلباء کی فہرست میں اَپنا نام دیکھنا۔“

یوں پیر کے دِن کامیاب طلباء میں نام آگیا۔ اُولیٰ میں نحو میر، شرح مأۃ عامل، دَرجہ ثانیہ میں قدورِی اُن سے پڑھنے کی سعادَت حاصل ہوئی، دَورَانِ سبق صرف کتاب پڑھانے پر اِکتفا نہیں فرماتے، بلکہ اَخلاق و تربیت پر بھی بہت زیادہ توجہ دیتے۔ محدث العصر حضرت بنوریؒ کو عشق کے درجے تک چاہتے تھے ان کے رقت آمیز وَاقعات سنا کر خود بھی آنکھوں کو آنسوؤں سے غسل کراتے اور ہم طلبہ کو بھی رُلاتے۔ معمولی بخار، سر دَرد، پیٹ دَرد پر رُخصت لینے وَالے طالب علم سے سخت غصہ ہوتے، سبق کے دَوران سونے وَالے طالب علم کو بڑی دِلچسپی سے مخاطب کر کے فرماتے، جوانی میں بڑھاپے کے مزے لے رہے ہو، جوان ہو، ہمت دِکھاؤ مولوی صاحب! ہمارے بعض ساتھیوں کا یہ معمول تھا کہ جس کتاب کے اُستاذ کسی عذر سے دَرس میں تشریف نہ لاتے تو

ہم لوگ دَرس گاہ سے باہر بیٹھ کر گفت وشنید میں وَقت برباد کرتے، حضرت شیخ شہیدؒ ہمارِی طرف سے گزرتے تو پوچھتے کس اُستاذ کا گھنٹہ ہے؟ طالب علم تو بادشاہ لوگ ہوتے ہیں، اُستاذ کا نام لے کر یوں کہتے: عبداللہ صاحب کا گھنٹہ ہے، حضرت شیخ طالب علم کی اِس بے اَدبی پر بہت ناراض ہوتے اور فرماتے کہ: کیا عبداللہ صاحب آپ کے چھوٹے بھائی ہیں؟ طالب علم کہتا: نہیں وہ تو ہمارے اُستاذ ہیں۔ حضرت فرماتے: اَچھا اُستاذ کا نام اِس طرح لیا جاتا ہے؟ کیا خاک اَدب سیکھا ہے؟ اور پھر اِصلاح کرتے ہوئے فرماتے: مولانا عبداللہ صاحب بولو، اِس طرح اُستاذ کا نام لیا جاتا ہے۔

بات پھیل گئی یادیں پرا باندھے صف بستہ کھڑی ہیں، کس کو لوں اور کس کو چھوڑوں؟ ایک عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اُن کی سزا و اِصلاح کا طریقہ تمام اَساتذہ سے بالکل منفرد تھا، مارتے بہت کم لیکن ڈراتے بہت زیادہ تھے۔ ہوا یوں کہ ایک دِن قدورِی کے سبق کے دَوران مفتی اَعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی وَلی حسن خان ٹونکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخارِی شریف کا سبق پڑھا کر دَارُ الحدیث سے دَفتر کی طرف تشریف لے جارہے تھے، ہمارے ایک ساتھی کھڑکی سے اُنہیں دیکھ رہے تھے، حضرت شیخ نے اُس طالب علم کو مخاطب کرکے فرمایا: کہاں دیکھ رہے ہو؟ اُس بے چارہ نے خوف زدہ ہوکر کہا: مفتی صاحب کو، حضرت نے فرمایا: کتاب کے بجائے مفتی صاحب کو دیکھنے کی کیا وَجہ ہے؟ کیا مفتی صاحب سے کوئی کام ہے؟ پھر فرمایا: جاؤ مفتی صاحب کو سلام کرو اور اُن سے خیریت دَریافت کرو، یہ کہہ کر سبق پڑھانا بند کردِیا، طالب علم بے چارہ کچھ دیر سوچتا رہا بعد میں مجبور ہوکر سلام کرنے گیا، اِس طرح حضرت شیخ نے آئندہ کے لیے تمام طلباء کو قلب وقالب سمیت سبق میں حاضر رہنے کا سبق دے دِیا۔ گھر، دَرس گاہ، دَارُ التصنیف اور مسجد اُن کی روزمرہ کی مشغولیت تھی۔

فرمایا: بہت مجبورِی کے پیشِ نظر مہینوں بعد مسجد و مدرسہ سے باہر جاتا ہوں، ہر کام میں وسلیقہ تھا، اوقات کو باقاعدہ تقسیم کر رَکھا تھا، بہت زیادہ مہمان نواز تھے، ہر مہمان کی چائے یا جوس سے خاطر تواضع فرماتے، دَرجہ ثالثہ کے سال جامعہ کے بعض قواعد کی خلاف وَرزِی پر مجھ نالائق کو حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب مرحوم نے جامعہ سے خارِج

کر دِیا تو ندامت اور پشیمانی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب سے لے کر تمام اَساتذہ سے دَاخلہ بحال کرنے کی دَرخواست کی۔ مایوسی اور نامنظوری کے بعد حضرت شیخ شہیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے چائے پینے کو کہا، رَاقم الحروف نے عرض کیا: دَاخلہ کی بحالی میری چائے ہے۔ اُنہوں نے فرمایا: مولوی صاحب! چائے میری ہے اور آپ میرے مہمان ہیں، لیکن دَاخلہ تو شوریٰ کا کام ہے۔ ہاں مجلس شوریٰ میں آپ کی ضرور سفارش کروں گا، عذر قبول ہوا تو اَچھی بات ہے نہیں تو فبہا۔ (یہ اُن کا خاص جملہ تھا جو گاہے گاہے اِستعمال فرماتے) اِن شاء اللہ تعالیٰ مفتی صاحب اور شوریٰ کا فیصلہ آپ کے حق میں بہتر ہوگا، جو آپ کو بہر حال تسلیم کرنا چاہیے۔ اِس طرح وہ چائے پلانے میں کامیاب ہوگئے۔ اُس کے بعد اَپنی نالائقی اور حماقت کی وَجہ سے کچھ عرصہ تک جامعہ سے رِشتہ ٹوٹ گیا۔ شیخ کو دُور ہی سے صحیح محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ وہ چونکہ عالمِ اِسلام کے بہت بڑے اِسلامی مرکز جامعہ بنورِی ٹاؤن کے صدر مہتمم تھے اِس وَجہ سے ہمہ وقت بے پناہ ہجوم میں گھرے رہتے، اس کے باوجود جب بھی حاضر ہوتا تو خاص توجہ اور شفقت فرماتے۔ اہتمام ہی کے زمانے میں ایک بار وَالد صاحب کے ہمراہ حاضر ہوا، بہت خوش ہوئے، چائے پلائی اور وَالد صاحب کو اَپنی تصانیف کا سیٹ ہدیہ کیا۔

قرآنِ کریم کے حافظ نہ تھے حفاظ سے زیادہ قرآنِ کریم کی تلاوت فرماتے طلباء سے بھی کثرتِ تلاوت کی تاکید کرتے۔ حضرت عرفِ عام میں خطیب نہ تھے، اُن کی تقریر میں بھی تحریک کا اَنداز نہیں ہوتا، وہ دِھیمے اَنداز سے سلسلۂ کلام کا آغاز فرماتے۔

مفتی صاحبؒ کے اہتمام کے زمانہ میں تو جامعہ کی کسی مجلس عام میں کبھی اُن کو نہ دیکھا، ہاں البتہ حضرت موصوف کے اہتمام نے اُن کو اَپنی بہت سارِی پابندیوں کو توڑنے پر مجبور کر دِیا تھا، ظاہر ہے کہ جامعہ بنورِی ٹاؤن کے مہتمم ہونے کی وَجہ سے اُن کو وہ سب کچھ کرنا تھا جو ایک صدر کے لیے ضرورِی ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ اُن کی تقریر سننے کی خواہش رہی، یہ تمنا اُس وَقت پورِی ہوئی جب بنورِی ٹاؤن کے دَارُالحدیث میں ۱۰ر رمضان المبارک کو شیخ القراء حضرت قارِی محمد علی صاحب مدنی نے تراویح میں قرآنِ کریم ختم کیا تو حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر صاحب مدظلہم نے اَپنی دَرد بھری تقریر کے بعد ''ختامہ مسک'' کے اَلفاظ کہہ کر بحیثیت مہتمم اُن کو تقریر کی دعوت دِی، مجھے

مولاناؒ کی تقریر مکمل بہت اَچھی طرح یاد ہے، حضرت شیخ نے خطبہ ماثورہ کے بعد فرمایا: "گناہ دِل کو زنگ آلود کر دیتا ہے، قرآن دِل کے زنگ کو دھوتا ہے، رمضان گناہ دھونے کا مہینہ ہے"۔ یہ اُن کی تقریر کا مختصر سا خلاصہ ہے۔

اُن کی شہادَت سے چند یوم قبل اُن کو میں نے خواب میں دیکھا کہ جامعۃ العلومِ الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی ٹاؤن کراچی میں مسجد کے حوض پر عصر کی نماز کے لیے وضو فرما رہے تھے، یہ نالائق بھی اُن کے برابر میں وضو کر رہا تھا، فارِغ ہونے کے بعد ہم دونوں مسجد کی جانب رَوَانہ ہوئے، مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے رَاستہ میں فرمایا: مولوی صاحب! مدرسہ کا کیا حال ہے؟ اور پھر برجستہ یہ نصیحت فرمائی کہ کسی دَرجہ میں دِین کی خدمت ضرور کریں، قیامت میں مولوی کی اِستطاعت کے مطابق کام نہ کرنے پر پکڑ ہوگی، سبحان اللہ! کیا دَرد تھا، اُس مردِ مؤمن کو دِین اِسلام کا۔

مرنا سب کو ہے کوئی آگے کوئی پیچھے، کچھ لوگوں کی موت اُن کی موت ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کی موت پورِی جماعت کی ۔ عالم کی موت ایک عالم کی موت ہوتی ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ مولاناؒ کا اُٹھ جانا اہلِ علم کی ایک پورِی جماعت کا اُٹھ جانا ہے، اُن کی شہادَت ہمیں زِندگی بھر تڑپاتی رہے گی، جانے وَالا تو گیا کاش اُن کی قربانی سے ہمارِی آنکھیں کھل جائیں اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اُفق پر اُمڈنے وَالی خطرناک گھٹاؤں کے پیشِ نظر اُس کی سالمیت کے لیے اَپنی صفوں میں اِتحاد پیدا کریں اور ہمارے دُوسرے شیخ سیدی و مرشدی بنورِیِ زماں جناب حضرت مولانا ڈَاکٹر عبدالرزّاق اِسکندر صاحب دامت برکاتہم العالیہ اَبھی بقیدِ حیات ہیں، ایک عظیم وَلی اللہ ہیں، جیسا اَعلیٰ اُن کا مقام ہے بالکل اِسی طرح اُن کا تقویٰ ہے، رَقیق القلب اِنسان ہیں، جب بھی اُن کی تقریر سننے کا اِتفاق ہوا، گریہ کی کیفیت طارِی ہوتی ہے، سخت سے سخت دِل سامع کو بھی آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے سایہ کو ہمارے اور عالمِ اِسلام کے سروں پر تا دیر باقی رَکھیں۔ آمین

ہے رَشک اِک جہان کو مختار کی شہادَت پر
یہ اُس کی دین ہے جسے پروَردِگار دے

……

شہید اُستاذِ محترمؒ

مولا۰ سعید احمد صدیقی

اللہ اکبر! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسرار وحکمت کا کوئی ہرَ۰ اِحاطہ نہیں کرسکتا، اللہ کے بھیدوں کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جا ہیں، اِ نوں پ بسا اوقات ایسے حالات آتے ہیں . . عقل دَ۰ رہ جاتی ہے، ز. گنگ ہوجاتی ہیں، سما ت پ اِعتبار نہیں رہتا، لیکن بہرحال . . سیّد۰ صدیق اَکبر رَضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ کانوں سے ٹکراتے ہیں ''

''۔تو صحابہ کرامؓ اَپنے ماننے وَالوں کے لیے اَپنی ایسی زِ۰ ہ ۰ت چھوڑ جاتے ہیں جو اُن کو صدمات اور مصیبت کے اوقات کا سہارَا دے سکے اور وہ ''

'' عمل پیرا ہوسکیں۔

اہلِ علم کے لیے خصوصاً اور اہلِ اِسلام کے لیے عموماً یکم ر. . المر. . ۱۴۱۸ھ کا دِن ای الم۰ک سا اور جاں گداز المیہ کی حیثیت سے ی دگار رہوگا، . . حضرت علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ اور اُن کے رُفقاء شہید کر دِیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولا۰ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کو .ٹی گو۰ گوں صفات سے نوازا تھا، حضرت مفتی احمد الرحمٰن صا .ؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ کی شخصیت جامعہ علوم اِسلامیہ بنورِی ٹ ؤن کے لیے ای سایہ دَار در۰ ت ش. ت ہوئی، جس کے زی سایہ ہرا ی نے رَا ت پ ئی اور جامعہ نے الحمدللہ دن دوگنی رَات چوگنی ت قی کی۔

حضرت شہید رحمہ اللہ علم کا ۰۰انہ تھے، عالم . عمل تھے، عاقل وفہیم تھے، ذکی وطبیب

تھے، علماء وزاہد تھے، متقی و پرہیزگار تھے، بڑے حق گو تھے، فیاض وسخی تھے، اللہ پاک نے اُن کے تنہا وجود میں اِس قدر مافوق العادات اوصاف وکمالات جمع فرمائے تھے کہ اگر ایک بڑی جماعت پر تقسیم کردِیئے جائیں تو وہ محاسن سے مالا مال ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مرحوم کو میدانِ تصنیف وتالیف میں وہ صلاحیتیں فرمائی تھیں جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں، اُن کا ایک اپنا خاص رَنگ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حسین وشیریں الفاظ میں مافی الضمیر اَدا کرنے کا خاص ملکہ فرمایا تھا، دَقیق ترین مسائل کو بہت ہی آسان عبارَت میں اَدا فرماتے تھے، آپ علیہ الرحمۃ کے پڑھانے میں ایک خاص رَنگ تھا، دورَانِ تعلیم تمام جماعت پر سکوت طاری ہوتی تھی، مجال ہے کہ کوئی طالب علم سبق سے غافل ہوجائے، کسی طالب علم کا ذہن ذَرا اِدھر اُدھر بٹا، حضرتؒ کی نظر فوراً اُس کی طرف گئی اور اُس کو وَاپس دَرس گاہ میں لے آئی۔

حضرتؒ پڑھاتے تو یقیناً بس یہی جی چاہتا کہ پڑھاتے چلے جائیں اور ہم پڑھتے چلے جائیں، جس زمانہ میں رَاقم جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں زیر تعلیم تھا اُس وَقت تمام طلباء کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ ''مقامات'' حضرتؒ ہی سے پڑھیں اور جب طلباء درجہ رَابعہ میں پہنچتے جب تک حضرتؒ کا تقرر نہ ہوجاتا ایک عجیب سی بے چینی اور بے کیفی رہتی اور جیسے ہی پتہ چلتا کہ حضرتؒ مقامات پڑھائیں گے تو طلباء کے چہرے کھل جاتے۔

اَپنے اَخلاق وکردَار کے لحاظ سے حضرت شہیدؒ ایک فرشتہ صفت اِنسان تھے، مرنج مرجاں طبیعت پائی تھی، حلم ووقار اور جود وسخا اُن کا خاص جوہر تھا، خلقِ خدا کی ہمدردِی و نفع رَسانی اُن کا طبعی ملکہ تھا، وہ اَپنے اَعلیٰ اوصاف واَخلاق اور علمی کمالات کی وَجہ سے طلباء کی نظر میں محبوب ومحترم تھے۔

حضرتؒ کی شہادَت اہلِ حق کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم اور اُن کے رُفقاء کو دَرجاتِ عالیہ عطا فرمائیں اور تمام متعلقین وپسماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائیں۔ آمین

……

آہ! ظلم و جور کی بے رحم آندھیوں نے علوم و فنون کے ہنستے بستے چراغ گل کر دِیئے

عبدالحلیم

قدم قدم روش روش یہاں لہو وہاں لہو
میں کیا بتاؤں یہ حادثہ کہاں کہاں گزَر گیَا

بیشتر لوگ زِندگی گزَار کر دَارِ بقا کے مہمان بنتے ہیں اور دُنیا کے نقشے سے بھولے خواب کی طرح مٹ جاتے ہیں، جب کہ بعض مردَانِ جلیل و اَصحابِ عزیمت ایسے بھی ہیں کہ جو مرنے کے بعد بھی زِندہ رہتے ہیں، اُن کی حیاتِ مستعار کا ہر ہر لمحہ آئندہ آنے وَالی نسلوں کے لیے قندیل رہبانی بن جاتا ہے اور اُن کے اَقوال و اِرشادَات کا ہر ہر لفظ دِلوں میں اِیمان و اِیقان کا شعلہ فروزاں کرتا رہتا ہے، اسی قافلہ کے مہر منور تھے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ۔

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ اُن لوگوں میں سے تھے، زِندگی جن کے نقشِ پا سے رَاستے ڈُھونڈتی ہے، قومیں اُن کے نور سے روشنی پاتی ہیں، اِنسانیت اُن سے غازۂ حسن مستعار لیتی ہے، شرافت اُن پر ناز کرتی ہے، محبوبیت اُنہیں دیکھ دیکھ کر اَپنا گیسو سنوارتی ہے، ایوانِ علم اُن کے بہار آفریں وجود سے گل و لالہ بن جاتا ہے، مجروح قلوب اُن کے انفاس سے مرہم شفا پاتے ہیں، بے کس و درماندہ اَفراد اُن کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیتے ہیں، وہ شمع کی مانند خود پگھلتے ہیں، مخلوقِ خدا پر ضوفشانی کرتے ہیں، خود جلتے ہیں اور دُوسروں کو جلا بخشتے ہیں، خود بے چین و بے قرار رہ کر دُوسروں کو رَاحت وسکون فراہم کرتے ہیں، اُن کے آئینۂ رُخِ زیبا میں دِین و دُنیا کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے'' ''اُن کی دِیدہ دِل کو سرور اور آنکھوں کو نور کرتی ہے، اُن کی محفل سکینت جنت کا نمونہ پیش کرتی ہے، وہ خاموش ہوں تو ہیبت و

وَقار پا ا ھے پہرہ دیتے ہیں، بات کریں تو موتی رولتے ہیں، مسکرا تو پھول برساتے ہیں، ز کریں تو آسمان سے صدائے لبیک آتی ہے، ا تو عرشِ اِلٰہی کا پ جاتا ہے، دُ سے یہ بھی جاتے ہیں اِس شان سے جاتے ہیں کہ چہار سو صفِ ماتم بچھ جاتی ہے، آسمان و زمین نو کرتے ہیں، اِ کا پ چم سرنگوں ہو جاتا ہے، زمانہ تاریخ کی کروَٹ بدل دیتا ہے اور قصرِ ملت میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ آہ! حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے چہیتے فرز نسبتی اور حضرت مولانا عبدالعزیز رَائے پوریؒ کے لاڈلے ومحبوب خلیفہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ شہید ہو کر ہماری وں سے اوجھل ہو گئے، ملت کا صبر وسکون بھی ساتھ لے گئے۔ اِس سا پ کون اَشک ر نہیں؟ کون دِل فگار نہیں؟ کہ جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رُوحِ رواں رُخصت ہو گئے۔

یکم ر ۱۴۱۸ھ وزِ اتوار رَات آٹھ بجے کی خبروں میں بی بی سی نے بتلا کہ کراچی میں مسلک دِیوبند کے ۳؍ علماء کو شہید کر دِ ، جن میں ر الجامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا کا م بھی لیا ، چنانچہ اِس خبر کا ہی تھا کہ میرے ساتھیوں کی بھری محفل دَم بخود رہ گئی اور بالخصوص میرے قلب وجگر پ آہنی دَھار کی طرح نشتر بن کر لگی، کیو بندہ شا د ہونے کے ساتھ ساتھ حضرتؒ کی علمی وفنی عظمت کا شناوَر تھا معاً بحکمِ شرع زبان پ کلمہ اِسترجاع آ ،

یوں تو پیغامِ اَجل حق ہے کہ ہم کو اس پ خطر وَادِی سے ر ہے علماء رَبانی کی جما سے اِنتہائی زِ ک اور بلند پ یہ عالم دِین جو علومِ عالیہ وفنونِ اِلٰہیہ کا مرقع اور ماضی کے دَرخشندہ رِوَایت کا اَمین تھا، اُس کا اُٹھ جا بہت ہی بڑا علمی و عالمی نقصان ہے، اور کسے گفت:

کے تحت قاتلین اَپنے کیے کی سزا پ گے یہاں نہیں تو محشر میں لامحالہ:

ا کے سامنے اُن کو بھلا کیونکر چھپاؤ گے
یہ قطرے خونِ شہداء کے جو ز یہ داماں ہو گئے

نیز یہ شیفتگانِ دَراہم ودَ جو ملک کے وَالی ہیں اُن سے بھی پوچھ گچھ ہوگی، جن کی حکومت میں آئے دِن علماء وطلباء کے خونی حادثات ہو رہے ہیں اور حکومت وَقت م وجھول کے پ دوں میں بیٹھی ہے کہ اُن کے ہاں اِتنے بڑے سا پ کوئی نتیجہ خیز کارروَائی نہیں ہوتی۔ ۔

حضرت مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا ب ۱۹۹۳ء کے آغاز میں جامعہ اِسلامیہ اِمدادیہ، گلشن اِمداد، ت نہ روڈ، فیصل آ ب د، صوبہ پنجاب تشریف لائے تو ز ہے مقدر ہمارِی صحیح مسلم اِختتام میں تھی، جس کی آ ی حدیث حضرتؒ نے پڑھائی اور مجملاً بحث کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے اَپنا ای وَاقعہ سنا یہ جواَب مجھے یاد ہے، فرمایہ کہ میں ای مرتبہ تبلیغی جما ت کے ہم رَاہ سندھ کے ای گاؤں میں َ ی، وَہاں بجلی کا اِنتظام نہ تھا، ہمارِی جما ت ای خستہ حال مسجد میں ٹھہری، شدت کی َ می تھی، دوپہر کو قیلولہ کے لیے یٹ ہی تھے کہ پسینے سے شرابور ہو گئے تو میں اُٹھ کر بیٹھ َ ی اور پیشانی سے چند قطرے ٹپکائے ت کہ آ یت : کے تحت کل قیامت کے دن مسجد کی زمین شہادت دے کہ اے اِلٰہی حبیب اللہ یہاں تیرے دِین کی اِشا ت کے لیے آ ی تھا۔

بہر کیف حضرتؒ دَارِ فانی سے دَارِ ب قی اور فصل سے وَصل میں چلے گئے چمن علم کی حا ت زار یہ ہے کہ:

تیرے جانے سے چمن میں اِس طرح چھائی اں
ہر کلی ہے نو َ ہر پھول کے آ رَواں

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضرت مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا ب اور اُن کے رُفقاء کو جوارِ رحمت میں جگہ ہو۔ ۔

……………………

ر العلماءؒ

مولانا فضل اللہ

(جامعہ اِسلامیہ لکی مروَت)

حضرت مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ محدثُ العصر حضرت بنورِیؒ کے دَاماد تھے، وہ ایک بلند پایہ اور مایۂ ناز محدث مفسر اور فقیہ تھے وہ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مہارت رَکھتے تھے۔ حضرتؒ سالک بھی تھے سلوک کے منازِل طے کر کے حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رَائے پورِی نورَ اللہ مرقدہٗ کی طرف سے خلافت سے نوازے گئے۔

جامعہ علوم اِسلامیہ بنورِی ٹاؤن میں تقریباً ۴۰/۳۵ ملکوں کے طلباء کرام پڑھتے ہیں اور مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی زیر نگرانی ۱۰/۸ دُوسرے دِینی اِدَارے بھی چلتے تھے، ایک علمی اِدَارہ ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ للبنات'' بھی اُن کی زیر نگرانی تھا۔ وہ طلباء کرام سے اِنتہائی شفقت ومحبت کے باوجود نگرانی میں چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔

حضرتؒ ایک خلیق، متواضع، مخلص، متقی اور ملنسار اِنسان تھے وفاق المدارِس کے ناظم اَعلیٰ تھے، وہ ایک مصنف، مؤلف اور اَدِیب تھے، آپ کی تصنیفات عام فہم دقائق و غرائب سے مملو ہیں، دِل چاہتا ہے کہ ہر وقت ان کی تصنیفات کے مطالعہ میں لگا رہوں۔ گنج ہائے گراں مایہ تصنیفات کی تقسیم کے لیے ایک رجسٹر بنا رَکھا تھا، جس میں دِیگر علماء کرام کے ساتھ بندۂ گنہ گار کا نام بھی دَرج تھا۔

رجسٹر میں دَرج اَسماءَ گرامی وَالے علماء کرام کو ہر ایک تصنیف مفت ملتی تھی، سخاوت کی اِنتہاء تھی اور نظم وضبط مثالی تھا، اِدَارے کو ایسے کنٹرول میں رَکھا تھا کہ اِدَارے کے ہر اُستاذ اِنتہائی محنت و پابندی سے پڑھاتے تھے، طلباء کی حاضری کا نہایت اہتمام ہوتا تھا، اُن کے شاگرد اور اِدَارے کے فیض یافتہ علماء کرام پورِی دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت بنورِیؒ سے عشق تھا، اُن کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی عشق و محبت تھی، کئی بار خصوصی مجالس میں ایسے وَاقعات بیان کیے جو کہ حضرت بنورِیؒ سے وَالہانہ عشق و محبت کا نمونہ تھے۔

ایک بار فرمایا کہ بیمارِی اور آرَام کو میں جانتا بھی نہ تھا، سارِی رَات مطالعہ میں گزر جاتی، ایک بار بخار کی کیفیت تھی، مجھے مطالعہ سے منع کیا گیا تھا، لیکن میں نے کسی کی نہ مانی، سخت بیمارِی اور بخار میں بھی مطالعہ میں لگا رہا۔ انگریزی دَوَاؤں سے متنفر رہا۔

حضرتؒ کی شہادَت پر پورِی دُنیا کے مسلمان خصوصاً علماء کرام، مشائخ عظام اور طلباء کرام حسرت و افسوس سے رو رہے ہیں، مدارِس میں قرآنِ پاک کے ختمات ہو رہے ہیں، علماء کرام اور سالکین یتیم ہو گئے کہ قیامت تک ایسا مشفق و مہربان شیخ نہیں ملے گا۔

ضلع لکی مروَت میں حضرتؒ کی شہادَت پر تمام مدارِس بند ہو گئے، علماء کرام، طلباء کرام اور دِین دَار لوگوں نے بالاتفاق ایسا فقید المثال مظاہرہ کیا اور تعزیتی جلسہ منعقد کیا کہ لکی مروَت کی تارِیخ میں ایسا کامیاب مظاہرہ اور جلسہ ہوا نہ آئندہ اُمید ہے۔

جلسہ میں تمام شرکاء دَھاڑَیں مار کر رو رہے تھے، عالم و طالب علم، خواص و عوام، مقتدی و مقتدیٰ، سالک و شیخ، حاکم و محکوم سب گریہ کناں اور سر بگریباں حیران و سرگرداں تھے، زمین افسردگی میں ڈوبی ہوئی گویا سارِی کائنات پر ایک اندھیرا سا چھایا ہوا تھا۔

تفصیلات کو دل چاہتا ہے کہ لیکن رسائل والے طوالت اور زیادتی کی معذرت پیش کریں گے، حضرتؒ کی پاک زِندگی پر ضخیم کتاب تحریر کی جا سکتی ہے، اللہ کریم مرحوم کے صاحبزادگان، صاحبزادیوں اور دِیگر رِشتہ دَاروں کو صبر جمیل اور اَجر جزیل نصیب فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس خاندان کی حفاظت فرمائے۔ حضرت بنورِیؒ نے ایسے دَاماد منتخب کیے تھے کہ ہر ایک کامل وَلی، علم کا سمندر، اِخلاص و محبت کا قلندر اور تقویٰ و دِیانت اور اَمانت و صداقت کا پیکر مجسم تھا۔

……………………

چند واقعات

مولانا سیّد محمد زین العابدین

''مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ'' عجیب وغریب صفات کی مالک ایک ایسی شخصیت کا نام تھا کہ آج اُن کی شہادت کو قریباً ۲۰/سال کا عرصہ گزر رہا ہے، اگرچہ ان کی حیات پر اب تک کوئی کتابچہ بھی نہیں آسکا اس کے باوجود آج بھی ان کے حیرت انگیز کارنامے، ان کی مستقل مزاجی، ان کی فراست ومتانت اور ان کے تدبر وحلم سے بھرپور اور بیش بہا صفات سے مزین واقعات وحالات زبان زد عام ہیں، آج کی مجلس میں انہی کچھ واقعات کا تذکرہ کرنا چاہوں گا۔

شومیِ قسمت یہ ہے کہ اس ناچیز نے مولانا شہیدؒ کی زیارت نہیں کی، البتہ جن اساتذہ سے بندہ نے وسطانی درجات کی کتب پڑھیں، ان میں سے اکثر مولانا شہیدؒ کے شاگرد ہیں، اس اعتبار سے وہ بھی ایک واسطے سے بندہ کے اُستاذ ہوئے، اپنے اساتذہ سے اس قدر متواتر اور محبت وعقیدت کے انداز میں مولانا شہیدؒ کے دل آویز واقعات بندہ نے سنے جو دل پر نقش ہوگئے، لیجیے آپ بھی ان واقعات سے لطف اندوز ہوں۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کی ایک عادت یہ تھی کہ ہر ایک کی جائز شکایت دور فرماتے تھے، چاہے شکایت کرنے والا درجہ کے اعتبار سے کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، جیسا کہ ایک بار ایک طالب علم نے جامعہ بنوری ٹاؤن کے باہر ایک ممنوعہ جگہ پر بائیک پارک کی، قریب کھڑے چوکیدار نے اس کو منع کیا، طالب علم نے سنی ان سنی

کردی، چوکیدار نے فوراً اس کو گالی دی، یہ طالب علم مولانا شہیدؒ کے پاس پہنچ گیا، مولاناؒ نے چوکیدار کو بلوایا اور فرمایا کہ: اس کو گالی دینے کی معقول وجہ بتاؤ ورنہ بوریا بستر اُٹھاؤ اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔ چوکیدار کے پاس معقول عذر نہیں تھا، نتیجتاً اپنے کیے کی سزا بھگتنا پڑی۔ اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولاناؒ کسی کی بھی سنگین غلطی پر رو رعایت کے قائل نہیں تھے، اور اپنے فیصلے پر فوراً عمل درآمد فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اس قصہ سے واضح ہے کہ وہ طلباء سے بہت ہی محبت وشفقت کا رویہ رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر وبیشتر جامعہ اور شاخ ہائے جامعہ میں طلباء کو دی جانے والی سہولتوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ایک بار جامعہ کی سب سے قدیم اور بڑی شاخ مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمرؓ سہراب گوٹھ اچانک تشریف لے گئے، دوپہر کے کھانے کا وقت قریب تھا، فوراً مطبخ میں چلے گئے اور جا کر روٹیوں کو چیک کیا اور اس کے تین حصے کر دیئے اور باورچی کو بلا کر فرمایا کہ اتنی روٹیاں جلی ہوئی ہیں، اتنی کچی ہیں اور اتنی پکی ہوئی ہیں، پھر پوچھا ایسا کیوں ہے؟ کیا تم پر کام کی زیادتی ہے؟ کیا تمہارا مشاہرہ کم ہے؟ جو جائز شکایت ہے اس کا ازالہ کیا جائے گا، لیکن طلباء کے کھانے میں زیادتی برداشت نہیں کی جائے گی، آئندہ ایسا ہرگز نہ ہو۔ پھر اچانک کسی موقع پر تشریف لے گئے، دیکھا وہی حال ہے، باورچی کو سہراب گوٹھ کی مرکزی سڑک پر لا کر چلتے ٹینکر کے نیچے ڈالنے لگے، اساتذہ نے روکا اور عرض کیا حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا: پہلے اس سے کہا جو تیری جائز شکایت ہیں بتا دے، اس کا ازالہ کروں گا، لیکن طلباء کی روٹیاں صحیح پکاؤ، یہ پھر کوتاہی کرتا ہے، کیا اس کو پوری تنخواہ نہیں ملتی؟ کیا یہ طلباء اپنے گھر سے فارغ ہیں؟ کیا یہ یتیم، مسکین ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ اس کو پوری تنخواہ ملتی ہے، اور یہ طلباء ان میں سے اکثر کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی یہ مہمانانِ رسول ہیں، ان کے ساتھ ایسی زیادتی ہرگز برداشت نہیں کی جائے گی، اس لیے تنبیہاً ایسا کیا۔

مولاناؒ کے اندر ایک کمال یہ تھا یہ کسی کا بوجھ ادارہ پر نہیں ڈالتے تھے، یہی وجہ ہے

کہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس ایک کوئی اعزازی رسالہ ی ت جاری کروانے کے لیے آتا تو فوراً فرماتے کہ بھائی ی ت دفتر وہاں موجود ہے، وہاں جائیے وہ جاری کرنے کے لیے جیسا طریقہ بتائیں اس پر عمل کیجیے۔ یعنی زر رسالانہ کے عوض جاری کروائیے۔

مولاناؒ دینی دنیوی ہر کام میں بہت ہی عمدہ ذوق رکھتے تھے، ہمارے استاذ صاحب نے بتلایا کہ ایک بار عید کے دن میں مولانا شہیدؒ کے گھر پر ان سے ملنے کے لیے حاضر ہوا، انہوں نے خاطر تواضع کے لیے مختلف چیزیں رکھیں، من جملہ اُن میں سے کیک بھی تھا، میں کیک کو چھری سے کاٹنے لگا تو دیکھتے ہی فرمایا: نہیں، نہیں! آپ کو کیک کاٹنا نہیں آتا، یہ میں نے اپنے بیٹے یاسر کو سکھایا ہے، یہ آپ کو کاٹ کر دے گا، چنانچہ صاحب زادہ صاحب نے بہت عمدہ انداز میں کیک کاٹا جس سے کیک ضائع بھی نہیں ہوا اور اچھے انداز میں الگ بھی ہوگیا۔ یہ تھا مولاناؒ کے ہر کام کا سلیقہ۔

اسی طرح ایک بار مولاناؒ کے مہمان آئے تو جناب قاری محمد اقبال صاحب کو بھیجا کہ بنس روڈ پر فلاں دکان سے گول گپے لے آئیں، بہت اچھے ملتے ہیں، قاری صاحب چلے گئے۔ جب واپس آئے اور دفتر میں داخل ہوئے تو تھیلی پر پہلی نظر پڑتے ہی مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ قاری صاحب! جہاں سے میں نے کہا تھا آپ وہاں سے نہیں لائے، قاری صاحب نے عرض کیا، جی حضرت! وہ دکان بند تھی یا کوئی اور وجہ بتائی۔ غرض مولانا ہر چیز کا ایک اعلیٰ اور انفرادی ذوق رکھتے تھے، جس سے دوسرے لوگ بھی محظوظ ہوتے اور فیض یاب ہوتے۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولاناؒ اعلیٰ درجہ کی دور بینی اور عقابی نظر رکھنے والے اور حاضر دماغ انسان تھے، یہی ہمارے استاذ صاحب ایک بار فرمانے لگے کہ مولاناؒ چونکہ چاول تناول نہیں فرماتے تھے اس لیے ایک بار جب میں نے مولاناؒ کی اپنے گھر میں دعوت کی تو چاول بنانے سے احتراز کیا، لیکن میٹھے میں کھیر بنائی گئی تھی، میرے ذہن میں نہیں رہا کہ اس میں چاول ڈلتے ہیں، کھانے سے فراغت کے بعد میں نے مولاناؒ کو کھیر پیش کی تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ: بھائی یہ تو چاول سے بنتی ہے۔

مولانا شہیدؒ کو حضرت بنوریؒ سے بڑی محبت تھی، ایک صاحب نے بتایا کہ: محبت کا عالم یہ تھا کہ حضرت بنوریؒ کے ڈاڑھی کے چند بال، حضرت بنوریؒ کے چند دستخط اپنی ڈائری میں محفوظ کر رکھے تھے، اور جب حضرتؒ کی یاد آتی تو ان دیکھتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہو جاتی، حضرت بنوریؒ کو بھی اپنے محبوب داماد و شاگرد سے بڑی محبت تھی، سفر و حضر میں ساتھ رہتے، تصنیف و تالیف کی خدمت میں اپنے ساتھ جوڑتے، ناظم تعلیمات مولانا فضل حق صاحب نے بتایا کہ چونکہ مولانا حبیب اللہ صاحب شہیدؒ چائے نہیں پیتے تھے، اس لیے حضرت بنوریؒ کی خدمت میں جب بھی مہمانوں کے لیے چائے آتی تو مولانا حبیب اللہ صاحب شہیدؒ کے لیے دودھ آجاتا، تو ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! مولوی حبیب اللہ صاحب تو چائے پیتے ہی نہیں تو حضرت بنوریؒ نہایت ہی محبت سے فرماتے کہ: یہ میرا دودھ پیتا بچہ ہے۔

مولانا حبیب اللہ صاحب شہیدؒ کے دورِ اہتمام میں جب کوئی ان سے کہتا کہ ماشاء اللہ آپ کے زیرِ نگرانی جامعہ ترقی کی طرف رواں دواں ہے تو فوراً فرماتے کہ بھائی یہ حضرت بنوریؒ کی قربانی اور اخلاص کا ثمرہ ہے ہمارا کوئی کمال نہیں۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ محض ایک مضبوط عالم ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک شیخ طریقت بھی تھے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ اور حضرت سیّد رضی الدین احمد فخریؒ ایسے بزرگوں سے انہیں باقاعدہ اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر و تقریر میں علم و عمل کے ساتھ ساتھ روحانی برکات و ثمرات کی بھی خوش بو آتی تھی۔

غرض مولانا رحمۃ اللہ علیہ گوناگوں صفات و کمالات کے حامل ایک عظیم شخصیت تھے، تعلیم و تعلم، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، اصلاح و ارشاد، انتظام و اہتمام اور علم و عمل سے بھرپور زندگی گزار کر اس دنیا سے کم عمری میں ہی رخصت ہو گئے۔ حق تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے بہت اُونچے انسان تھے۔

……………………

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

(مشرف شعبۂ تخصص فی الفقہ جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی)

حضرت الاستاذ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار دہلوی شہید رحمہ اللہ کے آباؤ اجداد متحدہ ہندوستان کے شمالِ مغربی سرحدی صوبہ موجودہ ’’کے. پی. کے‘‘ کے پشتون قبائلی علاقے سے ہجرت کر کے کسی زمانے میں ہندوستان کے دَارُالخلافہ دہلی میں وَارِد ہوئے اور کئی پُشتوں سے وہیں آباد رہے، بعد میں آپ کی دہلوی شناخت نسبتِ قبائلی پر غالب آگئی اور آپ کا خاندان دہلوی کہلانے لگا، چنانچہ آپ کے وَالدِ گرامی جناب حکیم محمد مختار حسن خان حاذق دہلویؒ سے پہچانے جاتے تھے، آپ کے ہاں ۱۹۴۴ء کو دہلی ہی میں ایک ہونہار فرزند ارجمند کی وِلادَت ہوئی، جس کا نام اُنہوں نے ’’محمد حبیب اللہ مختار‘‘ تجویز کیا، دہلی کے علمی، تہذیبی اور ثقافتی ماحول میں آنکھ کھولنے وَالے یہ ہونہار فرزند اَپنی عمرِ عزیز کے تیسرے سال میں اَپنے وَالدین اور خاندان کے ہم رَاہ ۱۹۴۷ء کو دہلی سے ہجرت کر کے کراچی میں آکر آباد ہوئے۔

جناب حکیم محمد مختار حسن خان دہلوی رحمہ اللہ نے خاندانی رُسوم و آدَاب کے تحت سن شعور میں دَاخل ہوتے ہی اَپنے اِس ہونہار فرزند کے لیے گھر کے دِینی ماحول کے ساتھ ساتھ دَرس گاہ کے تعلیمی ماحول کا اِنتظام بھی فرمایا اور اُس وَقت کراچی کی قدیم دَرس گاہوں میں مفتی اَعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے قائم کردَہ دَارُالعلوم نانک وَاڑہ (جو بعد میں جامعہ دَارُالعلوم کراچی کہلانے لگا) میں اِبتدائی دِینی

تعلیم دِلائی، ۱۹۵۴ء میں مدرسہ عربیہ اِسلامیہ نیو ٹ وَن (حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنورِی ٹ وَن کراچی) قائم ہوا تو حضرت علامہ محمد یوسف بنورِی رحمہ اللہ کی تکوینی ورُوحانی کشش جناب حکیم محمد مختار حسن خان رحمہ اللہ کے ہونہار فرز کو بنورِی ٹ وَن میں کھینچ لائی، اُنہوں نے دَرسِ می کے دَرَجاتِ علیا کی تکمیل بنورِی ٹ وَن میں فرمائی، ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء میں سندفرا ت حاصل کی، اور مولوی محمد حبیب اللہ مختار دہلوی بن کر دَرسِ می سے فارِغُ التحصیل ہوئے، پھر حضرت بنورِیؒ کے ایماء پ اَپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے فقہ اور حدی ث میں تخصص کی طرف رُخ موڑا اور دونوں موضوعات میں ادَادصلاحیتوں کے بھرپور جوہر دِکھلائے، دَارُالافتاء میں مفتی اعظم پ کستان حضرت مولا مفتی وَلی حسن خان ٹو رحمہ اللہ کے زی ت ی علمی وتحقیقی فتاویٰ کی تمرین کی اور حضرت مولا علامہ محمد عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ اور حضرت مولا محمد اِدرِیس میرٹھی رحمہ اللہ کے زی سایہ تخصص فی الحدی ث کیا اور ’’ ‘‘ کے عنوان سے حجیت حدی ث پ وَقیع علمی وتحقیقی مقالہ تحری فرما ی، جس کے اِمتیازِی نمبرات کی بناء پ آپ تخصص فی الحدی ث کی سند کے اِعزاز سے نوازے گئے۔

۱۹۶۶ء میں حضرت بنورِی رحمہ اللہ ہی کے حکم پ جامعہ اِسلامیہ مدینہ منورَہ تشریف لے گئے اور چار سال ت وَہاں زی تعلیم رہے، وَہاں چار سالہ ب مکمل کرکے ۱۹۷۰ء میں وَاپس جامعہ تشریف لائے، اُس کے بعد ۱۹۷۳ء میں جامعہ کراچی سے ایم، اے اِسلامیات کی ڈِ ی حاصل کی اور ۱۹۸۱ء میں کراچی یونی وَرسٹی سے پی. ایچ. ڈی (P.H.D) کی ڈِ ی بھی حاصل کی، ساتھ ساتھ اِفتاء کی تمرین اور ت رِیس کا سلسلہ بھی جارِی رہا۔

حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے ساتھ وَ ی گی کے دوطرفہ تعلق کے نتیجہ میں رُوحانی فرز ی کے بعد ۱۹۷۲ء میں نسبتی فرز ی کا اِعزاز بھی پ ی، اور حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے گھر کے فرد اور جامعہ کے ایسے رُکنِ رَکین بن گئے کہ اَپنی خاکستر ہڈ ی ں بھی حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے پہلو میں جامعہ کی مٹی کے سپرد کرو َا !

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

جامعہ سے وَابستگی کا آغاز مدرّس اور رَفیق دَارُ التصنیف کی حیثیت سے ہوا، تدرِیس کے میدان میں اِبتدائی کتب سے شروع ہوکر دَرسِ نظامی کی آخری بڑی کتاب صحیح بخارِی شریف سمیت ہر اَہم کتاب آپ کے زیرِ دَرس رہی۔ ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء میں جامعہ کے ناظمِ تعلیمات اور شیخ الحدیث مولانا مصباح اللہ صاحبؒ کے وِصالِ پُرملال کے بعد بخارِی شریف کے دونوں حصے آپ ہی کے زیرِ دَرس رہے، رَفیق دَارُ التصنیف کی حیثیت سے حضرتؒ نے اَپنے اُستاذ حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے کئی علمی و تحقیقی خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کا اِعزاز پایا، جن میں ’’

’’سرفہرست ہے، جس کی پانچ جلدیں طبع ہوچکی ہیں، اس کے علاوہ پچاس سے زَائد چھوٹی بڑی کتب اور تراجم اَپنے علمی ورثہ میں چھوڑِیں اور یوں حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے دَارُ التصنیف کی رفاقت کے لیے اِنتخاب کو دُرست ثابت کروَایا۔

۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء میں حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے سانحۂ اِرتحال کے بعد اُن کی تحرِیری وَصیت کے مطابق اُن کی زِندگی کے جانشین حضرت مولانا مفتی اَحمد الرحمٰن صاحب نورَ اللہ مرقدہٗ کو جب جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنورِی ٹاؤن کے مسندِ اہتمام کی ذِمّہ دَارِی سونپی گئی تو اہتمام کی نیابت کے لیے حضرت مولانا ڈَاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب شہید رحمہ اللہ کا اِنتخاب بصواب عمل میں آیا اور آپ نائب مہتمم کی حیثیت سے کاروَانِ بنورِیؒ کے حدی خواں بن گئے۔ نیابت کی ذِمّہ دَارِی ایسی سلیقہ مندی اور شائستگی سے نبھائی کہ اِنتظامی مشاغل کو اَپنے علمی و تحقیقی مشاغل پر حاوِی نہیں ہونے دِیا، آپ کی نیابت کی نشست وہی رہی جو آپ کی تحقیق و تصنیف کی نشست تھی، چنانچہ اہتمام کی نیابت کے عرصہ میں آپ کا مشغلہ دَرس اور تصنیف سے ایسا جڑا رہا کہ آپ کی اِنتظامی ذِمّہ دَارِی سے پہلے اور بعد کی زِندگی میں کسی نے کوئی فرق محسوس نہیں کیا۔

۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء میں جب جامعہ کے مہتمم ثانی حضرت مولانا مفتی اَحمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی اَچانک رحلت فاجعہ کا سانحہ پیش آیا تو جامعہ کی مجلس منتظمہ نے ب

دستور تین روزہ مسنون سوگ کے بعد باہمی اِتفاقِ رائے سے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب شہید رحمہ اللہ کو جامعہ کے اہتمام کی ذِمّہ دَارِی سونپی گئی اور حضرت بنورِی رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند جناب مولوی سیّد محمد بنورِی صاحب رحمہ اللہ کو نائب مہتمم مقرر کیا گیا، اُس موقع پر جامعہ کے منصب اہتمام کے ساتھ ساتھ وِفاق المدارِس العربیہ پاکستان کی نظامت علیا کا منصب بھی خالی ہوا تھا، اُس منصب کی ذِمّہ دَارِی اُٹھانے کے لیے بھی مولانا حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ ہی کا اِنتخاب عمل میں آیا، چنانچہ آپ پر بیک وَقت جامعہ کے مہتمم اور وِفاق کے ناظم اَعلیٰ کی ذِمّہ دَارِیاں عائد ہوگئیں۔

بعض لوگ حیران تھے کہ ایک گوشہ نشین محض علمی و تحقیقی ذوق کی حامل شخصیت اِتنی بڑی اِنتظامی ذِمّہ دَاریوں سے کیسے عہدہ برآ ہوسکتی ہے، مگر وَقت نے آپ کے اِنتخاب کو ایسا دُرست ثابت کیا کہ آپ کے حسنِ اِنتظام کی مثالیں دِی جانے لگیں، جامعہ میں آپ کا معمول یہ رہا کہ صبح آٹھ بجے دَرس گاہ تشریف لاتے، شروع میں ایک پھر مسلسل دو گھنٹے دَرس دینے کے بعد دَفتر میں بیٹھتے اور ظہر کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جاتے، ظہر تا عصر گھر میں آرَام کی ترتیب رہتی اور عصر کی نماز کے لیے تشریف لاتے تو پھر رَات کو دیر تک دَفتر میں موجود رہتے تھے، اس دَورَان دَفتری اُمور کے علاوَہ اَپنے تصنیفی و تحقیقی کام بھی سرانجام دیتے، یہ اُن کی زِندگی بھر کا معمول رہا۔

دُوسری طرف ”وِفاق المدارِس العربیہ پاکستان“ کی نظامت علیا کی ذِمّہ دَاریوں کے علاوَہ پورے ملک کے مدارِس سے تعلق و رَبط بھی بے مثال رہا، کبھی بلا اِطلاع دُور دَرَاز علاقوں میں پہنچ جاتے، کبھی وِفاق کے اِمتحانی   کے عنوان سے کراچی سے لے کر سندھ، بلوچستان، پنجاب اور سرحد کے دُور دَرَاز کے اِمتحانی مراکز کا ایک ہی ہفتہ میں معائنہ فرمالیا کرتے تھے، یہ مختصر وَقت کا ہنگامی سفر کتنا مشکل یا کتنا آسان ہے اس کا اَندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اس وَقت اُن کے ہم سفر ہوا کرتے تھے، آپ کی یہ اِنتظامی فعالیت اَپنی مثال آپ ہی ہے۔

بہر کیف! حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ کی ہمہ   شخصیت

کئی پہلوؤں سے پی. ایچ. ڈی کی گنجائش بلکہ ضرورت ہے، میری معلومات کے مطابق بعض جامعات میں آپ کی شخصیت کے علمی و تحقیقی پہلو سے کام بھی ہو رہا ہے۔

مجھے میرا یہ فراموش کردہ سبق ہماری جامعہ کے ای . توفیق، علم دو ت فاضل، عز٠ القدر مولا٠ سیّد زین العا. ین صا . حفظہ اللہ نے ی د دِلا ی، جو حضرت ا ؒ کی حیات و سوانح پ کام کا اِرادہ رَ تے ہیں، اُنہوں نے مجھے بھی اِحساس دِلا ی کہ دِ بعض اَسا ٔہ کرام کی طرح اَپنے اُستاذِ َ امی حضرت شیخ مختار شہید رحمہ اللہ کے . رے میں بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے کلمات یکجا کر دوں، چنانچہ . ادرَم زین العا. ین کی تحر ی و تحریض کی . و ت میں اِس سعادت سے جیسے سہی، ہم کنار ہو رہا ہوں، وَرنہ . ر. ر اَرادہ کے . وجود یہ موقع نہیں مل پ ی تھا، جس کا ای اَوّلین . . یہ بھی رہا کہ ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء میں . آپ کی شہادت ہوئی تو اُس وَقت ہم ”تخصص فی الفقہ“ سالِ اَوّل کے طا . علم تھے، تخصص کا اَگلا سال بھی یوں ہی طا . علمانہ مشاغل میں رہا اور تقرر کے اَوَائل میں یہ شعور٠ پختگی کا شکار رہا، پھر . خیال آ ی تو ہر حادثہ پ انے حادثے کا تسلسل : َ ی۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ا مولا٠ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور اُن کے دُ وآ ٠ ت کے ہم سفر حضرت الاستاذ مولا٠ مفتی عبدالسمیع شہید رحمہم اللہ سے لے کر جامعہ کے تا حال آ ٠ ی شہید . ادرِ َ امی مولا٠ قارِی اِفتخار اَحمد شہید رحمہ اللہ تا تمام شہداءِ بنورِی ٹ ؤن کے خون کی . ت سے جامعہ کو تا قیامت قائم و دَائم رَکھے، اس کے فیض کو جارِی و سارِی فرمائے رَکھے، مزی حادثات سے محفوظ و مامون فرمائے، اور ہمیں اَپنے اَکا . و مشائخ کے نقش قدم پ چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

……………………

بابِ سوم

تصانیف کا تعارف

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کی تالیفات اور تراجم

مولانا حسین قاسم

(استاذ جامعہ دار العلوم کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف مصنف اور محقق تھے بلکہ آپ بیسیوں عربی کتب کے مترجم بھی تھے، حضرت کیونکہ قلم کی جولانی، وقت کی برکت، عربی و اردو ادب جیسی خوبیوں کے مالک تھے، اس لیے اُن کے لیے کسی عربی کتاب کا اردو ترجمہ کرنا مشکل نہیں ہوتا تھا، بس ترجمہ کرتے تھے، ترجمہ کیا بلکہ ہر ترجمہ ایک تصنیف ہے، کیونکہ اس میں پتا نہیں چلتا تھا کہ یہ ترجمہ ہے یا اصل تصنیف ہے، اس لیے کہ حضرت کا ترجمہ اِنتہائی سلیس، معنی خیز اور با محاورہ ہوتا تھا پھر عجیب بات یہ ہے کہ ترجمہ کے بعد زیادہ مراجعت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

آپ عام طور پر اسفار میں کوئی نہ کوئی عربی کتاب جس کا ترجمہ کرنے کا اِرادہ ہوتا ساتھ رکھ لیتے تھے اور کاغذ، قلم بھی۔ پھر فارغ اوقات میں خوب خوب لکھتے، ترجمہ کے دوران کسی لغت وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھی، البتہ کسی لفظ میں شبہ ہو تو اسے چھوڑتے تھے، ایسا بہت کم ہوا ہے۔

مدارسِ دینیہ کی تقریبات میں تشریف لے جاتے تو جیسے ہی وقت ملتا لکھتے رہتے تھے، بلکہ دورانِ تقریب، گاڑی میں، جب بھی دیکھو تو فارغ نظر نہیں آتے تھے۔

حضرت کی عادت تھی کہ جب کوئی تصنیف یا ترجمہ شروع فرماتے تو تاریخِ اِبتداء ضرور لکھتے تھے، پھر مکمل ہونے کے بعد تاریخِ اِختتام، وقت اور جس جگہ مکمل ہوا اس کا نام وغیرہ بھی لکھتے تھے، چنانچہ جب کوئی ترجمہ یا تصنیف کسی مدرسہ میں مکمل ہوئی تو اس کا نام لکھ دیا، اس پر اہل مدرسہ بہت خوش ہوتے تھے، بلکہ وہ فرمائش کرتے تھے کہ حضرت یہیں یہ ترجمہ مکمل فرمالیں تاکہ ہمارے مدرسہ کا نام آجائے۔

ترجمہ اِنتہائی سرعت اور تیزی سے کرتے تھے ایسا بھی ہوا کہ حرم شریف میں ہیں

اور کوئی عربی کتاب اُٹھائی اور عصر اور مغرب کے درمیان وقفہ میں ترجمہ مکمل کرلیا۔

پھر حضرت مولانا رحمہ اللہ عام طور پر ترجمہ پر اِکتفاء نہیں فرماتے تھے بلکہ ضروری شرح بھی فرماتے تھے، شرح پر مغز اور جامع ہوا کرتی تھی۔

ذیل میں حضرتؒ کی گراں قدر تالیفات، تراجم کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

مشہور تصانیف وتراجم کا تعارف

۱-

حضرت بنوریؒ کی طرف سے مامور کردہ کام ’’

’’ کی تخریج کے دوران آپ نے اسی مضمون میں ’’پی. ایچ. ڈی‘‘ کا مفصل مقالہ لکھا جو بعد میں مذکورہ نام پر کتابی شکل میں شائع ہوا۔

۲-

عام طور سے امام ترمذیؒ ہر باب میں حدیث کے متعدد طرق اور ساری روایت ذکر کرنے کے بجائے صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں اور ایک طریق ہی لاتے ہیں، خصوصاً احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث میں، اسی لیے جامع ترمذی میں احادیث احکام کا ذخیرہ کم ہے، البتہ اس کی تلافی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس باب اور موضوع سے متعلق دیگر جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے احادیث مروی ہیں ان کو ذکر کر دیتے ہیں اور اس طرح سے اس موضوع یا اس باب میں جتنے صحابہؓ سے احادیث مروی ہوتی ہیں، ان کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے جو ائمہ اور محققین کے یہاں بڑی قابل قدر خدمت ہے اور ذوق قدیم وجدید دونوں کے لیے بڑی پر کیف خدمت ہے، وہ کسی حدیث سے متعلق ’’ ‘‘ کہہ کر اس استیعاب سے رواۃ کے نام گنوا دیتے ہیں کہ جن کی تفتیش اور تخریج کے لیے ہزاروں صفحات اور بیسیوں بڑی بڑی جلدوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے لیکن پھر بھی بعض اوقات وہ حدیث نہیں ملتی۔

مذکورہ عظیم شاہکار دراصل امام ترمذی رحمہ اللہ کی ’’ ‘‘ والی احادیث کی تخریج ہے جس کی ابتداء خود محدثُ العصر حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنورِی نورَ اللہ

مرقدہٗ نے کی تھی، اس کا نام ”“ رکھا تھا، اور اسے ” لکھی جانے والی تعلیقات کا ذیل اور جامع ترمذی کی بے مثال اور محققانہ شرح “ ” کا تکملہ بنانے کا اِرادہ تھا۔

کتاب کے ہر باب کو تین فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، فصل اول میں حدیث باب اور وفی الباب والی احادیث کی تخریج ہے، فصل ثانی میں دورانِ مطالعہ باب سے متعلق مرفوع اور مرسل روایت جن کی طرف طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ نہیں فرمایا ان کی تخریج ہے اور فصل ثالث میں موقوف احادیث اور آثار کی تخریج ہے، اِس کام کے لیے تقریباً ستر کتب حدیث کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اِبتداء سے ابواب الصوم کا اکثر حصہ مکمل کرلیا تھا، پانچ ضخیم جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، البتہ کئی جلدوں کا مسودہ غیر مطبوع ہے، بحمد اللہ تعالیٰ راقم الحروف کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرتؒ کا کام جہاں رک گیا تھا، وہاں سے اس عظیم دِینی خدمت میں شرکت کی توفیق ملی اور ابواب الصوم کا کچھ حصہ،

اور میں کام کرنے کی توفیق حاصل ہوئی، الحمد للہ علیٰ ذالک جس کا مسودہ کئی سو صفحات پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے قبول فرمائے، جلد از جلد منظر عام پر لانے کی توفیق دے اور اُسے ذخیرۂ آخرت اور تِ عقبیٰ کا ذریعہ بنائے۔ آمین

۳- اسلام اور تربیت اولاد

یہ کتاب شیخ عبداللہ ناصح علوان رحمہ اللہ تعالیٰ کی عربی تصنیف ” “ کا نہایت سلیس، بامحاورہ اور عمدہ اُردو ترجمہ ہے یہ کتاب اولاد کی صحیح اسلامی تربیت اور اصلاح کا بہترین رہنما اصول ہے، جس میں بچہ کی ولادت سے لے کر اس کی روحانی عقلی اور جسمانی قیادت، تربیت اور رہنمائی، اس کی شخصیت کو اخلاقی، نفسیاتی اور معاشرتی اعتبار سے صحیح ڈھالنے اور فرد کے تیار کرنے کے سلسلہ میں بنیادی مباحث، آداب وقواعد، قیمتی اصول، شان دار مشورے اور مضبوط بنیادیں موجود ہیں۔

کتاب اپنے فن میں منفرد ہے صحیح راہ کی جانب رہنمائی کرنے، دینی اُمور کے استیعاب، ذمہ داریوں کی تقسیم، ضرورت وحاجت، مطلوب ومقصود کو پورا کرنے میں کافی ووافی ہے، نیز موجودہ زمانہ کی حالتِ زار، معاشرہ وماحول کے عین مطابق ہے۔

ان شاء اللہ العزیز ہر پڑھنے والے کے لیے روشن منارہ کا کام دے گی، اس میں اپنی اولاد کی ایسی دینی، نیک، صالح اور اخلاقی تربیت اور اصلاح سے متعلق مضامین، مواد اور علمی جواہر پارے ملیں گے جو … عقیدۂ ربانی کی روح، اِسلام کا طرز، قرآن کا بتایا ہوا راستہ، … یہ کی پیش کردہ روشن ہدایت، سلف صالحین کی سیرت و کردار کے موافق اور شریعت اسلامیہ کے منہج ہدایت کے عین مطابق ہو۔

۴-اِصلاحِ معاشرہ اور اِسلام

یہ علامہ شیخ محمد بن سالم بیحانیؒ کی عربی تصنیف کا مطلب خیز اردو ترجمہ ہے، کتاب کیا ہے، ایک انمول خزانہ ہے، خطباء، واعظین، مبلغین کے لیے بے مثال تحفہ ہے، جس میں (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کی ان احادیث مبارکہ کو یکجا کر دیا گیا ہے جن کا موضوع فاضل ترین اعلی اخلاق، بلند ترین آداب، اسلامی قومی عادات واطوار اور دینی اقدار کی طرف دعوت دینا اور برائیاں، شروفساد، کمینہ پن، مذموم اخلاق، رذائل، بری خصلتوں سے اور ان تمام چیزوں سے اِعلانِ برأت ہے جنہیں اہل باطل، مادیت، قومیت، اِلحاد ودہریت پرستوں، یہود ونصاریٰ، کفار ومشرکین نے دِین اِسلام میں داخل کر رکھا ہے جن کا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے قطعاً کوئی تعلق ربط و اِرتباط نہیں۔ مصنف علام نے ذکر احادیث کے ساتھ ساتھ ان سے مستفاد ہونے والے تمام اُمور اور جو مقاصد عوام الناس کے پیش نظر ہیں انہیں صحیح اسلوب اور سہل انداز میں مدلل بیان فرمایا ہے۔

۵-

یہ تشنگان علومِ نبوت، طلباءِ علومِ حدیث کے لیے بہترین خزانہ ہے، قرآنِ کریم کی روشنی میں احادیث طیبہ کا مقام ومرتبہ، اُن کی منزلت واہمیت اور اُن کی حجیت پر منفرد کتاب ہے، حضرت کی یہ تالیف میدانِ تصنیف وتالیف میں پہلی کوشش وکاوش ہے جسے

حضرت نے درسِ می سے فرا ت کے بعد
کے آ ی سال مقالہ کی حیثیت سے مرت کیا تھا۔

کتاب میں موضوع سے متعلق تمام قرآنی آیاتِ مبارکہ، احادی ث طیبہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ت بعین م، ائمہ دِین متین اور علماء محققین کے اقوال جمع کیے گئے ہیں، حضرت بنوریؒ کی حوصلہ افزا تقریظ اور دعائیہ کلمات کے ساتھ منظر پ آ چکی ہے۔

۶- یہ اور قرآنِ کریم

یہ سابقہ کتاب کا اردو ت جمہ ہے۔

۷- مقدس ب تیں

یہ کتاب ان احادی ث طیبہ کا ت جمہ ہے جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور آپ نے اُن کی نسبت حق تعالیٰ شانہ کی طرف کی ہے، اُنہیں احادی ث قدسیہ کہا جا ت ہے، کتاب کے اصل متن کو علماء کرام کی ای جما ت نے مرت کیا ہے، جس میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ت مذی، سنن ئی، سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالک کی احادی ث قدسیہ کو یکجا کر دی ہے اور حاشیہ میں ان احادی ث کی تشریح بھی کر دی گئی ہے نیز کتب مذکورہ کے مولفین کے حالاتِ ز گی بھی سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔

ت جمہ میں حضرتؒ نے احادی ث قدسیہ کے ت جمہ کے ساتھ شرح کا ضروری ضروری وہ حصہ لیا ہے جس کی اردو دان طبقہ کو ضرورت تھی ب قی حصے کو تطویل کے خوف سے ت ک کر دی ۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین مبارکہ کا یہ مجموعہ چو معتبر اور مستند کتب حدی ث سے ماخوذ اور صحیح ت ین احادی ث پ مشتمل ہے، اس لیے ان شاء اللہ اس کا پ ڑھنا ب ش ا. وثواب، ان پ عمل کر دین و د کی ت قی و اقبال، کامیابی و کامرانی اور آ ت میں سر وئی کا ذریعہ ہوگا۔

۸- مسلمان نوجوان

یہ شیخ عبداللہ بن صح علوان رحمہ اللہ کی عربی تصنیف کا معنی خیز اردو ت جمہ ہے

کتاب میں مصنف نے بعض ان وں کی حقیقت بیان کی ہے جو عام طور سے مسلمانوں کی ز ن پ رہتے ہیں مثلاً: مسلمان نوجوان کو کیسا ہو چاہیے، اس کے اوصاف وخوبیاں کیا ہیں، اس کے کا ھوں پ کیا کیا مسئولیات وذمہ دار یں ڈالی گئی ہیں، دین اسلام کی خصوصیات وامتیازات کیا ہیں؟ ان جیسے ط پ بحث کی گئی ہے۔

کتاب کی اہمیت، افادیت، جامعیت اور عمدہ اسلوب وا ازکو دیکھ کر حضرتؒ نے اس کا جمہ کردیا تھا، ۔ کے لیے علمی پو ہے، خصوصاً نوجوانوں، اسلام کے جیالوں، مجاہدوں اور طلباء کے لیے بہترین معلم اور مشعل راہ ہے۔

ان شاء اللہ العزیز اس کتاب کو بنظر غا مطالعہ کرنے والے نوجوان کے ۔ ت و احساسات جاگ اٹھیں گے، وہ بلند ہمتی، اعلیٰ عزائم اور صحیح خیالات وافکار کے مالک ہوں گے اور وہ اپنے سرپرستوں، مربیوں اور اسا ہ کرام کی امیدوں، تمناؤں اور امنگوں پ پورے ا نے کے لیے ۔ وجہد اور سعی کریں گے۔

۹-

یہ امام ابوزکر یحییٰ بن شرف نوویؒ (۶۷۶ھ) کی مشہور کتاب ''

'' کے ان ابواب کا جمہ وشرح ہے جو وفاق المدارس العربیہ پ کستان کے الثانویہ الخاصہ (درجہ رابعہ) کے ب میں داخل ہیں، تعلیم ۔ لغان کے ب میں شامل کی جانے والی کتاب ہے، حضرتؒ نے اسے مدرسہ علم وعمل (تعلیم ۔ لغان کا مدرسہ) کے ب میں داخل کیا تھا۔

۱۰-اعمالِ صالحہ

یہ کتاب حافظ ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد المقدسیؒ (المتوفی ۶۴۶ھ) کی عربی لیف کا اُردو جمہ ہے، کتاب میں ارکانِ اِسلام، ز، زکوٰۃ، روزہ، حج، طہارت، جہاد، شہادت، نکاح، تلاوتِ کلامِ پ ک، علم، ذِکر واذکار اور دِ حسنات، نیکیوں اور اعمالِ صالحہ کے فضائل وثمرات سے متعلق گلدستہ احادِ ث ہے، نہا ہی عمدہ کتاب

ہے، مردوں وعورتوں کے لیے یکساں مفید ہے۔

اِس کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مجلس (یہ اِصلاحی مجلس جو روزانہ عصر ومغرب کے درمیان جامعہ کے پارک میں ہوتی تھی، اُس میں اساتذہ اور طلباء بیٹھتے تھے، لیکن حضرتؒ کی مصروفیت کی وجہ سے آخر تک اُس کا سلسلہ جارِی نہ رہ سکا) میں پڑھنے کے لیے اس کتاب کو منتخب فرمایا تھا۔

١١- اِسلامی آدابِ معاشرت

یہ حضرت مولاناؒ کی تالیف ہے، کتاب میں اسلامی اقدار، آداب، اخلاق عادات واطوار، تصحیح، نیک وصالح ماحول ومعاشرہ اور دینی تہذیب وتمدن سے متعلق احادیث کو یکجا کردیا گیا ہے، جو مستند کتب احادیث، صحاح، مشکوٰۃ المصابیح، ترغیب وترہیب، رِیاض الصالحین، احیاء العلوم، تنبیہ الغافلین اور بستان العارفین سے ماخوذ ہیں۔

کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کردیا ہے، پہلے حصے میں سات ابواب ہیں (١) سلام (٢) اِجازت طلب کرنا (٣) مصافحہ ومعانقہ (٤) احترام کے لیے کھڑا ہونا (٥) بیٹھنے، سونے، چلنے (٦) چھینک، جمائی (٧) ہنسی کے آداب واحکام، دوسرے حصے میں نام وکنیت، فصاحت وبلاغت، شعروشاعری، زبان کی حفاظت، غیبت، گالی گلوچ، وعدہ اور مزاح، تیسرے حصے میں فخر ومباہات، عصبیت، صلہ رحمی، حسن سلوک، شفقت ورحم، اللہ جل شانہ کے لیے محبت، قطع تعلق، لڑائی جھگڑے، دوسروں کی کمزوریاں تلاش کرنے سے متعلق مضامین ہیں اور چوتھا حصہ احتیاط، سوچ سمجھ کر کام کرنا، نرمی، حیاء، خوش اخلاقی، غصہ، تکبر، ظلم اور سے متعلق احادیث مبارکہ پر مشتمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم کی رہنمائی اور ہدایت پر مشتمل ان مبارک انفاسِ قدسیہ کو پڑھیے، ان پر عمل کرنے اور آپ کے اسوۂ حسنہ پر اخلاص سے چلنے سے ہماری ذلت ورسوائی عزت ونیک نامی سے اور بربادی وویرانی خوش حالی اور غلبہ اسلام سے تبدیل ہوسکتی ہے۔

١٢- تباہی کا سامان

یہ فقیہ علامہ ابواللیث سمرقندیؒ کی عربی تالیف ”

'' کا ترجمہ اور شرح ہے، اس کتابچہ میں صاحبِ کتاب نے نماز چھوڑنے، شراب نوشی، زنا، لواطت، سود خوری، نوحہ، زکوٰۃ نہ دینے، قتل، والدین کی نافرمانی کی سزا اور سامان لہو ولعب اور گانا بجانے کی حرمت سے متعلق احادیث کا ذخیرہ جمع کیا ہے، حضرت مولانا مرحوم نے موضوع کی اہمیت وافادیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے اسے اُردو میں منتقل کردیا اور ساتھ ہی اس کی شرح بھی کردی، کتاب میں بعض ضعیف احادیث بھی آگئی ہیں، اِس لیے ایسے موقع پر اصل مراجع کی طرف رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

۱۳- مجموعہ سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق ایک عربی تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے ۲ حصوں پر مشتمل ہے صفحات ۸۳۴ ہیں اصل متن شیخ محمد احمد مانق کی زیر نگرانی رکھا گیا ہے۔ کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی (مولد نبوی، نشوونما، وحی اِلٰہی، دعوت کی اِبتداء، ہجرت، جہاد، غزوات، رحلت نبوی) وغیرہ ساری چیزیں مفصل بیان کی ہیں، حضرت مولانا نے اپنے اُستادِ محترم حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ کی ترغیب وحکم پر اس کا ترجمہ کیا۔ سیرت نبویہ کا یہ عظیم مجموعہ ان خوش نصیب ہستیوں کے لیے بہترین سرمایہ ہے جو اپنے نونہال بچوں کی تربیت واِصلاح کے خواہاں ہیں، اُن کی گھٹی میں تعلیماتِ نبویہ ڈالنا چاہتے ہیں اور سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور اُن کے لیے اچھا عملی نمونہ اور مشعل راہ بنانا چاہتے ہیں۔

۱۴- مختصر تربیت اولاد

یہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی کتاب ''اِسلام اور تربیت اولاد'' کا اِختصار ہے، جس کا تعارف پہلے ہوچکا ہے، یہ مختصر کتاب صرف ۳۲۶ صفحات پر ہے، اسلام اور تربیت اولاد چونکہ ضخیم اور طویل کتاب ہے، کتاب کی طوالت بعض مرتبہ اُس سے فائدہ اٹھانے میں رکاوٹ بنتی ہے اور بعض احباب اور بزرگوں کی طرف سے بھی اُس کے اِختصار کا شدید تقاضا ہوا، اِس لیے حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اس کو مختصر کیا، تاکہ یہ گوہرِ نایاب ہر گھر

میں ہواور ہر شخص اس کو پڑھے، اس سے فائدہ اٹھائے اور اسے سمجھے۔

۱۵-المختار

حضرتؒ کی یہ تالیف جو ساڑھے چھ سو صفحات پر مشتمل ہے، امام محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی کتاب ” “ کی شرح ہے، حضرت نے جامعہ علوم اِسلامیہ بنوری ٹاؤن کے بعض اساتذہ کرام کے اصرار پر اس کا ترجمہ کیا اور ساتھ ہی اس سے متعلق فقہی مسائل و خواص بھی لکھ دیں، شرح میں فقہی مسائل ، ، وغیرہ سے لیے گئے اور مختلف مواقع پر فقہی جزئیات کتب فتاویٰ سے اخذ کیے گئے ہیں، ترجمہ کی سلاست اور خوش اسلوبی کو دیکھتے ہوئے حضرت سے اجازت لے کر حضرت مفتی حفیظ الرحمٰن صاحب (اُستاذِ حدیث دارالعلوم سعیدیہ اوگی، ضلع مانسہرہ خیبر پختونخوا پاکستان) نے اپنی تالیف ” “شرح کتاب الآثار میں شامل کرلیا۔

حضرت مولاناؒ اپنی اس کتاب میں ایک کمی شدت سے محسوس کرتے تھے اور وہ مشکل الفاظ کا حل تھا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور وہ کمی پوری نہ ہوسکی۔ راقم السطور کا ارادہ ہے کہ جب بھی فرصت ملے گی تو حضرتؒ کی یہ حسرت پوری کرنے کی کوشش کی جائے گی، ، ان شاء اللہ العزیز یہ شرح مرحلہ عالیہ درجہ سادسہ کے طلبہ کے لیے بہترین معاون ومدد ثابت ہوگی۔

۱۶-عبرت کا سامان

اس کے تعارف میں سابق مدیر بینات مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ لکھتے ہیں:

> ”اِمام ابوعبداللہ محمد بن اَحمد بن ابی بکر القرطبیؒ متوفی ۶۷۱ھ کا تذکرہ اہلِ علم کے ہاں کسی تعارُف کا محتاج نہیں، علامہ قرطبیؒ نے اَپنے تذکرہ میں زہد و رِقاق، موت، مابعد الموت، وجہنم اور فتن سے متعلق اَحادیث وآثار جس خوب صورتی اور جامعیت کے ساتھ دَرج فرمائی ہیں، اُس کی مثال نہیں، اُس کی اِسی جامعیت، حسنِ ترتیب اور اِفادیت کے پیش یہ ہمیشہ اہلِ علم کے ہاں مقبول ومحبوب رہا ہے۔ چناں چہ اس کی اسی اَہمیت کے پیش علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اُس کی تلخیص بھی فرمائی۔

پیشِ نظر کتاب اِسی تلخیص کا ترجمہ ہے جس کو ہمارے مخدوم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ نے نہایت خوب صورت، عام فہم اور سلیس اُردُو کے قالب میں ڈھال کر عامۃ المسلمین اور خصوصاً اردو خواں طبقہ کے لیے عبرت کا سامان فراہم کیا ہے۔

یہ کتاب اِس سے قبل حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی حیات میں شائع ہوئی تھی، عجلت کی وَجہ سے اِس میں بعض اِصلاح طلب اُمور موجود تھے، چناں چہ حضرت مرحوم نے اَپنے متعلقین سے فرمایا کہ: جب تک میں اِس پر نظرِ ثانی نہ کرلوں اِسے دُوبارہ شائع نہ کیا جائے۔ اَفسوس کہ وہ اَبھی اِس پر نظرِ ثانی نہ کر پائے تھے کہ شہادت گاہِ اُلفت میں قدم رَکھ کر عالمِ آخرت کو تشریف لے گئے، یوں یہ کتاب آج تک نظرِ ثانی کے اِنتظار میں تھی کہ اُن کے فرزندِ نسبتی، نوجوان عالم دِین جناب مولانا فصیح اَحمد صاحب (اُستاذ شاخ جامعہ بنورِی ٹاؤن، کراچی) نے کمر ہمت باندھی اور اِس پر نظرِ ثانی کر کے اسے دُوبارہ منصۂ شہود پر لے آئے۔

بلاشبہ اَب کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب ممکنہ حد تک اَغلاط سے مبراء ہے، مولانا فصیح اَحمد صاحب نے اِس میں اَلبتہ یہ ایک اِضافی کام کیا ہے کہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ کی کتاب 'شخصیات وتأثرات' جلد دوم سے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ پر لکھے گئے سوانحی خاکہ کو بھی دَرج کر دِیا ہے۔ یوں قارئین ایک ہی کتاب میں حضرت مؤلفؒ کی شخصیت اور اُن کے علمی کارناموں سے بھی آگاہ ہوجائیں گے، کتاب کے مطالعہ سے اَندازہ ہوا کہ اَب بھی کہیں کہیں اِس میں کچھ قابلِ اِصلاح چیزیں موجود ہیں۔ اَچھا ہوتا کہ کتاب کے ٹائٹل اور بیک ٹائٹل پر قرآنی آیت نہ دِی جاتیں کیونکہ ایک تو بےاَدبی کا اَندیشہ ہے، دُوسرے ضرورِی نہیں کہ مطالعہ کرنے وَالا ہر وَقت باوضو ہو۔ اَگر خدانخواستہ کوئی قارِی باوضو نہ ہوا تو اُسے قرآنی آیت وَالے ٹائٹل کو ہاتھ لگانا کیسے جائز ہوگا؟

بہرحال کتاب ہر اِعتبار سے قابلِ قدر، لائق مطالعہ اور گنجینہ موعظت وعبرت ہے، اُمید ہے اہلِ ذوق اُس کی پذیرائی میں مسابقت سے کام لیں گے۔ (بینات رَمضان ۱۴۲۵ھ نومبر ۲۰۰۴ء)''۔

……

حضرت مولانا کی تصانیف و تراجم کی اجمالی فہرست

نمبر شمار	نام کتاب	نمبر شمار	نام کتاب
١	(عربی)	٢	مناجاتِ سید احمد العلاوی
٣		٤	حالات کی تبدیلی اور وعظ و نصیحت
٥	مقدس باتیں	٦	
٧	(عربی)	٨	غزوۂ بدر (ترجمہ)
٩	مسلمان نوجوان	١٠	·‥ یہ اور قرآن کریم
١١	ہمارا معاشرہ	١٢	اسلامی آدابِ معاشرت
١٣	علماء، مبلغین اور مجاہدین	١٤	شادی میں رکاوٹیں
١٥	جنت	١٦	منتخب ریاض الصالحین
١٧	راہِ ہدایت و عمل	١٨	جنت کی نعمتیں
١٩	اسلام اور مزدور	٢٠	دوزخ
٢١	رسول کریم ﷺ کی پچپن وصیتیں	٢٢	مجموعہ سیرت الرسول ﷺ
٢٣	عورت اور معاشرہ	٢٤	المختار
٢٥	غربت اور فقر و فاقہ	٢٦	قلب
٢٧	فتنے ہی فتنے	٢٨	مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم
٢٩	ہم اور ہمارے اخلاق (ترجمہ)	٣٠	غیرت مند مؤمن باپ کے نام
٣١	اسلام اور تربیت اولاد	٣٢	چالیس حدیثیں
٣٣	جہاد	٣٤	دل کو موم کیجئے
٣٥	(عربی)	٣٦	نام و نمود اور ریا کاری
٣٧	اسلام اور شادی	٣٨	آرزو اور حرص و لالچ
٣٩	جنت کی چالیس راہیں	٤٠	کدھر جا رہی ہو؟

۴۱	اللہ کے پیارے م	۴۲	عقل اور اس کا مقام
۴۳	اطا والدین	۴۴	اخلاقِ حسنہ
۴۵	نصیحتیں اور وصیتیں	۴۶	ہلا و دی
۴۷	خطبات (جمعہ وعیدین، نکاح)	۴۸	دینی دو
۴۹	دو اور ز گی. اۓ اطا او ی	۵۰	ز ی
۵۱	قتل وغارت	۵۲	سرِ تسلیم خم
۵۳		۵۴	یقین وایمان
۵۵	اصلاحِ معاشرہ اور اسلام	۵۶	توکل اور اعتماد
۵۷		۵۸	دجال اور ابن صیاد
۵۹	خوفِ او ی	۶۰	اصلاحِ مال
۶۱	بیماریں ہوں کا کفارہ؟	۶۲	قیامت کی ہول کیاں
۶۳	توکل اور صبر	۶۴	حا روائی
۶۵	علاماتِ قیامت	۶۶	خاموشی اور ز ں کی حفاظت
۶۷	ادعیہ ماثورہ	۶۸	مسجد کے پڑوسی
۶۹	اسماءِ حسنیٰ	۷۰	چھ نمبر
۷۱	امت کے آ	۷۲	اللہ جل شانہ کے ساتھ حسنِ ظن
۷۳	رحمت او ی	۷۴	مومن کا ہتھیار
۷۵	معاشرہ کے سور	۷۶	کامیابی اور کامرانی
۷۷	خانہ دی	۷۸	مجھے ید کرکے تو دیکھو
۷۹	ہوشیار ش	۸۰	مختصر اولاد
۸۱	ہوں کے نقصا ت	۸۲	عبرت کا سامان
۸۳	توبہ کرنے والیاں	۸۴	تواضع اور گوشہ نشینی
۸۵	توبہ واستغفار	۸۶	زہد وتقویٰ

۸۷	ہائے میں مرگئی	۸۸	اعمالِ صالحہ
۸۹	ی اور اُس کے نقصا۰ ت	۹۰	عورت اور پ دہ
۹۱	رفاقت کے آداب	۹۲	روح کی اسی راہیں
۹۳	شکر۰ او۰ ی	۹۴	فضائل قرآن
۹۵	عرش۔ پہنچنے والا	۹۶	
۹۷	مختصر جہادِ ی	۹۸	(عربی)
۹۹		۱۰۰	تلخیص بہشتی زیور (تلخیص)
۱۰۱	(عربی)	۱۰۲	
۱۰۳	(عربی)	۱۰۴	ازدواجی اُلجھنیں اور اسلام میں ان کا حل

حضرت مولا۰ رحمہ اللہ اور تقاریظ ومقدمات

حضرتؒ نے متعدد کتب پ مقدمہ اور تقریظ لکھی ہے ان میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ مقدمة معارف السنن شرح جامع الترمذی لشیخنا العلام البنوری رحمه الله

۲۔مقدمة على كتاب اسلامی قانون شہادت اور مسلم خواتین

۳۔مقدمة على مالابد منه المطبوع بالانكليزية۔

٤۔كلمة على كتاب أهل سنت اور اهل بدعت ا حقیقت کا جا ہ۔

٥۔ مقدمة على موارد الظمآن الى زوائد ابن حبان۔

٦۔مقدمة على مسند الإمام أبی حنيفة۔

۷۔مقدة على الفقه على مذاهب الأربعة للشيخ عبد الوهاب زاهد الحلبی۔

۸۔إعراب الجزء الثلاثين۔ ۹۔الأزهار شرح كتاب الآثار۔ ۱۰۔صور من حياة الصحابة۔ ۱۱۔متاعِ وقت۔۱۲۔سوانح حضرت مولا۰ یحییٰ بہاول نگریؒ ۱۳۔إيثار الإنصاف

حضرت مولا۰ اور تصحیح کتب

حضرت مولا۰ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل کتب کی تصحیح فرمائی:

۱۔ معارف السنن شرح جامع الترمذی۔ أجزاء، اشتركت فی تصحيح

الثلاثة الأخيرة بكاملها وفى الجزئين فى بعض من المواضع۔

٢۔ لامع الدرارى لى جامع البخارى فى ١٠ مجلد

٣۔ انهاء السكن للشيخ التهانوى۔ ٤۔المحسن الاعظم والمحسنين

٥۔ ترجمان السنة الجزء الرابع

٦۔ جذب القلوب الى ديار المحبوب صلى الله عليه وسلم

٧۔ اسلام میں [illegible] کامقام۔ ٨۔نفحة العنبر فى حياة الشيخ محمد انور

٩۔ نص الختام فى مسألة الفاتحة خلف الامام

١٠۔كتاب الوتر كلاهما للشيخ البنورى رحمه الله

١١۔مسانيد الامام ابو حنيفه۔ ١٢۔يتيمة البيان للشيخ البنورى رحمه الله

١٣۔التبليغ والإصلاح للشيخ منصور الزمان۔

١٤۔ختم النبوة للشيخ محمد ايوب الدهلوى۔

١٥۔فتنة انكار الحديث للشيخ المذكور۔ ١٦۔الخليفة الثانى للدكتور عبد الوهاب

١٧۔الأستاذ المودود للشيخ محمد يوسف البنوري رحمه اللّٰه

١٨۔الأستاذ المودودي ونتائج بحوثه وأفكاره للشيخ محمد زكريا رحمه اللّٰه

١٩۔ عمرات النبى صلى اللّٰه عليه وسلم

٢٠۔كشف النقاب عما بقوله الترمذى وفى الباب

٢١۔موقف الامة الاسلامية من القاديانية

٢٢۔معلومات عن جامعة العلوم الاسلامية۔

٢٣۔فقه الائمة الاربعة للدكتور عبد الوهاب۔

٢٤۔الحياة الاجتماعية للدكتور عبد الوهاب۔

٢٥۔الخليفة الاول أبوبكر الصديق للدكتور المذكور۔

٢٦۔الداعية والطاعية للشيخ النصرتى۔ ٢٧۔ثمرة الكون للشيخ محمد أيوب الدهلوى۔

٢٨۔المتنبى القاديانى من هو؟ للشيخ المفتى محمود رحمه اللّٰه۔

٢٩۔هداية المهديين للشيخ المفتى محمد شفيع العثمانى رحمه اللّٰه۔

٣٠۔ بصائر وعبر، از: محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ۔

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی ایک اہم تصنیفی خدمت

تحریر: حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

راقم الحروف نے مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کی اہم تصنیفی خدمت ’’ ‘‘ کے ابتدائی حصہ کا تعارف کراتے ہوئے بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ میں جو کچھ لکھا تھا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہاں درج کردیا جائے:

’’جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی کے نائب مدیر واُستاذ، ہمارے رفیق محترم وحبیب معظم جناب مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار زید مجدہم حضرت بنوریؒ کے عزیز داماد، محبوب وممتاز تلمیذ، حضرتؒ کی خصوصی عنایت وتوجہات کے مورد اور حضرتؒ کے علوم وافادات کے وارث وامین ہیں۔ حضرت بنوریؒ نے ’’معارف السنن‘‘ کی تالیف کے دوران امام ترمذیؒ کے ’’فی الباب‘‘ کی تخریج کا ارادہ فرمایا تھا اور عیدین، زکوٰۃ اور صوم کے چند ابواب کی مختصر تخریج بھی فرمائی تھی۔ لیکن اس کام کی وسعت وطوالت جس قدر فرصت وفراغت اور قوت ونشاط کی متقاضی تھی حضرتؒ کے مشاغل کثیرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے حضرتؒ کے محبوب تلمیذ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار جب مدینہ یونی ورسٹی سے فارغ ہوئے تو حضرتؒ نے ان کو اس کام پر لگادیا۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ سے موصوف نے ترمذی شریف کے ’’فی الباب‘‘ کی تخریج کا آغاز کیا اور الحمدللہ دیگر مشاغل کے ہجوم کے باوجود وہ اس عظیم الشان کام میں پوری قوت ونشاط کے ساتھ منہمک ہیں اور ’’ ‘‘ کے نام سے تخریج احادیث کا ایسا عدیم النظیر ذخیرہ جمع کر رہے ہیں کہ ’’یہ کتاب ان شاءاللہ اپنے موضوع پر دائرۃ المعارف ہوگی۔ کام بہت ہی

طویل اور صبر آزما ہے۔ حق تعالیٰ شانہ جناب مؤلف کو بحسن وجوہ اس کے اتمام و تکمیل کی توفیق وسعادت نصیب فرمائے۔ بحمد اللہ ساتھ کے ساتھ اس کی طباعت کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے، ''کشف النقاب'' پر تو کام ہو ہی رہا تھا کہ حضرتؒ کے حکم اور مشورہ سے موصوف نے جامعہ کراچی سے پی.ایچ.ڈی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ترمذی کی تخریج اُن کے مقالہ کا موضوع قرار پایا اور جامعہ کراچی کی طرف سے حضرت بنوریؒ ہی موصوف کے مشرف ونگران مقرر کیے گئے۔ ابھی مقالہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ حضرتؒ کو بلاوا آگیا اور وہ رحمت اِلٰہی کی طرف منتقل ہوگئے، اُن کی رحلت کے بعد جناب ڈاکٹر اِمتیاز صاحب صدر شعبۂ علوم اِسلامیہ جامعہ کراچی مشرف مقرر ہوئے اور موصوف کی رہنمائی میں مقالہ کی تکمیل ہوئی۔ یہی مقالہ ''

'' کے نام سے ایک مبسوط کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

مؤلف زید مجدہم نے یہ مقالہ ایک مقدمہ، تین ابواب اور خاتمہ پر تقسیم کیا ہے، مقدمہ میں امام ترمذیؒ کے ''فی الباب'' کی خصوصی اہمیت، اس کی تخریج کی ضرورت و افادیت، جن بزرگوں نے اس موضوع پر کام کیا اُن کے اسمائے گرامی اور اُن کے کام کی نوعیت کو ذکر کرنے کے بعد مؤلف نے اپنی اس تخریج میں جن امور کا التزام فرمایا ہے ان کی تفصیل درج کی ہے، نیز اس تخریج میں مؤلف نے جن ۴۸ رکتب حدیث سے بلاواسطہ اور ۱۷۶ رکتابوں سے بالواسطہ استفادہ کیا ہے، اُن کا حوالہ دینے کے لیے ہر کتاب کی الگ رمز یہ علامت مقرر کی ہے اور پھر ان کتابوں کی دو فہرستیں دی ہیں۔ پہلی فہرست میں کتاب اور مؤلف کا نام، مؤلف کا سن وفات اور اس کتاب کے لیے وضع کردہ علامت درج کی ہے۔ دوسری فہرست میں ان ۲۲۴ علامتوں کو حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج کر کے ان کتابوں کا نام مع اسماء مؤلفین درج کیا گیا ہے۔

باب اوّل میں امام ترمذی کی شخصیت اور ان کے علمی مرتبہ ومقام سے بحث کی گئی ہے، اس باب میں مؤلف کی بحث وتحقیق کے اہم یہ عنوان یہ ہیں:

امام ترمذی کا اسم و اور کنیت، ان کا مؤلد ومنشا (لفظ ترمذ کی تحقیق) ان کے علمی اسفار، ان کے ۲۲۱ رشیوخِ حدیث کی فہرست، امام ترمذی کے اجلہ تلامذہ، امام ترمذی نے جن مشائخ سے علل حدیث میں استفادہ فرمایا اُن کا ذکر اور امام بخاری سے استفادہ کی

چند مثالیں، ائمہ حدیث کی طرف سے امام ترمذی کے علو مرتبہ کا اعتراف، حافظ ابن حزم کا امام ترمذی کو مجہول کہنا اور اس کی تردید، امام ترمذی کا فقہی مسلک اور یہ کہ وہ مجتہد ہیں یا مقلد؟ امام ترمذی کے دور میں علم حدیث کا ارتقاء، امام ترمذی کی تالیفات، ان کی وفات اور چند علماء ترمذ کا تذکرہ۔

دوسرا باب جامع ترمذی پر ہے اور اس میں بحث کے عنوانات درج ذیل ہیں:

کتاب کا نام: اس سلسلہ میں اہل علم کے چھ اقوال ذکر کر کے اُن پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔

مشمولاتِ کتاب و تعدادِ ابواب: اس کے ذیل میں ترمذی کے عنواناتِ عامہ کا جدول اور ہر بڑے عنوان کے ذیل میں ابواب کی تعداد ذکر کی گئی ہے، مثلاً ''الطہارۃ'' کے ذیل میں ۱۱۱ باب ہیں اور ''الصلاۃ'' کے ذیل میں ۲۱۲، اس جدول میں جلد اوّل کے ۲۴؍ اور جلد دوم کے ۲۳؍ عنواناتِ عامہ درج ہیں، جن کے ذیل میں ۸۸۰؍ ابواب ہیں۔

جامع ترمذی کی امتیازی خصوصیات اور امام ترمذیؒ نے کتاب میں جن علوم کا ادماج کیا ہے ان کی تفصیل۔ فنی لحاظ سے جامع ترمذی کا مرتبہ و مقام اور اس سلسلہ میں اہل علم کی آراء اور مؤلف کی ذاتی تحقیق۔

جامع ترمذی کی روایت اور اس کے راویوں کی تفصیل: اس ضمن میں مؤلف نے امام ترمذی تک اپنی اسانید بھی ذکر کی ہیں۔

ترمذی میں ثلاثیات، رباعیات اور عشاریات کی تفصیل: روایت کی توثیق میں امام ترمذیؒ کے طرز عمل پر اہل علم کی تنقید اور امام ترمذیؒ کی طرف سے اس کا دفاع۔

امام ترمذیؒ کی منفرد اصطلاحات کی تشریح اور حسن صحیح اور حسن وغریب کو جمع کرنے کی توجیہات، جامع ترمذی کی شروح وتعلیقات (اس کے ذیل میں تیس شروح وتعلیقات اور امالی کا تذکرہ ہے)۔

ترمذی کے مختصرات، مستخرج اور تجرید اس کے نوادر اور نادر مخطوطات کی تفصیل۔

اس اجمالی تعارف سے اندازہ ہوا ہوگا کہ جناب مؤلف زید مجدہم نے امام ترمذیؒ اور ان کی کتاب کے بارے میں نہ صرف بہترین علمی جواہر کے جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے بلکہ ان کو بحث وتحقیق کی چھلنی میں چھان کر ان کا مغز وخلاصہ بھی پیش کر دیا ہے۔

تیسرے باب میں جامع ترمذی کی کتاب الطہارۃ کے ابواب کی تخریج ہے اور یہی

دراصل مقالے کا اصل موضوع ہے۔ مؤلف نے امام ترمذیؒ کے ہر باب کے ذیل میں تین فصلیں قائم کی ہیں۔

پہلی فصل میں ان احادیث کی تخریج کی ہے جن کو امام ترمذیؒ نے سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یعنی جن کی طرف ''فی الباب'' کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔ صاحب تخریج نے ہر حدیث کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ (ترمذی کے علاوہ) فلاں فلاں کتابوں میں ہے۔ دوسری فصل میں ان مرفوع احادیث کی تخریج ہے، جو اس موضوع پر کتب حدیث میں موجود ہیں، ان کی طرف امام ترمذیؒ نے اشارہ نہیں کیا۔ تیسری فصل میں آثارِ صحابہؓ و تابعین کی تخریج ہے۔

پہلی اور دوسری فصل میں مؤلف نے ہر صحابیؓ کی حدیث کے بقدر ضرورت الفاظ کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے لیکن تیسری فصل میں بغرضِ اِختصار صرف حوالہ جات پر اِکتفاء کیا گیا ہے، آثار کے الفاظ نہیں کیے گئے۔

خاتمہ میں مؤلف نے ایک جدول دیا ہے جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ ترمذی کی کتاب الطہارۃ میں سے ہر باب میں امام ترمذیؒ نے کتنی احادیث کی تخریج کی ہے، ''فی الباب'' سے اُن کی طرف اِشارہ ہے کہ مؤلف نے امام ترمذیؒ پر کتنی احادِیث کا اِضافہ کیا ہے؟ اور ہر باب میں مرفوع، مرسل اور آثار کی تعداد کتنی ہے؟''۔ (بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ)

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اپنے پی. ایچ. ڈی کے مقالہ سے فراغت کے بعد اپنی [illegible] اہتمام اور تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ اپنے شیخ و مربی حضرت بنوریؒ کی طرف سے شرح حدیث کی تفویض کردہ خدمت سے غافل نہیں ہوئے بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اس میں تیقظ و بیداری اور تحقیق و تدقیق سے جت گئے۔ چنانچہ انہوں نے ترمذی کے ''فی الباب'' کو نہایت ہی آب و تاب سے مرتب کرنے کا طے فرمایا اور '' '' کے نام سے اب تک اس کی ۶/جلدیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، اب سے چند سال پہلے راقم الحروف نے اُن کی اس کتاب کی ۳/مطبوعہ جلدوں کا تعارف کراتے ہوئے بینات میں لکھا تھا:

''جامع ترمذی اپنی گوناگوں خصوصیات، فقہی و حدیثی اور علمی فوائد کی بناء پر صحاحِ

ستہ میں ایک خاص اِمتیازی شان رکھتی ہے۔ امام ترمذیؒ نے اِختصار اور تکثیرِ فوائد کے پیش یہ اِلتزام کیا ہے کہ وہ ہر باب میں صرف ایک صحابیؓ کی حدیث لاتے ہیں (اور کسی خاص نکتہ کی بناء پر بعض جگہ دو یا زیادہ صحابہؓ کی حدیث بھی لاتے ہیں) اور بقیہ احادیث کی طرف ‘‘ ’’ سے اشارہ کر جاتے ہیں جس سے قاری کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اتنے صحابہؓ کی احادیث موجود ہیں۔

امام ترمذیؒ کے ‘‘فی الباب’’ کی اہمیت کے پیشِ نظر اکابر محدثین نے اس کی تخریج کی طرف توجہ فرمائی (تخریج کا مطلب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے ‘‘فی الباب’’ کے تحت جن صحابہؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے، یہ بتایا جائے کہ یہ احادیث کن کن کتابوں میں کہاں کہاں ملیں گی) چنانچہ تخریج کرنے والوں میں ابن سید الناسؒ، حافظ زین الدین عراقیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے نام ذکر کیے گئے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ یہ تخریجات اب تک گوشۂ گمنامی میں ہیں۔ محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری نورَ اللہ مرقدہٗ نے ‘‘معارف السنن’’ کی تالیف کے دوران امام ترمذیؒ کے ‘‘فی الباب’’ کی تخریج کا ارادہ فرمایا تھا اور عیدین، زکوٰۃ اور صوم کے کچھ ابواب کی مختصر تخریج بھی فرمائی۔ لیکن اس کام کی وسعت وطوالت کے لیے جس قدر فرصت وفراغت اور قوت و نشاط کی ضرورت تھی حضرتؒ کے مشاغل کثیرہ میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی اس لیے حضرتؒ کے محبّ ومحبوب تلمیذ رشید مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار جب مدینہ یونی ورسٹی سے فارغ ہوئے تو حضرتؒ نے ان کو اس کام کے لیے منتخب کیا، چنانچہ موصوف نے جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ سے ترمذی شریف کے ‘‘فی الباب’’ کی تخریج کا آغاز کیا، حق تعالیٰ شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنی دیگر علمی و انتظامی مصروفیات کے باوجود موصوف اس عظیم الشان کام میں مصروف ہیں اور نصف کتاب پر تقریباً ۱۵ر جلدوں کا مسودہ مرتب کر چکے ہیں، اس سلسلہ کی پہلی ۳ر جلدیں (جو ایک ہزار آٹھ سو بتیس صفحات پر محیط ہیں) ہمارے سامنے ہیں۔ چوتھی جلد زیرِ طبع ہے۔

مؤلف محترم نے اس تخریج میں جن اُمور کا التزام کیا ہے، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱): ہر حدیث کی تخریج میں یہ اِلتزام کیا گیا ہے کہ یہ حدیث فلاں کتاب کے فلاں صفحہ اور فلاں باب میں ہے اور جن کتابوں میں احادیث کے نمبر دیئے گئے ہیں، وہاں حدیث کا نمبر بھی ذِکر کیا گیا ہے۔

(۲): ہر حدیث کے الفاظ نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور اگر حدیث طویل ہو تو اِختصار کے مدِنظر اُس کا بقدرِ ضرورت حصہ نقل کیا گیا ہے۔

(۳): ایک صحابیؓ سے اگر متعدد روایتیں ہیں تو سب کی نشان دہی کی گئی ہے۔

(۴): اگر روایت صحاحِ ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں ہو اور اس میں کوئی راوی ضعیف ہو تو ائمہ فن سے اس کی تصریح بھی نقل کر دی گئی ہے، لیکن اس میں زیادہ کرید اور تفتیش کا کام نہیں کیا گیا۔

(۵): ایک اہم اِلتزام یہ کیا گیا ہے کہ جہاں تک حدِ اِمکان میں ہو اصل مآخذ سے تخریج کیا جائے، صرف کتبِ تخریجات کے حوالہ پر اکتفاء نہ کیا جائے، البتہ جہاں بالواسطہ حوالہ دینا پڑ گیا ہو وہاں واسطہ کا ذکر مع قید صفحات کیا گیا ہے۔

(۶): مؤلف کا طریقۂ تخریج یہ ہے کہ ہر باب کے تحت تین فصلیں قائم کی ہیں۔ پہلی فصل میں وہ ان صحابہؓ کی احادیث کی تخریج کرتے ہیں، جن کی طرف امام ترمذیؒ نے ’’فی الباب‘‘ میں اشارہ کیا ہے۔ ’’فی الباب‘‘ کی احادیث کے بعد فصل اوّل ہی میں احادیث الباب کی تخریج کرتے ہیں۔

دوسری فصل میں ان صحابہؓ کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن کو امام ترمذیؒ نے ’’فی الباب‘‘ کے ذیل میں ذکر نہیں کیا لیکن کتب حدیث میں ان کی احادیث اس باب میں موجود ہیں یہ فصل گویا امام ترمذیؒ پر استدراک ہے، تیسری فصل میں صحابہؓ و تابعینؒ کے آثارِ موقوفہ کو ذکر کیا گیا ہے، گویا کسی مسئلہ پر جتنی احادیث مرفوعہ اور آثارِ موقوفہ موجود ہیں، کوشش کی گئی ہے کہ حتی الوسع اُن سب کا اِحاطہ کر لیا جائے اور وہ سب بیک وقت سامنے آجائیں اور یہ اہتمام بھی کیا گیا ہے کہ ایک ہی صحابیؓ کی حدیث اگر مختلف طرق سے مروی ہے تو ان تمام طرق کی تخریج کی جائے۔

(۷): فاضل مؤلف نے ایسی ۴۸ر کتابوں کی فہرست دی ہے، جن کی طرف ایک ایک حدیث کی تخریج کے لیے بالالتزام مراجعت کی گئی، ان کے حوالہ نقل کرنے میں ان کے مؤلفینؒ کے سنین وفات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

چنانچہ سب سے پہلے مسند امام اعظمؒ، پھر مؤطا امام مالکؒ، پھر مؤطا امام محمدؒ، پھر کتاب الام للشافعیؒ، پھر مسند شافعیؒ، پھر مسند طیالسیؒ، پھر مصنف عبد الرزاقؒ، پھر مسند حمیدیؒ، پھر مصنف ابن ابی شیبہؒ، پھر مسند امام احمدؒ، پھر مسند دارمیؒ، پھر صحیح بخاریؒ، پھر صحیح مسلمؒ، پھر سنن

ابن ماجہ.....ثم وثم.....۔

اس کے علاوہ ۶۷/ان کتابوں کی فہرست ہے، جن کی طرف احیاناً مراجعت کی گئی، ان میں سے بعض کتابیں جو غیر مطبوعہ بلکہ ناپید ہیں، یہ جن کی طرف مراجعت نہیں ہوسکی اُن کا حوالہ بالواسطہ دیا گیا ہے اور جس کتاب سے اُن کا حوالہ کیا گیا اس کے صفحات کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

’’کشف النقاب‘‘ کی تین جلدیں جو ہمارے سامنے ہیں ان میں سے صرف ایک ایک باب کی تخریج کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کو جناب مؤلف کی محنت وجانفشانی اور کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں کچھ مدد مل سکے۔

جلد اوّل: (از ص ۳۲۵-۳۷۰)

امام ترمذیؒ نے ’’ ‘‘ میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، حدیث ابی ہریرہؓ اور حدیث زید بن خالد الجہنی اور فی الباب میں درج ذیل سترہ صحابہؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ حضرات ابوبکر صدیق، علی، عائشہ، ابن عباس، زید بن خالد، انس، عبداللہ بن عمرو، ام حبیبہ، ابن عمر، ابوامامہ، ابوایوب، ثمام بن عیاش، عبداللہ بن حنظلہ، اُم سلمہ، واثلہ، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم۔

مؤلف نے سترہ حضرات کی احادیث کی تخریج کے بعد مزید ۳۸/صحابہؓ سے (۱۳۴) مرفوع، ۱۴/مرسل احادیث اور صحابہؓ وتابعینؒ کے ۴۱/آثار کیے ہیں اور صرف اس ایک باب کی تخریج پچاس صفحات پر محیط ہے۔

جلد دوم: (از ص: ۳۴۹-۳۹۷)

امام ترمذیؒ ’’ ‘‘ میں حضرت . ی بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں، جناب مؤلف نے بارہ طرق سے اس کی تخریج کی ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں درج ذیل ۱۸/صحابہ کرامؓ کی احادیث کا حوالہ دیا ہے: حضرات عمر، علی، مغیرہ، بلال، سعد، ابوایوب، سلمان، . ی ہ، عمر بن امیہ، انس، سہل بن سعد، یعلی بن مرہ، عبادہ بن صامت، اسامہ بن شری ، ابواسامہ، جا. اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم۔ فاضل مؤلف نے حدیث عمر رضی اللہ عنہ کی ۱۴ طرق سے تخریج کی ہے، حدیث مغیرہ رضی اللہ عنہ کی ۲۴/طرق سے، حدیث بلالؓ کی ۶/طرق سے، حدیث

سعدؓ کی ۴؍طرق سے اور حدی ث ابوایوب کی ۸؍طرق سے۔ اس طرح ا ی ا ی کر کے ان ۱۸؍حضرات کی احادی ث کی تخریج ان تمام مآ ·· سے کی ہے جو مؤلف کی دسترس میں تھے۔

اسی ب کی دوسری فصل میں فاضل مؤلف نے امام ت مذیؒ پ استدراک کرتے ہوئے مزی ۴۵؍صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ۵۱ مرفوع احادی ث کی ہیں، اور تیسری فصل میں صحابہؓ و ت بعینؒ کے ۹۲؍آ ث ر درج کیے ہیں اور چو بعد کے تین ب بھی ” “سے متعلق ہیں۔ اس لیے متعدد احادی ث وآ ث ر ان ابواب میں ذکر کیے گئے ہیں۔

جلد سوم: (ص: ۲۱۸-۲۴۱)

” “میں امام ت مذیؒ نے حضرت ابن عباس اور حضرت جا ب بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی روای ت سے حدی ث جبریل روای ت کی ہے، اور فی الباب میں درج ذیل ۹؍صحابہؓ کی احادی ث کا حوالہ دی ہے: حضرت ابو ہری ۃ، ب ی ۃ، ابوموسیٰ، ابومسعود، ابوسعید، جا ب، عمرو بن م، ا ء ابن عازب اور انس رضی اللہ عنہم۔

مؤلف نے فصل اوّل میں ان ۱۱؍صحابہؓ کی احادی ث کی مفصل تخریج کے بعد فصل ث نی میں امام ت مذیؒ پ استدراک کیا ہے اور ۱۷؍مرفوع اور ۱۳؍مرسل احادی ث کا اضافہ کیا ہے اور فصل ث ث میں صحابہؓ و ت بعینؒ کے ۲۷؍آ ث ر کیے ہیں۔

تخریج کے اس اجمالی ذکر سے قار کو اس عظیم الشان کام کی اہمیت کا ا· ازہ ہوا ہوگا، بلاخوفِ ت دی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ا ی ایسا علمی شاہ کار ہے جس کی کوئی نظیر ہمارے سامنے نہیں، اور جس کے لیے جہا· ہ محدثین کا حافظہ و ذکاوت درکار ہے اور اس کام کی وسعت و ہمہ گیری کا ا· ازہ اس سے ہوگا کہ اٹھارہ سو (۱۸۰۰؍) صفحات پ مشتمل تین (۳؍) جلدوں میں ت مذی شریف کے صرف ۲۸؍صفحوں کی تخریج ہوسکی ہے۔ چوتھی جلد کا آغاز” “سے ہوگا۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے جناب مؤلف زی مجدہم کے علم و فضل اور صحت میں خاص ب ت فرما اور انہیں اس عظیم مہم کو سر کرنے کی توفیق خاص ارزانی فرما اور یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسی شان سے مکمل ہو جائے“۔ (ی ت ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

بابِ چہارم

مختصر تعزیتی پیغامات وتأثرات

صاحبزادہ طارق محمودؒ (سابق مدیر ماہنامہ لولاک):

۲ر نومبر، اتوار کو کراچی میں نامعلوم دہشت گردوں کی فائرنگ اور آتش گیر مادہ کے حملہ کے نتیجے میں معروف عالم دین، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ، مفتی عبدالسمیعؒ اپنے ڈرائیور سمیت موقع پر شہید ہوگئے۔ جبکہ قاری بشیر احمد نقشبندی زخمی ہوگئے۔ اس افسوسناک واقعہ کے بعد احتجاجی ہنگاموں کے نتیجے میں تین انسانی جانیں ضائع ہوگئیں، سندھ کے وزیر اعلیٰ لیاقت علی جتوئی نے مذہبی دہشت گردی کے اس المناک واقعہ پر گہرے دکھ اور رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے پولیس اور انتظامیہ کو واقعہ میں ملوث ملزمان کے گرفتار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سانحہ میں دہشت گردوں نے فائرنگ کے علاوہ آتش گیر مادہ بھی پھینکا، جس سے جاں بحق ہونے والے علماء کی نعشوں کو شناخت کرنا مشکل ہوگیا۔ اس واقعہ کے بارے میں پاکستانی ٹیلی ویژن میں خبر نشر کی گئی اور نہ ہی حکومت کی طرف سے اِظہارِ افسوس کیا گیا۔ احتجاجی ہنگاموں اور دینی حلقوں کے ردِّعمل کے تین روز بعد وزیر داخلہ نے کراچی پہنچ کر اعلیٰ سطحی اجلاس کی صدارت کی۔ وزیر موصوف تعزیت کے لیے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن بھی تشریف لے گئے۔ وزیر داخلہ کی ''اشک شوئی'' کے بعد بھی احتجاج کا سلسلہ جاری ہے، حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ واقعہ میں ملوث اصل ملزمان کو گرفتار کرکے قرارِ واقعی سزا دِی جائے۔ (ماہنامہ لولاک ملتان شعبان ۱۴۱۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۷ء)

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن جدون:

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب کے ارشاد پر یہ چند سطور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے بارے میں لکھ کر بھجوا رہا ہوں تاکہ ان کی سرپرستی میں جو نمبر ان پر شائع ہونے والا ہے اس میں شامل ہوسکیں۔ ڈاکٹر صاحبؒ سے میری دو تین ملاقاتیں

ہی ہوئی تھیں اور ایک ملاقات ذرا طویل تھی جس میں انہوں نے مجھے ناشتہ کی دعوت پر بلایا تھا۔ اس دوران میں مختلف علمی موضوعات اور خود ان کے علمی کام پر بھی گفتگو ہوتی رہی۔ میں ان کے علم و عمل متانت، سنجیدگی اور انکساری سے بہت متاثر ہوا۔

اللہ نے ان سے تدریس وتصنیف کے سلسلہ میں بڑا کام لیا بعض سعودی علماء کی گرانقدر تصانیف کے اُردو میں تراجم بھی کئے جن سے اہل علم برابر استفادہ کر رہے ہیں۔

وہ اپنے ان علمی و تصنیفی کاموں میں مشغول تھے کہ دہشت گردوں کی دہشت گردی کا شکار ہوئے اور شہادت پائی انا للہ وانا الیہ راجعون اس حادثہ فاجعہ نے علمی برادری کو ہلا کر رکھ دیا اور ہر ایک نے اس دُکھ کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ ڈاکٹر صاحبؒ کا تو کچھ نہیں بگڑا کہ وہ شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوئے البتہ ان ظالموں نے اپنی عاقبت خراب کر لی۔

اللہ تعالیٰ اس جہاں میں ان کے درجات برابر بڑھاتے رہیں اور ان کے صدقات جاریہ اور علمی کام سے ہمیں استفادہ کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

مولانا محمد اکرم کاشمیری (مدیر ماہنامہ الحسن لاہور):

برصغیر اور عالم اسلام کے مشہور اور ممتاز ترین عالم دین، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے داماد حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صاحب دو نومبر کو کراچی میں ہونے والے ایک جانکاہ حادثہ میں جام شہادت نوش فرما گئے۔

مولانا مرحومؒ وفاق المدارس العربیہ کے جنرل سیکریٹری بھی تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بڑے علم و فضل سے نوازا تھا اس وقت اندرون وبیرون ملک میں مولانا کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، جن میں بڑے بڑے علماء بھی شامل ہیں، مولانا نے جہاں اتنی بڑی تعداد میں اپنی روحانی اولاد صدقہ جاریہ کے طور پر چھوڑی ہے

وہاں سینکڑوں تصانیف بھی چھوڑی ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ (ماہنامہ الحسن لاہور شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۷ء)

مولانا عبید اللہ خالد (مدیر ماہنامہ الفاروق کراچی):

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کسی سیاسی جماعت کے رہنما تھے نہ وہ کسی مذہبی جماعت کے معروف معنوں میں قائد تھے، وہ تو گروہ بندیوں سے اتنے دور تھے کہ کسی سماجی اور معاشرتی بنیاد پر بننے والی انجمن کے بھی رکن نہ تھے، وہ صرف پڑھنے پڑھانے والے، سیدھے سادھے انداز کے مسلمان علم کے سمندر تھے، ہزاروں کے استاذ اور سینکڑوں کے مربی، اگر کوئی ذمہ داری ان کے سپرد تھی تو وہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے اہتمام کی، اگر کسی اجتماعی معاملہ کا بوجھ ان کے کاندھوں پر تھا تو وہ وفاق المدارس العربیہ کی نظامت علیا کا۔ (ماہنامہ الفاروق رجب ۱۴۱۸ھ مطابق نومبر ۱۹۹۷ء)

مولانا فضل الرحمٰن (امیر جمعیت علماء اسلام):

مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ شہر میں امن کی علامت تھے، وہ انسانوں سے محبت کرتے تھے۔ جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن یا ملک کے کسی بھی دینی اِدارہ کو نقصان پہنچانے کی پالیسی حکومت کے لیے بہت مہنگی ثابت ہوگی، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ کو شہید کرکے یہ سمجھ لینا کہ اب دینی جامعات پر ہاتھ ڈالنا بہت آسان ہوگیا ہے، انتہائی درجے کی خودفریبی ہے پاکستان کے ایک ایک قریہ میں قائم مدارس کا تحفظ کیا جائے گا۔

مولانا سمیع الحق (مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ جید عالم، مدرِّس، مصنف، باسلیقہ منتظم، شیخ یوسف بنوریؒ کا ان صفات کی وجہ سے تقرب حاصل کیا، انہوں نے شرفِ دامادی سے نوازا، اُن

کی وفات کے بعد جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ یوسف بنوری ٹ ؤن کراچی کی . ـ اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی، کراچی کے فرقہ وارانہ تخری. کاری کے فسادات میں · معلوم افراد کے ہاتھوں اپنے رفقاء سمیت شہید کر دیئے گئے، کئی اہم کتابیں صدقہ جاریہ ہیں۔

سابق صدرِ پ کستان جناب فاروق احمد خان لغاری:

سابق صدرِ مملکت جناب فاروق احمد خان لغاری نے مولا· ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اوران کے رفقاء کے دہشت َ دی کے واقعہ میں بہیمانہ قتل پ گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔

مولا· ولی اللہ چترالی (استاذ مدرسہ امام محمد سہراب گوٹھ کراچی):

اللہ تعالیٰ حضرت مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ اوران کے شہید رفقاء کو اعلیٰ علیین میں جگہ ءفرمائے اوران بلند ہستیوں کی خون کے صدقے اس ملک اور شہر کو امن اور خوشحالی کا گہوارہ بنادے۔ آمین

مفتی عبدالرحمٰن ۔ ی :

اللہ تعالیٰ ہم . کوان کی علمی عملی سیرت سے استفادہ کی بھرپور توفیق فرمائے۔

فرقان مکی:

اللہ پ ک مولا· ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار صا . ؒ کے درجات بلند فرما آمین، بہت افسوس ہوا اس عدالتی م کی وجہ سے ہی ہمارا ملک معاشرتی تنزلی کا شکار ہے، اللہ پ ک سے دعا ہے کہ اللہ پ ک ان ملزموں کو د ہی میں نِ عبرت بنادیں جو اقرار. م کے . وجود آزاد پھر رہے ہیں۔ آمین

جنید خان:

جامعہ بنوری ٹاؤن کے ساتھ علماء اور طلباء کی شہادتوں کی ایک طویل تاریخ ہے، کس کس کا ماتم کریں، کس کس کو روئیں، ایک ایک شخصیت جبالِ علم تھی، آفتاب علم تھے، بلا شبہ اس ملک میں اسلامی عقائد وروایت کے تحفظ اور نشرو اشاعت کے سلسلے میں جتنی قربانیاں اس اکیلے ایک مدرسے نے دی ہیں، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس ملک میں اسلام کا نام لیوا طبقہ ہی جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے، یہ حضرت بنوری رحمہ اللہ کے اخلاص اور للّٰہیت ہی کا ثمر ہے کہ آج بھی اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود مدرسہ بھی موجود ہے، مسجد بھی موجود ہے، اساتذہ بھی موجود ہیں، طلباء بھی موجود ہیں اور اسلامی علوم کی نشرو اشاعت کا کام پہلے سے زیادہ ترقی کی طرف گامزن ہے اللہ اسے دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے۔ آج الحمدللہ جامعہ کے فارغ التحصیل علماء پوری دنیا میں دین کا کام کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار مرحوم کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ اللہ اس گلشن بنوری کی حفاظت فرمائے اور پورے وطن عزیز میں علماء، طلباء اور اہل دین کی حفاظت فرمائے، اللہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے صاحبزادگان کو ان کا صحیح جانشین بنائے اور انہی کے نقش قدم پر چلنے کی خوب خوب توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عاصم کریم:

یقیناً مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں دعا ہے اللہ رب العزت مزید درجات کو بلند فرمائے مزید یہ کہ اس سے ہمارے وطن عزیز کی صورت حال کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور اس کے لیے ہمیں ٹھنڈے دماغ سے غور کرنا ہوگا۔

اشتیاق زاہد:

اللہ تعالیٰ استاد جی کے درجات بلند فرمائے اور ان کے پھول جیسے بچوں کو ہر قسم کی آزمائش و آلام سے صدا محفوظ رکھے۔

باب پنجم

رَشحاتِ قلم

(حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار
شہیدؒ کے قلم سے لکھے گئے تعزیتی مضامین)

محدث العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یہ غالباً ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۴ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن بندہ اپنے والد ماجد الحاج حکیم محمد مختار حسن خان دہلوی صاحب مدظلہٗ کے ہم راہ صبح سویرے مطب جارہا تھا کہ سامنے سے سبیل والی مسجد کے قریب ایک نورانی صورت بزرگ کو تشریف لاتے دیکھا، وہ قبلہ والد صاحب مدظلہٗ سے نہایت بشاشت سے ملے۔ والد ماجد نے میرا تعارف کرایا اور میرے لیے دعا کی درخواست پیش کی۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا، دعائیں دیں اور آگے چل دیئے، لیکن نہ معلوم ان کی شخصیت میں کس قسم کی مقناطیسی کشش تھی کہ جس نے مجھے اپنا زرِ خرید غلام بنالیا، نہ جانے ان کی نگاہوں میں کس غضب کی چمک تھی کہ میں ان کا ہی ہوکر رہ گیا:

نہ جانے کس ادا سے میری جانب اس نے دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیر محسوس ہوتی ہے

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ
بحیرتم کہ عجب تیر بے کماں زدہ

میری زندگی کا یہ سب سے مبارک دن اور سعید ترین گھڑی تھی۔ میری یہ ان سے پہلی ملاقات تھی، لیکن کسے معلوم تھا کہ یہی ہستی میری زندگی کا ماحصل اور خوش بختی کا نقطہ آغاز بن جائے گی اور پھر مجھے اپنا شیدائی، فدائی، دیوانہ اور پروانہ بنا کر اس طرح روپوش ہو جائے گی کہ جس کو تلاش کرتے کرتے عمر نوح بھی تمام تو ملاقات نہ ہو سکے، جس کی زیارت کے لیے ہزاروں لاکھوں میل کا سفر بھی کیا جائے تو بھی ناکام و محروم ہی واپس لوٹنا پڑے، جس پر روتے روتے آنکھیں سوج جائیں، بے نور ہو جائیں، تب بھی حق ادا نہ ہو، سات سمندر آنسو بن کر بہہ جائیں تب بھی سکون و قرار میسر نہ ہو:

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
اُمیدیں اِس قدر ٹوٹیں کہ اَب پیدا نہیں ہوتیں
ہوا ہوں اِس قدر اَفسردَہ رَنگِ باغِ ہستی سے
ہوائیں فصلِ گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

زمانۂ طالب علمی میں رَاقم الحروف ایک مرتبہ سفر میں تھا، عریضہ ارسالِ خدمت کیا، جس میں کچھ نصیحت کی درخواست بھی پیش کی۔ جواب آیا اور ایسی عمدہ، قیمتی اور بہترین نصیحت پر مشتمل جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، تحریر فرمایا:

> ”دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی سے کسی خیر کی توقع نہ کریں اور نہ کسی پر اعتماد و توکل کریں، ورنہ سوائے خسران و ناکامی کوئی اور نتیجہ نہ ہوگا“۔

جی ہاں! تو میں ذکر کر رہا تھا کہ علم و عرفان کے محیط بے کراں، مجسم زہد و ایثار، پیکر تقدس و تقویٰ، کوہِ استقامت وجلالت، نابغۂ روزگار، سلف صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، حامی توحید و سنت، ماحی شرک و بدعت، منبع فضائل و کمالات، مرجع خلائق، صبر و رضا اور توکل کی جیتی جاگتی تصویر، علم کا سمندر، عرفان کا دریا، جود و سخا کا چشمہ صافی، مجاہد و زاہد، محقق عصر، فاضل بے بدل، عالم باعمل، عارفِ کامل، عاشق ختم الرسل، استاذ

الاساتذہ، شیخ التفسیر و شیخ الحدیث، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعۃ العلوم الاسلامیہ) کے بانی مہتمم، شیخ الحدیث، مجلس دعوۃ و تحقیق اِسلامی کے بانی صدر، وفاق المدارس کے صدر، مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر، سیدی وسندی، شیخی ومولائی، قدوتی و ملاذی، ماویٰ و ملجا، حضرت الاستاذ العلامہ مولانا سید محمد یوسف البنوری الحسینی (جنہیں آج مدظلہم العالی، زید مجدہم، دامت برکاتہم جیسے القاب لکھنے کی بجائے نور اللہ مرقدہٗ، قدس سرہٗ اور رحمہ اللہ لکھتے ہوئے دل دھڑکتا، قلم لرزتا اور ہاتھ کانپتا ہے) کی پہلی زیارت کے موقع پر ہی قبلہ گاہی والد محترم زید مجدہم نے فرمایا: یہ فلاں شیخ الحدیث، علامہ اور بزرگ ہیں۔ عالم میں اس وقت ان کی نظیر نہیں، لوگ ابھی ان کو پہچانتے نہیں ہیں، ان کی قدر و منزلت سے ناآشنا ہیں، اس دارِ فانی سے ان کے کوچ کرنے کے بعد افسوس کریں گے کہ ہم ان کو پہچان نہ سکے۔

بلاشبہ صحیح فرمایا اور بجا خیال تھا، لوگوں نے درحقیقت حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو پہچانا ہی نہیں، آج دنیا کف افسوس مل رہی ہے کہ اس چھپے ہوئے عارف باللہ شیخ، ہمہ گیر مکمل علمی و عملی ہستی کو ہم پہچان سکے نہ قدر کر سکے اور بے ساختہ زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں:

بلا مبالغہ حضرت شیخ رحمہ اللہ وسعت ، وسعت علم، وسعت ظرف، وسعت مطالعہ، ذکاوتِ طبع، ذکاوتِ حس، رسوخ فی العلم والعمل میں اپنی نظیر آپ تھے،

۔ ان جیسی ہمہ گیر اور جامع ہستی کا اس وقت عالم میں ملنا مشکل ہے۔ ایک اکیلی جان نے تن تنہا وہ کام کیے جن کو شاید کئی جماعتیں اور ادارے بھی مل کر نہ کر سکیں، حقیقت یہ ہے کہ ان جیسا ہمہ گیر، محقق و علامہ مشکل سے کہیں پیدا ہوتا ہے:

سال ہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اپنی تمام تر توانائی اور صلاحیتیں اسلام اور دین کے لیے

وقف کر رکھی تھیں، دین متین کی حمایت کے لیے ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف رہتے تھے، خدائے بزرگ و برتر نے دنیا میں بھی اس کا صلہ انہیں یہ دیا کہ متقین کا امام، صالحین کا مقتدیٰ، عشاق کا پیشوا اور فدائیین کا قائد بنا دیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ سیرت، بلند و عالی ہمت اور مکارمِ اخلاق وصفات کے ایسے انمول خزانے سے سرفراز فرمایا تھا کہ ان کی ذات شک وشبہ اور اختلاف سے بالا تھی اور اخلاقی وفطری بلندی کی معراج کو پہنچ گئی تھی۔ آپ ان کو شرافت وسیادتِ کے اعتبار سے دیکھیں یا آدمیت وا کے نقطہ کمال کی نگاہ سے، . . بھی اور جس پہلو سے بھی دیکھیں، جس معیار پر بھی پرکھیں گے، بلندیوں کی چوٹی پر پائیں گے۔ اخلاص و بے غرضی اللہ تعالیٰ نے ان کی سرشت میں اس طرح ودیعت فرمائی تھی اور رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کیے ہوئے تھی کہ اس کا بیان کرنا محال تھا۔ خصوصاً محبوبیت کی شان سے خدا نے اس طرح نوازا تھا کہ دیکھتے ہی دل میں کشش وانجذاب کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کے مقرب بندے اور اولیاء اللہ آپ سے بہت محبت کرتے تھے، آپ بھی اہل اللہ کو دل سے چاہتے اور ان کا انتہائی احترام فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رائے پوری مدظلہٗ العالی کراچی تشریف لائے تو آپ ان سے بہت عقیدت سے ملے۔ ایک مرتبہ اُن سے ملاقات کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، راقم الحروف کو بھی ساتھ لے گئے، شیخ موصوف سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں بابو عبد العزیز مرحوم کی کوٹھی پر قیام پذیر تھے، ملاقات ہوئی، میرا تعارف کرایا اور خصوصی دعا کرائی، واپسی پر مجھ سے فرمایا: اس دور میں اتنا اونچا شیخ ملنا مشکل ہے، ذکر کے آثار وانوارات چہرے پر اتنے ہیں کہ برداشت نہ ہو سکیں، نسبت بہت قوی ہے، تم ان سے بیعت ہو جاؤ۔ دوبارہ ملاقات کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، مجھے ساتھ لے گئے اور پھر دعا کرائی اور واپسی پر مجھے حکم

دی کہ بیعت ہو جاؤ، حضرت شاہ صاحب ادام اللہ ظلہم سے درخواست کی کہ آپ مدرسہ تشریف لائیں اور وہیں قیام فرمائیں اور باصرارِ تمام ان کو سفر سے روک لیا، ٹکٹ واپس کرادیئے اور مدرسہ کے مہمان خانہ میں ٹھہرادیا، روزانہ عصر کے بعد کی مجلس میں خود پابندی سے شریک ہوتے اور کھانے میں بھی بالکل ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوتے، اس زمانہ میں مدرسہ کے کئی بڑے اساتذہ حضرت اقدس زید مجدہم سے بیعت ہوئے، ان کے قیام سے مدرسہ میں ذکر الٰہی کی ایک عجیب کیفیت اور انابت الی اللہ کا ایک عجیب سماں قائم ہوگیا تھا۔

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: میں چاہتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں کوئی نہ کوئی بزرگ ہمیشہ مقیم رہے، تاکہ طلباء ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم بھی حاصل کرتے رہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے اخیر عمر میں بہت زیادہ تعلق بڑھ گیا تھا، وہ بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کا بہت زیادہ خیال کرتے تھے اور دعائیں کرتے رہتے تھے، اس خصوصی تعلق کے بعد ان کی جو کتاب چھپی، انہوں نے اس پر آپؒ سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی اور آپ نے اس پر مقدمہ لکھا۔ کراچی جب تشریف لاتے تو حضرت شیخ رحمہ اللہ سے مل کر بہت خوش ہوتے، حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ برادرم مولوی سیّد محمد بنوری صاحب سے اُن کو اور مولوی سیّد محمد بنوری صاحب کو اُن سے بہت زیادہ محبت ہے، جب پاکستان تشریف لاتے اور مدرسہ آتے ہیں تو اُن کے کمرہ میں صبح سے شام تک قیام رہتا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ جب حج پر تشریف لے گئے تو قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد شفیع الدین نگینوی مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہوگئے اور انہوں نے اجازت سے بھی مشرف فرمایا اور فرمایا کہ: ہند میں مولانا حسین احمد مدنی یا مولانا اشرف علی تھانوی دونوں میں سے کسی سے رابطہ رکھیں، چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہند واپس آکر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی

رحمہ اللہ کے فیض صحبت سے مستفید ہوتے رہے، ساتھ ہی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے بھی رابطہ رہا اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بھی اپنا مجاز صحبت مقرر فرمایا اور اپنے خلفاء میں نام بھی شائع کرایا۔ موجودہ زمانہ کے جتنے مشائخ و علماء کبار کو دیکھا، سب کو حضرت شیخ رحمہ اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے پایا۔

امام العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ آپ کے خصوصی اور سب سے بڑے شیخ تھے، ہمارے شیخ رحمہ اللہ اپنے شیخ کے سچے عاشق اور محبّ صادق تھے، ان کی ایک ایک ادا کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا، ان کی محبت سے آخری دم تک سرشار رہے اور کسی نہ کسی مناسبت سے اس انداز سے ان کا ذکر خیر فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی اپنے شیخ سے مل کر آرہے ہیں ان کے ملفوظات ایسے محفوظ کر رکھے تھے کہ ہو بہو انہیں الفاظ میں بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے‘‘

’’ان کے ذکر خیر کے وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہر بن مو سے اظہارِ تشکر و امتنان اور ہر لفظ و حرف سے محبت و عقیدت کا چشمہ ابل رہا ہے، آپ نے امام العصر رحمۃ اللہ علیہ سے ہی اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کیے اور سب سے زیادہ فیض اٹھایا، سفر و حضر میں ان کے خادم اور ایک سال سے زیادہ عرصہ تک شب و روز ہمہ دم ان کے رفیق رہے، شیخ رحمہ اللہ نے ان کی جانفشانی، لگن، محبت، عقیدت و خدمت کو دیکھ کر اتنا اثر لیا کہ آپ کو اپنے ساتھ ملحق کر لیا اور ’’ضرب الخاتم‘‘ کے حوالے ’’اسفارِ اربعۃ‘‘ سے نکالنے کا کام سپرد کیا اور اس سلسلہ میں محنت و بلند ہمتی کو دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ: جو آپ کر رہے ہیں اگر سیف اللہ شاہ دو گھنٹے کرے تو چیخ اُٹھے۔ اور واقعی حقیقت بھی یہی تھی، آپ ۲۴ر گھنٹے میں دو ڈھائی گھنٹے آرام کرتے اور بقیہ سارا وقت اپنے شیخ کی خدمت میں صرف کرتے، اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کا صلہ یہ دیا کہ آپ کو بھی اپنے شیخ کے رنگ میں رنگ دیا اور بے نظیر محدث، بے مثال عالم، جلیل القدر محقق، بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجہ کا مفسر، اونچے درجہ کا ادیب و شاعر بنا دیا، ہمارے شیخ رحمہ اللہ اپنے شیخ امام العصر رحمہ اللہ کا پرتو اور اسلاف کا چلتا پھرتا نمونہ تھے، جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا اور ایمان تازہ ہو جاتا:

اُن کی صورت دیکھ کر آنے لگی یادِ خدا
نورِ رُخ اُن کا چراغِ راہِ عرفاں ہوگیا

اور پھر شیخ رحمہ اللہ کی بے لوث خدمت ہی کا صلہ تھا کہ شیخ کی وفات کے بعد یہ ہونہار شاگرد اپنے شیخ کے لگائے ہوئے باغ کا رکھوالا بنا اور ڈابھیل کے جامعہ اسلامیہ کا شیخ الحدیث اور صدر مدرِّس بننے کا شرف حاصل ہوا۔

غرض ہمارے شیخ قدس اللہ سرہٗ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا، اخلاص وتوکل اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کا عطا فرمایا تھا۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ میں تواضع بے انتہاء تھی، نام ونمود اور شہرت سے بہت متنفر تھے، باوجود اس کے کہ مدرسہ کے لیے ساری بھاگ دوڑ خود کی، خون پسینہ ایک کیا، بانی، مہتمم وشیخ الحدیث سب کچھ خود ہی تھے، لیکن کبھی یہ نہ پسند کیا کہ ان میں سے کسی ایک نام سے پکارا جائے، بلکہ اس سے بچنے کے لیے کسی دوسرے کو آگے بڑھا دیتے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اس اخلاص، تواضع اور للّٰہیت کا صلہ دن دونی رات چوگنی ترقی کی صورت میں روز بروز دے رہے تھے، آپ کے اسی اخلاص، اسی تواضع اور اسی للّٰہیت کا ثمرہ آج دنیا کے سامنے مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعۃ العلوم الاسلامیہ) کی شان دار عمارت کی شکل میں ہے جو چند سال پہلے ویرانہ تھا۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کو اللہ تعالیٰ نے بین الاقوامی شہرت عطا فرمائی تھی، عالم اسلام ان کے دینی رتبہ کا انتہائی احترام کرتا تھا، پاکستان ہو یا ہند، مراکش ہو یا مصر، شام ہو یا سعودی عرب، عراق ہو یا ایران، لیبیا ہو یا حبشہ، اردن ہو یا فلسطین، افریقہ ہو یا امریکہ غرضیکہ ہر جگہ علمی وعملی لحاظ سے معزز ترین شخصیت شمار ہوتے تھے، جب بھی کوئی غیر ممالک سے صاحب علم آتا تو وہ حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے بے تاب رہتا۔ اسی طرح ممالک اسلامیہ کے اہل علم اور علمی ادارے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے علم وفضل اور خداداد صلاحیتوں سے استفادہ کے خواہش مند رہتے تھے اور عالم میں جہاں بھی علومِ اسلامیہ کا کوئی مرکز موجود ہے، وہاں آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد موجود ہیں

اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں ان کے علم وفضل اور کمال کا اعتراف موجود ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ ان ۳۱ / علماء کرام میں سے ایک تھے جنہوں حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں مختلف مکاتبِ فکر کی متفقہ دستوری نکات مدون کیں۔

۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں قاہرہ میں ہونے والی مؤتمر فلسطین میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے مساعد خصوصی رہے اور چونکہ مفتی صاحب صاحبِ فراش تھے، اس لیے تمام پروگرام اور کارروائیاں اخباروں میں بیانات و مضامین وغیرہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے قلم سے نکلتے تھے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ چونکہ خالص علمی اور ٹھوس تحقیقاتی کاموں کو پسند فرماتے تھے، اس لیے اپنی ساری عمر اسی پر صرف کی، کبھی کوئی دنیوی عہدہ قبول کیا اور نہ ہی کسی منصب کو گوارا فرمایا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تجویز پر وزیر اعظم جناب نواب زادہ لیاقت علی خان مرحوم نے یہ چاہا کہ آپ کو مصر، سعودی عرب یا افغانستان میں سے کسی اسلامی ملک میں بحیثیت سفیر کے عہدہ پر مقرر کر دیا جائے، تاکہ عالم اسلام میں پاکستان کی صحیح ومؤثر نمائندگی ہو سکے، شیخ قدس سرہٗ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے معذوری ظاہر فرمادی۔

باوجود پیرانہ سالی کے، ضعف اور گھٹنوں کے شدید درد کے عبادات میں مجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ جوانوں کو رشک آتا تھا۔ سفر ہو یا حضر، تندرستی ہو یا بیماری۔ جب دیکھو فجر سے دو ڈھائی گھنٹہ پہلے اپنے رب کے دربار میں حاضری دے رہے ہیں۔ کبھی گڑگڑا کر آہ و بکا کے ساتھ ملک وملت کے لیے دعائیں ہو رہی ہیں تو کبھی ترنم وخاص کیف وسوز سے تلاوتِ قرآنِ کریم جاری ہے، کتنے ہی بیمار ہوں لیکن کیا مجال کہ صلاۃ اللیل چھوٹ جائے، قیام اللیل میں کوئی کمی آجائے، مناجاتِ باری میں کوئی فرق پڑ جائے، حرم شریف میں صبح صادق سے پہلے ہی مسجد نبوی میں پہنچ جانا، نہایت ادب واحترام سے روضۂ اقدس پر حاضری دینا، روضۃ من ریاض الجنۃ میں عبادت وتلاوت میں مشغول رہنا قابل دید تھا، قلوب کے میلان کی یہ حالت تھی کہ جو شخص دیکھتا، نہایت محبت واحترام

سے ملتا، نہ معلوم کیسی مقناطیسی کشش تھی جو لوگوں کو خود بخود اپنی طرف کھینچے چلی جاتی، مصری ہو یا ت کی، شامی ہو یا اردنی، عراقی ہو یا لیبی، یمنی ہو یا فلسطینی، مغربی ہو یا اب ونیشی، ن ئجیر یا کا ہو یا نچر کا، افر کا ہو یا امریکہ کا، کالا ہو یا گورا جسے دیکھو زانوئے ادب تہہ کرت ہوا حاضر ہو رہا ہے اور شرفِ تخاطب سے اپنے آپ کو سعید بنا رہا ہے، یہی وہ قبولیت ہے جس کا ت کرہ حدی ش ی ” “میں آ ہے۔

مکہ مہ میں دیکھیے تو اور عجیب شان تھی، حرمِ پ ک میں حاضری دے رہے ہیں، نہای ادب و احترام اور خشوع و خضوع سے بی اللہ کا دی ار ہو رہا ہے، قدم آگے ب ھ رہے ہیں، اب مطاف میں پہنچ چکے ہیں، حجر اسود کے سامنے اس طرح سے کھڑے ہیں کہ صحیح محاذاۃ ہو جائے۔ دورانِ طواف خواہ کتنا ہی رش ہو لیکن آپ کا طواف کچھ اس طرح سے ہو کہ کسی سے مزاحمت نہ کسی سے ٹکر، ایسا معلوم ہو تھا کہ مجمع خود بخود ان کے لیے راستہ بنا رہا ہے، ی کوئی فرشتہ مجمع کو سامنے سے ہٹا رہا ہے۔ یہ کوئی ای مرتبہ کی ت نہیں رہا کا مشاہدہ ہے، صرف میرا ہی نہیں بلکہ سینکڑوں آنکھوں نے اس کا رہ کیا ہے۔ طواف ختم کر کے ملتزم پ بی اللہ کی چوکھٹ سے چمٹ کر غلافِ کعبہ پکڑ کر دعا مانگنے اور ن اسے مانگنے اور ی کا ا از، اللہ تعالیٰ کے سامنے اانے اور رونے کا طر ، یہ چیزیں الفاظ سے تعبیر نہیں کی جا سکتیں:

شنیدہ کے بود ما دیدہ

مقامِ ا اہیم پ دیکھیے تو کچھ اور ہی شان ہے، میزابِ رحمت کے نیچے بیٹھے ہیں تو معلوم ہو کہ آپ پ رحمت الٰہی کی رش ہو رہی ہے، بی اللہ کے سامنے بیٹھے تلاوتِ کلام اللہ میں مشغول ہیں تو محسوس ہو کہ واقعی اپنے رب سے ہم کلام ہیں، اللہ اللہ کیا غضب کا سوز تھا ان کی تلاوت میں، کیا عجیب کیف تھا ان کی دعاؤں کے مانگنے میں اور کیا لذت تھی، اُن کے اوراد کے میں اور کیسا مزہ آ تھا اُن کے اشعار کے میں۔

ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اعتکاف کے دوران بندہ نے عرض کیا کہ: آپ نفلوں میں مجھے اپنا مقتدی بنالیا کریں، میرا مقصد یہ تھا کہ آپ کی تلاوت سے محظوظ ہوں۔ فرمایا: اچھا۔ اس کے بعد سے صلاۃ اللیل میں آپ امام ہوتے اور میں مقتدی۔ سبحان اللہ کیا دور تھا، کیسا سوز تھا ان کی آواز میں دل چاہتا تھا کہ کبھی تلاوت ختم ہی نہ ہو، مجھے بچپن سے ہی اپنے شیخ قدس سرہٗ کی تلاوت میں بہت لطف آتا تھا، آپ کچھ اس انداز اور سوز و درد سے تلاوت فرماتے تھے کہ مجھے آپ کی تلاوت سننے کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور جی چاہتا تھا کہ خوب طویل قرأت ہو اور صرف قرآنِ کریم کی تلاوت سننے کے لیے جمعہ میں ہمیشہ آپ کے پیچھے پڑھا کرتا تھا۔

اکثر بلادِ اِسلامیہ سے آپ کے پاس دعوت نامے آتے رہتے تھے، لیکن کثرتِ مشاغل اور ذمہ داریوں کی زیادتی کی وجہ سے عموماً سفر نہ فرماتے تھے، لیکن اگر کوئی اہم دینی ضرورت محسوس فرماتے تو خواہ کتنے ہی علیل ہوں، سفر میں تاخیر نہ فرماتے، آخر عمر میں اسفار کے متحمل نہ تھے لیکن پھر بھی ہمت جوانوں اور صحت مندوں سے کہیں زیادہ تھی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے اوصاف اتنے بے شمار ہیں کہ جن کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ایک بہترین نمونہ اور یوسف ثانی بنایا تھا، ظاہری محاسن و اوصاف دیکھیں، تو اور باطنی خصائل و اوصاف دیکھیں تو اور، کسی نے سچ کہا ہے:

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں احادیث شریف میں آتا ہے:

جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ی دیکھتا تو ڈر جاتا اور جو ساتھ رہتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے لگ جاتا تھا۔ بالکل اسی کا نمونہ ہمارے شیخ بھی تھے، دور

سے دیکھنے والے یہ سمجھا کرتے تھے یہ بڑے جلالی ہیں، لیکن جو ساتھ رہ لے، خادم بن جائے یا کسی کو رفاقت میسر آجائے تو اس سے پوچھیے کہ کیا تھے اور کیسے تھے۔ خواہ معمولی سا خادم ساتھ ہو، یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی برابر کے آدمی سے باتیں کر رہے ہیں اور خادم نہیں بلکہ دوست ہے، اپنے ساتھی کا اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ اسے شرم آنے لگتی:

نہیں ممکن ادا ہو حق تیری بندہ نوازی کا
اگر انسان سراپا بھی زبانِ شکر بن جائے

سخی اور فیاض اس درجہ کے تھے کہ فرزدق کا مندرجہ ذیل شعر:

آپ پر صادق آتا تھا، کسی نے کوئی چیز مانگی یا کوئی فرمائش کی، یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اسے رد کیا ہو۔ طالب علمی کے زمانے میں ایک مرتبہ صحیح بخاری کا درس دے کر گھر جارہے تھے کہ ایک خادم پیچھے ہو لیے، آہٹ پر مڑے، پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا کیا بات ہے؟ کہا کہ بیٹھک میں بات کرنی ہے۔ فرمایا: چلیے۔ ساتھ لے گئے۔ تشریف فرما ہو کر استفسار فرمایا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا: مجھے آپ کا ایک جوڑا چاہیے۔ یہ سنا اٹھے اور الماری سے دھلا ہوا جوڑا لاکر دینے لگے انہوں نے کہا: یہ نہیں، مجھے تو یہ جوڑا چاہیے جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔ نہایت شفقت سے فرمانے لگے اس کی کیا ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا مجھے تو بس یہی چاہیے۔ فرمایا: اچھا پرسوں آجایئے۔ (جس دن وہ کپڑے اُتارتے تھے)۔ وہ اس روز گئے تو پورا جوڑا ان کے حوالہ کر دیا۔ وہ کہتے ہیں اس کو حاصل کر کے جو خوشی مجھے حاصل ہو رہی تھی، اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ چند روز بعد نہ معلوم ان کو کیا سوجھا کہ انہوں نے عرض کیا کہ ایک دھلا ہوا جوڑا بھی عنایت فرما دیجیے۔ چنانچہ شیخ قدس سرہٗ نے بلا کسی تامل کے وہ بھی فرما دیا جو آج تک ان کے پاس اسی طرح محفوظ ہے۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ہی کیا. بھی کسی چیز کے بارے میں کسی نے سوال کیا فوراً اس کو وہ چیز دے دی۔ غرضیکہ ہر موقع

اور ہر جگہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے رہے اور جب کبھی کسی نے ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک کیا، وہ کسی نہ کسی طرح سے اس کی مکافات فرمادیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ مہمان نواز اس درجہ کے تھے کہ معلوم ہوتا تھا یہ ان کی طبیعت ثانیہ ہے اور روحانی غذا ہے، مہمانوں سے نہایت تواضع، عزت واحترام کے ساتھ پیش آتے تھے اور آنے والے کے اعزاز وتکریم میں بچھے چلے جاتے تھے۔

طبیعت میں بہت زیادہ تھی، ہمیشہ سفید براق کپڑے، صاف ستھرا لباس، عمدہ قسم کا جبہ، سر پر دیدہ زیب رومال یا صافہ، صرف لباس ہی کیا ہر چیز میں نفاست کی یہی حالت تھی، سالوں آپ کے پاس استعمال ہونے والی کتابیں بھی ایسی صاف ستھری ہوتی تھیں کہ گویا نئی ہیں، ابھی استعمال ہی نہیں ہوئیں، نہ کتاب کھولنے کے نشان، نہ انگلی لگنے کے۔ مستعمل لباس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: یہ اتنا پرانا ہے اور اتنا قدیم ہے، لیکن دیکھیے تو ایسا معلوم ہو کہ جیسے بالکل ہے، ابھی کسی نے استعمال ہی نہیں کیا۔ حال ہی میں بندہ کو ایک اعلیٰ درجہ کا ''شیفر'' قلم عنایت فرمایا اور فرمایا کہ: یہ چالیس سال استعمال کیا ہوا ہے۔ لیکن دیکھنے میں آج بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل ہے۔ غرضیکہ ہر چیز کو اتنے اچھے طریقے سے استعمال فرماتے تھے کہ باوجود طویل زمانہ گزرنے کے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ پرانی چیز ہے، شب وروز استعمال ہونے والی اشیاء کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: میرے پاس چیزیں بہت دنوں تک چلتی ہیں۔

طبیعت میں ایسی نفاست تھی کہ غلط چیز دیکھنا برداشت نہ ہوتا تھا، دسترخوان اگر ذرا ترچھا بچھا دیا جاتا تو اس پر فوراً تنبیہ فرماتے۔ چائے کا چمچہ اگر کوئی غلط رہا ہے تو اس سے ناگواری ہوتی تھی، وفات سے کچھ روز قبل ایک صاحب کا انتقال ہوا، جنازہ میں شریک ہوئے، قبرستان جانے لگے تو تو ہم سے آگے والی موٹر کا ڈرائیور گاڑی صحیح نہیں

رہا تھا، کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ نہ اگلی گاڑی سے آگے بڑھتا نہ صحیح طور سے اس کے پیچھے چلتا۔ یہ دیکھ کر طبیعت پر اثر ہوا۔ فرمانے لگے: عجیب ڈرائیور ہے، گاڑی بھی چلانی نہیں آتی۔ میں نے اپنی گاڑی کے ڈرائیور سے کہا کہ گاڑی اس سے آگے کرلو۔ جب ہم اس سے آگے ہوگئے تو سکون ہوا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ اہل زیغ اور ملاحدہ وزنادقہ کے لیے تیغ بے نیام اور سیف اللہ المسلول تھے، غلط بات ہرگز برداشت نہ کرتے تھے، دنیا داروں کے سامنے نہایت خوددار وغیور رہتے تھے۔ حق کے معاملہ میں کسی قسم کی نرمی یا سہل انگاری اور مصلحت بینی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، مداہنت سے طبعاً نفرت تھی، علماء، صلحاء اور صوفیاء کے ساتھ نہایت تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، ان کا نہایت ادب کرتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا حضرت شیخ رحمہ اللہ مرید ہیں اور وہ کوئی شیخ طریقت ہیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علمی مقام سے دنیا واقف تھی اس لیے بڑے بڑے حضرات ان سے اجازتِ حدیث حاصل کرنے کے متمنی رہتے تھے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ساری ہی عمر درس وتدریس میں گزری اور تقریباً ہر فن کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں، لیکن دو فن آپ نہایت دلچسپی اور ذوق و شوق سے پڑھایا کرتے تھے، ایک تفسیر۔ آپ حقیقی معنوں میں شیخ التفسیر تھے، قرآن کریم کے نکات واسرار اس طرح بیان فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ الہام ہو رہا ہے، آپ کے ذوق کا دوسرا خاص فن، جس میں آخری ایام تک مسلسل مشغول رہے، وہ علم حدیث ہے۔ صحاحِ ستہ نہایت اہتمام سے خوب تحقیق وتدقیق کے ساتھ زیر درس رہی ہیں۔

فن حدیث میں آپ ابتداء ہی سے اتنے ممتاز تھے کہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں جامع ترمذی کے بارے میں یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ کس کے پاس رکھی جائے، تین حضرات میں سے کسی ایک کو دینا تھی تینوں پایہ کے عالم اور چوٹی کے مدرِّس تھے، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے حضرت شیخ رحمہ اللہ۔ طے پایا کہ طلباء سے رائے لی جائے، ووٹ ڈالے گئے تو مولانا امروہویؒ کے حق میں سات، مولانا میرٹھیؒ کے حق میں

تین اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے حق میں ستا ووٹ آئے۔ صحیح بخاری آخر دم تک پڑھاتے رہے، جامع ترمذی ایک طویل مدت تک نہایت تحقیق سے پڑھائی، سنن ابی داؤد کا نہایت محققانہ ومدققانہ درس آج تک طلباء کی زبانوں پر ہے، اسی طرح صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمدؒ، مقدمہ ابن صلاح وغیرہ بھی زیر درس رہیں۔

ایسا تو کئی مرتبہ ہوا کہ آپ نے جامع ترمذی اور صحیح بخاری ایک جماعت کو پڑھائی اور ایسا بھی ہوا کہ ترمذی اور ابوداؤد بھی ایک جماعت نے آپ سے پڑھی، لیکن خوش قسمتی سے یہ شرف صرف ہماری جماعت کو ہی حاصل ہے کہ اس نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ سے ایک سال میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ یعنی صحاحِ ستہ میں چار کتابیں پڑھی ہیں۔

لیکن راقم الحروف کا وہی حال رہا:

تہدیستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

تاہم دامن شیخ رحمہ اللہ سے وابستہ رہ کر امیدوار ہوں کہ:

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تصانیف عربی میں ہیں، جو عربی ادب کا شاہ کار ہیں، آپ کی تصانیف اہل عرب پڑھ کر حیرت میں رہ جاتے تھے کہ ایک غیر اہل لسان بھی اتنی اعلیٰ عربی لکھ سکتا ہے، آپ نے اپنی تمام تالیفات میں اسلوبِ تحریر بالکل اچھوتا ومنفرد رکھا تھا، دوسروں کی عبارتیں کرنے کی بجائے اپنے الفاظ میں ان کا خلاصہ اس طرح نکالتے تھے کہ اصل عبارت سے کم جگہ میں اس شرط کے ساتھ کہ اس میں سے کچھ رہ بھی نہ جائے اور سمجھنے میں کوئی دقت بھی نہ ہو۔ فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے اردو سے زیادہ عربی

میں لکھنا آسان معلوم ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ قلم ہاتھ میں لیا اور بلا تکلف لکھنا شروع کر دیا، اکثر ایسا ہوتا کہ اِدھر لکھا اُدھر پریس میں پہنچ گیا اور دوبارہ دیکھنے کا موقع بھی نہ آیا۔ معارف السنن جیسی خالص علمی اور اہم کتاب کی چھٹی جلد چھپ رہی تھی، جلد مکمل نہ ہوئی تھی کہ مسودہ ختم ہو گیا، عرض کیا گیا تو باقی ماندہ ابواب پر لکھنا شروع کر دیا۔ اِدھر آپ لکھتے اُدھر ہم اسے پریس بھیج دیتے۔ آپ کو اتنا موقعہ بھی نہ ملتا تھا کہ اس کی دوبارہ مراجعت کر لیں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے، عربی زبان میں نہایت عمدہ اور آب دار اشعار کہتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں دو قصیدے لکھے ہیں جن میں سے ایک ''قصیدہ فائیہ'' کے نام سے مصر کے معروف ہفت روزہ الاسلام میں اسراء ومعراج سے متعلق ایڈیشن میں ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا اور اہل عرب نے اسے بے حد پسند کیا تھا۔

اردو زبان میں حالاتِ حاضرہ، قومی وملی مسائل اور رد الحاد وزندقہ پر آپ کے علمی وتحقیقی مضامین اور آپ کے بے باک قلم کے اچھوتے شاہ کار ''بینات'' کے صفحات پر قارئین کے لیے ہمیشہ عبرت وبصیرت کا سامان بہم پہنچاتے رہے ہیں۔

جوں جوں سفرِ آخرت کا زمانہ قریب آتا جا رہا تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ پر علم وحکمت کی نئی نئی راہیں کھلتی جا رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیضانِ الٰہی کے نئے نئے چشمے پھوٹ رہے ہیں، جیسے آخر شب میں چراغ کی لو تیز ہو جایا کرتی ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری چند سال حاصل زندگی ہیں، جن میں وہ وہ کارنامے انجام دیئے ہیں جو پوری زندگی پر بھاری ہیں۔

حاصل عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

علم وعرفان، معرفت وایقان کا یہ آفتاب دل کے عارضہ میں تین دن مبتلا رہ کر ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

……………………………………

ابتداء میں جو ذکر کیا کہ اس پہلی زیارت کے بعد نہ معلوم کتنی مرتبہ سر راہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کی زیارت ہوتی رہی اور پھر خوش قسمتی یوں رنگ لائی کہ یہ ناچیز تو مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں داخل ہو کر اب یہاں خادم ہے لیکن وہ اچانک ہم کو تن تنہا چھوڑ کر یہ کہتے ہوئے ہم سے رخصت ہو گئے:

اور ہم کف افسوس ملتے ہوئے پکار رہے ہیں:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حالِ دِل اپنا
یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کو

اور آج حضرت شیخ قدس سرہٗ کا پسندیدہ و محبوب کمرہ دار التصنیف جس میں آپ نے تشریف فرما ہو کر ''عوارف المنن'' مقدمہ ''معارف السنن'' اور ''معارف السنن'' جلد سادس کا ایک معتدبہٖ حصہ تحریر فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں اور کئی علمی کتابوں پر مقدمات تحریر فرمائے تھے وہ کمرہ جو کبھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تشریف آوری کا منتظر رہتا تھا اور آپ کی آمد سے مہک اٹھتا تھا، آسمان والوں کے لیے اسی طرح چمکا کرتا تھا جس طرح زمین والوں کے لیے آسمان کے ستارے، وہ کمرہ آج یتیم ہے، بے نور ہے، خالی پڑا ہے، اس میں کام کرنے والے اپنی بے بسی، بے کسی، بے چارگی و بے نوائی پر حیران و ششدر ہیں:

شری حال د میں آ نہیں کوئی
فقط ایک بے کسی ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں

دار التصنیف کے ارکان کے کان جس میٹھی آواز کے عادی تھے، انہیں یقین

نہیں آتا کہ اب ان کے کانوں میں وہ شیریں آواز کبھی نہ آئے گی، ان کی آنکھوں کو اس پرنور چمکتے دمکتے چہرے کی زیارت کے لیے قیامت تک تڑپنا پڑے گا، ان کی روح کو اس عالم ربانی کے قرب سے مستفید ومحظوظ ہونے کا اب دنیا میں موقع کبھی نہ ملے گا:

اُٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کے لیے
یاد تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لیے
یہ جہاں خلیل ہے بے بقا، نہیں ہے بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل، چلی جس پہ بادِ خزاں نہیں

کہاں ہیں وہ علمی مجلسیں، کہاں ہیں وہ دقائق واسرار کے حل کرنے والے، کہاں ہیں وہ دست شفقت پھیرنے والے، روتوں کو ہنسانے والے، بے کسوں کا سہارا، مصیبت زدوں کا آسرا، بیواؤں، یتیموں، غریبوں، مسکینوں، طالب علموں، استادوں، علماء، صلحاء کے ماویٰ وملجا اور صوفیاء، مشائخ، اولیاء، متقین، مقربین، مخلصین، مقبولین، متوکلین، قانعین، زاہدین، صابرین، عابدین اور اقطاب کے ساتھی، ہم راز، دوست اور قدر شناس، سچ کہا ہے: موت العالم موت العالم۔ وہ کیا گئے کہ علم وفضل، جود وسخا، حلم ووقار، عفت وطہارت، عبادت وریاضت، حمیت وغیرت سب کو اپنے ساتھ لے گئے:

اور واقعی:

جی ہاں:

اُٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

لیکن نہیں، نہیں، یہ میں کیا کہہ رہا ہوں، قلم کیا لکھ رہا ہے، یہ وہم ہے، یوں ہی خیال

ہے، خواب کی ب تیں ہیں، میرے شیخ، میرے مربی، میرے روحانی والد، میرے ماویٰ و ملجا میرے کچھ تو وہ سامنے سے مسکراتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، مسجد میں نگاہیں خود بخود اس طرف اُٹھ رہی ہیں جہاں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ ز پڑھا کرتے تھے، دفتر مدرسہ کی طرف جاؤ تو معلوم ہوت ہے کہ وہ دفتر میں تشریف فرما ہیں بقول جگر مرحوم:

وہ کے آئے بھی اور گئے بھی میں اب ت سما رہے ہیں
یہ چل رہے وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

ے

وہی قیامت ہے قد لا وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں
ر اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم
جو پیدا ہے وں سے اُسے پیدا سمجھتے ہیں

اور:

مہمان ہے جس روز سے سینہ میں تیری ید
آ د ہے اُجڑی ہوئی بستی میرے دل کی
اب یہ عالم ہے ذرا بھی کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جانِ تصور پھر حدیث دل وہی
جو کچھ بھی ہو ا مِ گداز غم پنہاں
فی الحال تو کچھ ش تسکین یہی ہے

ہمارے حواس وشعور پ حضرت شیخ قدس سرہٗ کا اس قدر تسلط ہے کہ وہ ہر وقت ہمارے درمیان چلتے پھرتے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

صرصر نے لاکھ چاہا اٹھا نہ اس گلی سے
اب ت غبار اپنا خاکِ رہ وفا سے

پھر وہ تو عاشق او عاشق رسول اتھے اور:

ہرَ نمیرد آ دِلش ز ہ شد بعشق

ثبت   ا   ت   .   . یۂ   عالم   دوامِ   ما

اور صرف عاشق ہی نہیں بلکہ راہِ   امیں اپنی جان کا   رانہ پیش کرنے والے مجاہد بھی تھے اور ایسے سرفروش کے . رے میں ارشادِ   او ی ہے:

لیکن دوسری طرف آنکھیں پھٹ رہی ہیں، دِل ٹوٹ جار ہا ہے، دماغ معطل ہے، حواس ماؤف ہورہے ہیں، سکون کا مر کہیں بھی   نہیں آ :

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طولِ روزِ ہجر
حشر مجھ پ ہوَ ی لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں
سوائے مرگ نہیں کچھ علاجِ دردِ فراق
اجل کو ڈھو ے پھرتے ہیں ہم دو اکیلے

یا اللہ یہ کیا ہوَ ی ؟ یا رب کیسے ہوَ ی ؟ا ر آواز آتی ہے:

. ائی کا بہانہ:

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو کئی سال سے بلڈ پ   کا عارضہ تھا، ای   سال قبل دل پ ہلکا سا حملہ ہو چکا تھا، آ سفر میں . جا چاہا تو معالج خصوصی نے عرض کیا کہ آپ سفر نہ

کریں، فرمای: ٹھیک ہوں۔ دین کے کام کی ای آگ لگی تھی جو گھر پ نی ہی نہ دیتی تھی۔ چنانچہ ''اسلامی یتی کو '' کے اجلاس میں شر کے لیے ۱۳/ اکتو کی صبح کو اسلام آ د روانہ ہوگئے، ۱۳ اور ۱۴ اکتو ۱۹۷۷ء کو دونوں وقت کے طویل اجلاسوں میں شر فرمائی اور سابق اپنی حکیمانہ، محققانہ، عالمانہ اور عارفانہ آراء سے کو کے ارکان کو مستفید فرمای، کو کے روحِ رواں اور مجلس کی رونق تھے، کو میں آپ کی عظمت و اہمیت، علم و فضل، سیرت و صورت، کردار و گفتار کے سامنے ما تھے۔ ۱۴/ اکتو کو رات دس بجے میٹنگ ختم ہوئی اور اپنی قیام گاہ پ تشریف لے گئے، دوسرے دن دل پ سخت حملہ ہوا اور ایسی شدی تکلیف ہوئی جو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

بیماری کی اطلاع جیسے ہی کراچی پہنچی، فوراً دعا ، ختمات شروع ہوئے، پنڈی سے ا رابطہ قائم رہا اور لحہ کی اطلاع ملتی رہی، کبھی حا تشویش ک ہونے کی اطلاع آتی تو کبھی سنبھلنے کی۔ ۱۷/ اکتو کی رات کو اطلاع آئی کہ طبیعت بہتر ہے اور وضو کی اجازت مل گئی ہے۔ یہاں کے بے ب و بے قرار دلوں کو کچھ سکون نصیب ہوا۔ ۱۷/ اکتو کو صبح فجر کی ز کے بعد میں دفتر مدرسہ کی طرف آی، خیال تھا کہ پنڈی فون کر کے خیری معلوم کروں، لیکن یہ سوچ کر کہ اتنی صبح وہاں کون ی ہوگا؟ فون کرنے سے رُک ی اور سوچا کہ کچھ دی بعد فون کرلوں گا، کچھ دی بعد پنڈی سے اس حادثہ جانکاہ، روح فرسا، و ش ا خبر کی اطلاع آئی اور اس طرح وہ ذات جو دوسروں کو ز گی بخشتی تھی وہ آج صبح سوا پ نچ بجے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے ای عالم کو یتیم بنا گئی اور آفتابِ رشد و ہدای جو وز شنبہ ۶/ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ میں مہا آ د میں ع ہوا تھا۔ وزِ دوشنبہ ۳/ ذو القعدہ ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۷/ اکتو ۱۹۷۷ء کو راولپنڈی میں غروب ہوَ ی۔

یہ خبر کانوں کو پ ڑی تو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی جلدی اور پھر یہ اچا کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن ر ر کے فون اور اطلاعات نے تسلیم کرنے پ مجبور کر دی اور اس طرح سے ہتھیار ڈالنا پ ڑے کہ حواس ختم، عقل گم، ز ن گنگ اور شعور معطل ہوَ ی۔ پھر کچھ دی ی تو ضبط کرنے کی کوشش کی:

لیکن یہ سعی لاحاصل تھی اور جلد ہی صبر کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک پڑا۔ آنکھوں سے آنسو، زبان سے آہیں جاری ہوگئیں۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد نیو ٹاؤن سے آہ و بکا، یہ ولولہ کی دلخراش آوازیں آرہی تھیں، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔ ہر شخص اپنی جگہ پر مجسمہ حیرت اور سراپا غم والم بنا ہوا تھا، واقعی اگر اللہ کی طرف سے صبر نہ ملتا تو نہ معلوم کتنے دھڑکتے دل بند ہوجاتے، کتنے ہی مسکراتے چہرے ماند پڑ جاتے، کتنے گھرانے اُجڑ جاتے، کتنے ہی بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہوجاتیں۔ درحقیقت یہ مصیبت ہی ایسی اندوہناک تھی:

یہ روح فرسا، اندوہناک اور وحشتناک خبر جنگل کی آگ کی طرح پاکستان میں پل بھر میں پھیل گئی اور ہزاروں عقیدت مند لواحقین، متعلقین، اقرباء واعزا، روحانی اولاد راولپنڈی میں جمع ہوگئی اور تین بجے حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

جنازہ سے قبل غسل کے بعد جب دیدار کے لیے لوگوں کو موقع دیا گیا تو عینی شاہد بتلاتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتہائی سکون کے عالم میں آرام فرمارہے ہیں، حسین وجمیل چہرہ اسی آب وتاب، نور وسرور کے ساتھ ناظرین کے سامنے تھا اور:

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لب اوست

جہاز کی خرابی کی وجہ سے جہاز کے روانہ ہونے میں تاخیر ہوتی رہی، بالآخر رات آٹھ بجے کے قریب جہاز آگیا، جب جہاز رن وے پر رکا تو ہم لوگ وہیں کھڑے تھے، جہاز کے رکتے ہی جب ڈگمگاتے قدم آگے بڑھے تو دل بے قابو ہورہا تھا، ٹھنڈا

جاری تھا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے اور اچانک ایسا چکر آیا کہ اگر قدم نہ رکتا تو گر جاتا۔ چند لمحوں بعد حواس قابو میں آئے تو پھر آگے بڑھے، اس وقت بجائے چمکتے روشن، پُر نور چہرہ کے سفید تابوت سامنے تھا، جس کے آتے ہی ایک آہ و بکا کا بازار گرم ہوگیا، نہ معلوم مخلوقِ خدا کہاں سے امنڈ آئی تھی۔ اہالیانِ کراچی نے اتنا بڑا مجمع شاید کسی جنازہ میں نہ دیکھا ہوگا، ائیر پورٹ سے نہ معلوم کہاں تک موٹروں، ٹیکسیوں، اسکوٹروں اور سائیکلوں پر سوگ واروں، یتیموں اور پروانوں کا ایک ہجوم ہی ہجوم تھا، ہر آنکھ پُرنم اور ہر دل شکستہ تھا، افتاں و خیزاں نیوٹاؤن پہنچے تو گاڑی اندر لانا مشکل ہوگیا، آدھے گھنٹے کی تگ ودو کے بعد تابوت گھر لے گئے، وہاں ایک کہرام بپا تھا، تابوت کھلا اور بے قرار دلوں کی بے قراری اور بڑھ گئی۔ آنسوؤں کی جھڑی اور تیز ہوگئی، آہ و بکا کی آواز سے فضا تھرانے لگی۔ بمشکل تمام جلدی جلدی جنازہ کا انتظام ہوا، چونکہ برادرم مولوی سیّد محمد بنوری صاحب نے پنڈی میں نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی، اس لیے محترم حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب عارفی نے اُن کی اِجازت سے نمازِ جنازہ پڑھائی اور سوگ واروں کا بے پناہ ہجوم پروانہ وار اس ذاتِ قدسی صفات کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے چلا اور اس طرح وہ منبع نور جو زندگی بھر تو مسجد کے بائیں جانب قیام پذیر رہا، خدا نے اسے اب مسجد کی دائیں جانب منتقل کردیا۔ جہاں ہر وقت سلام پڑھنے والوں، قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ حال تھا کہ روضۂ اقدس (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی خاکِ پاک محفوظ کر رکھی تھی اور ساتھ ہی چراغ میں جلنے والا تیل اور بیت اللہ کے غلاف کا ٹکڑا اور خانۂ خدا کے چھت کی لکڑی اور جس ملفوف میں یہ قیمتی اشیاء محفوظ کر رکھی تھی اس پر یہ وصیت تحریر فرما رکھی تھی کہ اس خاکِ پاک کو میری آنکھوں کا سرمہ، تیل کو کفن کا عطر، غلافِ کعبہ کو کفن کی زینت اور خانۂ خدا کی چھت کی لکڑی کو قبر میں رکھ دیا جائے۔ الحمدللہ ان وصیتوں پر بہ ہدایت عمل کیا گیا۔ اور اس طرح سے ہمارے وہ شیخ جن سے ابھی ہم صحیح معنوں میں مستفید بھی نہ ہو سکے تھے کہ وہ ہماری ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوگئے:

روئے گل سیر ٠ یم کہ بہار آ٠ شد
ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبح فراق
موت کا . وقت ملتا ہے ٹلتا ہی نہیں
یہ مدامِ موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلہ ٠ اس
یہ ستم ہے دشِ آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں
ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کف د ت ساقی چھلک پڑا
رہیں دل کی دل میں ہی حسرتیں کہ ں قضا نے مٹا دیہ
افسوس کہ دل شوقِ حضور میں ہے بے ت ب
در.ن یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

لیکن نہیں:

دھرتی نے جو . لار تو کیا، تو اپنی او پ کو اٹھا
دا ت کے کرم میں کیا ہے کمی، . لی ہے وہی . سات وہی

(ی ت بنوریؒ نمبر)

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ

صحبتِ اولیاء

:

ایک زمانے میں والدین، سرپرست اور مربی بچوں کی تعلیم وتربیت کا بہت اہتمام کیا کرتے تھے، اُن کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اُن کی اولاد صحیح معنی میں اِنسان، عبودیت کا حق ادا کرنے والی بنے، خالق و مالک سے رابطہ اور اُس کے فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کا حق بھی ادا کرے اور زمین پر چلتا پھرتا فرشتہ بنے، اسے دیکھ کر لوگوں کے دل وزبان گواہی دیں کہ انسان ہو تو ایسا ہو۔

ہمارے اکابرین میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا، میں نے اپنے پیارے والد حکیم مختار حسن صاحب رحمہ اللہ اور عظیم مربی و شیخ حضرت مولانا سیّد محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ میں یہ وصف بدرجہ اتم پایا، بچپن میں والد صاحب رحمہ اللہ نے حضرت عبد العزیز صاحب دعاجو دہلوی رحمہ اللہ کی صحبت میں کئی رمضان متواتر گزروائے، وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ بزرگوں کی خدمت میں لے جاتے رہے اور یہی معاملہ سیّدی حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ نے فرمایا، چنانچہ اب سے تقریباً ۲۷ سال قبل جس زمانہ میں بندہ جامعہ علوم اِسلامیہ بنوری ٹاؤن میں تخصص فی الحدیث کا طالب علم تھا، ایک روز راستے میں حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کو تشریف لاتے دیکھا، آمنا سامنا ہوا، سلام کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا: کہاں جارہے ہو؟ میں نے عرض کیا: کہیں نہیں، فرمایا: ایک بزرگ تشریف لائے ہوئے ہیں چلیں اُن سے ملواؤں، محبوب حضرت شیخ کا فرمان، معیت و رفاقت اور وہ بھی ایک بزرگ کی زیارت کے لیے، اس سے بڑھ کر بندہ کے لیے اور کیا نعمت ہوسکتی تھی، سعادت اور نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے حامی بھرلی اور ساتھ ہولیا۔

سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں بابو عبدالعزیز مرحوم کے بنگلہ بی۔۸۰؍ پر پہنچے، وہاں کچھ اہل اللہ اور نیک بندے ذکر و شغل میں مصروف تھے حضرت بنوری رحمہ اللہ کو

دیکھتے ہی [illegible] اِستقبال کے لیے کھڑے ہوگئے، فوراً اندر لے گئے، دیکھا ایک نورانی چہرہ والے فرشتہ صفت بزرگ تشریف فرما ہیں، حضرت بنوری رحمہ اللہ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے، بڑی محبت سے معانقہ کیا، مزاج پرسی کے بعد حضرت بنوری رحمہ اللہ نے بندہ کا تعارف کرایا، دعا کرائی، اس مجلس میں زیادہ وقت خاموشی اور سکوت میں گزرا، وقفہ وقفہ سے چند علمی باتیں بھی ہوتی رہیں، اس عرصہ میں جو سکون طمانینت اور قلب کو ناقابل بیان راحت ملی وہ بیان سے باہر ہے اس کا اندازہ وہ کرسکتا ہے جو اس میدان میں قدم رکھ چکا ہو یا جو اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھا ہو، مجلس سے رخصت ہونے پر گاڑی میں راستہ میں حضرت بنوریؒ نے مجھ سے فرمایا: میں نے اپنی زندگی میں اتنا قوی التاثیر اور اتنا تیز بزرگ نہیں دیکھا آپ ان سے بیعت ہوجائیں، میں نے برجستہ عرض کیا: میرا کسی اور سے ارادہ ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے یہ پوچھا کہ کس سے بیعت کا اِرادہ ہے؟ نہ میں نے اس کا اِظہار کیا، اس وقت بندے کا اِرادہ یہ تھا کہ اپنے مربی واستاذ حضرت بنوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوں گا لیکن کبھی اُن سے اس کا اِظہار نہیں کیا تھا۔

چندروز بعد پھر ایک روز حضرت بنوری رحمہ اللہ سے سرراہ ملاقات ہوئی، فرمایا: ان بزرگ کے پاس جارہا ہوں، چلیں گے؟ میں نے کہا ضرور ہم خرما وہم ثواب، بزرگ سے ملاقات بھی اور اپنے محبوب شیخ رحمہ اللہ کی معیت بھی، سونے پر سہاگہ اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی، چنانچہ وہاں حاضری ہوئی، واپسی پر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے پھر فرمایا کہ آپ ان سے بیعت ہوجائیں میں نے عرض کیا میرا کسی اور سے ارادہ ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ میں نے جس روز حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا اُسی دن اُن کا غلام بے دام ہوگیا تھا، اور روزانہ عصر کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوجاتا تھا اور ان کی مجلس میں حاضر رہتا تھا، جب وہ آرام کے لیے لیٹتے اُن کا بدن دباتا، سر میں تیل کی مالش کرتا اور رات کو ساڑھے گیارہ بجے وہاں سے ناظم آباد اپنے غریب خانے جاتا تھا۔

اس مختصر سے قیام اور اس مختصر سی صحبت نے بندے کے دل ودماغ پر جو اثرات چھوڑے اُن کو بیان نہیں کرسکتا، وہ عبادت وریاضت، جہد ومجاہدہ، ذکر واذکار،

مریدین وحاضرین کے دلوں پر خاموشی وسکوت کے ساتھ ایسا اثر ڈالتے کہ گھنٹوں کے وعظ اور بیسیوں نصیحتیں وہ اثر نہ کرسکیں، کیا ادا تھیں؟ کیا خاموشی تھی؟ کیا تلاوتِ قرآن تھی کہ عقل انسانی حیران ہو، کیا نوافل اور قیام اللیل کہ اِس دور میں اُس کا تصور بھی مشکل ہے، تلاوتِ قرآن شاید ہر لمحہ جاری رہتی، جب دیکھیں تلاوت میں مصروف، مجلس ہو یا نشست و برخاست، نوافل ہوں یا سنن معلوم ہوتا تھا کہ پورا قرآنِ کریم چند گھنٹوں میں ختم کرنا ہے۔ کیسا اہتمام، کیسی یکسوئی، کیسی جانفشانی میرے خیال میں اس دور میں اس کا تصور بھی مشکل ہوگا، واقعی یہ حضرات یہ جانتے اور سمجھتے تھے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ سے ملنے، ہم کلام کرانے اور قرب کا اہم ترین ذریعہ اور اقرب ترین واسطہ ہے، کسی نے خوب کہا ہے۔

جس نے قرآن پڑھا گویا کیا حق سے کلام
واہ کیا قرب کا سامان ہے قرآن شریف

حدیث میں آتا ہے کہ فرشتوں کی غذا تسبیح وتکبیر اور تہلیل ہے، ہم نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ اہل اللہ بھی دنیا میں اسی کو غذا کو بناتے ہیں، ضرورت سمجھ کر اشیاء خوردونوش بھی استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کی اصل غذا یہی ہے، چنانچہ میں نے اپنے دونوں شیخوں اس حضرت بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کو قرآنِ کریم کا جس انداز سے دل دادہ اور فریفتہ پایا اس کا الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتا، جن حضرات نے ان کی تلاوت اور قیام اللیل کو دیکھا ہے وہ اس حقیقت سے خوب آشنا ہیں۔

گھنٹوں نماز میں کھڑے رہنا، پہروں تلاوت میں لگا دینا یہ ہمارے حضرت رحمہ اللہ کا خصوصی وصف اور مابہ الامتیاز تھا۔

اکابرین کا آپس میں جو قلبی تعلق ہوتا ہے وہ عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے یہ حضرات ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں، ہیرے کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرات دل سے ایک دوسرے کے ایسے قدر دان تھے کہ دیکھنے والے اس پر عش عش کرتے تھے۔ یہی صورتِ حال مکی مسجد (کراچی تبلیغی مرکز) میں اس وقت بھی بہت

یں آتی تھی۔ ب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارن پوری رحمہ اللہ کے ساتھ ان دونوں حضرات اکابرین کا اجتماع ہوتا تھا۔ ایک روز حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ تشریف لے گئے تو حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے اپنے رفقاء وصاحبزادگان سمیت سامانِ سفر باندھ رکھا تھا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت! آپ تشریف لے جارہے ہیں، ہمارے مدرسہ تشریف فرما نہیں ہوئے؟ اسی وقت بچوں کو روانہ کردیا اور خود اپنے رفقاء کے ہم راہ جامعہ علوم اِسلامیہ تشریف لے آئے اور پھر کئی ماہ یہاں کے تشنہ قلوب کو سیراب کرتے رہے۔ جب ہمارے شیخ یہاں تشریف لائے تو حضرت مولانا رحمہ اللہ کی خوشی کی انتہاء نہ رہی، چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند ایسا چمک رہا تھا کہ دل چاہتا تھا پیشانی چوم لوں، وہ خوشی، وہ سرور، وہ کیف آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے، پھر قدر دانی اور تکریم کا جو انداز ہمارے شیخ بنوری رحمہ اللہ میں تھا اس کا آج کے دور میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔ اپنے سارے پروگرام حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خاطر ملتوی کردیئے۔ صبح کا ناشتہ ہو یا دوپہر کا کھانا، عصر کی چائے ہو یا مجلس، رات کا کھانا ہو یا آرام، ہر وقت حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ، حضرت رائے پوری رحمہ اللہ بار بار حضرت مولاناؒ سے فرماتے کہ آپ آرام فرمائیں، آپ کی مشغولیت ہے لیکن بھلا کوئی حقیقت سے آشنا اور اُن کے مرتبہ کو پہچاننے والا اُن کی رفاقت، صحبت اور معیت سے دور رہ سکتا تھا۔ ہمارے حضرت مولانا رحمہ اللہ جس مرتبہ پر فائز تھے اور جو قبول عند اللہ اُنہیں نصیب تھا اور جو عبادت وریاضت وہ کرتے تھے وہ اپنی مثال آپ تھی، لیکن تواضع، للّٰہیت اور کسر نفسی ایسی کہ جیسے کوئی مرید شیخ کے پاس بیٹھا ہو اور یہ معاملہ طرفین سے یکساں تھا۔ دونوں بڑے بے ، متواضع اور قدر دان، دیکھنے والا ہر ایک کو یہ سمجھتا کہ گویا وہ بڑا ہے۔ بہر حال وہ مجلسیں وہ صبح وشام، وہ ذکر و اذکار کی محفلیں، وہ عصر کے بعد کی مجالس جامعہ علوم اِسلامیہ کے در و دِیوار نے پہلے کبھی دیکھی تھیں اور نہ شاید دیکھیں گی۔ دو اللہ والے، دو عاشق رسول، دو ذاکر و شاغل اور دو پیر ایک جگہ جمع ایک دوسرے پر اپنی جان قربان کررہے ہیں، سبحان اللہ! کیا بات تھی۔

ان دنوں حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شاہ

عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کی علمی مجالس بھی ہوتی تھیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اللہ اللہ کرنے اور ذکر و شغل میں مصروف رہنے والے بزرگ فقہ اور علوم پر ایسی دسترس رکھتے ہیں جو شاید سالوں پڑھانے والے اساتذہ کو بھی نصیب نہ ہو، ایسی تحقیق و تدقیق جو بڑے بڑے مفتیوں کے حصے میں بھی نہ آئی ہوگی، ایسے دلائل اور انداز جو بڑے سے بڑے وکیل اور بیرسٹروں کو بھی لاجواب کردے، جس کے سامنے بڑے سے بڑے وکلاء بھی ششدر اور حیران رہ جائیں۔ ایک دو مرتبہ نہیں کئی مجالس اور بے شمار مواقع پر دیکھا: وہبی علم تھا جو کتابی علم کے ساتھ ذِکر اِلٰہی کے اثر سے اور بڑھ گیا تھا۔

جی ہاں! تو کراچی کا یہ قیام کس طرح اِس تیزی سے ختم ہوا کہ پتہ بھی نہیں چلا اور ہمارے شیخ حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کراچی سے سرگودھا تشریف لے گئے میرے دل و دماغ پر ایسے لافانی نقوش اور ایسے اثرات چھوڑ گئے جو وقت کے گزرنے کے ساتھ اور زیادہ بڑھتے ہی رہے، اُن کی محبت میں اور اِضافہ ہی ہوتا رہا۔ میں اگرچہ رسماً اُن سے بیعت نہیں ہوا تھا لیکن قلبی تعلق پہلی ہی مجلس میں قائم ہوگیا تھا اور خط و کتابت کے ذریعہ اُن سے مستقل رابطہ رہا۔ اس قیام میں اُن کی محبت، شفقت اور ذرّہ نوازی نے مجھے نہ معلوم کیوں اُن کا ایسا جانثار اور شیدائی بنادیا جس کا تصور بھی میں نہ کرسکتا تھا۔

اِسی دوران بندہ تعلیم کی غرض سے جامعہ اِسلامیہ مدینہ منورہ چلا گیا۔ چار سال بعد وہاں سے واپس ہوا تو ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کراچی تشریف لائے اور جامعہ ہی میں قیام فرمایا، ذکر و اذکار کی ایسی بہار آئی کہ جو ناقابل بیان ہے، وہ انوارات کی بارش، وہ تجلیات کی ضیاء پاشیاں، وہ اللہ والوں کی نشست و برخاست، صالحین و اولیاء کا صبح و شام یکجا ہونا اور علماء و مشائخ کا دو زانو بیٹھنا اور خاموش مجلس سے مالا مال ہوکر اُٹھنا آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

یہ بھی بتاتا چلوں کہ شروع میں میرا خیال یہ تھا کہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوں گا، اِس لیے کہ مجھے ان سے جو عقیدت، محبت اور تعلق تھا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ میں نے ان کو جیسا پایا، ان میں جو اوصاف دیکھے، ان میں جو شفقت، محبت اور رأفت پائی، اس نے دل کی کائنات ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ وہ میرے

محبوب شیخ بھی تھے، وہ میرے مربی اور معلم بھی تھے، وہ میرے سب کچھ تھے اور ایسے ہی بزرگ کو اپنا مقتدیٰ اور پیر بنانا چاہیے۔ لیکن جب حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو بقول حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ واقعی ایسے قوی التاثیر اور اونچے بزرگ تھے کہ انہوں نے مقناطیس کی طرح اپنی طرف جذب کر لیا۔ اُن کی محبت بھی نرالی تھی، ان کا انداز بھی پیارا تھا، ان کی خاموشی بھی وعظ و نصیحت سے زیادہ اثر انگیز اور ان کی توجہ بھی بڑی پُر اثر، پُر کیف اور تیز تر تھی۔ چنانچہ اپنے محبوب شیخ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی رائے، خواہش اور حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اپنی رائے کو چھوڑ دیا اور حضرت رائے پوری رحمہ اللہ سے منسلک ہونے کا ارادہ کر لیا اور پھر حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی کراچی آمد پر اُن کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اس لائن کا شیخ ایک ایسی ہستی بنی جو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ جیسے ولی کامل اور عظیم شیخ طریقت کے نواسے اور علماء و اکابرین کے مسلم شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے سچے اور کامل جانشین تھے۔ جو اپنے شیخ کے رنگ میں ایسے رنگے کہ اُن کا ذہن، اُن کی سوچ، اُن کا انداز، اُن کا چہرہ، اُن کی نشست و برخاست بالکل شیخ کی طرح ہو گئی، حتیٰ کہ اُن کی بتیسی بھی آخری وقت میں اُن کے منہ میں بالکل صحیح بیٹھی ہوئی جو اَصحابِ فن اور اس علم کے ماہرین کے یہاں ایک کرامت سے کم نہیں اور کیوں نہ ہو کہ اپنے شیخ کے سچے پکے عاشق اور شیدائی تھے، اُن کے صحیح جانشین اور اُن کے علوم و فیوض کے حامل تھے۔

حضرت بنوریؒ کو جب میرے بیعت ہونے کا علم ہوا تو بڑے خوش ہوئے۔ اس لیے کہ وہ پہلے ہی اس کے خواہاں تھے، میں نے اپنی زندگی میں حضرتؒ کو جتنا مولانا عبد العزیز رائے پوریؒ سے متأثر دیکھا، اُتنا کسی سے متأثر نہیں دیکھا، جس قدر اُن کی مدح سرائی اور تکریم کرتے تھے اُس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، صاحبِ بصیرت تھے اور اصحابِ بصیرت کی قدر وہی کرنا جانتے تھے، کراچی میں قیام کے دوران تعلیمی اوقات کے علاوہ میرا سارا وقت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ گزرتا تھا، وہ میری اِصلاح کی

خاطر اپنے ساتھ ہی بٹھاتے اور کھلاتے پلاتے تھے، اُن کی شفقتیں اور پیار آج بھی رلاتا ہے، مجھے اپنی اخیر زندگی میں دونوں شیخ ایسے ملے کہ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو میں آج نہ معلوم کس کوچہ کا باسی اور کس بازار کا دکان دار ہوتا، ان حضرات نے میرے رگ وپے میں وہ علم وعمل اور للّٰہیت بھر دی، جس نے مجھے علم وعمل کی راہ سجھائی، عبودیت کی حقیقت آشکارا کی اور عبداللہ بننے کا ایسا سبق دیا جس نے میرا سب کچھ بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ رحمتوں کی بارش برسائے ان روحوں پر جو واقعی انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے سچے وارث، علومِ نبوت کے حقیقی حامل اور شریعت مطہرہ کے عامل تھے، جن کو دیکھ کر خدا یاد آیا کرتا تھا، جن کی باتیں دل پر اثر کرتی تھیں، جن کی [illegible] مُردوں کو مسیحا بنایا کرتی تھی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ علمی مجالس بعض مرتبہ رات رات بھر جاری رہیں، اُن کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جو مسئلہ بھی ہو اُس کے اصل مرجع کی طرف مراجعت کی جائے اور جب تک اُس کی تہہ تک نہیں پہنچتے تھے سکون سے نہیں بیٹھتے تھے، کئی مرتبہ عشاء کے بعد سے تہجد کے وقت تک علمی مجلس اور تحقیق جاری رہی اور اس کے بعد وہ اللہ جل شانہ سے راز و نیاز میں مشغول ہوگئے، صبح ہوئی تو وہی معمولات، نہ تکان کا اثر، نہ نیند نہ ہونے کا مسئلہ، نہ بھوک پیاس سے متأثر، نہ بے آرامی سے پریشان، معلوم ہوتا تھا کہ نماز وتلاوت غذا اور علمی تحقیق وجستجو اُن کا آرام ہے۔

حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی خدمت میں فیصل آباد میں کئی رمضان المبارک گزارے، رمضان المبارک میں تو گفتگو تقریباً بند ہی ہو جاتی تھی، سوائے افطار وسحر کے کھانے کی اِبتداء یا اثناء میں جو بات ہوگئی ہوگئی، ورنہ تو تلاوتِ قرآنِ کریم اور نوافل ہیں اور شیخ ہیں، اور خدام بھی اپنے اپنے اوراد و مشاغل میں مصروف رہتے، کیا مجال تھی کہ کوئی شخص لایعنی میں مشغول ہو، کیا امکان تھا کہ کوئی شخص لہو ولعب میں وقت ضائع کردے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص چپکے چپکے ہر ایک کو ذکر وفکر، اوراد و وظائف اور تلاوت ونوافل میں مشغول کررہا ہے۔ قادیانیوں کے خلاف جب تحریک چلی تو ہمارے

شیخ حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے باوجود ضعف و کمزوری اور مختلف امراض و عوارض کے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھرپور طریقے سے قائدانہ قدم اُٹھایا اور رات دیکھی نہ دن، صبح دیکھی نہ شام، نہ دیکھا نہ بحر، موجیں دیکھیں نہ ژالہ باری، حکومت سے گھبرائے نہ دشمن کے عزائم سے، مردِ میدان کی طرح نہایت پامردی، عزم و اِستقلال اور قوتِ اِیمانی سے آگے بڑھتے اور دِلوں کو گرماتے گئے اور جب سرگودھا پہنچے تو حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کے ہاں قیام فرمایا، اُن سے دعائیں لیں، مشورے کیے اور اللہ جل شانہ کی ذات پر یقین کامل رکھتے ہوئے آگے بڑھے اور ایک موقع پر اس وقت کے وزیر اعظم جناب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو صاحب مرحوم کو بڑے جرأت مندانہ انداز میں فرمایا کہ: بھٹو صاحب! اگر فیصلہ کرنا ہے تو کر دیں، ڈرتے کیا ہیں؟ آج تخت پر ہیں کل تختہ پر ہوں گے، یہ سن کر وزیر اعظم پر سکتہ اور ان کے ایوان میں لرزہ طاری ہوگیا، اس لیے کہ اس تمکنت، دبدبہ اور جوشِ اِیمانی کے ساتھ ان سے شاید ہی کسی نے کبھی بات کی ہوگی، ان کے شیخ امام العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے جس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ابتدائی قدم اُٹھایا تھا اور جس کے لیے حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری رحمہم اللہ نے رو رو کر دعائیں کی تھیں، آج ان کے شاگردِ رشید اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک رہے تھے، ان کے نواسے اور جانشین دعاؤں اور دواؤں دونوں کے ساتھ بھرپور مدد کر رہے تھے، بالآخر اللہ جل شانہ نے اس فتنہ کی سرکوبی ان حضرات کے ہاتھوں کرادی۔

دنیا فانی اور آنی جانی ہے،

یہاں کوئی رہا ہے نہ رہے گا، جو آیا وہ جانے کے لیے آیا ہے، ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ ہمارے پیارے شیخ محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ علمی طور سے ہمیں یتیم بنا کر داغِ مفارقت دے گئے

تھے اور ابھی ہم اس اچا حادثہ پ سر اور انگشت ان تھے کہ کئی سال شد ی بیمار رہنے اور پیکر عزم و استقلال کے بعد ہمارے دوسرے پیارے شیخ پیر طر ، علامہ دوراں حضرت مولا شاہ عبد العز ی صا رائے پوری رحمہ اللہ بھی اچا رحلت فرما گئے، میں ای ماہ سے اس کوشش میں تھا کہ حج ی اللہ کے لیے چار جون کی ی ٹ مل جائے لیکن چار کی بجائے پنچ جون کی ی ٹ ملی، بہر حال یہ سوچا کہ اس میں بھی اللہ جل شانہ کی حکمت ہوگی ہتھیار ڈال دیئے۔

معمول فجر کی ز کے بعد اپنے کمرے میں آ کر مطالعہ کر رہا تھا کہ ڈاکٹر سعید صا کے ادرِ محترم نے اس حادثہ فاجعہ کی اِطلاع دِی، زمین پ ؤں سے نکل گئی، پ وَ ام معلوم ہوا کہ شام چھ بجے سرگودھا میں جنازہ ہوگا، اسی وقت ادرِ عز ی مولا ظفر احمد سے پ وَ ام بنانے کو کہا، ادرِ عز ی مولا محمد نعیم نے فون کر کے معلومات کیں اور گاڑی لے آئے، معلوم ہوا ساڑھے نو بجے فیصل آ د کے لیے جہاز ہے۔

جامعہ میں طلباء و اسا ہ کو قرآنِ کریم کی تلاوت میں مشغول کر کے ان حضرات کے ساتھ ائیر پورٹ ی ، بمشکل دو سیٹیں ملیں اور میں اور مولا ظفر احمد صا یہاں سے فیصل آ د روانہ ہوئے، وہاں انہوں نے اپنے بھائی کی کار لی اور سرگودھا روانہ ہوگئے، زِ ظہر سرگودھا کی جامع مسجد گول چوک میں پ ھی، پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دو ی کدے پ آئے، سوز و گداز سے بھری عجیب غم ک فضا تھی، حضرت رحمہ اللہ کے ے صا زادے جناب مولا سعید احمد صا رائے پوری سے قات ہوئی، پھر دوسرے صا زادگان راؤ رشید، راؤ خلیل، راؤ، حبیب، راؤ ظفر، راؤ عبد القادر اور دوسرے متوسلین اور متعلقین سے قات ہوئی، کچھ غم ھا کچھ ہلکا ہوا، کبھی آنکھوں میں آ کبھی سانس کا رکنا، کبھی خلوت کبھی جلوت، کبھی ہوش کبھی بے ہوشی کی عجیب سی کیفیت تھی کہ اسی اثناء میں راؤ لئیق صا اس کمرے میں لے گئے جہاں حضرت رحمہ اللہ کا جسد خاکی اسی آب و ت ب، اسی جلال و جمال اور رعنائی و زیبائی کے ساتھ موجود

تھا، پیشانی کو بوسہ دی، غسل کا بندوبست ہوا، احباب کے ساتھ مل کر غسل دی، کفن دی اس کے بعد عصر کی ز کا وقت ہوَ ی۔ عصر کی ز پڑھ کر سرگودھا کی عیدگاہ میں ہزاروں شیدائیوں، عقیدت مندوں، علماء، صالحین، اکا. ین اور اللہ والوں کے جم غفیر نے صا. زادہ جناب مولا· سعید احمد صا. رائے پوری کی امامت میں زِ جنازہ پڑھی، اس کے بعد مجبوراً ہم لوگ لاہور روانہ ہو گئے، اس لیے کہ رات ۴ ؍ بجے کی پ واز سے کراچی پہنچنا تھا اور سہ پہر کو. ہ روانگی تھی، حضرت رحمہ اللہ کے جسد اطہر کو لاہور لای َی اور قانونی تقاضے اور کارروائی کو پورا کرنے کے بعد اُن کی قلبی خواہش کے مطابق اُن کے ·· حضرت مولا· شاہ عبد الرحیم صا. رائے پوری رحمہ اللہ کے پہلو میں رائے پور میں دفن کر دی َی، اللہ اللہ یہ وہ ہستیاں تھیں جو شاذ و· در پیدا ہوتی ہیں، وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنی محبت کا پیالہ پلا کر ایسا دیوانہ بنای کہ کہیں کا نہ چھوڑا۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی .ڑھا گئے

اور کسی نے سچ کہا ہے۔

واقعی اللہ تعالیٰ کے . کام حکمتوں سے پ ہیں، اَ ہماری ی ٹ چار جون کی ہوتی تو .ڑی حسرت رہتی، ساری عمر صدمہ رہتا کہ جنازے میں شری ہوئے نہ کفن دفن میں، اللہ تعالیٰ نے پ نچ کی ی ٹ کرا کے اس سعادت سے مالا مال فرمای کسی نے سچ کہا ہے۔

حکمتوں سے ہیں بھرے . رب کے کام
حکمتوں کو کیسے پہنچے عقل خام

مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ،

۔ یہ جسد خاکی جس نے اپنے ۵ . وروز تلاوتِ قرآن، صلاۃ وصوم، اِصلاحِ

اُمت اور اِصلاحِ قلوب میں صرف کیے، وہ آج ہم کو داغِ مفارقت دے کر اپنے شیخ کے پہلو میں مدفون ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اپنے سے بڑی موافقت تھی اور کیوں نہ ہوتی کہ خمیر ایک ہی جگہ کی مٹی سے بنا تھا۔

علم وعرفان، بصیرت و وجدان، زہد وتقویٰ اور ورع وللّٰہیت کا یہ پیکر اپنی تمام عبادات وانوارات، برکات وثمرات اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اپنے تمام خدام، اقرباء و مخلصین اور متبعین و مریدین سے تین جون ۱۹۹۲ء یکم ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ کو دارِ فانی سے رخصت ہوئے، اللہ جل شانہ اس ذاتِ عالی صفات کو اپنی بیکراں رحمت سے نوازے اور جنت الفردوس میں رضاء و رضوان سے سرفراز فرمائے اور اہل خانہ اور تمام پسماندگان کو اجر جزیل اور صبر جمیل فرمائے، رضاء بالقضاء کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کی رحلت دنیاء زہد و تقویٰ اور علم وعرفان کے لیے ایک حادثہ فاجعہ ہے، ایسے اکابر کا دنیا سے اُٹھنا علاماتِ قیامت میں سے ہے، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، انڈیا سے علومِ دینیہ اور فنون کے فارغ التحصیل تھے، اُن کے مشائخ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ جیسے مشائخ شامل تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے اہل خانہ کو صبر جمیل فرمائے، خصوصاً حضرت کے چھوٹے صاحبزادے جناب بھائی عبدالقادر صاحب کو جو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر حضرتؒ کی خدمت میں ایسے مصروف ہوئے کہ شاید ہی اس دور میں کوئی بیٹا اپنے باپ کی ایسی خدمت کر سکے، ویسے تو اہل خانہ برادران وہمشیرگان اور خدام ہر وقت ہی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور تن من دھن کی بازی لگاتے تھے، خدمت کا جو جذبہ میں نے اس خاندان میں دیکھا ہے شاید ہی کسی خاندان میں پایا جائے، خدام اور مریدین کی خدمت میں یہ حال تھا کہ متوسلین شرمندہ ہو جاتے تھے۔ پھر بھلا ایسے

جاں نثار ایسے پیارے محبوب شیخ کے لیے کیوں نہ فدا ہوتے، اب [illegible] کا یہ حال ہے۔

اس پُرفتن دور میں جس میں اہل اللہ، صالحین اور اکابر ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے ہیں، ان میں اس جیسی ہستی کا اُٹھ جانا بڑے دکھ کی بات اور محرومی کا ذریعہ ہے۔

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

واقعی علم و عرفان کے اس محیط بے کراں، مجسمہ زہد و ایثار، پیکر تقویٰ و طہارت، کوہِ استقامت و جلالت، سلف صالحین کی چلتی پھرتی یادگار، توحید و سنت کے داعی، شرک و بدعت کے ماحی، فضائل و کمالات کے منبع، صبر و توکل اور رضاء بالقضاء کی جیتی جاگتی تصویر، علم لدنی کے سمندر ناپیدا کنار، عرفانِ الٰہی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا، جود و سخا کا چشمہ صافی، عظیم مجاہد، اپنے زمانے کے عظیم محقق و جلیل زاہد، عالم باعمل، عارفِ کامل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کے بارے میں میرے مربی و اُستاذ حضرت بنوریؒ نے جو فرمایا تھا بالکل سچ فرمایا تھا۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید۔ اور واقعی میرے والد حکیم محمد مختار حسن رحمہ اللہ جو اپنے زمانے کے گمنام ولی کامل، بے زاہد و متقی اور بڑے صاحب بصیرت تھے۔ وہ سچ فرمایا کرتے تھے، اُن کی دُور رس نگاہوں اور روشن آنکھوں نے جو دیکھا تھا بالکل صحیح دیکھا تھا، اُنہوں نے جن حضرات کی طرف میری رہنمائی فرمائی تھی وہ واقعی بالکل صحیح اور درست تھی، وہ ان دونوں شیوخ کے بارے میں جو فرماتے تھے میری ان آنکھوں نے اسے حرف بہ حرف صحیح پایا، ایک موقع پر میں نے جامعہ اِسلامیہ مدینہ منورہ سے فراغت کے بعد مزید تعلیم کے سلسلہ میں اُنہیں ایک خط لکھا کہ میں جامعہ سے فارغ ہوگیا ہوں، آئندہ کے لیے آپ کا کیا مشورہ ہے؟ اس کے جواب میں والد صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا: تم نے مزید تعلیم کے بارے میں جو لکھا ہے اس سے کون سی تعلیم مراد ہے؟ اگر اس سے دنیوی تعلیم مراد ہے تو اس کا نتیجہ یہ

ہوگا کہ تمہارے گھر کے دروازے پ بجائے مولوی یہ مولا کے ڈاکٹر کی تختی لگی ہوگی اور اَ روحانی تعلیم مراد ہے تو اس کے لیے پ کستان میں بڑے بڑے مشائخ موجود ہیں جن میں تمہارے سرگودھا والے شیخ سے مقدم ہیں، ان کی مت میں چلے جا، بہرحال تم پ کستان آجاؤ کسی تعلیم کے لیے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔

آہ! وہ شفقت ومحبت، وہ پیار بھری آواز، وہ چمکتا دمکتا چہرہ، وہ عالم ر نی کی صحبت ومعیت اور جامع کمالات کی رفاقت، کہاں اب وہ صحبتیں، کہاں وہ شفقتیں، کہاں وہ ضیا پ شیاں، کہاں وہ ذرّہ نوازیں۔

اُٹھ یَ د سے عز ت نَینی کے لیے
ید تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لیے

کہاں ہیں وہ پیارے محبوب شیخ؟ کہاں ہیں وہ علمی مجلسیں؟ کہاں ہیں وہ اسرار و رموز کو چٹکیوں میں حل کرنے والے؟ کہاں وہ د ت شفقت ومحبت پھیرنے والے؟ کہاں ہیں وہ بے کسوں کے سہارا؟ مصیبت زدوں کے آسرا، طلباء، علماء ومساکین اور غر ء کے مونس وغم گسار، ہمدرد وسہارا، ماویٰ وملجاء اللہ کے یہ مقرب بندے بقولِ شاعر

آناً فاناً دُ سے رُخصت ہوگئے اور ین، متوسلین، اہل خانہ کو نِ حال یوں کہتا چھوڑ گئے۔

حیف در چشم زدن صحبت شیخ آ شد

واقعی ان جیسے اکا ین کا د سے رخصت ہوجا بڑا کرب ک، درد ک اور مو ن و ل ہوت ہے، یہ حضرات تو جہاں کا غم اپنے یہ میں لیے ہوتے ہیں، ان کا رخصت ہو ای پوری قوم کا رخصت ہو ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

یہ وہ ہستیاں ہیں جو ز گی میں روحوں، جسموں اور عقلوں کو ت زگی حیات اور را ت کا سامان مہیا کرتی ہیں اور د سے رخصت ہو جا تو اوراق کے اوراق اور صفحات کے صفحات ان کے حالات، سیرت اور کار موں سے آراستہ و مزین ہو جاتے ہیں۔

لیکن ایسے اہل اللہ د سے اٹھنے کے بعد بھی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور دل میں بسے رہتے ہیں۔

اب یہ عالم ہے ذرا بھی کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جانِ تصور پھر حدی ث دل وہی

ان حضرات کے کار مے، آ ث ر اور مات ان کی طرح دائم و قائم ہیں، یہ تو ز گی ہی میں اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر چکے ہوتے ہیں یہ کہاں فنا ہو تے ہیں۔

ہرَ نمیرد آں کہ دلش ز ہ شد بعشق
ثبت ا ت یۂ عالم دوامِ ما

لیکن بہرحال ہم جیسے بے کسوں کے لیے ڈا سا اور حادثہ فاجعہ ہے۔

اُٹھتے جاتے ہیں اس م سے ار بِ
ٹ جاتے ہیں میرے دل کے ڈھانے والے

چار پ نچ سال سے مختلف امراض کا شکار رہنے کے بعد یکم ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ کو حضرت شیخ مولا عبدالعز رائے پوری رحمہ اللہ اِس د سے رحلت فرما گئے۔

اللہ جل شانہ بڑے صمد اور بے نیاز ہیں، اللہ جل شانہ کے ہر کام میں بڑے اسرار و رموز ہوتے ہیں اور ہر چیز واعظ رب ہے، دنیا سے رخصت ہونا بھی بڑے نصائح اور عبرت کا ذریعہ بنتا ہے، ہر شخص کی وفات کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اس کا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں اور دیکھا یہ گیا ہے کہ جب مصائب آتے ہیں تو پے در پے آتے ہیں، کچھ یہی صورت ہمارے اس مخدوم خاندان کے ساتھ پیش آئی اور پہلے جناب صاحبزادہ مولانا سعید احمد صاحب رائے پوری کے نوجوان صاحبزادے جناب محبوب صاحب ایک حادثہ میں انتقال کر گئے، ابھی یہ زخم ہرا ہی تھا کہ مولانا کے برادرِ نسبتی رحلت فرما گئے اور اس کے چند روز بعد مولانا کے چھوٹے بھائی جناب راؤ حبیب احمد صاحب کی نوعمر بیٹی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی اور اس کے کچھ دنوں بعد اس خاندان کو عظیم ترین صدمہ، حادثہ فاجعہ اور دردناک صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا جو ہمارے شیخ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ کے انتقال کی صورت میں رونما ہوا اور اس کے چند روز بعد مولانا کے ایک بھائی جناب راؤ رشید احمد صاحب ساٹھ سال کی عمر میں اس صدمہ سے نڈھال ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ اللہ جل شانہ تمام مرحومین کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے اور آفات و بلیات، امتحانات و ابتلاآت سے محفوظ رکھیں۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ، طلباء اور عملہ ان حضرات کے غم میں برابر کے شریک اور دعا گو ہیں، اہل مدارس اور تمام قارئین سے درخواست ہے کہ حتی الوسع ان حضرات کے لیے اِیصالِ ثواب کر کے اجر وثواب حاصل فرمائیں۔

(بینات محرم ۱۴۱۳ھ)

آہ! حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ تعالیٰ

مفتی اعظم پاکستان

اُستاذِ محترم حضرت مفتی ولی حسن خان ٹونکی رحمہ اللہ ۱۹۲۴ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے، علمی خاندان سے تعلق تھا، جس میں حضرت مولانا محمود حسن خانؒ مؤلف معجم المصنفین اور حضرت مولانا حیدر حسن خانؒ مہتمم و شیخ الحدیث دَارُالعلوم ندوۃُ العلماء لکھنؤ جیسی معروف شخصیات شامل ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مفتی انوار الحسن خانؒ بھی جید عالم و مفتی تھے، دَارُالعلوم ندوۃُ العلماء لکھنؤ سے فارِغ ہونے والے بڑے بڑے قابل ذکر علماء حضرات مولانا حیدر حسن خانؒ کے شاگرد تھے، مفتی صاحبؒ کے دادا مفتی محمد حسن خانؒ اور ان کے والد مفتی احمد حسن خانؒ ٹونک کی عدالت شرعیہ کے مفتی تھے، بلکہ مفتی محمد حسنؒ مولانا محمود حسنؒ اور مولانا حیدر حسن خانؒ کے اُستاذ تھے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فارسی اور ابتدائی کتب اپنے والد ماجد سے پڑھیں، ۱۱ سال کی عمر میں والد ماجد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے، حضرت مولانا حیدر حسن خان رحمہ اللہ رمضان المبارک کی تعطیلات میں تعزیت کے لیے ٹونک آئے اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو دَارُالعلوم ندوۃُ العلماء لکھنؤ لے جانے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ اُن کے ساتھ ندوہ جا کر چار سال تک دارالعلوم ندوۃُ العلماء لکھنؤ میں زیرِ تعلیم رہے اور ساتھ ہی درس کے علاوہ حضرت مولانا حیدر حسن خان رحمہ اللہ سے خارج میں '' '' کا کچھ حصہ اور منطق کی بعض کتابیں بھی پڑھیں۔

حضرت مولانا حیدر حسن خان صاحبؒ سے بعض اساتذہ نے حضرت مفتی صاحبؒ کے ندوہ ہی میں زیرِ تعلیم رہنے کی سفارش کی تو اُنہوں نے فرمایا کہ انہیں اپنے طرز کا عالم بنانا ہے، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ دوبارہ ٹونک آگئے اور مولانا حیدر حسن خان صاحبؒ سے دِیوانِ حماسہ، حسن اور فلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں، پھر مولاناؒ کے اِنتقال کے بعد ٹونک کی عدالت شرعیہ میں ملازمت اِختیار کر لی اور اسی دوران الہ آباد سے مولوی، پنجاب سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کے اِمتحانات دِیئے۔

تکمیل درسِ نظامی کے شوق نے ملازمت چھوڑنے پر مجبور کیا اور بالآخر ملازمت کو

خیر آباد کہہ کر "جامعہ مظاہر علوم سہارن پور" تشریف لے گئے، پھر وہاں سے دار العلوم دیو بند پہنچے اور موقوف علیہ اور دورہ حدیث وہاں کیا، ولی کامل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھی۔

دیو بند سے فراغت کے بعد ٹونک واپس آئے اور ٹونک کے ایک ضلع "چھبڑہ گوگور" میں مفتی اور قاضی مقرر ہوئے اور تقسیم ملک تک وہاں یہ خدمت سرانجام دیتے رہے، ہندو راج کے قیام کے بعد حالات سے دل برداشتہ ہو کر پاکستان تشریف لائے۔

پاکستان آمد کے بعد کچھ دنوں تک ایک اسکول میں پڑھاتے رہے، پھر حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سابق ناظم جامعہ دار العلوم کراچی کی خواہش پر دار العلوم میں اُستاذ مقرر ہوئے اور آٹھ دس سال وہاں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، دار العلوم کے نانک واڑہ سے کورنگی منتقل ہونے اور میرے مربی و استاذ، ولی کامل، عاشق رسول، محدث جلیل حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف صاحب بنوری

سے قلبی لگاؤ اور ان کی کشش اور [illegible] سے بڑی وجہ فیصلہ [illegible] کے ماتحت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن سابقاً اور جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حالاً سے منسلک ہو گئے اور یہاں سے اخیر تک وابستہ رہے۔

بندہ نے بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے "مقاماتِ حریری"، "ہدایہ" اور "جامع ترمذی" وغیرہ کتابیں پڑھیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ جل شانہ نے جامعیت سے نوازا تھا اور وہ ہر فن مولیٰ تھے، درس اس خوش اسلوبی اور عمدگی سے دیا کرتے تھے کہ طلباء کو کسی قسم کی دشواری کے بغیر کتاب سمجھ میں آجائے، فقہ میں ایسا کمال حاصل تھا کہ عام طور سے کلیات بیان کر کے مسائل سمجھا دیا کرتے تھے۔

جامعہ علومِ اِسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں حضرت مفتی صاحب مرحوم نے تقریباً ہر فن کی کتابیں پڑھائیں اور پھر اخیر میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی سالوں تک پڑھاتے رہے، جامع ترمذی پڑھانے سے قبل محدث العصر حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ کے درسِ ترمذی میں ۲؍ سال تک خصوصیت سے شریک رہے، اس کے بعد حضرت مولانا

بنوری رحمہ اللہ نے جامع ترمذی کی تدریس ان کے حوالے کر دی، حضرت مولانا رحمہ اللہ کی وفات کے بعد صحیح بخاری بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے پاس آ گئی اور بیماری تک دونوں کتابیں انتہائی اہتمام و پابندی اور ذوق وشوق سے پڑھاتے رہے۔

فقہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو خاص ذوق اور ملکہ فرمایا تھا، دقیق سے دقیق مسائل بڑی آسانی سے حل فرمادیا کرتے تھے اور مسائل کا حیران کن ادراک حاصل تھا، جامعہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کا سارا کام بھی شروع ہی سے حضرت مفتی صاحبؒ کے حوالے تھا اور پھر آہستہ آہستہ اس شعبہ کے رفقاء کار میں اضافہ ہوتا رہا اور حضرت مفتی صاحب اس کے سربراہ اور رئیس ہو گئے۔

جامعہ میں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ مختلف تخصصات کا اجراء ہوا تو مفتی صاحب رحمہ اللہ کو تخصص فی الفقہ الاسلامی کا مشرف ونگران بھی مقرر کیا گیا اور بیماری تک وہ اس کے مشرف رہے اور سینکڑوں طلباء کو درجہ تخصص کی نگرانی اور اشراف کے دوران منصب افتاء کے لیے اہل بننے کی تربیت دی اور ان کو اس شعبہ کے ذریعہ فیض پہنچایا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے تدریس و افتاء کے ساتھ تصنیف و تالیف کے شعبہ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں اور علمی مسائل کے علاوہ فتنہ اِنکارِ حدیث پر کام کیا اور ”فتنہ اِنکارِ حدیث“ نامی کتاب لکھی، گورنمنٹ کے بنائے ہوئے خلافِ شریعت عائلی قوانین کے خلاف بھرپور کام کیا اور اس پر مفصل تبصرہ لکھا جو ”عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں“ کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا، اسی طرح عظیم فتنہ ”بیمہ زندگی“ ”پرائیویڈنٹ فنڈ“ اور ”قربانی کے مسائل“ نامی کتب بھی حضرت مفتی صاحب مرحوم کی یادگار اور صدقہ جاریہ ہیں، اس کے علاوہ ماہنامہ بینات ودیگر ماہناموں میں آپ کے اہم اور وقیع مقالات وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ایک زمانے میں امامت وخطابت سے دور رہتے تھے لیکن جب اس میدان میں قدم رکھا تو ان کی عالمانہ خطابت نے لوگوں کے قلوب پر قبضہ کر لیا اور پیارے اندازِ بیان نے دل موہ لیے اور دورانِ خطابت ان کے خوب جوہر

کھلے اور لوگ خوب محظوظ ہوتے رہے اور یہ سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ شیخ وقت حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی رحمہ اللہ سے بیعت تھے اور کئی بار اُن کی خدمت میں حاضری دی، بعد میں بقیۃ العصر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مہاجر مدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور ساؤتھ افریقہ کے شہر اسٹینگر میں اعتکاف کے زمانے میں انہوں نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

زمانۂ صحت میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بڑا مشغلہ درس وتدریس اور فتاوٰی نویسی تھا، تقاریر بھی ہوتی رہتی تھیں اور علمی مجالس میں شرکت بھی، لیکن اخیر عمر اور خصوصاً بیماری کے ایام میں بیعت و ذکر کا حلقہ بھی قائم ہوگیا تھا اور دولت خانے پر ہر جمعہ کو عصر کے بعد مجلس منعقد ہوا کرتی تھی، جس کا سلسلہ اخیر تک جاری رہا۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش تھے، دیکھنے والا اُن کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقیہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ صاحب نسبت ہیں، اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے، جو جتنا بڑا اور اُونچا مرتبہ رکھتا ہے، وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا، چھپاتا اور سادہ رکھتا ہے، پتھر جتنا وزنی اور بھاری ہوگا اتنا نیچے کی طرف جائے گا اور غبارہ جتنا ہلکا اور پھولا ہوا ہوگا اتنا اُوپر کی طرف جاتا ہے، یہی حال حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا بھی تھا، تواضع میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے، ہمارے مربی اور استاذ جلیل حضرت مولانا عبدالعزیز دعا جو دہلوی رحمہ اللہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ فیض جاری بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

یہی حال مفتی صاحب ؒ کا بھی تھا کہ ایک طرف تو فقہ وحدیث کے پہاڑ، ادبِ عربی اور دیگر علوم کے بحرِ ذخار لیکن ظاہر دیکھو تو ایک سیدھے سادھے بھولے بھالے انسان، علمی ابحاث میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے سامنے بڑے عجیب نکات بیان کرتے دیکھا، مرشدی، ولی کامل، شیخ وقت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ

جن کے بارے میں ہمارے اُستاذ و مربی حضرت بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسا قوی التاثیر اور اُو والا بزرگ نہیں دیکھا وہ بھی حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ بڑا پیار و شفقت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے اور مفتی صاحب بھی اُن سے بڑے مانوس اور بہت عقیدت رکھتے تھے، بیسیوں مرتبہ مجالس کے علاوہ ناشتے اور کھانے میں شرکت کے موقع پر دلچسپ علمی اور روح پرور گفتگو ہوا کرتی تھی۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا مقام فرمایا تھا کہ د داروں اور دنیوی عہدہ رکھنے والوں سے قطعاً مرعوب نہیں ہوتے تھے، چنانچہ مختلف موقعوں پر بڑے بڑے اربابِ حکومت اور عہدیداروں سے بے دھڑک گفتگو کرتے اور ان کے سامنے اِظہارِ حق کرتے دیکھا۔ ایک مرتبہ مساجد کے سلسلہ میں حکومت کے ایک آرڈر کے تحت عدالت نے فیصلہ کیا تھا کہ ایسی مساجد منہدم کی جاسکتی ہیں جو کچی آبادی میں بلا اِجازتِ حکومت تعمیر کی جائیں، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اس کے خلاف ”مسجد بننے کے بعد اس کے گرانے کے عدمِ جواز“ کا فتویٰ دیا۔ جس پر اُن کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ درج ہوا، پیشی کے موقع پر مفتی صاحب نے ججوں کے سامنے فرمایا: میرا تعلق علماء دیوبند سے ہے اور علماء دیوبند کبھی بھی حکومت یا اربابِ اقتدار کے سامنے جھکا نہیں کرتے بلکہ بے دھڑک ” “ کے تحت حق بات کہا کرتے ہیں، میں اپنے فتویٰ پر قائم ہوں اور کبھی بھی معافی نہیں مانگوں گا، جس پر حاضرین نے بھرپور داد دی، عدالت برخاست ہوئی اور کراچی کے عوام کے جوش و خروش سے گھبرا کر حکومت نے دوبارہ پیشی کراچی میں نہ رکھی بلکہ اسلام آباد میں پیشی ہوئی اور بالآخر عدالت نے ہتھیار ڈال دیئے اور توہین عدالت کا مقدمہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔

علماء وفضلاء کی مجلسوں میں کی یں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ پر ہوا کرتی تھیں اور بڑے بڑے مسائل، عقدوں اور گتھیوں کو ذرا سی دیر میں سلجھادیا کرتے تھے۔

دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا واقعی۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضاء داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بیماری کے دنوں میں بھی مفتی صاحب رحمہ اللہ شفقت فرمایا کرتے تھے اور وقتاً فوقتاً دار التصنیف آجایا کرتے تھے اور میں اس موقع سے فائدہ اٹھایا کرتا تھا اور کتنے ہی عقدے حل کرالیا کرتا تھا، اُن کے شدید بیمار ہونے کے بعد تشنگی بجھانے اور عقدے حل کرنے اور تشفی بہم پہنچانے والے کو [illegible]یں تلاش کرتی رہی ہیں اور کررہی ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن خان ٹونکی صاحب رحمہ اللہ پر تحقیقی مقالہ لکھنے والے لکھیں گے، لکھتے رہیں گے اور اس سلسلہ میں اُن کا حق ادا کریں گے، لیکن میں بھی چونکہ اُن کا ایک شاگرد ہوں، اِس لیے بینات کی کاپیاں جڑنے کے بعد پریس میں جاتے ہوئے اُنھیں روک کر ان میں چند سطروں کے ذریعے قارئین بینات تک جلدی میں یہ اجمالی سا خاکہ پیش کر رہا ہوں، وقت بھی نہ تھا اور پرچہ پریس میں جانے کی بھی جلدی تھی اور اپنی بے بضاعتی اور نااہلی کا احساس بھی، مہمانوں اور آنے جانے والوں کی کثرت بھی، اس لیے اس میں بے ربطی اور تسلسل کا نہ ہونا جابجا نظر آئے گا، اِس لیے کہ تقریباً ہر دو چار سطر کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوجاتا تھا لیکن بہرحال

مفتی صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ’مفتی اعظم پاکستان‘ قرار دیئے گئے اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جامعہ علوم اِسلامیہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور بیماری تک اس پر فائز رہے اور اس دوران پوری دنیا کے ہزاروں طلباء ان کے فیض و علم سے فیض یاب ہوئے۔

۶ رسال قبل فالج کا شکار ہوئے تھے اور یہ بیماری چلتی رہی اور یہ فرشتہ صفت اِسم بامسمیٰ ولی ۲ ررمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (۳ رفروری ۱۹۹۵ء) کو جمعہ کی شب سحری کے وقت ساڑھے پانچ بجے اس دارِ فانی سے رحلت کرگئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ اُن کے قدیم رفیق، محبّ، عالم ربانی اور جامعہ کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے مشرف و اُستاذِ محترم حضرت مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہٗ نے جامعہ علومِ اِسلامیہ بنوری ٹاؤن کے متصل جامع مسجد بنوری ٹاؤن میں پڑھائی اور حسبِ خواہش و وصیت جامعہ دار العلوم کراچی کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

حضرت مرحوم نے اپنے پسماندگان میں ہزاروں، علماء، فضلاء، اسکالرز اور طلباء کے علاوہ ۶/صاحبزادوں، ۲/صاحبزادیوں اور ایک بیوہ کو سوگوار چھوڑا۔

تین صاحبزادے ڈاکٹر ہیں: ڈاکٹر محمود حسن، ڈاکٹر مسعود حسن، ڈاکٹر حماد حسن اور چوتھے صاحبزادے مولانا حافظ سجاد حسن عالم، فاضل اور جامعہ علومِ اِسلامیہ کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ کے داماد بھی ہیں، اور درس و تدریس سے وابستہ ہیں، پانچویں صاحبزادے بھی حافظ قرآن ہیں، چھٹے صاحبزادے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، بچیوں میں سے ایک بچی شادی شدہ ہے اور ایک غیر شادی شدہ۔

اس وقت اگرچہ حضرت مفتی صاحبؒ ہم میں جسم کے اِعتبار سے موجود نہیں ہیں لیکن ان کی برکات، اثرات اور ثمرات قیامت تک موجود اور زندہ رہیں گے۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اللہ جل شانہ حضرت مرحوم کے اہل خانہ، پسماندگان اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔

(بینات رمضان، شوال ۱۴۱۵ھ)

مکاتیب

مکاتیب حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

(سابق مہتمم جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی)

ترتیب و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد

(شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے، اپنے تفصیلی حالات شیخ کو لکھتے رہتے تھے، لیکن بوجہ ادب واحترام شیخ کو مخاطب کرنے کی بجائے ان کے صاحبزادے جناب مولانا سعید احمد صاحب مرحوم کے نام خط لکھتے تھے، ذیل میں اسی قسم کے خطوط دیئے جارہے ہیں۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کی وفات ۱۹۹۲ء میں ہوئی اس کے بعد مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ نے دینی [illegible]یت میں اختلاف کی وجہ سے مولانا سعید احمد مرحوم کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ کوئی خاص تعلق رکھا۔ [ادارہ])

۸/۲/۶۵ 8 1965

میرے محترم بھائی صا . ! اللہ تعالیٰ آپ کی ہمیشہ حفاظت فرمائے۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و. کاتہ

میں شیخ محترم کے ہاتھوں کو بوسہ دینے اور آپ کی ز یرت کے لیے حاضر ہوا تھا، لیکن اس قدر بھی میرے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ جو میں نے چاہا تھا، اُسے نہیں پ سکا اور جو میں نے ارادہ کیا تھا، اُس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شاعر نے . لکل صحیح کہا ہے:

آدمی جس چیز کی تمنا کرت ہے، ضروری نہیں کہ اسے پ لے
ہوا اس رُخ پ چلتی ہیں، جو کشتیوں والے نہیں چاہتے

مجھے بہت ز یدہ افسوس ہے۔ اس حدت کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا اور مجھے ایسا غم ہے کہ جس کی وضا ی ممکن نہیں۔ مجھے آپ کے ساتھی جناب ءالحق صا . نے بتلا ی ہے کہ آپ منگل کے روز واپس لوٹیں گے۔ میں نے یہ خط اس لیے لکھا ہے، ت کہ میں اپنے افسوس اور غم کے بوجھ کو کچھ ہلکا کر سکوں۔ میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرت ہوں کہ ہمیں حسن و خوبی کے ساتھ کسی جگہ جمع ہونے کا موقع فراہم کرے۔ میں آپ کے فضل و کرم سے یہ امید رت ہوں کہ آپ میری طرف سے شیخ معظم اور محترم فضیلۃ ا حضرت مولا۰ شاہ عبدالعزی صا . رائے پوری (اللہ تعالیٰ اُن کا سایہ ہمارے سروں پ ز یدہ دیت . قی رکھے) کی ۰مت میں سلام عرض کریں گے۔ اور اللہ پ ک مجھے

توفیق دے کہ میں اُن کے فیوضات و کات سے مستفیض ہوسکوں۔ آ میں میں معزز شیخ اور آپ سے دعا چاہتا ہوں۔ قی تیں قات کے وقت ہوں گی۔ میری طرف سے رفقائے کار کی مت میں سلام عرض کردیں۔

فقط والسلام

آپ کا بھائی، آپ کی بہترین دعاؤں کا طا محمد حبیب اللہ مختار دہلوی

وز پیر، ۸/مارچ ۱۹۶۵ء (محترم جناب مولا سعید احمد صا کے م)

چہار شنبہ، ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ (۲۰/اپ یل ۱۹۶۵ء)

۷۸۶

جناب مولا سعید احمد صا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

امید ہے کہ جناب کے مزاجِ امی بخیر ہوں گے۔ حضرت مولا شاہ (عبد العز رائے پوری) صا مدظلہ العالی بھی امید ہے کہ خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ا عرصہ سے حضرت کی دستار ہی ہے۔ ہماری قسمتی کہ ہم کچھ وقت ساتھ نہ لگا سکے۔ اللہ تعالیٰ کو اَ منظور ہوا تو کبھی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوں گے۔ سے حضرت مدظلہ العالی (کراچی سے) تشریف لے گئے ہیں، گو سارا نور اور ساری کات اپنے ساتھ لے گئے۔ نہ وہ مجلس ہے، نہ وہ نورانی حلقہ ہے، نہ وہ نورانی چہرہ مبارک ہے۔ بہر صورت آپ نے جو حضرت کا تولیہ لے کر د تھا، وہ بہت مفید ہوا۔ کچھ نہ کچھ تسلی کا بن جا ہے۔ (کہاں یہ مٹی اور کہاں وہ ستارے کی بلندی)

آپ کے مکتوبِ امی کا جواب میں نے آپ کا خط آتے ہی جناب ء الحق صا کی معرفت روانہ کرد تھا۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کا امی مہ د سے۔ آپ کو خط ملتان میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ جواب سے اب محروم ہوں۔ امید ہے کہ پہلی فرصت میں جواب سے نوازیں گے۔

حضرت مدظلہ العالی کو چیز حقیر فقیر سرا تقصیر کی طرف سے بہت بہت سلام عرض

کر دیں اور خاص خاص اوقات میں دعاؤں کی گزارش پیش کر دیں اور آپ خود بھی ادعیہ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ اگر ہو سکے اور حضرت کو گرانی نہ ہو تو کسی وقت کچھ نصائح لکھوالیں اور ارسال فرمادیں۔ عین نوازش ہوگی۔ کیا کریں، ہمیں قدرت سے دو ایسے شیخ ملے تھے، جن سے ہمارا قلبی تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن ہم اس وقت دونوں کے دیدار اور فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ لیکن امید ہے کہ دعاؤں میں ناکارہ کو کبھی یاد کرتے ہوں گے۔ ایک حضرت ادھر تشریف لے گئے اور ہمارے دوسرے شیخ یعنی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ العالی حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ نتیجہ یہ کہ ہم دونوں سے فی الحال بظاہر محروم رہ گئے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ جل جلالہٗ مستفید ہونے کے لائق بنا دیں۔ (اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔) والدین، بندہ اور بھائی اور خیریت سے ہیں۔

ہمارے اعمال بہت خراب ہیں۔ ایمان و یقین اور اعمال اور تمام عبادات وغیرہ میں خدا مضبوط کرے اور پکا عامل بنائے۔ دعا کی ضرورت ہے۔ حضرت (سید مسعود علی) آزاد صاحب مدظلہٗ العالی(۲) کو بہت بہت سلام عرض کر دیں اور دعا کی درخواست کر دیں۔ اور بابوجی (عبدالعزیز)(۳) اگر ہوں تو انھیں بھی سلام عرض کر دیں اور درخواستِ دعا۔ اور جملہ رفقا و احباب کی خدمت میں سلام و طلبِ دعا۔ امید ہے کہ کتابت و مضمون کی خطاؤں کو درگزر فرمائیں گے۔ خط اگر والد صاحب کی معرفت لکھیں تو جلد پہنچ جائے گا۔ اگر لفافہ لکھیں تو عین نوازش، تاکہ محفوظ کرنے میں آسانی ہو۔ فقط

بسمہٖ تعالیٰ ۲۲/۱۲/۱۳۸۴ھ (۲۴/اپریل ۱۹۶۵ء) یکشنبہ

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ چیز بھی خیریت سے ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کا

جواب میں نے بھائی ء الحق صا . کے پتے پ بھیج دی تھا۔ اس لیے کہ آپ نے ملتان کا پتہ لکھا تھا، جس پ خط آپ کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیوں کہ وہ مجھے۔ خیر سے تھا۔ پتہ نہیں آپ کو وہ خط ہے ی نہیں۔ بہر حال میں تو جواب سے محروم ہوں۔ چناں چہ دو تین روز قبل میں نے ای اور خط سیّد نفیس صا . کی معرفت آپ کو لکھا ہے۔ امید ہے کہ مل جائے گا۔ جواب کی تکلیف گوارا فرما ۔

.قی . یہاں خیر ی۔ سے ہیں۔ بھائی مولا۰ محمد احمد صا . (۴) نے بھی سلام کہا ہے۔ وہ فرما رہے تھے کہ آپ کے خط کا جواب انھوں نے بھی لکھ دی ہے۔ آپ کی خاص دعاؤں کی ضرورت ہے۔ فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

پتہ یہ ہے: معرفت الحاج حکیم محمد مختار حسن خاں صا . (۵) وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر ۳

حد ہے کہ حبیب نے خط کا جواب نہیں دی

معرفت الحاج حکیم محمد مختار حسن خاں صاحب، وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر۳۔ بخدمت جناب مولانا سعید احمد صاحب بلاک ۲۲، مکان ۱۷، سرگودھا
مہر ڈاکخانہ کراچی ۶/ مئی ۱۹۶۵ء مہر ڈاکخانہ سرگودھا ۸/ مئی ۱۹۶۵ء

ش جمعرات ۷۸۶

احقر وافقر محمد حبیب اللہ مختار کی جانب سے جناب مولانا سعید احمد کے نام۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں بحمد اللہ خیریت وعافیت سے ہوں۔ آپ کی عافیت کی اطلاع مجھے آپ کے اس خط سے ہوئی، جو آپ نے میرے بڑے بھائی مولانا محمد احمد کے نام تحریر کیا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ اس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ ”حد ہے کہ حبیب نے خط کا جواب نہیں دیا“۔ میں نے یہ جملہ پڑھا تو مجھے اس پر بہت افسوس ہوا۔ اس لیے کہ میں نے آپ کو تین خط لکھے۔ ایک خط محترم ءالحق کے پتے پر اور دوسرا خط محترم سیّد نفیس کے پتے پر اور تیسرا خط آپ کے پتے پر لکھ چکا ہوں۔ اور ایک خط فضیلۃ ا محترم شاہ عبدالعزیز رائے پوری مدظلہٗ العالی اللہ تعالیٰ مجھے ان کے علوم وبرکات سے سیراب کرے کے نام پر لکھا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ خط ان تک پہنچا ہے یا نہیں۔ اب آپ انصاف کی نظر سے دیکھئے، کیا اس میں میرا کوئی دخل ہے؟ اور کیا یہ میری کوتاہی ہے؟

میں یہ خط لکھ رہا ہوں، ۔ کہ میں آپ کو ۔ د دلاؤں کہ آپ مجھے اپنی بہترین دعاؤں میں نہیں بھولیں گے۔

اے محترم بھائی! میرے جا٠ . سے شیخ محترم دام ظلہم کو سلام عرض کردیں اور مخصوص اوقات میں دعا کے لیے ۔ دکراتے رہیں۔

فقط والسلام . قی . تیں قات کے وقت ہوں گی۔ دعاؤں کا طا . محمد حبیب اللہ مختار دہلوی

چہارشنبہ، ۲۴ر محرم الحرام ۸۵ھ (۲۵ر مئی ۱۹۶۵ء)

۷۸۶

جناب مولا٠ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

تقریباً ڈھائی ماہ کی طویل مدت کے بعد آپ کے مکتوبِ امی نے بندہ کو مسحور فرما ۔ اس عرصہ میں اِنتہائی پ یشانی اور بے چینی میں رہا کہ چار خط لکھے، جن میں سے آپ کو کوئی خط نہیں ۔ آپ صوفی ءالحق صا . اور محترم جناب سیّد نفیس صا . (٦)کو خط لکھ کر معلوم کریں، آ٠ کیا . ت ہے؟

عجیب . ت یہ ہوئی کہ حضرت مدظلہٗ العالی کا ۱۸ر محرم (۱۳۸۵ھ) کا لکھا ہوا امی ٠مہ مجھے آپ کے مکتوب سے پہلے مل ۔ بعد میں آپ کا خط ۔ پڑھ کر حالات سے واقفیت ہوئی۔ صا ادوں کی بیماری کی خبر پڑھ کر نہا ۔ افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرت ہوں کہ شفائے کاملہ عاجلہ فرما ۔ ان کی خیر ۔ اور صحت کی ضرور اطلاع دیں۔ یہاں . خیر ۔ سے ہیں۔

جناب مولا٠ محمد احمد صا . بھی سلام عرض کرتے ہیں اور درخوا ۔ دعا۔ حضرت مولا٠ محمد ادریس صا . میرٹھی (٧)بھی سلام کہتے ہیں۔

حضرت مدظلہٗ العالی کے لفافے میں ا پ چہ رکھ د تھا، شا مل ہوگا۔ امید ہے جواب سے سرفراز فرما گے۔ دعاؤں کی نہا ۔ ضرورت ہے۔

فقط والسلام طا ۔ ِ دعا محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

از مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹ ؤن، کراچی . سمہٖ تعالیٰ

. وز ِ شنبہ ۱۸/ربیع الاول ۱۳۸۵ھ/ ۱۷/جولائی ۱۹۶۵ء

جناب مولا۰ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

ای طویل مدت َ ۰ رنے کے بعد آج آپ کے عنای ۰ مہ نے سرفراز کیا۔ حضرت ا دامت . کاتہم اور آپ حضرات کی خیری معلوم ہوئی۔ دل کے لیے اطمینان وسکون کا . . بنی۔ بندہ اور یہاں . حضرات خیری سے ہیں۔

حضرت ا مدظلہٗ کا . َ امی ۰ مہ تھا، اس کے بعد آپ کا بھی عنای ۰ مہ ۔ بندہ نے دونوں کا جواب فوراً روانہ کردی، لیکن افسوس کہ وہ آپ کو مل نہ سکا۔ شای اس لیے کہ آپ حضرات پہلے ہی روانہ ہوگئے ہوں گے۔ ان شاء اللہ . آپ حضرات واپس تشریف لا گے تو خط بھی پ لیں گے۔ اس خط لکھنے کے بعد میرے پ س آپ کا پتہ نہ تھا، جس پ میں آپ کو خط لکھتا۔ آپ نے کمال کردی کہ ای مہینے بعد کارڈ کو ہاتھ میں ی ۰ کی زحمت فرمائی۔ خیر بہر صورت ہم تو آپ حضرات کے مشکور ہیں۔ ـ(۸) (جوا نوں کا شکر ادا نہیں کرت ، وہ اللہ کا شکر بھی نہیں ادا کرت ـ)

محترم! میری حا ت ۔ ڈی ۰ اب ہوتی جارہی ہے۔ نہ د کا کچھ کام ہوت ہے اور نہ آ ۰ ت کا۔ بھائی! ۔ ڈی سخت دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ۰ اپک میری اصلاح فرما اور ت قی کے بجائے تنزل سے محفوظ فرما ۔ آمین

حضرت ا مدظلہٗ سے بھی خاص طور پ سلام عرض کردیں (اور ا َ چہ یہ ہے تو گستاخی، لیکن کیا کریں اس کے بغیر چارہ کار بھی نہیں۔) اور وہ یہ کہ خاص طور سے دعاؤں کے لیے حقیر فقیر کی طرف سے َ ۰ ارش کردیں۔ امید ہے زحمت فرما گے۔

حضرت مولا٠ بنوری مدظلہٗ العالی

خیر۔ سے ہیں اور بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت اقدس کو بھی سلام پہنچا دیں اور دعا کے لیے بھی کہہ دیں۔ حضرت مولا٠ محمد ادریس صا (میرٹھی) اور حضرت مفتی (ولی حسن خان ٹو) صا (۹) بھی خیر۔ سے ہیں۔ سلام ودرخوا تِ دعا پیش کرتے ہیں۔ حضرت قبلہ محترم والدِ ما دامت . کاتہم خیر۔ سے ہیں۔ سلام کہتے ہیں۔ حضرت کو بھی سلام پیش کردیں۔ . ادرم مولا٠ محمد احمد صا بھی خیر۔ سے ہیں۔ اور وہ بھی آپ کے مکتوبِ امی کا عن قری۔ جواب لکھنے والے ہیں۔ ان کا بھی سلام قبول فرما ۔ اور حضرت کو بھی سلام پیش کردیں اور درخوا تِ دعا۔

کیا کریں شومیٔ قسمت کہ حضرت کے ساتھ سفر نہ کرسکے، ورنہ کچھ تو استفادے کا موقع مل جا ۔ آپ حضرات تو خوب مستفید ہورہے ہیں۔ بس ٠ ارش یہ ہے کہ ہمیں دعاؤں میں نہ بھولیں۔ حقیقت یہ ہے کہ د میں خوش نصیب وہ ہے، جو٠ ا کے دین کی ٠ مت کرے اور٠ اوالوں کی ٠ مت کرے، جیسے کہ آپ حضرات ہیں۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر٠ مت فقیروں کی نہیں ملتا یہ گوہر. دشاہوں کے٠ انے سے

بہر صورت میرے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے کام لے لیں اور نواہی (٠ ات) سے بچنے کی توفیق ہو، عالم. عمل بنا ۔ حضرت محترم (سید مسعود علی) آزاد صا اور . بو عبدالعزی٠ صا کو خصوصی سلام پیش کردیں اور درخوا تِ دعا۔ تمام رفقا کو میری طرف سے سلام عرض کردیں اور درخوا تِ دعا۔

فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار

نوٹ: آج کل کام زی دہ ہو ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آسان فرما ۔ لیلۃ الجمعہ کو دورۂ حدی٠ کی جما کے سامنے تخصّص کے ہر ساتھی کو بولنا پڑ ہے۔ اس پ وہ اِعتراضات وسوالات کرتے ہیں۔ گو ۔ رِیس کی مشق ہے۔ دعا کریں کہ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اس ٠ کارہ وآوارہ حقیر فقیر سراپ تقصیر کے لیے بھی اس مرحلے کو اپنے محض فضل

وکرم سے آسان فرمادیں۔ والسلام

امید ہے تحریر و مضمون کی غلطیاں درگذر فرمائیں گے۔ **محمد حبیب اللہ مختار**

۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ (۲۲/ستمبر ۱۹۶۵ء)

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک طویل عرصہ کے اِنتظار کے بعد گرامی نامہ موصول ہوا۔ خیریت معلوم ہوکر بہت خوشی ہوئی۔ بندہ اور بچے بحمداللہ خیریت سے ہیں۔ بڑی فکر اس کی تھی کہ آپ حضرات رائے پور سے تشریف لا رہے ہیں یا نہیں۔ کیا حالت ہے۔ آپ نے وہاں جا کر خط بھی نہیں لکھا۔ ایک دو خط بھولے سے لکھ دیے۔ آپ کا آخری خط مجھے ملا تو اس کے ایک دن بعد آپ کا وہاں سے روانہ ہونے کا دن تھا۔ میں اسی شش و پنج میں تھا کہ آیا سرگودھا کے پتے پر خط لکھا جائے یا نہیں؟ آخر آپ کا گرامی نامہ ملا اور اب خط لکھ رہا ہوں۔ گستاخی اور تاخیر کی معافی چاہتا ہوں۔

حضرت مدظلہٗ العالی کو حقیر سراپائے تقصیر کی طرف سے دست بستہ سلام عرض کردیں اور خاص دعا کی درخواست ہے۔ حضرت شیخ مولانا بنوری مدظلہٗ کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ دعا فرمائیں اور حضرت کو ان کی طرف سے اور حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب (میرٹھی) اور والدِ محترم اور حضرت مفتی (ولی حسن خان ٹونکی) صاحب اور برادرم جناب مولانا محمد احمد صاحب کی طرف سے بہت بہت سلام عرض کردیں اور درخواستِ دعا۔ ابوعبدالعزیز صاحب اور واقف اصحاب کو سلام عرض کردیں اور درخواستِ دعا۔ ارادہ تھا کہ حاجی خلیل صاحب ؒ کے انتقال کی خبر دوں، لیکن اس وجہ سے آپ کو کہاں خط لکھوں، خبر نہ دے سکا۔ ان کا اس بیماری میں انتقال ہوگیا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں۔ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ یہ چند مختصر سطریں لکھ رہا ہوں۔

دعا کی ضرورت ہے۔

آج کل مضمون لکھ رہا ہوں، عنوان یہ ہے ”حجیتِ حدیث کا اثبات قرآن کریم سے“۔ دعا فرمائیں۔

نوٹ: خط مطب کے پتے پر ارسال فرمائیں، جلد ملے گا۔ فقط والسلام

محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

بشرفِ ملاحظہ جناب مولانا سعید احمد صاحب بلاک ۲۲، مکان ۱۷، سرگودھا
مہر ڈاکخانہ کراچی ۲۲/ستمبر ۱۹۶۵ء

از محمد حبیب اللہ مختار ۷۸۶
۱۹/۶/۸۵ھ (۱۵/اکتوبر ۱۹۶۵ء)

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت مدظلہ العالی اور آپ خیریت سے ہوں گے۔ بندہ بحمد اللہ آپ حضرات کی دعا سے خیریت سے ہے۔ ایک عرصہ سے جناب کے مکتوبِ گرامی کا انتظار تھا، لیکن اب تک کوئی تسلی بخش تفصیلی خط موصول نہ ہوا۔ دل بے انتہا پریشان ہے۔ آخر نہ معلوم کیا بات ہے کہ آپ خط نہیں لکھ رہے۔ ایک کارڈ موصول ہوا تھا، جس کا جواب فوراً لکھ کر ڈال دیا تھا۔ اس میں بھی کوئی تفصیلی حالات نہ تھے۔ امید ہے کہ اس کارڈ کے جواب میں تفصیلی حالات سے مطلع فرما کر تسلی اور اطمینان کا باعث بنیں گے۔

حضرت مدظلہ العالی کے کیسے مزاج ہیں؟ خصوصی دعاؤں کی حقیر فقیر سراپا تقصیر کی طرف سے دست بستہ گزارش کر دیں۔ عین نوازش ہوگی۔ اپنے اور اپنے تمام رفقا کے حالات اور خیریت سے آگاہ فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔

آج کل جناب کا مشغلہ کیا ہے۔ بندہ آج کل ایک مضمون لکھ رہا ہے، جس کا عنوان ہے ”حدیث قرآن کی میں“، جس میں حدیث کی حجیت قرآن کریم سے ثابت کی جائے گی۔ حضرت سے بھی خاص دعا کے لیے عرض کر دیں اور خود بھی خصوصی دعاؤں سے یاد فرمائیں۔ اَخِ محترم (مولانا سیّد مسعود علی) آزاد صاحب اور بابو جی (عبد

العزیز) ہوں تو ان کی خدمت میں بھی سلام و درخواستِ دعا پیش کر دیں اور تمام رفقا کو سلام و درخواستِ دعا۔

حضرت مولانا بنوری مدظلہٗ اور قبلہ والدِ محترم مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد اِدرِیس صاحب میرٹھی اور برادرم جناب مولانا محمد احمد صاحب کی طرف سے حضرت کو سلام عرض کر دیں اور درخواستِ دعا۔ شاہ (عبدالعزیز دعاجو) صاحب[10] بھی سلام عرض کرتے ہیں اور درخواستِ دعا۔ وہ فرماتے تھے یہ لکھ دینا دعاجو بھی اور دعا گو بھی۔ امید ہے مکمل تفصیلی حالات سے نوازیں گے۔ اور ہاں یہ تو بتلائیے کہ آپ حضرات کی تشریف آوری کراچی کب ہو رہی ہے۔ ضرور بتلائیے۔

فقط والسلام طالبِ دعا محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

جناب مولانا سعید احمد صاحب بلاک ۲۲، مکان ۱۷، سرگودھا
مہر ڈاکخانہ سرگودھا ۱۹/اکتوبر ۱۹۶۵ء

(لیٹر پیڈ) حکیم محمد مختار حسن خاں ۷۸۶
یکشنبہ ۱۳/رجب المرجب ۱۳۶۵ھ (۷/نومبر ۱۹۶۵ء)
صدر گورنمنٹ ریکگنائزڈ طبی کالجز گریجویٹس فیڈریشن
وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر ۳

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ پڑھ کر خیریت معلوم ہوئی۔ سکون و اطمینان ہوا۔ جب میں خط آپ کو لکھ کر ڈال چکا تھا تو اس کے غالباً دوسرے دن جناب کا نوازش نامہ ملا۔ حضرت مولانا (شاہ عبدالعزیز رائے پوری) مدظلہ العالی کی خیریت معلوم ہوئی۔ دل کو بہت سکون ملا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات دراز فرمائے اور ان کے علوم و برکات اس کے ثمرات وانوارات سے ہمیں نوازیں اور ان کی خدمت کا موقع عنایت فرمائے۔ اور اسے اپنے قرب اور اپنی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔

. وزجمعۃ المبارک ۱۱/ر. . المر. . ۱۳۸۵ھ کو مضمون لکھ کر فارغ ہوا۔ تقریباً ای سوپچیس صفحات فل اسکیپ سائ کے ہوگئے ہیں۔ دعا فرما اللہ تعالیٰ اس حقیر کی محنت کو قبول فرما ۔ میری اصلاحِ ظاہری اور . طنی کا ذریعہ بنا ۔ اور ایمان پ خاتمہ نصیب فرما کر . ۔ الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ اگ چہ ہم اس لائق نہیں، نہ ہمارے اعمال اس درجہ کو پہنچا تے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بخش دیں۔

الٰہی ی الٰہی ی الٰہی ائی کبریئی . دشاہی
اَ فضل و کرم ای آن کردے تمامی مشکلیں آسان کردے

آج کل اپنی . اعمالیوں اور اعمالِ صالحہ میں کو ہیوں کی وجہ سے دل بڑا پ یشان رہتا ہے۔ دعا فرما اللہ اصلاح فرمادے اور غیر اللہ کی محبت دل سے نکال دے اور اپنی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دین کی محبت دل میں ڈال دے۔

میں تو یہ دعا کر رہتا ہوں:

(اے اللہ! میرے دل کو اپنے غیر سے پ ک فرما اور میرے دل کو اپنی معرفت کے نور سے ہمیشہ منور فرمادے۔ یا اللہ یا اللہ یا اللہ) شاہ (عبدالعزی دعا جو) صا . دہلوی نے پ ھنے کو بتلائی تھی۔ دعا فرما کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما اور یہ کہ ۔ (مجھے اپنے مخلص بندوں میں سے بنالے۔)

حضرت مدظلہ العالی کی ۔ مت میں میری طرف سے بہت بہت سلام پیش کردیں اور دعا کی درخوا ت پیش کردیں۔ کسی نے کہا ہے کہ جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھے۔ حضرت مدظلہ العالی جیسے . . ۔رگ ہستیاں . . وہاں موجود ہیں تو پھر ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ کیوں کر نہ فرما گے۔ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل وکرم تھا اور حضرت مدظلہ العالی کا تعلق مع اللہ کا نتیجہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ (جو اللہ کا ہوجائے، اللہ بھی اس کا ہوجا ہے۔)

بندہ کا یہ مضمون بینات میں شائع نہ ہوگا، بلکہ نہ کسی اور ساتھی کا۔ بلکہ یہ مضامین کتابی صورت میں ان شاء اللہ کبھی شائع ہوں گے۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہٗ العالی، حضرت شاہ عبدالعزیز (دعاجو دہلوی) صاحب مدظلہٗ العالی اور حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب (میرٹھی) مدظلہٗ اور والدِ ماجد محترم دامت برکاتہم اور محترمی برادرم جناب مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت کو سلام عرض کرتے ہیں۔ بندہ کی طرف سے بھی کو سلام اور طلبِ دعا۔ فقط والسّلام

۳؍رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ (۲۶؍دسمبر ۱۹۶۵ء)

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ شفقت نامہ موصول ہوا۔ خیریت معلوم ہوکر نہایت مسرت ہوئی۔ نہایت بے چینی کے بعد سکون حاصل ہوا۔ حضرت کا گرامی نامہ بہت سکون کا باعث بنا۔ خط ملنے کے بعد ہی مجھے حیدرآباد پروگرام کے مطابق روانہ ہونا تھا۔ حیدرآباد میں والدِ محترم مدظلہٗ جماعت کے ساتھ مقیم ہیں۔ میں اپنے مضمون کی تبییض (صاف لکھنے) کی وجہ سے رُکا ہوا تھا۔ یکم؍رمضان المبارک (۱۳۸۵ھ) سے میں بھی جماعت میں شامل ہوگیا۔ ہماری جماعت ۲۵؍رمضان تک حیدرآباد ہی میں رہے گی۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا اہل بنائے اور صحیح طور سے اس کے آداب بجالانے کی توفیق فرمائے۔ ۲۵؍رمضان کو والدِ محترم مدظلہٗ کا چلہ پورا ہوجائے گا اور وہ یہاں سے گھر روانہ ہوجائیں گے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ ۲۳؍یا ۲۴؍رمضان تک یہاں تشریف لے آئیں اور ہمیں اپنے فیوضات سے بہرہ ور فرمائیں۔ میرا چلہ ۱۰؍شوال کو پورا ہوگا۔

حضرت مدظلہ العالی کو میری طرف سے دست بستہ سلام پیش کر دیں اور دعا کی درخواست پیش کر کے میرے تبلیغی سفر سے مطلع فرماویں۔ حضرت مولانا بنوری مدظلہ اور حضرت شاہ (عبدالعزیز دعاجو) صاحب مدظلہ سلام عرض کرتے ہیں۔ اور ہاں وہ رفیق خاص والی بات نے آپ کو پریشان کر دیا۔ حد ہو گئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ میری مراد محترم سیّد نفیس صاحب تھے۔ ان کے رفیق خاص ہونے کا تو آپ کو بھی اِعتراف ہو گا۔

ایک ضروری بات یہ ہے کہ ذہن کے لیے حضرت مدظلہ العالی نے سورت گیارہ مرتبہ اور درود اول آخر کچھ اور پڑھ کر پانی پر دم کرنے کو بتلایا تھا۔ اشتباہ ہو گیا ہے۔ اسے دریافت کر کے مطلع فرمائیں۔

محمد حبیب اللہ مختار معرفت حکیم صاحب اسلامی کتب خانہ، ہیرآباد، حیدرآباد

جناب مولانا سعید احمد صاحب مدرسہ اشرف المدارس، گلی نمبر ۵، گوبند پورہ، لائل پور۔

مہر ڈاک خانہ لائل پور یکم جنوری ۱۹۶۶ء

(۱۰ر جنوری ۱۹۶۶ء) ۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ بندہ بفضلہٖ تعالیٰ بخیر ہے۔ اس سے قبل ایک عریضہ ارسال کیا تھا، امید ہے مل گیا ہوگا، لیکن اب تک گرامی نامہ سے سرفراز نہ فرمایا۔ حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب (میرٹھی) سے حضرت مدظلہ کے لائل پور قیام کے متعلق عرض کیا تھا، لیکن وہ چوں کہ اس سال حج بیت اللہ کے لیے کوشش فرما رہے ہیں، ارادہ یہ ہے کہ وہاں سے ٹکٹ منگا لیں۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائیں۔ اس لیے مولانا (میرٹھی) تشریف لانے سے معذور ہیں۔ بندہ چوں کہ جماعت تِبلیغ میں چلہ دے چکا تھا، اس لیے اسے پورا کرنا ضروری تھا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سعادت کے حصول کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت مدظلہ العالی کی خدمت میں سلامِ مسنون پیش فرمادیں اور خصوصی دعاؤں کی درخواست فرمائیں۔ اور میرے بارے میں آئندہ کے لیے حضرت مدظلہ اور آپ کا کیا مشورہ ہے۔ مفصل لکھ کر لفافہ روانہ فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ آپ کو جماعت میں شرکت کی دعوت تھی، تاکہ زیارت بھی ہوجائے اور فیوض کا حصول بھی ہو۔ امید ہے قبول فرما کر تاریخ آمد سے مطلع فرماویں گے۔ والد صاحب کا سلام حضرت مدظلہ کی خدمت میں پیش کردیں اور درخواستِ دعا۔ فقط والسلام **محمد حبیب اللہ مختار**

پتہ یہ ہے: **محمد حبیب اللہ مختار** معرفت حاجی عبداللہ صاحب اسلامی کتب خانہ، جامع مسجد آزاد میدان، ہیرآباد، حیدرآباد۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرسہ اشرف المدارس، گلی نمبر ۵، گوبند پورہ، لائل پور

مہر ڈاکخانہ لائل پور ١٠/ جنوری ١٩٦٦ء

(٢٠/ فروری ١٩٦٦ء) باسمہٖ تعالیٰ

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔ بندہ بھی بحمد اللہ خیریت سے ہے، عریضے تو کئی لکھے، لیکن جواب ایک کا بھی نہ پایا۔ طبیعت سخت پریشان ہے۔ بھائی! ایسی بھی کون سی ناراضگی کی بات ہے کہ آپ کے شفقت نامہ سے محروم ہوں۔ روزانہ انتظار کرتا ہوں۔ (کسی چیز کا انتظار کرنا موت سے زیادہ شدت رکھتا ہے۔) آپ کے سامنے ہے، لیکن پھر بھی اتنی تاخیر!؟ بس خدائے تعالیٰ خیر کریں، پتہ نہیں آپ کو کیا ہوگیا۔

(اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، تو میں معافی کا طلب گار ہوں۔ معزز لوگوں کے نزدیک معذرت قبول کرلی جاتی ہے۔)

تبلیغی جماعت کے دورے سے میں عید کے گیارہ دن بعد واپس آگیا تھا۔ آج کل

گھر پر ہوں۔ ابھی کوئی پروگرام مکمل نہیں بنایا، ویسے تو مدینہ جانے کا خیال ہے۔ آپ بھی اگر ارادہ کرلیں تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ کے طفیل میں ہم بے نصیب بھی روضۂ نبوی پر حاضری کی سعادت حاصل کرلیں گے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اِسم بامسمیٰ ہیں۔ ہمارے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا بنالیں۔ توفیق بندگی نصیب فرمائیں اور حقیقت میں اِسم بامسمی بنادیں۔ نام کا حبیب اللہ نہ رہوں، حقیقت میں ہی اپنا حبیب بنالیں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کو بھی کبھی کبھی دعاؤں میں یاد دلادیا کریں۔

اپنے بارے میں حضرت مدظلہٗ سے بھی مشورہ لیا ہے۔ آپ بھی اپنے مشورے سے نوازیں۔ مدینے کو جاؤں، یہ دل چاہتا ہے۔

یار رہے یا ربّ تو میرا، اور میں تیرا یار رہوں   مجھ کو فقط تجھ سے ہو محبت، خلق سے میں بیزار رہوں
ہر دم ذکر و فکر میں تیرے، مست رہوں سرشار رہوں   ہوش رہے مجھ کو نہ کسی کا، تیرا ہی ہوشیار رہوں
اب تو رہے بس تادمِ آخر، وردِ زباں اے میرے اللہ!

آپ نے تو پتہ نہیں اسے کتنی ہی مرتبہ پڑھا ہوگا۔ دعا فرمائیں یہ ہمارے روح اور جسم میں سما جائے اور صحیح معنوں میں ہمارے اندر یہ جذبہ پیدا ہوجائے۔ میں تو بالکل کورا ہوں۔ میرے لیے بہت دعا فرمایا کریں۔

الٰہی یا الٰہی یا الٰہی خدائی کبریائی بادشاہی   اگر فضل و کرم اِک آن کردے تمام مشکلیں آسان کردے

مولوی صاحب! بس کیا عرض کروں روز بروز اپنی جہالت، کم علمی اور کم فہمی کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔ کسی قابل نہیں۔ آخر کیا کروں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کوئی مشورہ دیں اور مخصوص اوقات میں اللہ جل شانہ سے میرے حق میں خوب دل کھول کر دعا مانگا کریں۔

حضرت مدظلہٗ سے شرفِ ملاقات حاصل کرنے کو بہت دل چاہتا ہے، کیا کروں؟ محترم سیّد نفیس صاحب (معروف بہ رفیق خاص) اور محترم (مولانا سید مسعود علی) آزاد صاحب اور بقیہ رفقا کی خدمت میں سلامِ مسنون اور درخواستِ دعا پیش فرما دیں۔

جواب جلد از جلد دیں اور مہربانی یہ فرمائیں کہ حضرت مدظلہٗ جو لکھیں، اس لفافہ میں بند کر کے بھیجیں۔ اس وقت دوسرا لفافہ موجود نہ تھا۔ ڈاکخانہ قریب ہے نہیں، ورنہ میں لفافہ اس میں رکھ کر بھیجتا۔ اتنی تکلیف ضرور فرمائیں۔ والسلام۔ طالب دعا: محمد حبیب اللہ مختار دہلوی۔ ۲۹؍شوال المکرّم ۱۳۸۵ھ (۲۰؍فروری ۱۹۶۶ء)

از کراچی ۷۸۶ ۱۱/۵/۱۹۶۶ء

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، بہت دنوں سے آپ حضرات کی خیریت کا کوئی گرامی نامہ موصول نہیں ہوا، جس کی وجہ سے تشویش لاحق ہے۔ امید ہے کہ آپ جلد ہی خیریت نامہ لکھ کر دلِ محزون کو تسلی دیں گے، میں نے خود آپ کو گرامی نامہ کچھ تو اپنی بیماری اور کچھ اس وجہ سے نہ لکھ سکا کہ ز مل والوں نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ آپ حضرات ۲۵؍اپریل تک تشریف لے آئیں گے، لیکن نہ اب آئے، نہ آئے، (کسی چیز کا انتظار کرنا موت سے زیادہ شدت رکھتا ہے۔) والی کیفیت میں ڈال دیا۔

ایک ضروری اطلاع دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اور والد صاحب مدظلہٗ رائے ونڈ کے اجتماع میں جو ۱۵۔۱۶۔۱۷ مئی ۶۶ء کو ہونے والا ہے، اس میں شرکت کے لیے ۱۳؍مئی بروز جمعہ جمہور ایکسپریس سے لاہور آرہے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس میں ضرور شرکت فرما کر اپنے فیوضات سے مستفید فرمائیں۔

یہاں پر سب خیریت سے ہیں، سلام عرض کرتے ہیں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کو بندہ کی طرف سے خصوصی سلام عرض کردیں اور درخواستِ دعا پیش کردیں۔ ادرِ م جناب مولانا محمد احمد صاحب بھی سلام عرض کرتے ہیں۔

بعد درخوا ت دعا فقط والسلام

بشرفِ حظہ جناب مولا ٔ سعید احمد صا . بلاک ۲۲، مکان ۱۷، سرگودھا

(۲۳/۷/۱۹۶۶ء)

۷۸۶

جناب مولا ٔ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

اُمید ہے مزاجِ َ امی بخیر ہوں گے۔ ای طویل عرصے سے آپ کے شفقت ٔ مہ کا انتظار کر رہا تھا، لیکن ٔ امید رہا، دو تین خط آپ کو ارسال کیے، لیکن آپ نے جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی، واللہ اعلم کیوں یہ خیر ہے۔ آج صبر نہ ہو سکا تو پھر عریضہ لکھ رہا ہوں، اجی! ہم تو اب چند دنوں کے اور مہمان ہیں، پھر ٔ معلوم . قات ہو۔ آپ کی تو آنے کی خبر ٔ اور انتظار کرتے کرتے تھک سے گئے ہیں۔

حضرت مدظلہٗ کے مزاجِ َ امی کیسے ہیں؟ ٔ اکرے خیر۔ سے ہوں۔ بندۂ ٔ چیز کی طرف سے مؤد . نہ سلام عرض کر کے درخوا تِ دعا پیش کر دیجیے گا۔ اب یہ بتلائیے کہ آپ حضرات . تشریف لا رہے ہیں؟ کتنے روز اور انتظار کر ٔ پڑے گا؟

آج کل بندۂ ٔ چیز مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹ ؤن میں دار الافتاء میں معاون دار الافتاء کی حیثیت سے ٔ مت ا م دے رہا ہے، دعا فرما کہ اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں اس کا اہل فرما دیں اور ت و کو ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رکھے۔ آپ حضرات کی دعاؤں کی خاص ضرورت ہے، یہاں پ . خیر۔ سے ہیں۔ ادرِ م جناب مولا ٔ محمد احمد صا . کو َ امی ٔ مہ آپ نے لکھا تھا، اس کے ذریعے سے آپ حضرات کی خیر۔ معلوم ہو گئی تھی۔ وہ سلام عرض کرتے ہیں اور درخوا تِ دعا۔ حضرت سے بھی سلام اور درخوا تِ دعا پیش کر دیں۔

(. قی . تیں اُس وقت ہوں گی، . . آپ کا خط مجھے موصول ہوگا اور قات ہوگی۔)

ازطرف حضرت شاہ عبدالعز٘ صا . (دعاجو دہلوی) مدظلہ العالی

جناب مولا٘ سعید احمد صا .

مشتاقِ ز رت، طا . ِ دعائے عافیتِ دارین بندۂ٘ چیز دعاجو دہلوی بعد سلام مسنون عرض کرت ہے۔

تم نے اپنا بنا کے چھوڑ دی کیا اسیری ہے کیا رہائی ہے
آمد آمد کی خبر ہے آج ت آتے نہیں غلغلہ مدت سے ت ہیں مبارک . دکا

وا . الاحترام! اپنے والدِ٘ رگوار کو سلام عرض کر کے دعا کرا دینا۔

پتہ یہ ہے:

محمد حبیب اللہ مختار دہلوی معرفت الحاج حکیم محمد مختار حسن خاں صا . وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر۳، ویسٹ پ کستان

۷۸۶

جناب مولا٘ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

شفقت٘ مہ موصول ہوا۔ . ش ِ صد افتخار و صد اطمینان وسکون ہوا اور ا قلب ِ ٘یں کے لیے مرہم ش . ت ہوا۔ اللہ تعالیٰ .٘ ائے خیر فرما ۔ لیکن ذرا اور تھوڑی سی تکلیف فرما لیا کریں کہ جلدی جلدی شفقت فرماتے رہا کریں۔ ذرا سوچیے تو سہی کہ حضرت والا مدظلہ العالی نے ۹/ذی القعدہ (......) کو َ امی٘ مہ تحر فرما اور آپ نے جناب ۲۱/ذی قعدہ کو۔ فاصلہ شمار فرمائیے! بھلا کوئی حد ہے اس ت خیر کی۔ خیر یہ بھی ٘ ا

کا شکر ہے کہ رہ ہی دن کے بعد آپ کو رحم آ گیا۔ ورنہ پتہ نہیں کیا ہو جاتا۔

میاں صاحب! ہم تو خیر ہیں اسی عدمِ توجہی کے قابل، لیکن اپنی کرم فرمائی پ رکھ کر ایسا ہونا نہ چاہیے، کیا لکھوں اور کیسے لکھوں، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بعد نمازِ مغرب والد ماجد مدظلہٗ کی خدمت میں مطب پر حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ ایک خط آیا ہے۔ فوراً سمجھ گیا اور پڑھا، بہت خوشی ہوئی۔ اب مکی مسجد سے گھر پر آ کر اس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ رات کافی ہو چکی ہے۔ نیند کوسوں دور بھاگ چکی ہے۔ ایک شعر سامنے ہے۔

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ خالق لیے ہوئے

حضرت مدظلہٗ العالی ہوں، آپ حضرات ہوں اور مجھ جیسا سیاہ کار، خطاوار اور نالائق ہو اور آپ حضرات کی صحبت سے مستفید ہوں، تاکہ اسے تعلق ملے اور مخلوق سے ہٹے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ جلد ہی ایسا موقع نصیب فرمائیں۔ خود تو ناکارہ ہیں، کسی کی صحبت سے شاید کچھ کام بن جائے۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

(حق تبارک و تعالیٰ اور اس کے مخصوص لوگوں کی عنایت کے بغیر اگر فرشتہ بھی ہو جائے تو اس کا ورق سیاہ ہی رہے گا۔)

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا بنا لیں، توفیق بندگی نصیب فرمائیں، تاکہ اسے عشق پیدا ہو جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق پیدا ہو۔ دین سے محبت پیدا ہو جائے۔ اور یہ چیز اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی، جب تک کہ کوئی رہبری کرنے والا رہبر کامل نہ ہو۔ باطنی علوم حضرت مدظلہٗ العالی اور آپ حضرات ہی سے سیکھنا ہیں۔ فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

(گفتگو کے دائرے سے نکل۔ اچھے حالات کا مرد بن۔ مردِ کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر کے رکھ دے۔)

ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔

یار باید راہ را، تنہا مرو
بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

(راستہ چلنے کے لیے دوست چاہیے۔ تنہا مت چل‘ کہ صحرا کے اندر بغیر کسی ساتھ کے مت چل۔)

کہتے ہیں کہ اس میدان میں بغیر پیر کامل کے قدم نہ رکھو۔ جس طرح بھی ممکن ہو، ضرور کسی کے ساتھ ہو جاؤ۔ اس لیے وہ تم کو اس راہِ پُرخطر اور دشوار گزار گھاٹی سے حفاظت کے ساتھ نکال دے گا۔ ایک اور اہل تجربہ حضرت شیخ فرید شکر گنج فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق　　عمر بگزاشت و نشد آگاہِ عشق
گو ہوائے ایں سفر داری دلا　　دامنِ رہبر بگیر و پس بیا
در ارادت باش صادق اے فرید　　تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(بغیر رہنما کے جس نے بھی عشق کی راہ میں قدم رکھا‘ ساری عمر بھی چلتا رہے، عشق سے آگاہ نہیں ہوگا۔ اے دل! اگر اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو رہبر و رہنما کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کے پیچھے چل۔ اے فرید! اگر تو اپنے اس ارادے میں سچا ہے، تو اسی طرح چلنا معرفت کے خزانے کی کنجی ہے۔)

حضرت مدظلہٗ العالی جیسے اہل محبت کے بارے میں شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

دما دم شرابِ الم در کشند　　وگر تلخ بیند دم در کشند

(دمادم غم کی شراب پی رہے ہیں۔ اگرچہ کڑوی محسوس کرتے ہیں، پھر بھی سانس کھینچ رہے ہیں۔)

ہر وقت شرابِ غم پیتے ہیں اور کوئی طبعی ناگواری پیش آتی ہے تو خاموش رہتے ہیں۔ اور ہم جیسے ناکارہ نالائقوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

اے تُرا خادے بپانہ شکستہ کہ دانی کہ چیست　　حالے شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

ارے! میں تو نہ معلوم کہاں سے کہاں بات میں بہہ گیا، حقیقت جو تھی، وہ سامنے آپ کے رکھ دی ہے۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔ دعاؤں میں خوب یاد رکھیں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کو احقر کی طرف سے سلام مسنون عرض کر دیں اور درخواستِ دعا پیش فرما دیں۔ والد صاحب مدظلہٗ اور برادرم جناب مولانا محمد احمد صاحب اور شیخ محترم

مولانا بنوری مدظلہٗ کی طرف سے بھی حضرت کو سلام پیش کر دیں اور درخواستِ دعا۔ امید ہے کہ اب جلدی ہی جواب سے نوازیں گے۔

فقط والسلام طالبِ دعا احقر محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

(۲؍ستمبر ۱۹۶۶ء) ۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ بندہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ بخیریت ہے۔ آپ کا شفقت نامہ ملے ہوئے تو بہت دن گزر گئے، لیکن جواب لکھنے کی نوبت اس لیے نہ آئی تھی کہ آپ کا پرچہ حضرت شاہ (عبدالعزیز دعاجو دہلوی) صاحب مدظلہٗ العالی کو پڑھ کر سنایا تو انھوں نے فرمایا کہ خط میں میرا پرچہ بھی ایک ساتھ بھیجنا، لیکن ابھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جب طبیعت ٹھیک ہوگی تو لکھا دیں گے۔ دوبارہ [illegible]، لیکن اس وقت بھی نہ لکھایا۔ اس لیے اب تک جواب نہ دے سکا۔ آج صرف اپنے جواب پر ہی اکتفا کر رہا ہوں۔ چند دنوں قبل داڑھ میں سخت تکلیف ہوگئی تھی، اب تو آرام ہے۔

دعا فرمائیے اللہ شفاءِ کاملہ عاجلہ فرمائے۔

حضرت مدظلہٗ العالی کو بندہ کی طرف سے سلامِ مسنون پیش فرما دیں اور دعا کی درخواست بھی۔ حضرت کو عریضہ لکھنے کا ارادہ ہوتا ہے، لیکن اپنے عیوب اور غفلت پشیمانی کا سبب بن کر اس سے مانع ہو جاتی ہے کہ اتنے دن تک خط کیوں نہ لکھا۔

محترم! آپ اتنا بھی نہیں کرتے کہ حضرت کے دستِ مبارک سے ہر خط میں کچھ نصائح لکھوا کر بھیج دیا کریں۔ شاید یہ ہی ہماری اصلاح کا سبب بن جائے۔ بزرگوں کے اقوال و نصائح میں بھی تاثیرات ہوتے ہیں اور آپ تو خوب جانتے ہی ہیں کہ ” “(گھر والا زیادہ جانتا ہے جو کچھ اس کے گھر میں ہے)۔ حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ جب پرچہ لکھا دیں گے تو لفافہ ان شاء اللہ بھیجوں گا۔

حضرت مدظلہٗ العالی کی طبیعت کیسی ہے؟ کب تشریف لا رہے ہیں؟ ایسا نہ ہو کہ ہم

محروم ہی رہ جا ۔ ۔(میں تو اجنبی مسافر ہونے والا ہوں۔) خصوصی طور سے دعاؤں کی درخوا ت ہے۔

مطب حکیم محمد مختار حسن خاں صا . ، وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر ۳
جناب مولا۰ سعید احمد صا . بلاک ۲۲، مکان نمبر ۱۷، سرگودھا
مہر ڈا نہ سرگودھا ۵؍ستمبر ۱۹۶۶ء

۷۸۶

جناب مولا۰ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کا تہ

اُمید ہے کہ مزاجِ َ امی بعافیت ہوں گے۔ حضرت مدظلہٗ العالی کے مزاجِ عالی کیسے ہیں؟ اس سے کافی قبل ا ِ عریضہ حضرت مدظلہٗ کو دو ت خانے کے پتے پ ارسال کر چکا ہوں۔ اس میں ا ِ رقعہ آپ کے ۰م بھی تھا، لیکن جواب سے اب ت محروم ہوں۔ ڈر ہے کہ کہیں پہلے کی طرح تو آپ نے د ِ نہیں لگا دی۔ خیر ِ ت کی اطلاع نہ ملنے سے کافی پ یشانی ہے۔ اَ کوئی غلطی ہوگئی ہے تو معافی چاہتا ہوں، لیکن ا ِ مصرعہ ضرور عرض کروں گا، اب قات بھی ہو ِ نہ ہو، ز۰ گی موت کا کیا اعتبار ہے۔

مدینہ جانے کا ارادہ ہے۔ حضرت سے بھی دعا کے لیے درخوا ت کر دیں اور خود بھی فراموش نہ فرما ۔ جواب جلدی دیں۔

۔(آپ جیسے نیک بخت اور معزز آدمی کے لیے منا . نہیں ہے کہ اپنے کمزور اور َ ۰ ہگار ساتھی پ اس طرح کی سختی اور ظلم کریں۔ آپ پ لازم ہے کہ عفو و در َ ۰ ر سے کام لیں۔)

حضرت کو خصوصی سلام عرض کر دیں اور درخوا تِ دعا۔ شیخ بنوری مدظلہ اور والد ِ محترم اور . ادرِ محترم . سلام عرض کرتے ہیں اور درخوا تِ دعا۔ فقط والسلام منتظر جواب محمد حبیب اللہ مختار دہلوی

جناب مولا۰ سعید احمد صا . بلاک نمبر۲۲، مکان ۱۷، سرگودھا
مہرڈا نہ (نہیں پڑھی جارہی)

۷۸۶

(لیٹر پیڈ) حکیم محمد مختار حسن خاں
صدر گورنمنٹ ریکگنا ٗ ڈطبی کالجز یجویٹس فیڈر وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر۳

جناب مولا۰ سعیدِ احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

اُمید ہے مزاجِ امی بعافیت ہوں گے۔ بندہ بھی بحمداللہ بعافیت ہے۔ . وز جمعرات ۲۷/ اکتو. ۱۹۶۶ء بندہ سعودی عربیَن ائیرلائن سے صبح ۹ بج کر دس منٹ پ کراچی سے . ہ روانہ ہوجائے گا۔

اس سے قبل بھی آپ کو ا یِ عریضہ لکھ چکا ہوں، لیکن جواب سے محرومی رہی۔ بھائی مولوی صا . ! اب تو دعاؤں میں ہی یِ درکھیں۔ ہمیں تو امید تھی کہ حضرت مدظلہ اور آں جناب سے کراچی میں قات ہوجائے گی، لیکن آپ آنے کا ۰ م ہی نہیں یـ تے۔ تین چار ت ریخوں کے متعلق معلوم ہوا کہ اس دن آ گے، لیکن اب ت نہ آسکے۔ اب آپ . کراچی تشریف لا گے تو بندہ آپ حضرات کی . کات سے محروم ہی رہے گا۔ لیکن امید ہے کہ دعاؤں میں یـ دہی رکھیں گے افسوس کہ ا یـ تمنا آرزو کہ کسی عارفِ کامل کی صحبت میں رہوں، ان سے فیض حاصل کروں، یہ تمنا ہی رہی، حقیقت نہ بن سکی۔

حضرت مدظلہ العالی کی ۰ مت میں بہت بہت سلام پیش فرما دیں اور درخوا ت ِ دعا بھی۔ اور کچھ نصیحتیں وغیرہ اَ لکھوالیں تو ذریعہ اصلاح اور . شِ تبرک بھی رہیں

گی۔ اور . احباب اور بزرگوں کی خدمت میں سلام۔

فقط والسلام طالبِ دعا محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از مدینہ منورہ . زمنگل ۱۸ر ر. . ۱۳۸۶ھ/۲ر نومبر ۱۹۶۶ء

جناب مولانا سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

اس کے بعد عرض ہے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم سے ہفتے کے روز ۱۵ر ر. . مطابق ۳۰ر اکتو. ۱۹۶۶ء خیر یت وعافیت سے مدینہ منورہ پہنچ َ ی تھا۔ یہ . کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ کی نیک دعاؤں کی . ت سے ممکن ہوسکا۔ میں آپ

حضرات کے لیے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دعا کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں نے تمام مقاماتِ مقدسہ میں اللہ سے یہ دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آنے والے سالوں میں اپنے تمام مقاصد میں کامیاب کرے اور آپ حضرات کو مسجدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آنے والوں میں شامل فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ دعاؤں کو خوب سننے والا، قبول کرنے والا ہے۔

اسی کے ساتھ ہمارا سلام تمام حضرات کو پہنچا دیں۔ خاص طور پر صاحبِ فضیلت و مرتبت، ظاہری اور باطنی معرفت کے حامل شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری، آپ کے محترم والدِ گرامی کو اللہ تعالیٰ ان کی برکات اور فیوضات ہمیشہ جاری رکھے اور مجھے ان کے علوم اور برکات اور ان کے تقویٰ سے سیراب کرے میرا سلام ان کی خدمت میں پہنچا دیں۔ آپ سے اور آپ کے محترم والد صاحب سے پوری امید ہے کہ آپ رات اور دن کے تمام اوقات میں صبح اور شام خاص طور پر رات کے اوقات میں اور تہجد کے وقت میرے لیے دعا فرمائیں گے۔

میں بحمد اللہ جمعرات کے روز جدہ پہنچ گیا تھا۔ پھر مکہ مکرمہ، بیت اللہ الحرام میں عمرے کے لیے گیا۔ میں نے وہاں عمرہ کیا اور عشا کی نماز کے بعد واپس جدہ آ گیا۔ رات کا کھانا میں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی کے پاس کھایا۔ پھر جمعہ کے دن بحمد اللہ دوسرا عمرہ کیا۔ ہفتہ کی رات کو ہم جدہ سے مدینہ آ گئے اور صبح کے وقت مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے۔ میں اپنے حبیب اور شفیع خاتم النبیّین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور میں نے بحمد اللہ حرم میں نماز پڑھی۔ پھر ہم اسلامی یونی ورسٹی (مدینہ منورہ) واپس آ گئے۔ بحمد اللہ میں اب یونی ورسٹی کے اُونچے درجے کے پہلے سال میں داخل ہو گیا ہوں۔ آج ہماری تعلیم کا دوسرا دن ہے۔

آپ سے درخواست ہے کہ آپ تمام اوقات میں میرے لیے دعا کرتے رہیں۔ میں آپ کے والدِ محترم سیدی وسندی سے بھی امید رکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے لیے دعا

کریں کہ میں مدینہ میں رہوں اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہ زی رت کرت رہوں اور اس کے حقوق اور آداب کو پورے طور پ بجالات رہوں۔ وجود اس ت کے کہ میں اپنے عمل میں بہت ہی کوت ہ د ت ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز پ قادر ہے، جو چاہتا ہے کرت ہے۔ اللہ کسی کام کا ارادہ کرلے تو وہ کُن کہتا ہے تو وہ ہو جات ہے۔ آ میں میرا اسلام اپنے تمام احباب کو پہنچادیں۔

فقط والسلام آپ کی دعاؤں کا طا محمد حبیب اللہ مختار

۷۸۶

جناب مولا سعید احمد صا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

آپ کے دونوں شفقت مے دو تین روز کے فاصلے سے ملے، اللہ تعالیٰ ائے خیر فرمائے، آپ نے بہت زحمت فرمائی، چلیے اس ذریعے سے نصف قات ہوتی رہے گی، بہ شرط یہ کہ آپ لکھنے کی تکلیف گوارا کرلیا کریں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کا امی مہ کل تھا، محترم فضل الرحمٰن (دہلوی) صا (۱۱) کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔ غالباً آپ ساتھ نہ ہوں گے۔

بندہ بحمد اللہ خیر ت سے ہے۔ عمرتین اور اعتکاف اللہ تعالیٰ نے ت اللہ میں کرنے کی توفیق نصیب فرما دی تھی، دعا کریں کہ قبول فرمالے۔ الحمد للہ ملتزم پ غلافِ کعبہ کو پکڑ کر میزابِ رحمت کے نیچے اور د تمام مقدس مقامات میں الحمد للہ دعا میں ی د رکھا تھا، بلکہ یوں کہیے کہ اپنی دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ بنا ی تھا، ہم تو بہت عمل اور ہ گار ہیں، آپ حضرات کے طفیل د قائم ہے اور ہم جیسے کار مزے میں پڑے ہیں، خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے، دعا فرما کہ اللہ تعالیٰ رحم و کرم فرما ، ایمان پ خاتمہ نصیب فرما اور اپنی مرضی کے کام لے لیں اور وشیطان کے فری سے بچادیں۔

میرے لائق جو مت ہو، ضرور لکھیں۔ روضۂ اقدس پ حاضری کے وقت بھی آپ

کی طرف سے سلام وصلوٰۃ پیش کر دیتا ہوں، شا یہ آپ حضرات کے طفیل ہمارا سلام بھی قبول ہو جائے۔

معاف کیجیے گا جلدی میں خط لکھ رہا ہوں، لکھنا بھی نہیں آ ۔ پڑھنے میں تکلیف تو ہوگی، غلطیوں کو معاف فرما دیجیے گا، رفقا اور احباب کی مت میں سلامِ مسنون پیش کر دیں اور درخوا تِ دعا۔ میری طرف سے مخلصانہ عید مبارک قبول فرما ۔

ہم تو ہ گار یہاں کے فیوض سے کیا فا ہ اٹھا ہیں، دعا فرما اللہ تعالیٰ اس کی توفیق نصیب فرما ، یہاں کے آداب بجا لانے کی توفیق نصیب فرما ، حضرت مدظلہٗ سے بھی اس کے لیے عرض کر دیجیے گا۔

فقط والسلام طا ِ دعا، اخوکم الصغیر محمد حبیب اللہ مختار ص، ب ۲۰۸

۱۵ر شوال ۸۶ھ

(۲۰ر جنوری ۱۹۶۷ء)

۱۶/ ۷/ ۱۹۶۷ء ۷۸۶

جناب مولا سعید احمد صا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

اُمید ہے آپ اور حضرت مدظلہٗ العالی بخیر و عافیت ہوں گے۔ بندہ بھی بحمد اللہ خیر سے ہے۔ ای عرصہ سے شرفِ ہم کلامی حاصل نہ کر سکا تھا، آج بہت مشکل سے موقع نکال کر اس شرف کو حاصل کر رہا ہوں۔

میں مدینہ منورہ سے ۱۴ر جون کے طیارے سے کراچی پہنچ تھا اور دو تین روز گھر قیام کر کے کو اور وہاں سے چمن تبلیغی اجتماع میں شر کے لیے والد صا مدظلہٗ کے ساتھ آ ، اجتماع کے بعد والد صا مدظلہٗ تو کراچی چلے گئے اور بندہ چلہ کے لیے نکل ۔ رائے و سے شرقپور اور شرقپور وغیرہ میں رہ روز ٹھہر کر پھر واپس رائے و آ ہوا، یہاں سے پھر ہماری جما کی تشکیل حسن ا ال اور راولپنڈی کے درمیان جو گاؤں وغیرہ ہیں، ان میں کر دی گئی۔

دل تو روز چاہتا تھا کہ عریضہ ارسالِ خدمت کروں، لیکن کثرتِ مصروفیت اور پھر سستی دونوں حائل بنے رہے، اِس وقت آپ کی خدمت میں ایک اہم گزارش کر رہا ہوں اور وہ یہ کہ اگر آپ چاہیں تو ہم غریبوں اور نااہلوں کو بھی اپنے فیوض سے مستفید فرما دیں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت میں بہت بہت سلامِ مسنون عرض کر دیں اور درخواستِ دعا بھی اور خود بھی دعاؤں میں یاد رکھیں اور بچوں کو سلام۔ الحمدللہ آپ حضرات کی دعا سے بندہ مدینہ یونی ورسٹی میں کامیاب ہوگیا ہے۔ آئندہ کے لیے بھی دعا کرتے اور کراتے رہیں۔ میرے لائق جو خدمت ہو، تحریر فرمائیں۔

فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار

خط اس پتہ پر تحریر فرمائیں: معرفت مولانا عبدالقادر صاحب شیخ قاسمی، دارالحدیث، مین بازار، حسن ابدال (نوٹ: ۲۵؍جولائی تک مندرجہ بالا پتہ پر خط تحریر فرمائیں۔)

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے، بندہ بھی بحمداللہ خیریت سے ہے۔ ارادہ تو اس سے قبل ہی خط لکھنے کا تھا، لیکن چند وجوہ کی بنا پر نہ لکھ سکا۔ میں ہفتہ ۵؍اگست ۶۷ء کو کراچی پہنچ گیا تھا، آپ کا لکھا ہوا خط موصول ہوا تھا، لیکن چوں کہ والد صاحب مدظلہٗ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی، اس لیے چلہ ختم ہونے پر انھوں نے مجھے فوری کراچی بلایا تھا، اس لیے میں جلد ہی گھر پہنچ گیا۔ ورنہ ارادہ تو پہلے یہی تھا کہ واپسی پر سرگودھا آپ حضرات کی خدمت میں ضرور حاضری دیں گے۔ اب تو آپ بتلائیے کہ ادھر کب کا دورہ ہوگا؟

حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمتِ مبارکہ میں سلام مسنون عرض کر دیں اور دعا کی درخواست پیش کر دیں۔

میں ان شاء اللہ ۴؍ستمبر (۱۹۶۷ء) کو واپس سعودیہ عرب روانہ ہوں گا۔ وہاں چار سالہ کورس ہے، جس میں سے ایک سال تو پورا ہوگیا، باقی تین سال ابھی باقی ہیں۔

میرے لائق جو خدمت ہو تحریر فرمائیں۔ دعاؤں میں خصوصیات کے ساتھ یاد رکھیں۔ والد صاحب مدظلہٗ کی طبیعت الحمد للہ اب ٹھیک ہے۔ فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۱۲/ ۸/ ۱۹۶۷ء

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔ بندہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہے اور معتوبِ شامت بن کر زندگی کے لمحات گزار رہا ہے۔

مجھے اس بات کا سخت افسوس ہے کہ حضرت شیخ مدظلہٗ العالی سے شرفِ ملاقات اور حصولِ فیض نہ کرسکا۔ اسے سوائے بدقسمتی کے اور کس سے تعبیر کرسکتا ہوں۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے اس قسم کی بدقسمتیوں اور محرومی سے محفوظ فرمائیں۔

ساتھ ہی اس کا بھی افسوس رہا کہ آپ اتنے دن ساتھ رہنے کے بعد بھی میرے مزاج اور بدخلقی سے واقف نہ ہوسکے، اس پر سوائے ندامت کے اور کس چیز کا اظہار کرسکتا ہوں، میرے لاہور سے اس طرح چلے آنے سے جو غلطی اور بدخلقی کا مظاہرہ ہوا، جس سے آپ کو بھی اور آپ کے فرمان کے مطابق حضرت مدظلہٗ العالی کو بھی شکوہ کا موقع ملا، میں اس پر سخت نادم اور متأسف ہوں، اللہ تعالیٰ سے بھی اس غلطی کی معافی چاہتا ہوں اور آپ حضرات سے بھی معافی اور چشم پوشی کا طالب ہوں۔

ویسے حقیقت یہ ہے کہ اگر مجھے ذرا بھی یہ خیال ہوتا کہ آپ حضرات تشریف لائے ہوئے ہیں تو ان شاء اللہ ایسا ہرگز نہ ہوتا اور نہ آپ کو ہی اس کی توقع رکھنا چاہیے۔

حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت میں انتہائی پُرخلوص اور عقیدت مندانہ سلام مسنون پیش فرما کر دعاؤں کی درخواست بھی پیش فرما دیں اور اگر چند نصائح اور فرموداتِ عالیہ سے بھی مستفیض فرما دیں تو زہے قسمت۔ نہایت متشکر ہوں گا۔ بندہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۲۶ر جمادی الثانی ۸۷ھ بروز یک شنبہ پی آئی اے سے بذریعہ روانہ ہوجائے گا، میرے لائق

جو خدمت ہو، اس سے مطلع فرمائیں۔ ویسے اب تو خط مدینہ منورہ کے پتے پر ہی تحریر فرمائیں۔ رفقا حضرات کو سلام مسنون۔

فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۱۹/ جمادی الثانی ۸۷ھ (۲۴/ستمبر ۱۹۶۷ء)

مدینہ منورہ کا پتہ یہ ہے: محمد حبیب اللہ مختار ص ب ۲۰۸

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، بندہ بھی بحمد اللہ بخیر ہے، آپ کا سلام وغیرہ پہنچ گیا تھا، کراچی سے آپ کو دو عریضے لکھے تھے، لیکن جواب سے محروم رہا۔ بندہ ایک ماہ قبل بفضلہٖ تعالیٰ پھر یہاں پہنچ گیا ہے، اللہ تعالیٰ یہاں کے آداب بجالانے کی توفیق نصیب فرمائیں، حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت میں دست بستہ خصوصی سلام پیش فرمادیں اور دعا کی غائبانہ درخواست پیش فرمادیں۔

ندامت کی وجہ سے حضرت کو عریضہ لکھنے کی جرأت نہیں ہوتی، ورنہ دل تو بہت چاہتا ہے کہ حضرت سے مستفیض ہوتا رہا کروں، نصائح سے بہرہ ور ہوتا رہوں، لیکن جب آپ ہی ناراض ہیں تو پھر حضرت پتہ نہیں کیا کیفیت میں ہوں گے، آپ خود بھی دعا کریں اور حضرت مدظلہٗ سے بھی میری اِصلاحِ ظاہر و باطن کی دعا کرایا کریں، تاکہ آپ حضرات کے طفیل میں مجھے بھی نیک عمل کرنے اور صحیح طور سے دین پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ میرے لائق جو خدمت ہو، تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار

ص ب ۲۰۸ المدینۃ المنورہ ۶/۸/۸۷ھ (۱۰/نومبر ۱۹۶۷ء)

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے، بندہ بھی خیریت سے ہے، اس سے قبل جناب کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا، لیکن نامعلوم کیا بات ہے کہ اب تک جواب سے محروم ہیں، اللہ تعالیٰ خیر کریں۔ بندہ اس وقت جامعہ میں بیٹھا ہے اور رات کے ساڑھے چار بج رہے ہیں، یہاں عشا کی نماز پونے دو بجے ہوتی ہے۔

کراچی جب جانے کا پروگرام ہے؟ ہمیں تو آپ نے محروم ہی کرا دیا۔ جب کراچی میں تھے تو آپ نے پروگرام ہی نہیں بنایا، کیا کریں؟ قسمت کی خرابی ہے کہ جو بزرگ اور اللہ والے ملتے ہیں، ان سے ہم اس طرح محروم رہ جاتے ہیں۔ دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو میں حاضر ہوں۔ رفقائے مجلس کو سلام عرض کر دیں اور درخواستِ دعا، خصوصی طور سے شب و نہار میں دعاؤں کی درخواست ہے۔ فقط والسلام طالبِ دعا اخوکم محمد حبیب اللہ مختار

پتہ یہ ہے: محمد حبیب اللہ مختار ص ب ۲۰۸،

(بخدمت جناب مولانا سعید احمد صاحب)

۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے مشرف فرمایا اور گھر کی پریشانی کا پڑھ کر تشویش ہے، اللہ تعالیٰ شفائے کاملہ، عاجلہ نصیب فرمائے۔ قبلہ والد صاحب مدظلہ سے عرض کیا تھا، انھوں نے سلامِ مسنون کے بعد لکھا ہے کہ سیلان الرحم ضعفِ رحم کی وجہ سے نہیں، بلکہ ورمِ رحم کی وجہ سے ہے اور ورمِ رحم کا نسخہ درجِ ذیل ہے: ہو الشافی:

ست گلو، ایک تولہ۔ طباشیر، ایک تولہ۔ دانہ الائچی خورد، ایک تولہ۔ تودری سفید، چھ ماشہ۔ تودری سرخ، چھ ماشہ۔ تخم خرفہ سیاہ، ۶ ماشہ۔ مغز کدو، ۶ ماشہ۔ مغز تخم خیار، ۶ ماشہ۔ گوند ببول، ۶ ماشہ۔ کرکس، ۶ ماشہ۔

سب دواؤں کے ہم وزن چینی ملا لیں اور سب کو کوٹ کر چھان کر سفوف بنا لیں اور

تین ماشہ روزانہ صبح کو نہار منہ کھا کر آبِ کاسنی سبز مروق چار تولہ۔ آبِ مکو سبز مروق چار تولہ۔ میں شر. ت . وری تین تولہ کر پلا دیں۔ (کاسنی سبز اور مکو سبز کے پ نی نکالنے کا طر یہ ہے کہ سبز پتوں کو پیس کر پ نی نکال لیں، کپڑے میں چھان کر تھوڑا سا نمک ڈال کر آگ پ رکھیں، سبزی الگ ہو کر صاف پ نی الگ ہو جائے گا، اس صاف پ نی کو شر. ت . وری میں کر پلا ۔) ان شاء اللہ العزی نفع ہو گا۔

کہیں جانے کا پ وَ ام تو بظاہر منسوخ سا آ ت ہے، ویسے مدینہ منورہ ان شاء اللہ تعالیٰ ستمبر کے پہلے ے میں جا٠ ہو گا۔

قبلہ والد صا . مدظلہ العالی دو تین روز میں تبلیغی جما ت میں چالیس روز کے لیے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے کچھ وقت مطب پ َ٠ رے گا، چلیے اچھا ہے، روحانی اور جسمانی بیمار کو مطب میں اَ چہ جسمانی ہی سہی، ی٠ اور عبرت حاصل کرنے کا موقع ملے گا، دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ میری روحانی اور جسمانی، ظاہری اور . طنی تمام بیماریوں کو دور فرما کر اپنے دین کی ٠ مت کے لیے قبول فرما لیں۔

حضرت اقدس مدظلہ العالی کی ٠ مت میں سلام عرض کر دیں کہ ای وہ ٠ کارہ اور ٠ لائق جو چند روز چند گھنٹے آپ کی صحبت میں رہا تھا، وہ جو اس قابل نہ تھا کہ آپ حضرات کی صحبت ی معیت میں رہ سکے، آپ کی ٠ مت میں سلامِ مسنون پیش کر ت ہے اور درخوا ت ِ دعا بھی۔ ٠ ا پھر وہ دن لائے جن میں اللہ والوں اور آپ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق کی معیت اور صحبت سے یہ عا. ٠ و٠ کارہ مستفید ہو سکے۔ والد صا . مدظلہ اور . ڑے بھائی سلامِ مسنون لکھاتے ہیں اور درخوا ت ِ دعا۔ ٠ مت ِ لا سے ی د فرما کر شکریے کا موقع عنای ت فرما ۔

فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۱۹/ ۸/ ۱۹۶۹ء

السبت ۲۸/ ۸/ ۱۳۸۹ھ (۹ نومبر ۱۹۶۹ء)

جناب مولا٠ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔ چند روز قبل آپ کا شفقت نامہ موصول ہوا، لیکن بعض وجوہات کی بنا پر جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے معاف فرمائیں گے، آپ کے نامے کا کافی انتظار تھا، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، توقع کروں گا کہ ہمیشہ ارشاداتِ عالیہ اور نصائح طیبہ سے نوازتے رہیں گے۔

آج کافی عرصے کے بعد بہت مشکل سے حضرت والا کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر کیا ہے، بڑے حضرت کا ادب و احترام اور جلالت و منزلت سے ڈرتا رہتا ہوں کہ شان میں کوئی گستاخی یا خلافِ مزاج کوئی بات نہ ہوجائے، لیکن اس خیال سے کہ اللہ والوں اور حضرت مدظلہٗ جیسے حضرات سے ذرا سا بھی تعلق موجبِ برکات اور باعثِ سعادت اور فلاح ہے۔ اس لیے ہمت کرکے غلط سلط چند سطریں تحریر کردی ہیں۔ حضرت مدظلہٗ تو کیا پہچانیں گے، البتہ اس بہانے سے اپنی دعاؤں میں یاد کرلیا تو زہے قسمت اور زہے نصیب۔ خط میں جو غلطیاں وغیرہ ہیں، ان کی عملی طور سے حقیر کی طرف سے معافی چاہ لیجیے گا۔

آج کل بندہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے تمام امراضِ روحانیہ اور جسمانیہ اور ظاہری و باطنی اور خصوصاً آنکھ کے امراض سے شفائے کاملہ عاجلہ فرمائے۔ یہاں کے ڈاکٹر مستقل دو تین ماہ آرام کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں اور ان شاء اللہ یہ میرا آخری سال ہے۔ میں اس سال کو ضائع نہیں کرنا چاہتا، دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ خیر فرمائیں اور دونوں جہاں کے ہر امتحان میں درجہ علیا وممتازہ میں کامیاب فرمائے اور جامعہ کے امتحان میں بھی کامیابی فرمائے۔

امید ہے اب محترمہ بھابھی صاحبہ کی طبیعت ٹھیک ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو شفائے کاملہ عاجلہ عطا فرمائے۔

ابھی ڈاکٹر نے انجکشن لگایا ہے اور لیٹنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ سطور بھی لیٹے لیٹے تحریر کی ہیں، میرے لائق جو خدمت ہو، تحریر فرمائیں، احباب و حاضرین کی خدمت میں سلامِ مسنون و درخواستِ دعا۔ دعا میں خصوصی طور سے یاد فرمالیا کریں۔

فقط   محمد حبیب اللہ مختار الدہلوی عفا اللہ عنہ

پتہ یہ ہے: ص ب ۵۵۶/ ۵۵۷،

۱۳۹۰/۱/۲۳ھ (۳۱/ مارچ ۱۹۷۰ء)

جناب مولانا سعید احمد صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ بہت زمانہ ہوگیا آپ کی زیارت سے محروم ہوں، نہ معلوم آپ اس دور افتادہ خادم سے ناراض تو نہیں ہوگئے، آپ کی شفقتیں، عنایتیں اور مہربانیاں برابر تڑپاتی رہتی ہیں، نہ معلوم وہ گھڑی کب آئے گی کہ آپ حضرات کی خدمت میں یہ حقیر حاضر ہو رہا ہوگا، وہ گھڑی جس میں اللہ جل شانہ نے اس بیمار کی دوا اور علاج کو مختص فرما رکھا ہے، وہ ساعت جس میں اس پیاسے کی پیاس بجھانے کے لیے سامان محفوظ رکھا ہوا ہے، وہ دن جو اس ناکارہ کی اصلاحی زندگی کا موڑ ثابت ہوگا اور اس بے بضاعت کے لیے سامانِ آخرت مہیا کرنے کی صلاحیت کی طرف رہنمائی کرے گا۔

ناکارہ کو مدینہ منورہ میں چوتھا سال ہے، لیکن افسوس کہ اپنی نااہلی، نالائقی اور بے بضاعتی اور کم علمی اور بے ہمتی کی وجہ سے یہاں سے فائدہ حاصل نہ کرسکا، خیال تھا کہ شاید اس عرصے میں حضرت مدظلہٗ العالی اور آپ حضرات کبھی تشریف لے آئیں گے، لیکن آپ حضرات نے بھی اس حقیر کی طرف توجہ نہ دی، میرا یہ ان شاء اللہ تعلیمی آخری سال ہے، لیکن یہ پورا سال سوائے ایک دو مہینے کے بیماری اور چھٹی ہی کی حالت میں گزرا، ربیع الاول کے وسط میں امتحان شروع ہونے والے ہیں، درخواستِ دعا پیش کروں گا۔ اگر کسی وقت خصوصی طور سے دعا فرما دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔

اچھا یہ تو بتلائیے کہ حضرت مدظلہٗ العالی کا پروگرام کراچی تشریف لانے کا ہے یا نہیں؟ اور ہے، کس ماہ میں؟ بندہ نے تو پچھلے سال حاضر ہونا چاہا تھا، لیکن آپ حضرات

نے اجازت ہی نہیں دی، میری بدقسمتی ہے کہ بالکل محروم کا محروم ہی ہوں، دیکھئے کرم کا رُخ اس طرف ہوتا ہے، الحمد للہ میری طبیعت پہلے سے کافی بہتر ہے، دعا کی مزید برابر درخواست کروں گا۔

اُمید ہے کہ آپ مع اہل خانہ خیریت سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے، خدمتِ لائق سے یاد فرما کر شکریے کا موقع عنایت فرمائیں، مخلص احباب کی خدمت میں سلام مسنون و درخواستِ دعا۔

فقط والسلام آپ کا محمد حبیب اللہ مختار عفا اللہ عنہٗ۔ ص ب ۵۵۶ المدینۃ المنورہ۔

نوٹ: حضرت مدظلہٗ العالی کو براہِ راست عریضہ لکھنے کی ہمت نہ پڑی، اس لیے آپ کے معرفت بھیج رہا ہوں، شاید آپ کے یاد دلانے سے یاد آجائے اور حضرت کے دستِ مبارک سے تحریر فرمودہ سطورِ طیبہ سے کچھ تشنگی دور کرسکوں، دوسرا پرچہ حضرت مدظلہٗ کی خدمت میں پیش فرمادیں۔ شکراً

۲۴/۷/۱۹۷۰ء ۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔ کراچی پہنچے ہوئے مجھے آج تقریباً تین ہفتے ہوگئے، لیکن افسوس کہ آپ حضرات کی خدمت میں کوئی عریضہ ارسال نہ کرسکا، نہایت شرمندہ ہوں اور معذرت و معافی خواہ ہوں۔

حضرت شیخ مولانا محمد یوسف صاحب بنورِی مدظلہٗ کے حکم سے مدرسہ عربیہ کے دارالتصنیف میں کام شروع کیا ہوا ہے اور جامع ترمذی کی ”“ والی احادیث جن کی وہ تخریج نہیں کرتے، اس کی تخریج اور اس کے لیے اگر اس باب میں مزید احادیث ہوں تو اس کی بھی تخریج کا کام ذمے لگایا ہے، کام بہت اہم ہے، جس کے لیے اخلاص اور للّٰہیت کی سخت ضرورت ہے۔ آپ سے بھی دعا کی درخواست کروں گا اور حضرت اقدس مدظلہٗ العالی سے بھی دعا کی درخواست پیش فرمادیں۔

چوں کہ سرد ت آج کل نیوٹاؤن جانا ہوتا ہے اور کام شروع کردیا ہے، اس لیے حاضر نہ ہوسکوں گا، بس کیا بتلاؤں کہ عجیب بات ہے، جب بھی ارادہ کرتا ہوں تو میں کوئی نہ کوئی مانع درپیش آجاتا ہے اور استفادہ اور خدمت کے لیے حاضری سے محروم ہوجاتا ہوں۔ الحمدللہ میری طبیعت بفضلہٖ تعالیٰ بہت اچھی ہے، آپ حضرات کی دعاؤں کی مزید ضرورت ہے، فی الحال کہیں سفر کا ارادہ نہیں ہے، دیکھئے اگر خدا نے توفیق دی اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو رمضان المبارک میں ہی کوئی پروگرام بنے گا۔ قبلہ گاہی والد صاحب مدظلہٗ اور برادرم جناب مولانا محمد احمد صاحب سلامِ مسنون پیش کرتے ہیں۔

آپ ابھی غالباً اُدھر سے ہی تشریف لے جائیں گے، نامعلوم آپ حضرات کی کراچی تشریف آوری کب ہوگی اور ہم تشنہ لبوں کو کب تک پیاسا رہنا پڑے گا اور انوار و برکات کی بارش کب ہوگی۔

(اللہ عز وجل سے ہمیں امید ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے محروم نہیں رکھے گا اور ہم پر احسان ہوگا کہ ہمیں اپنا قرب نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی ناراضگی سے دور رکھے اور ہمیں اپنے احسان و کرم سے کامیاب و کامران لوگوں میں سے بنائے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اچھا جی دعاؤں کی درخواست پیش خدمت ہے، خدمتِ لائقہ سے یاد فرمائیں۔

فقط والسلام خادمکم محمد حبیب اللہ مختار شعبۂ تصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵

السبت (ہفتہ) ۶/۹/۹۰ھ / ۷/۱۱/۷۰م

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اچانک دوپہر کو آپ کا عنایت نامہ مل کر نہایت خوشی ہوئی۔ کافی دنوں سے آپ کے گرامی نامہ کا منتظر تھا، کل صبح حضرت شیخ مولانا بنوری مدظلہٗ مکہ مکرمہ روانہ ہو رہے

ہیں، ای طرف سے اس کی وجہ سے طبیعت بے چین تھی، دوسری طرف مہ کرم موصول ہو کر خوشی ہوئی، دونوں چیزوں کے اجتماع نے طبیعت میں عجیب سی کیفیت پیدا کر دی، بہر حال ذرہ نوازی پ شکریہ ادا کرت ہوں۔

میں جس کام میں لگا ہوا ہوں، اس کی اہمیت کے پیش اس مرتبہ شیخ مدظلہ نے چھٹیوں میں تبلیغ ی کہیں اور جانے کی اجازت نہ دی، اس لیے معمول روزانہ مدرسہ جات ہوں اور (کم ہمت کی وجھد آ بہا ہوتے ہیں۔) کے درجے میں کچھ ٹوٹی پھوٹی معمولی سی محنت کرت ہوں، اپ ک ا چاہیں اور ان کا فضل و کرم اور آپ رگوں کی دعا ا شامل حال ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ائے ذوالجلال اس معمولی سی محنت کو قبول فرما کر میری مغفرت اور ت کا ذریعہ بنا دیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ اور ا وہ چاہے گو ت کے بغیر بکھرے ہوئے ا پ بھی ت کر دے۔)

قبلہ حضرت مدظلہ العالی اور آپ رگ ہستیوں سے یہ درخوا ت ر رنہا ت عجز و انکساری سے کرت ہوں کہ رگاہِ الٰہی میں اس حقیر و فقیر پُر تقصیر اور بے بضا ت کے لیے دعا فرما کہ اللہ جل شانہ مجھے اپنا بنا لے۔ توفیق بندگی فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے میری مغفرت فرما دے اور میں جو کام آج کل کر رہا ہوں، اُسے قبول فرمائے اور قبولیت فرمائے اور میرے ہوں کی معافی اور ت کا ذریعہ بنائے اور جلد از جلد اس کو حسن طریق پ مکمل کرنے کی توفیق بخشے۔

آپ کے ساتھ ارے ہوئے چند روز اور حضرت اقدس مدظلہ کی مت میں حاضری کی وہ چند گھڑ ں بہت ی د آتی ہیں۔ نہ معلوم یہ سعادت اور وہ شفقتیں پھر میسر آتی ہیں ی نہیں۔

حضرت مولا محمد عبد الرشید نعمانی صا (۱۲) کے ڑے صا زادے جناب عبد المعید صا مرحوم کا میرے آنے سے چند روز قبل انتقال ہو ی تھا۔ آ پ ہوا تھا

اور اسی دوران چل بسے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ مولانا نعمانی صاحب آج کل بہاول پور میں ہیں۔ حضرت مولانا محمد اِدریس صاحب میرٹھی اور حضرت مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی دونوں حضرات حجازِ مقدس گئے ہوئے ہیں۔ شوال میں ان شاء اللہ واپس ہوں گے۔ حضرت سیدا مدظلہٗ بھی صبح تشریف لے جائیں گے۔ اور ان شاء اللہ عید کے فوراً بعد کراچی پہنچ جائیں گے۔

حضرت اقدس مدظلہٗ کی خدمت میں اس حقیر کی طرف سے اور قبلہ مولانا بنوری مدظلہٗ اور والدِ ماجد مدظلہٗ اور برادرم مولانا محمد احمد صاحب کی طرف سے بھی سلام مسنون عرض کردیں اور درخواستِ دعا بھی۔ اور آپ کو بھی سب کی طرف سے سلامِ مسنون۔

اچھا اب اجازت دیں، آپ کا زیادہ وقت خراب نہیں کروں گا۔ آپ کی قیمتی گھڑیاں قیمتی چیزوں میں صرف ہونی چاہئیں، مخلص احباب کی خدمت میں سلامِ مسنون عرض۔ فقط والسلام

احقر محمد حبیب اللہ مختار دارالتصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن، کراچی ۵

بشرفِ ملاحظہ جناب مولانا سعید احمد صاحب گلزارِ رحیمی، ڈاکخانہ خاص، مقام رائے پور، ضلع سہارن پور، یوپی، انڈیا (مہر ڈاکخانہ رائے پور ۱۴/۱۱/۷۰ء)۔

۲۰/۱۱/۱۳۹۰ھ / ۱۸/۱/۱۹۷۱ء باسمہٖ تعالیٰ

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ موصول ہوا اور آپ حضرات کی خیریت وعافیت پڑھ کر دلی سکون اور روحانی اطمینان حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے سایہ کو ہم نااہلوں پر تادیر قائم رکھے اور ہمیں ایسی بزرگ ہستیوں سے فیض یاب ہونے کی توفیق اور سعادت فرمائے۔ افسوس ہے کہ میرا سابقہ عریضہ آپ کو نہ مل سکا، حالانکہ میں نے کافی دنوں قبل آپ کا نامہ کرم موصول ہوتے ہی آپ کو خط لکھا تھا۔

قبلہ حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت میں بندہ کی طرف سے ہدیۂ سلام مسنون عرض

فرما دیں اور کسی خاص موقع پر اگر دعا کے لیے بھی عرض کر دیں تو نہایت کرم ہوگا۔

حضرت اقدس مولانا بنوری مدظلہ عمرے کے بعد تشریف لے آئے تھے اور چند روز بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جانے والے ہیں، الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ عند الملاقات پیغام پہنچا دوں گا۔

آپ ماشاء اللہ اِسم بامسمی ہیں۔ ہر طرح کے مواقع اور اسباب میسر ہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

ہم لوگ تو ٹ پتے اور ستے ہی رہتے ہیں۔

بندہ کے ذمے دار التصنیف میں ایک اہم کام سپرد کیا گیا ہے، لیکن ہوں بالکل نااہل اور کم ہمت۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمائیں تو کچھ امید ہے، ورنہ اہی حافظ۔

میرے ذمے جامع ترمذی کی احادیث کی تخریج اور اس پر اضافے کا کام ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو اخلاص سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائیں، قبولیت عطا فرمائے، میری مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنائیں اور جلد از جلد بہترین طریقہ پر مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اگر ہو سکے تو حضرت مدظلہ العالی سے بھی یہ درخواست کر دیں۔

قبلہ والد صاحب مدظلہ اور مولانا محمد احمد صاحب اور دیگر حضرات سلام مسنون پیش کرتے ہیں اور درخواست دعا۔ امید ہے جلد ہی آپ حضرات سے کہیں نہ کہیں ملاقات ہو جائے گی۔ دعاؤں کی درخواست ہے، مت لا سے یاد فرمائیں۔

فقط والسلام احقر محمد حبیب اللہ مختار دار التصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیو ٹاؤن، کراچی نمبر ۵

(لیٹر پیڈ) حکیم محمد مختار حسن خان ۷۸۶
صدر گورنمنٹ ریکگنائزڈ طبی کالجز گریجویٹس فیڈر
وشنداس روڈ، رام سوامی، کراچی نمبر ۳

جناب مولانا سعید احمد صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ آپ اور حضرت مدظلہٗ العالی کے مزاج مبارک بخیر ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور حضرت مدظلہٗ دونوں اس خادم سے ناراض ہیں، بندہ نے عریضہ لکھا تھا، لیکن جواب سے محروم ہے۔ اگر کوئی خطا، یا غلطی ہوگئی ہو تو معافی کا خواستگار ہوں، اُمید ہے معاف فرمائیں گے۔

اِمسال بندہ کا پختہ ارادہ تھا کہ رمضان المبارک آپ بزرگوں کے سائے میں گزارے، لیکن شروع میں آپ حضرات کے کسی جگہ قیام کا یقینی فیصلہ معلوم نہ ہوسکا۔ لاہور والے حضرات لاہور کے لیے فرماتے رہے اور لائل پور والے اپنے یہاں کے لیے۔ آخر میں بھائی ضیاءالحق صاحب کے نامہ کرم سے معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہٗ العالی رمضان سے قبل ہی وہاں پہنچ چکے ہیں، ادھر کچھ ایسے موانع اور رُکاوٹیں پیش آئیں کہ بندہ معذور ہوکر رہ گیا، سوائے شومیٔ قسمت اور بدنصیبی کے کیا کہا جاسکتا ہے۔

گھر پر سب سے بڑے بھائی کی طبیعت شدید خراب ہے، ان کے لیے حضرت مدظلہٗ سے اور خود سے بھی خاص طور پر دعا فرمائیں اور پھر ناظم آباد کا مکان خالی کرنا تھا، دوسرے مکان کی تلاش اور پھر اس میں منتقل ہونے میں ہفتہ بھر لگ گیا، اب کل بروز بدھ ۳/۱۱/۷۱ کو پختہ ارادہ کرکے اور سب کو اطلاع دے کر آیا تھا کہ آج جمعرات کو شاہین سے روانگی ہے، لیکن شام کو والد ماجد مدظلہٗ نے بتایا کہ: ”اسلام آباد سے ماموں کا تار آیا ہے، شدید بیمار ہیں اور فوراً بلایا ہے، چناں چہ میں صبح کراچی ایکسپریس سے روانہ ہو رہا ہوں اور مطب پر کوئی ہے نہیں، اس لیے تم بیٹھ جاؤ۔“ چناں چہ تعمیل کرنی پڑی اور پھر حسرت دل کی دل میں رہی، اب دیکھیے والد صاحب مدظلہٗ ہفتہ عشرہ میں کب آتے ہیں؟ ان کی آمد پر بندہ حاضر خدمت ہوگا، اُمید ہے دعاؤں میں خاص طور پر یاد فرمائیں گے اور حضرت مدظلہٗ کی خدمت میں بھی درخواست پیش کردیں۔ قبلہ والد صاحب مدظلہٗ بڑے بھائی اور مدرسے کے مدرّسین حضرات سب سلام لکھاتے ہیں۔ بھائی ضیاءالحق صاحب اور دیگر رفقائے کرام کی خدمت میں سلام مسنون۔

فقط والسلام احقر محمد حبیب اللہ مختار ۱۵/۹/۱۳۹۱ھ (۴؍نومبر ۱۹۷۱ء)

۷۸۶

جناب مولا سعید احمد صا   السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

اُمید ہے آپ اور حضرت مدظلہٗ بخیر و عافیت ہوں گے۔ میں الحمدللہ لاہور سے شنبہ کو روانہ ہوکر دوشنبہ کو بخیر و عافیت کراچی پہنچ یـ ، الحمدللہ یہاں بخیر ہیں، البتہ کراچی کے اطراف میں رہنے والوں کو دُشمن نے نہ بنایـ۔

امید ہے حضرت مدظلہٗ العالی کی طبیعت پہلے سے بہتر ہوگی، لہ میں جواہر مہرہ دینا نہیں چاہیے، لہ ختم ہوجائے تو اس کو شروع کرادیں، البتہ دعا کی پندرہ خوراکیں بنائی تھیں، جو خط میں غلطی سے تیس خوراک کو پندرہ لکھ دیـ ، وہ تیس خوراک جواہر مہرہ ہیں، جس کی تیس پڑیں بنا ہیں، اِس لیے آپ اِکرم ان پندرہ پڑیوں کو تیس بنالیں اور وہ دوا پورے تیس دن کی ہے، اَ ہوسکے تو تیس کیپسول خالی یکر ان میں ا ا بھردیں اور ایـ خوراک روزانہ صبح کو کھلا دیـ کریں، قی کیب وغیرہ پ چہ میں لکھی ہوئی ہے، جو حضرت مدظلہٗ کے پ س میں نے چھوڑ دیـ تھا۔

پہلی فرصت میں اپنی اور حضرت مدظلہٗ کی خیریـ وغیرہ سے مطلع فرما ، اللہ تعالیٰ آپ رگوں کی حفاظت فرما اور آپ کے سایہ کو ہم کے سروں پ دیـ قائم رکھیں۔ حضرت مدظلہٗ العالی کی مت میں میری طرف سے سلامِ مسنون اور درخوا ِ دعا پیش کردیں، بندہ، قبلہ والد ما مدظلہٗ، مولا محمد احمد صا ، والدۂ محترمہ اور بھائی بہنوں کی طرف سے سلامِ مسنون۔ اپنے ادران اور احباب کو سلام مسنون۔ فقط والسلام آپ کا محمد حبیب اللہ مختار ۹/۱۲/۱۹۷۱ء

۷۸۶

جناب مولا سعید احمد صا   السلام علیکم ورحمۃ اللہ و کاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوں گے۔ بیماری کی خبر سے تشویش ہوئی، · اس سے دعا ہے کہ شفاءِ کامل عاجل فرما ، میں نے اس سے قبل آپ کو عریضہ ارسال کیا تھا، لیکن غالبًا آپ کو موصول نہ ہوسکا۔

۵؍جنوری کو سفینۂ عرب سے . ادرم جناب مولا· محمد احمد صا . فریضہ حج ادا کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے اور ۱۴؍جنوری کو قبلہ گاہی والد ما . مدظلہٗ تشریف لے گئے اور آج حضرت مولا· مدظلہٗ روانہ ہوگئے۔ آغا جی (حضرت مولا· سیّد محمد زکر بنوری صا .) مدظلہٗ (۱۳) کراچی میں ہیں۔ جناب مولا· محمد امین صا . (۱۴) محترم خیر سے ہیں اور سلام مسنون اور درخوا ِ دعا پیش کرتے ہیں۔

پیش آمدہ حالات کا ا تقریباً . حضرات یکساں ہے اور · قابل بیان ہے۔ دعا فرما اللہ تعالیٰ ہم کو ہماری . اعمالیوں کی مز سزا سے بچا ، ورنہ اعمال تو اس سے ز دہ بُرے ا م کے مو . ہیں۔ حضرت مولا· محمد اِدریس صا . (میرٹھی) ۸ جنوری کو حج کے لیے روانہ ہوچکے ہیں جناب مولا· محمد اِسحٰق صا . (سند ی) (۱۵) کی کتاب ''تجد سبائیت'' ابھی طبع نہیں ہوئی ہے۔ بہنوئی بھائی واحد حسین صا . الحمد للہ خیر سے ہیں، سلامِ مسنون اور درخوا ِ دعا لکھاتے ہیں۔

افسوس کہ بھائی اقبال صا . کے یہاں شادی میں عدمِ شمولیت کی وجہ سے ہم . محروم رہ گئے۔

اَ منا . سمجھیں تو مدینہ منورہ میں میرے ا مخلص ساتھی ہیں، اُن کی معرفت دہلی خط ارسال فرمادیں، انھیں میری طرف سے لکھ دیں اور میں خود بھی ان کو لکھ دوں گا کہ وہ دوسرے لفافے میں بند کر کے دہلی ارسال فرمادیں، نہا مخلص اور شریف آدمی ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں، جامعہ کے ز تعلیم ہیں۔

پتہ یہ ہے: مولا· اخلاص احمد قاسمی، مدرسہ علومِ شرعیہ مدینہ منورہ سعودیہ عرب
وفیسر عبدالمغنی صا . (۱۶) سے میری قات اب نہ ہوسکی اور پتہ مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے۔

الحمدللہ معمولات جاری ہیں، اِستقامت اور ت . ِا ٔ ات کی دعا فرما ۔ جنتی (مولا۰ عبدالحلیم) (۱۷) سے عندالملاقات شکایـ کروں گا، دعا کی خصوصی درخوا ت ہے۔ . حضرات سے سلام عرض کردیں اور درخوا تِ دعا۔ مولا۰ محمد امین صا . ، . ادرم مولوی سیّد محمد بنوری سلّمہٗ سلامِ مسنون عرض کرتے ہیں اور درخوا تِ دعا۔ فقط

والسلام احقر محمد حبیب اللہ مختار ۲/۱۲/۱۳۹۱ھ / ۱۹/۱/۱۹۷۲ء

۷۸۶

جناب مولا۰ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

حادثہ فاجعہ کی اطلاع ملی، شدیـ صدمہ ہوا، اللہ تعالیٰ مرحومہ (۰نی صاحبہ) کے درجات بلند فرما اور ان کی قبر پ نور کی . رش. سائے اور آپ . کو صبر جمیل اور ا. ِ .۰یل فرمائے۔

(اللہ تعالیٰ آپ کے ا. کو . ڈھائے۔ ۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان پ رحم فرمائے اور ان کے َ۰ ہوں سے در َ۰ رفرمائے اور انھیں اچھے مقام پ رکھے، انھیں .۰ـ میں داخل کرے، اعلیٰ درجات نصیب فرمائے، ان کی قبر کو منور کرے اور ان کی قبر کو ٹھنڈا کرے۔)

اِن شاء اللہ تعالیٰ جمعرات کو مدرسہ میں اُن کے اِیصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کا ختم ہوگا اور بعض قراء صاحبان کے یہاں اس سے قبل بھی۔

حضرت مدظلہٗ کو شدیـ صدمہ ہوا ہوگا، . ڑے لوگوں کی شان ہی عجیب ہوتی ہے اور پھر حضرت مدظلہٗ جیسی ۰ زک اور حساس طبیعت۔ بہرحال ان کا صبر و تحمل بھی بے نظیر ہے۔ ۔ حقیر کی طرف سے تعزیـ فرما دیں، تعزیـ ۰ مہ حضرت مدظلہٗ کی ۰ مت میں الگ لکھنے کا خیال تھا، لیکن لکھنے کے

طرح سے ناواقف ہوں، ڈرتا ہوں کہ کہیں غلط نہ لکھ بیٹھوں، اُمید ہے آپ ترجمانی فرمائیں گے۔

کافی دن ہوئے عریضہ حضرت مدظلہٗ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، لیکن معلوم نہیں ہوسکا کہ کہ نہیں، ہنوز شفقت سے محروم ہوں، پچھلے دن شدت سے یاد آرہے تھے، کراچی کا موسم نہایت خوش گوار ہے، دو روز سے صبح کے وقت خنکی سی ہوجاتی ہے، دن بھی ٹھنڈا رہتا ہے، یہاں کے لوگ نہایت بے چین اور شدید منتظر ہیں، خدا کرے ایسا نہ ہو کہ ہم محروم رہ جائیں میری بدقسمتی اور نالائقی سے اور لوگ بھی حضرت مدظلہٗ کے فیوض سے محروم رہیں اور حضرت مدظلہٗ تشریف نہ لائیں، رمضان المبارک قریب ہے، تھوڑا سا وقت ہے اس میں اگر کراچی والوں کی طرف شفقت وعنایت ہوجائے تو ہماری بڑی خوش قسمتی ہوگی، اب تو دل چاہتا ہے کہ باقی گفتگو بالمشافہ ہی ہو، کچھ آپ بھی ہماری حمایت فرمائیں۔

قبلہ والد ماجد، برادرم مولانا محمد احمد صاحب، اہل خانہ، مولانا محمد امین صاحب اور اساتذہ وجنتی (مولانا عبدالحلیم) مرحومہ کے حادثہ رحلت پر شریکِ غم ہیں اور ان کے لیے مغفرت اور بلندیِ درجات اور آپ کے لیے صبرِ جمیل کے دعا گو ہیں۔ ملنے والے بہت سے متعلقین سے دعا وایصالِ ثواب عرض کردیا ہے، اُمید ہے دعا میں یاد فرمائیں گے۔ حضرت مدظلہٗ کی خدمت اقدس میں سلامِ مسنون و درخواستِ دعا۔ فقط والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۲۵/۶/۱۳۹۲ھ / ۶/۸/۱۹۷۲ء

نوٹ: دوسرا عریضہ مولانا بنوریؒ مدظلہٗ کا ساتھ ہی ہے۔

۸/۷/۱۳۹۲ھ / ۱۹/۸/۱۹۷۲ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے مزاج بعافیت ہوگا۔ نانی مرحومہ کے انتقال پر تعزیت نامہ ارسال کیا تھا، ہوگا، امید ہے حضرت مدظلہٗ کی طبیعت پہلے سے

اس حادثہ فاجعہ کے اثرات ختم ہو چکے ہوں گے۔

شرم کی وجہ سے کئی روز ٹال مٹول کے بعد آج یہ سطور تحریر کر رہا ہوں، حقیر کا عقد نکاح بہمراہ دُختر بنورِی مدظلہٗ ۲۸/رجب المرجب ۱۳۹۲ھ بروز جمعۃ المبارک مطابق ۸/ستمبر ۱۹۷۲ء کو طے ہوا ہے، اِس سلسلے میں حضرت مدظلہٗ العالی کی خدمت میں بھی ایک عریضہ ارسال کیا ہے، آپ سے بھی درخواست ہے کہ اس موقع پر شرکت فرما کر ہم حقیروں کو سرفراز فرمائیں اور ہمت افزائی فرمائیں۔

کراچی کے احباب شدت سے حضرت مدظلہٗ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ حافظ محمد احمد صاحب، بوجی (عبدالعزیز) صاحب، جنتی صاحب (مولانا عبدالحلیم) وغیرہ حضرات نے عریضے ارسالِ خدمت کیے ہیں، اُمید ہے ملے ہوں گے، نہ معلوم کراچی والے اس مرتبہ سیراب ہوسکیں گے یا نہیں؟ نظرِ کرم ادھر ہوگی کہ نہیں؟ اگر آپ ہمت فرمالیں اور کوشش فرمائیں اور چاہیں تو حضرت مدظلہٗ کا سفر نہایت آسانی سے ہوسکتا ہے اور کراچی کے پیاسوں کو سیرابی کے لیے کم از کم ایک ڈیڑھ ماہ نکل سکتا ہے، ورنہ پھر رمضان المبارک میں حضرت مدظلہٗ کو لائل پور تشریف لے جانا ہوگا۔

لائل پور میں گزارے ہوئے اور گھر پر کے وہ چند روز نہایت شدت سے یاد آتے ہیں، آپ حضرات کی شفقتیں اور محبت رہ رہ کر ستاتی ہیں، کاش کہ عوائق بیچ میں حائل نہ ہوتے تو یہ تھوڑی سی زندگی آپ حضرات کی جوتیوں میں گزار کر توشۂ آخرت بنایا جاتا، لیکن وائے محرومی! اور صد افسوس! کہ شومئ قسمت سے اس موسمِ بہار سے محروم ہوگیا، نہ معلوم وہ دن نصیب ہوں گے، بہرحال اپنی نالائقی پر افسوس ہے اور آپ حضرات کی شفقتیں یاد آکر دل بے چین ہوجاتا ہے، اُمید ہے میری غلطیوں کو درگزر فرمائیں گے اور حضرت سے بھی سفارش فرمائیں گے اگر آپ حضرات ہی ناراض ہوگئے تو دنیا میں روحانی رہنما اور حقیقی پیشوائی کون کرے گا اور اس ناکارہ کا انجام کیا ہوگا۔

اُمید ہے دعاؤں میں یاد رکھیں گے اور آمد کے خوش کن ارادے کی اطلاع سے ہم کو شرف بخشیں گے۔

قبلہ والد مدظلہٗ سفر تبلیغ پر ہیں۔ برادرم مولانا محمد احمد صاحب، مولانا محمد امین صاحب، حضرت مفتی (ولی حسن خان ٹونکی) صاحب، مولانا محمد اِدرِیس (میرٹھی) صاحب، مولوی سیّد محمد بنوری سلّمہٗ اور دیگر واقف حضرات خصوصاً آغا جی (مولانا کے والد مولانا سیّد محمد زکریا بنوری) سلام مسنون عرض کرتے ہیں اور درخواستِ دعا۔

جنتی صاحب (مولانا عبدالحلیم) نے بھی آپ کو خط لکھا ہوگا وہ اور حافظ محمد احمد صاحب موتی والے، بابوجی (عبدالعزیز) وغیرہ نے بھی سلام لکھا ہے واقف احباب کو سلام مسنون، خدمتِ لائق سے یاد فرمائیں اور دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ فقط

والسلام محمد حبیب اللہ مختار دارالتصنیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی ۵

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت قبلہ مدظلہٗ العالی اور آں جناب بخیر و عافیت ہوں گے۔ پہلے خیال تھا کہ اس مرتبہ شروع رمضان سے ہی حاضری دوں گا اور اس پُر کیف اور انوار و برکات وتجلیات کے مقام پر کچھ وقت گزار کر اپنی آخرت بنا سکوں گا، لیکن شومئ قسمت کہ شروع میں بعض عوارض پیش آئے اور ساتھ ساتھ ہفتہ عشرہ تک صحیح معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت مدظلہٗ العالی کہاں ہوں گے، بعد میں معلوم ہوا تو کچھ روز تو مدرسہ کی مصروفیات میں گزرے اور پھر اس کے بعد محترمہ والدہ ماجدہ مدظلہا کی اچانک طبیعت خراب ہوگئی، اور ایسی خراب ہوئی کہ اب تک وہی کیفیت ہے، روزہ بھی شروع کے چند ہی رکھ سکیں، ہر وقت چکر آتے ہیں اور بخار وحرارت سی رہتی ہے، گھر میں میرے علاوہ کوئی بڑا ہے نہیں۔ والد صاحب اس مرتبہ رمضان المبارک سے قبل ہی مکہ مکرمہ تشریف لے جا چکے ہیں، والدہ محترمہ کو ایسی حالت میں چھوڑنا ان کے لیے دل شکنی اور تکلیف کا باعث ہے۔ نہ معلوم کیا بات ہے ہر سال کوئی نہ کوئی چیز رُکاوٹ بن جاتی ہے، گزشتہ سال بھی انھی دنوں میں والدہ ماجدہ کی طبیعت خراب ہوئی تھی، لیکن اتنی زیادہ نہیں۔ میں پر کٹے

ہوئے پرندے کی طرح پھڑ پھڑا سکتا ہوں، اڑ نہیں سکتا۔ یہ چھٹیوں کا وقت ہی ہوتا ہے حاضری دینے کے لیے اور پھر رمضان المبارک کے قیمتی اوقات، لیکن۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

حضرت مدظلہ العالی کی خدمت میں میری طرف سے سلامِ مسنون عرض فرمادیں اور دعا کی درخواست اور یہ کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے آسانی فرمائے، تاکہ حاضری دے سکوں، آپ حضرات ماشاء اللہ خوب برکات وفیوضات سے مستفیض ہو رہے ہیں، اس غریب کے لیے بھی دعا فرمادیا کریں، خصوصی درخواست ہے۔

میں نے لاہور کے پتے پر ایک عریضہ لکھا تھا، جواب سے ہنوز محروم ہوں، کئی روز سے ارادہ تھا، لیکن محروم رہا، آج حیدرآباد سے مولانا عبدالعلیم (ندوی) صاحب (۱۸) کا فون آیا تھا، فرمایا کہ: حضرت نے حساب معلوم کیا ہے، میں تھا نہیں، کسی اور صاحب نے فون پر بات کی تھی، انھوں نے تو حساب کا لفظ نہیں فرمایا، مقصد یہ تھا کہ میں اس سے قبل حضرت کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کر چکا تھا، الحکم دوبارہ لکھ رہا ہوں۔

دعا فرمائیں اللہ مجھے حاضری اور فیض یابی کی توفیق بخشے، جناب بھائی ضیاء الحق صاحب، جناب (سید مطلوب علی) زیدی صاحب اور دیگر مخلصین واحباب کی خدمت میں سلامِ مسنون عرض ہے اور دعا کی درخواست ہے۔

حضرت مولانا مدظلہ العالی رمضان المبارک کی ۹/ یا ۱۰/ کو مکہ مکرمہ چلے گئے ہیں۔ مولانا عبداللہ صاحب کاکاخیل (۱۹) نجیریا مدرِّس ہو کر چلے گئے ہیں اور مفتی احمد الرحمٰن صاحب (۲۰) عمرہ کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ جنتی (مولانا عبدالعلیم) قرآن کریم سنا رہے ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے، رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہو رہا ہے، لیکن ہم جیسے ناکارہ اپنی جگہ پڑے ہی ہیں۔ دعاؤں کی سخت ضرورت ہے، خدمتِ لائقہ سے یاد فرمائیں۔ والسلام احقر محمد حبیب اللہ مختار

۱۳۹۵/۹/۲۳ھ / ۱۹۷۵/۹/۳۰ء

۲۲/۱۱/۱۹۷۵ء ۷۸۶

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اِس سے قبل لاہور کے پتے پر ایک عریضہ ارسال کیا تھا، ملا ہوگا۔ آج آں جناب کا کہروڑ پکا سے تحریر فرمودہ عنایت نامہ موصول ہوا، حضرت مدظلہٗ العالی کی صحت کا پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ حضرت مدظلہٗ العالی کی عمر دراز فرمائے، صحت و عافیت سے رکھے، ہم نالائقوں کو استفادہ کی توفیق بخشے، یہ رمضان یوں ہی افسوس میں گزر گیا اور حاضری کی سعادت سے محروم رہا۔ دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ جلد ہی ملاقات کا شرف اور حاضری فیض یابی کا موقع عنایت فرمائے۔

آپ کے بارے میں (تحریکِ ختمِ نبوت کے حوالے سے ہونے والے) مقدمات کا پڑھ کر تشویش ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ضمانت ہوگئی، اللہ تعالیٰ سے ہم دست بہ دعا ہیں کہ آپ کو ہر طرح کے شر ور وفتن، ابتلا و آزمائش سے محفوظ رکھے، آپ طلبا اور قوم کا بہت بڑا عظیم سرمایہ ہیں، قوم کو آپ کی بہت ضرورت ہے، الحمدللہ! اللہ تعالیٰ آپ سے بہت اہم کام لے رہے ہیں، خدا آپ کو اور زیادہ ہمت دے اور قبول فرمائے۔

بندہ اپنی انھی مصروفیات میں نہایت سخت گھرا ہوا ہے، صبح گھر سے آتا ہوں، رات کو گیارہ بجے کے بعد واپسی ہوتی ہے، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ جلد از جلد مجھے اس کام کو کرنے کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے اور قبولیت بخشے، مغفرت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔ حافظ صاحب آج کل بیمار ہی چل رہے ہیں، پہلے سے کمزوری بھی زیادہ بڑھ گئی ہے، عمر کا تقاضا ہے، اُن کے لیے دعا فرماتے رہیں۔ حضرت مولانا (سیّد محمد یوسف بنوری) مدظلہٗ اور مفتی احمد الرحمٰن صاحب ابھی سفر پر ہیں۔ حج کے بعد واپس ہوں گے۔ مفتی محمد شاہد صاحب (۲۱) آج سفر حج پر روانہ ہوگئے ہیں، چندروز بعد حضرت مولانا محمد ادریس (میرٹھی) صاحب بھی روانہ ہوجائیں گے۔ بندہ کی طرف سے حضرت

مدظلہٗ العالی کی طرف سے سلامِ مسنون عرض کردیں، درخوا تِ دعا بھی۔ احباب کی ٰ مت میں خصوصاً ز ی ی صا ب وقریشی صا ب وغیرہ سے سلامِ مسنون عرض کردیں۔ والسلام محمد حبیب اللہ مختار

بشرفِ حظہ جناب مولاٰ سعید احمد صا ب عز ی ، ۵۶۔ میکلوڈ روڈ، لاہور (مہر ڈا نہ کراچی ۲۵؍نومبر ۷۵ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب مولاٰ سعید احمد صا ب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

بہت دنوں سے حضرت مدظلہٗ اور آپ کے احوال کی اطلاع نہ ملی تھی، حافظ محمد احمد صا ب سے بھی کئی مرتبہ معلوم کیا، وہاں سے بھی یہی جواب ۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے سایۂ مجد وعاطفت کو ہم ٰ پ ت دی قائم ودائم رکھے۔ آمین

اب تو بہت زمانہ ٰ رَ ی، کسی طرح یہاں کا پ وَ ام بھی بنا لیجیے، لیکن پ وَ ام بنے کس طرح، آپ کو اہل لاہور ہی نہیں چھوڑتے تو حضرت مدظلہٗ کراچی کیسے تشریف لا ؟؟

الحمد للہ! گھر پ ب بخیر ہیں، قبلہ والد صا ب مدظلہٗ کچھ روز قبل کراچی تشریف لے آئے ہیں، بھائی صا ب کا بھی آمد کا پ وَ ام ہے، لیکن اب ت کوئی ت ریخ متعین نہیں ہے۔

(۲۲)(ت ی اور خشکی میں لوگوں کے ٰ ہوں کی وجہ سے فساد پھیل َ ی۔) کا منظر ہر طرف عام ہے، دعا فرما اللہ تعالیٰ اپنے کرتوتوں کی سزا سے بچا دے، اَ چہ ہم تو اس قابل نہیں ہیں، لیکن اس کا فضل ہی شامل حال ہو تو کوئی صورت بن سکتی ہے۔

مقدمہ کلورکوٹ کا فیصلہ نہ ہونے سے تشویش ہے، اللہ تعالیٰ جلد از جلد حق میں فیصلہ کرادیں، اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

حضرت مولا پ آج کل بلڈ پ کا زور ہے اس کی وجہ سے کچھ دنوں سے آ پ ا٭ تھا۔ دعا فرماتے رہیں، سلام لکھاتے ہیں۔ قریشی صا ، زی ی صا ، مولا فخرالدین صا ود احباب کی مت میں سلام عرض ہے اور درخوا تِ دعا۔ مفتی احمدالرحمٰن صا اور جنتی اور د احباب سلام مسنون لکھاتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ مع جمیع اہل خانہ بعافیت ہوں گے۔ والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۲۳/۱/۱۹۷۷ء

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۱۴۰۲/۱۲/۱۲ھ / ۱۹۸۲/۹/۳۰ء

جناب مولا سعید احمد صا السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

وبعد! ای ڈیڑھ ماہ قبل ای عریضہ ارسالِ مت کیا تھا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ آپ اب ت مری میں ہیں، معلوم وہ آپ کو موصول بھی ہوا کہ نہیں، عیدِ سعید پ بندہ اور اہل خانہ کی طرف سے آپ حضرات کو عید مبارک پیش مت ہے۔

(ہر سال آپ کے لیے خیر ت کا ہو، کامیاب اور کامران ہوں، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اور آپ کی طرف سے کو قبول کرلے، اللہ تعالیٰ اس عید کو ہم پ اور آپ تمام پ امن وایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ دو رہ لائے۔)

امید ہے آں جناب اور بخیر وعافیت ہوں گے۔ الحمدللہ! یہاں بھی خیر ہے اور سلام مسنون عرض کرتے ہیں اور درخوا تِ دعا بھی۔

مولوی عبداللہ آبیجی اور مولوی عبداللہ بھامجی دونوں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور متمنی ہیں کہ افریقا کے دورے کی دعوت قبول فرمالیں، بندہ چوں کہ (وہاں کا) سفر کر چکا ہے، اس لیے بندہ کو اس سفر میں جو اندازہ ہوا، وہ تحریر کر رہا ہوں۔

افریقا کے باشندے عموماً دین کی طرف راغب ہیں، دین سے محبت رکھتے ہیں، صلحا اور علما سے عقیدت و اُلفت ہے، مساجد کی طرف ہر عمر کے لوگ ہر زمانے میں رجوع کرتے ہیں، اہل اللہ سے ملاقات اور فیض حاصل کرنے کی کوشش رہتی ہے، معاشرے میں جو برائیاں اور زر و زن کے اثرات ہیں، اس سے بچنے کے لیے اہل اللہ کی توجہ بہت ضروری ہے، طلب ان حضرات میں ہے، سیراب کرنے اور رہنمائی کرنے والا ہونا چاہیے، اس لیے میرے خیال میں وہاں کا سفر بہت مفید، مثمر اور وہاں والوں کے لیے خیر و برکت کا ہوگا، وہاں کا موسم یہاں کے بالکل عکس ہے، یہاں گرمی تو وہاں سردی، یہاں سردی تو وہاں گرمی، عام طور سے لوگ دسمبر کے آخری ہفتے میں کام کاج اور کرسمس ڈے سے فارغ ہو جاتے ہیں اور وہ وقت ان کے فارغ البالی کا ہوتا ہے۔ میرے خیال میں وہ زمانہ اچھا ہے، ویسے آپ جیسے مناسب سمجھیں۔ تفصیلات یہ دونوں صاحبان آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ دعاؤں کا سخت محتاج ہوں، بندہ کی طرف سے سب کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلامِ مسنون۔

گھر والے خصوصی طور سے آپ کو سلام اور دعا کی درخواست لکھاتے ہیں۔ نیز محترمہ والدہ صاحبہ (۲۳) (اہلیہ محترمہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری) کو بھی اور اپنی باجی (۲۴) (اہلیہ محترمہ جناب مولانا سعید احمد رائے پوری صاحب) کو بھی۔

والسلام آپ کا محمد حبیب اللہ مختار

۱۷-۱۰-۱۴۱۲ھ/۲۱/۴/۱۹۹۲ء

جناب مولانا سعید احمد صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد!

ابھی ملفوف ، جس سے حادثہ فاجعہ راؤ عبدالقد یـ خاں صا . رحمہ اللہ (۲۵) کے انتقال پُر ل کی خبر ملی۔ اللہ جل شانہ ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور آپ . پسما٠ گان کو صبر جمیل فرمائے۔

مرحوم عز یـ محبوب احمد رحمہ اللہ (۲۶) کا زخم ابھی ہرا تھا کہ یہ دوسرا صدمہ جانکاہ آن پڑا، اللہ تعالیٰ آپ . کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور پ یشانیوں سے بچائے۔ گھر میں سے بھی آپ صاحبہ اور والدہ ما . ہ تعز یـ لکھاتی ہیں۔ میری طرف سے بھی تعز یـ فرما لیں اور حضرت مدظلہٗ اور د . اہل خانہ سے بھی۔

ان شاء اللہ ان کے لیے قرآن خوانی کرادوں گا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ میرے لائق جو٠ مت ہو، تحر یـ فرما ، دعاؤں کا محتاج ہوں، جامعہ کے لیے بھی دعا فرما اور حضرت مدظلہٗ سے بھی میرا سلامِ مسنون عرض کرکے دعا کرادیں، . . ادران اور د اہل خانہ سے سلامِ مسنون عرض کردیں۔ والسلام محمد حبیب اللہ مختار

جناب مولا٠ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و . کاتہ و بعد!

حضرت (مولا٠ شاہ عبدالعز یـ رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ کے صدمہ جانکاہ سے ابھی آنکھیں نم تھیں کہ مکہ مہ میں ہی صوفی اسلم صا . کے ذریعے . ادرِ م راؤ رشید احمد (۲۷) کے انتقالِ پُر ل کی خبر سن کر بہت ہی دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور آپ . کو صبر جمیل اور ا. ِ. ٠یل فرمائے، میری اور گھر والوں کی طرف سے . . ادران اور اہل خانہ سے تعز یـ کر لیجیے گا۔

میں ان شاء اللہ جامعہ (علومِ اسلامیہ بنوری ٹ ؤن) میں ان کے لیے قرآن خوانی کرادوں گا، حرمین میں بھی اطلاع کے بعد ہر جگہ دعا کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور آپ

حضرات کو آئندہ صدموں سے بچائے کئی صدمے پے در پے ای ساتھ آ گئے۔

سے زیدہ . ((۲۸)۔

آزمائشیں انی پ آتی ہیں، پھر جو ان کے زیدہ مشابہ ہو اُن پ اور پھر جو اُن سے زیدہ مشابہ ہو اُن پ آتی ہیں) اللہ ہمیشہ اپنے حفظ و امان پ رکھے اور یشانیوں سے بچائے۔

گھر میں سے آپ، والدہ ما . ہ اور آپ صاحبہ . سے تعزی لکھائی ہیں۔ میرا . . ادران سے سلام بھی عرض کر دیجیے۔

والسلام محمد حبیب اللہ مختار ۲۵/۱۲/۱۴۱۲ھ (۲۷/جون ۱۹۹۲ء)

(مکتوب اہلیہ محترمہ وصا ادگان حضرت مولا ۰ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم جناب مولا ۰ سعید احمد صا . السلام علیکم ورحمۃ اللہ و. کاتہ

اللہ ربّ العزت کی ذات پ ک سے امید ہے کہ آپ . حضرات بمع گھر والوں کے خیری وعافیت سے ہوں گے، ان شاء اللہ۔ ہم . بھی اللہ کے فضل سے ٹھیک ہیں۔ الحمدللہ۔

آپ کی اہلیہ محترمہ کی وفات (۰۳/اگست ۱۹۹۹ء) کی خبر سن کر ہم . گھر والوں کو دلی صدمہ پہنچا، ہم . گھر والے اللہ ربّ العزت سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اہلیہ کو . ۰ الفردوس میں جگہ فرمائے اور آپ کو اس عظیم سانحے پ صبر جمیل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ہم . گھر والوں کی دلی تمنا تھی کہ ہم جنازے میں شری ہوتے، والدۂ محترمہ اور . سے چھوٹے بھائی محمد فارس حبیب کی طبیعت کی ۰ ابی کی وجہ سے ہم حاضر نہیں ہو سکے، لیکن ہم . آپ کے غم میں . ا. کے شری تھے اور شری ہیں۔ قرآن حکیم میں آ ہے: (۲۹) بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور گھر والوں کو صبر فرماویں اور ہم اور آپ حضرات سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ والدہ محترمہ کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے، خط لکھنے میں کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو تو معافی چاہتے ہیں۔

آپ سے دعاؤں کی خصوصی درخواست ہے، اچھا اب اجازت دیں۔ فقط والسلام

محمد یاسر حبیب اللہ مختار و برادران

بہت ہی عزیز بیٹیو! سعیدہ، مسعودہ، راشدہ (جناب مولانا سعید احمد صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موت آئی اور لے گئی سینکڑوں کو لحد میں　　ابس میں مروں تیرے نبی کے شہر میں

گزارشِ احوال یہ ہے کہ بڑی آپا مرحومہ (آپ کی والدۂ محترمہ) کی اچانک وفات کا سن کر دل و زبان صدمے سے گنگ ہوگئے، اللہ تعالیٰ اس عظیم صدمے پر صبر جمیل فرمائے، اس کے بعد میں بہت بیمار رہی، پھر عزیز محمد فارس حبیب کو اچانک دورہ سا پڑا تھا، جو اس کی پیشانی میں لگی تو تاخیر ہوگئی۔ جس کے لیے بے حد شرمندہ ہوں اور بہت ہی نادم ہوں، انسان کتنا کمزور اور بے بس ہوتا ہے۔

ہم تو مولانا شہید رحمہ اللہ کے بعد بالکل ہی ٹوٹ پھوٹ گئے ہیں اور پھر ایڈریس عارف والے کا نہ تھا، جس کی وجہ سے اور بھی تاخیر ہوگئی، جس کے لیے بے حد معذرت خواہ ہوں، اچانک کی خبر بہت ہی انسان کو شاک پہنچاتی ہے، ان کا تو بہت ہی صدمہ پہنچا ہے، جو کہ لفظوں میں اظہارِ بیان مشکل ہے۔ آپ سب کے اس عظیم پُرملال سانحے میں ہم برابر شریک ہیں، ربّ کریم اس عظیم وفات پر آپ سب بیٹیوں، بہنوں، بھائیوں اور خاص طور پر محترم جناب مولانا سعید احمد بھائی جان کو صبر جمیل فرمائے۔

میری ان دنوں بہت حالت خراب رہی ہے، جس کی وجہ سے فوری آنا ناممکن تھا،

جس کے لیے ہمیشہ قلق رہے گا، والدین بہت بڑی نعمت ہوتے ہیں، ہم تو پہلے ہی محروم تھے، اب مرحومہ آپا کی وفات سے دل اور محرومی کا شکار ہوگیا ہے، ابھی تو اُن کا صدمہ بھی بھولا نہ تھا، ابھی تو زخم بھرے نہ تھے کہ اچانک بڑی آپا مرحومہ کی وفات کا سن کر دھچکا سا لگا، بس پیاری بیٹیوں ماں باپ کا کوئی بدل نہیں ہے، ربّ ذوالجلال کی مصلحت ربّ کریم ہی جانے ہے، بندے تو بہت بے بس کمزور ہیں، ہم آپ سب کے عظیم غم میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے، جنت المعلیٰ جیسی جگہوں کی مٹی نصیب کردے۔ فرداً فرداً خط لکھنے سے قاصر ہوں، کیونکہ تین روز سے پھر حالت خراب ہے، خصوصی دعاؤں کی آپ سب سے درخواست ہے۔

مولانا کے اس عظیم سانحے پر ابھی تک دل نہیں سنبھلا ہے اور خاص طور سے چھوٹے بڑے عزیز محمد فارس حبیب کی حالت بہت خراب رہتی ہے، سراسیمہ، اداس، بکھرا بکھرا سا پھرتا ہے۔ اس کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے، دونوں چھوٹوں نے ابھی قرآن شریف حفظ مکمل کیا ہے، آگے اعدادیہ اوّل کا کورس پڑھ رہے ہیں، عزیز محمد یاسر حبیب ماشاء اللہ اولیٰ میں پڑھ رہا ہے، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے اور میرے لیے بھی صبر کی دعا فرمادیں، بہت بے سکون، بہت بے قرار رہتی ہوں، کسی طرح بھی نہ دل بہلتا ہے اور نہ ہی کہیں جی لگتا ہے، آج وہ ہوتے تو پہلی ہی فرصت میں ہمیں لے کر پہنچتے، لیکن اب تو بہت بے بس ہوں۔ اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو شعبان میں یاسر، حارث، فارس تینوں کے ساتھ خاص طور پر تعزیت کے لیے آؤں گی۔ بس اب بہنیں، بیٹیاں، بیٹے اور سب بھائی بھابیاں سب احباب اعزہ سے پھر دلی ہمدردی اور دلی دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اجازت دیں۔

والسلام دعاؤں کی طالب، دعا گو بد نصیب اِک بیٹی، بہن، خالہ سیّدہ طیبہ حبیب بنوری (۳۰) ۱۵/۹/۱۹۹۹ء (اپنا ایڈریس اور فون نمبر لکھ دیں۔ مہربانی ہوگی۔)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کے نام مکتوب

گرامی قدر و عالی مرتبت حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد

آپ کی پیاری پیاری تحقیقاتِ مفیدہ، نکاتِ علمیہ اور بحر ذخار کی نشان دہی کرنے والی کتب نہایت قابل قدر ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خادم ملکم محمد حبیب اللہ مختار ۲۷/۷/۱۴۰۸ھ ۱۷/۳/۱۹۸۸ء

مولانا سمیع الحق صاحب کے نام مکاتیب

۱۶/ دسمبر ۱۹۷۶ء

گرامی مرتبت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدھم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
دعوت نامہ موصول ہو کر باعث عزت افزائی ہوا، اللہ جل شانہ آپ حضرات کا حامی و ناصر ہو۔ ان دنوں اگر کوئی دوسرا پروگرام نہ ہوا تو حاضر ہوں گا، بظاہر وقت دیا ہوا ہے، اس وقت کاپی میرے سامنے نہیں ہے۔ والسلام محمد حبیب اللہ مختار

برادرِ محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب زیدت معالیکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
گرامی نامہ، یاد آوری کا شکریہ! تساہل کے باعث خط میں تاخیر ہو گئی، معذرت خواہ ہوں۔ مفتی احمد الرحمٰن صاحب بہبودی میں ہیں، تاحال تشریف نہیں لائے، ممکن ہے جمعہ تک تشریف لے آئیں تو آپ کا پیغام ضرور پہنچا دیا جائے گا، ان شاء اللہ! شاید حضرت رائے پوریؒ کی قبر باعث انقطاع ہو گئی؟ حضرت مولانا بنوری مدفیضہم کل شام تشریف لا چکے ہیں اور بخیریت ہیں، حج تک باہر کا پروگرام ممکن نہیں۔ دعواتِ صالحہ میں یاد فرمائیں۔ والسلام محمد حبیب اللہ مختار۔ نیو ٹاؤن کراچی

* * * * *

حوالہ جات وحواشی

۱۔ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار دہلوی شہیدؒ: آپؒ کی پیدائش ۱۹۴۴ء میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ گرامی حکیم مختار حسن دہلویؒ تھے۔ آپؒ محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے داماد اور ان کے بعد میں جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم رہے تھے، آپ انتہائی متوازن اور شائستہ طبیعت کے مالک تھے، صاحبِ نسبت بزرگ، علم حدیث پر گہری دسترس رکھنے والے محقق تھے، آپؒ بیسیوں کتابوں کے مؤلف ومترجم، دُنیوی حرص اور نام ونمود کی خواہش سے کوسوں دور، سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے والے تھے، آپؒ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے غالباً ۱۹۶۴ء میں بیعت ہوئے اور پھر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ فرقہ پرست ظالموں نے آپؒ کو یکم رجب المرجب ۱۴۱۸ھ/۲ رنومبر ۱۹۹۷ء بروز اتوار کی سہ پہر، کراچی میں شہید کردیا۔ اگلے روز نمازِ جنازہ کے بعد جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں حضرت بنوریؒ کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کو اس کا بہت قلق ہوا اور ہمیشہ آپؒ کی جدائی کو محسوس کیا۔

۲۔ حضرت مولانا سید مسعود علی آزاد فتح پوریؒ: آپؒ کے والد ماجد حکیم سید محمود علی کاظمی تھے۔ آپؒ کی پیدائش ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں محلّہ قاضی پورہ، فتح پور، ضلع بارہ بنکی، یوپی، انڈیا میں ہوئی۔ آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے لکھنؤ میں ۱۹۴۸ء میں بیعت ہوئے اور پھر آخری زمانے میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر حضرت اقدسؒ کے پاس خانقاہ میں قیام فرما رہے۔ آپؒ حضرت اقدس رائے پوری ثانیؒ کے امامِ نماز بھی رہے اور آپؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ آپ کا انتقال ۰۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۴۹ھ/ ۲۵ رمئی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں ہوا۔ آپؒ کی تدفین قبرستان ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہوئی۔ (دیکھئے! حیاتِ طیبہ، از ڈاکٹر محمد حسین لِلّٰہی۔ ص: ۱۷۱۔ مطبوعہ لاہور)

۳۔ حاجی بابوجی عبدالعزیز: حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خاص مسترشدین میں سے ہیں، اُن کے والدِ گرامی حافظ محمد بخش تھے، ان کی پیدائش ۱۵/اپریل ۱۸۸۷ء کو الٰہ آباد انڈیا میں ہوئی۔ آپ محکمہ ریلوے میں ملازم رہے۔ فورٹ عباس وغیرہ شہروں میں اسٹیشن ماسٹر رہے اور اس کے بعد کیول رمانی کی ملکیت میں کراچی کی ریلوے ٹکٹ ایجنسیوں کے انچارج بھی رہے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے۔ حضرت عالی رائے پوریؒ سے متعلق حضرت شیخ الہندؒ کی ''مسدسِ مالٹا'' بڑے اہتمام کے ساتھ کتابت اور طبع کروائی، بی ۳۲ جیل روڈ پر حضرت رائے پوری ثانیؒ کے قیام کے دوران کھانے، پینے اور لنگر کے انچارج رہے۔ بلکہ معاون کے طور پر والدِ گرامی حضرت راؤ عبدالرؤف خاںؒ بھی ان کے ساتھ مہمانوں کی خدمت کرتے رہے، حضرت رائے پوری ثانیؒ کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے اسی طرح پورا تعلق رہا، سفر وحضر میں ساتھ رہتے تھے، کراچی میں سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی میں اقامت پذیر تھے اور بارہا حضرت رائے پوری ثالثؒ کا وہاں قیام کرایا، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ انھی کے مکان پر حضرتؒ سے بیعت ہوئے۔ اُن کا انتقال ۹/اپریل ۱۹۷۶ء کو کراچی میں ہوا اور آپؒ کی تدفین PECHS قبرستان میں ہوئی۔ آپؒ کے چار صاحبزادے؛ حافظ عبدالحمید، حافظ عبدالوحید، حافظ عبدالرحیم اور حاجی عبدالمجید ہیں۔ مؤخر الذکر کراچی میں ڈیفنس میں قیام پذیر ہیں۔

۴۔ مولانا محمد احمد: یہ مولانا حبیب اللہ مختارؒ کے بڑے بھائی ہیں جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں استاذ رہے ہیں۔ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ کے داماد ہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت ہیں۔ کافی عرصہ قبل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے ہیڈ آفس میں ملازمت اختیار کرلی تھی، آج کل ریٹائرمنٹ کے بعد مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرما ہیں۔

۵۔ الحاج حکیم محمد مختار حسن خان دہلویؒ: حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے والدِ گرامی تھے۔ آپؒ ماہر طبیب تھے، بزرگانِ دین سے سچا تعلق رکھتے تھے۔

۶۔ الحاج سیّد انور حسین نفیس رقم شاہ الحسینی: آپؒ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے مجازین میں سے ہیں۔ آپؒ کی پیدائش ۱۳؍ذوالقعدہ ۱۳۵۱ھ/ ۱۱؍مارچ ۱۹۳۳ء بروز ہفتہ گھوڑیالہ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی، آپؒ نے جناح اسلامیہ ہائی اسکول سے ۱۹۴۶ء میں مڈل پاس کیا، سٹی مسلم ہائی اسکول فیصل آباد سے میٹرک کیا، گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں ایف اے کی تعلیم حاصل کی، ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۳ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپؒ بہت اچھے خوش نویس تھے، آپؒ نے خطاطی کی تعلیم اپنے والد مشہور خطاط جناب سیّد اشرف علی صاحبؒ سے حاصل کی۔ آپؒ نے کتابت کے سلسلے میں روزنامہ احسان لاہور، روزنامہ نوائے وقت لاہور میں کام کیا، پھر جامعہ مدنیہ لاہور میں طلباء کو خطاطی سکھاتے رہے۔ آپؒ کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر خطاطی کے سلسلے میں بہت سے ایوارڈ ملے، آپؒ دسمبر ۱۹۵۷ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور اُن کے مجاز ہوئے۔ آپؒ کا انتقال ۲۶؍محرم الحرام ۱۴۲۹ھ/ ۵؍فروری ۲۰۰۸ء کو ہوا۔

۷۔ مولانا محمد اِدرِیس میرٹھیؒ: جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اجل اساتذہ میں سے ہیں، آپ حضرت علامہ کشمیریؒ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی، حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جب ۱۹۳۹ء میں واپس آئے، تو ان سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں انھوں نے پڑھیں، جامع مسجد دہلی کے قریب ان کا مکان تھا، اپنے مکان پر ہی ادارہ شرقیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہوا تھا، اسی ادارے میں نمازِ جمعہ کے بعد حضرت سندھیؒ ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ کا درس دیتے تھے، پاکستان بننے کے بعد کراچی آگئے اور یہاں بھی اپنا ایک ادارہ قائم کیا تھا‘ جس میں عصری اور دینی تعلیم کا اہتمام ہوتا تھا۔ بعد میں ادارہ ختم کر کے حضرت بنوریؒ کے اصرار پر جامعہ علومِ اسلامیہ کے اُستاذِ حدیث مقرر ہوئے۔ جامعہ میں تاحیات مسلم شریف کی تدریس آپ کے ذمے تھی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت تھے، راقم سطور کے استاذ ہیں، ہم نے ان سے جلالین شریف، دیوانِ حماسہ، محیط الدائرہ اور مسلم شریف پڑھی ہیں۔

۸۔ ۔حدیث نمبر۱۹۵۴و۱۹۵۵۔ طبع: بیروت۔

۹۔ مفتی ولی حسن ٹونکیؒ: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے فضلا میں سے ہیں۔ جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث اور رئیس دارالافتا تھے، راقم سطور نے ان سے صحیح بخاری وغیرہ کتب پڑھی ہیں۔

۱۰۔ شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلویؒ: کراچی میں اہم بزرگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ کا ان کے ساتھ بڑا تعلق رہا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے ان کا بہت تعلق رہا، کراچی میں قیام فرما رہے۔

۱۱۔ مولوی فضل الرحمٰن دہلوی حضرت مولانا عبدالمنان دہلویؒ میواتی کے صاحبزادے تھے۔ اُن کی پیدائش ۳۰؍دسمبر ۱۹۴۳ء کو ہوئی، انھوں نے ۱۰سال کی عمر میں حضرت قاری محمد سلیمان کے مدرسہ تجوید القرآن سے قرآنِ پاک حفظ کیا، ابتدائی تعلیم اپنے دادا حضرت مولانا عبدالسبحان کے قائم کردہ مدرسہ سبحانیہ مسجد نواب علی قصاب پورہ صدر دہلی سے حاصل کی، پھر ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کیا۔ اسی سال حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، ۱۹۶۱ء میں مدرسہ سبحانیہ میں استاذ مقرر ہوئے، ۱۹۷۹ء میں مدرسہ عبدالمنان، اسلامیہ مسجد، شاہی مراد آباد پہاڑی، و وہار دہلی میں قائم کیا۔ آپ اکثر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی خدمت میں پاکستان حاضر ہوتے رہتے تھے، آپؒ کا انتقال ۱۵؍اگست ۱۹۹۶ء کو دہلی میں ہوا اور مدرسہ اسلامیہ عبدالمنان و وہار میں ہی آپ کی تدفین ہوئی۔

۱۲۔ حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ: آپؒ کے والدِ گرامی منشی محمد عبدالرحیم بن محمد بخشؒ ہیں۔ آپؒ کی پیدائش ۱۸؍ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ/ ۲۸؍ستمبر 1915ء کو جے پور صوبہ راجستھان ہندوستان میں ہوئی۔ آپؒ نے مشکوٰۃ تک کی تعلیم علامہ کبیر بخش ابوئیؒ سے حاصل کیں۔ پھر دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے حضرت مولانا حیدر حسن خاں ٹونکیؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ ندوۃ المصنفین دہلی کے رفیق رہے اور اس دوران لغات القرآن لکھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان

میں اور دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار سندھ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، پھر جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں درس و تدریس کرتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ عباسیہ اسلامیہ بہاول پور میں استاذِ حدیث رہے۔ آپؒ مشہور محقق، مصنف ہیں اور جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے مشرف رہے ہیں، آپؒ کا بیعت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے رہا ہے، آپؒ بہت سی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے، جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں بہت سے طلباء سے آپ نے علمی مقالات اور مضامین لکھوائے، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ سے آپؒ کا گہرا تعلق تھا۔ آپؒ کی وفات ۱۹۹۹ء میں کراچی میں ہوئی۔

۱۳۔ **آغا جی حضرت مولانا سیّد محمد زکریا بنوریؒ:** محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے والدِ گرامی ہیں۔ ''سید زکریا بادشاہ'' کے نام سے مشہور تھے، صاحبِ حال بزرگ تھے، ان کی پوری زندگی عجیب و غریب مدوجزر میں گزری، ان کے والدِ گرامی کا نام میر مزمل شاہ تھا، ان کی والدہ ماجدہ محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تھیں، حضرت مولانا سیّد محمد زکریا بنوریؒ نے سلوک و تصوف کی وادی میں قدم رکھا تو ان پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ تمام دنیاوی دولت سے دست کش ہو گئے مرشد کی تلاش میں پہلے دہلی، اجمیر وغیرہ ہندوستان کی مشہور خانقاہوں میں حاضری دی، پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر چلہ کشی کے لیے بغداد چلے گئے، کچھ عرصہ وہاں رہ کر ہندوستان چلے آئے، آپ نے کچھ زمانہ ریاست بہاول پور میں ٹھیکیداری کا کام بھی کیا، پھر کابل جا کر حکومتِ افغانستان کے بعض منصوبوں پر کام کرتے رہے، وہ ایک حاذق طبیب تھے اور کابل میں ان کی طبابت کا بڑا چرچا تھا، بہت سے لوگ ان کے دستِ شفا سے فیض یاب ہوئے، خاندانی وجاہت، طبی مہارت اور ان کے علم و فضل کی بنا پر کابل حکومت کے اعیان و اکابر سے اُن کے گہرے روابط تھے، امیر حبیب اللہ خان والیٔ کابل نے بھی بہت سے آپ سے کام کروائے، آخر زمانے میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کے پاس جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں قیام فرما رہے۔ ان کی کتاب 'کتاب الروح' بھی جامعہ سے طبع ہوئی۔ اُن کا انتقال کراچی میں ہوا۔

۱۴۔ **حضرت مولانا محمد امینؒ:** جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت تھے۔ آخر زمانے میں چارسدہ کے اپنے علاقے میں مدرسہ قائم کیا تھا وہیں پر ان کا انتقال ہوا۔

۱۵۔ **مولانا محمد اِسحٰق سندیلویؒ:** دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ الحدیث رہے، پاکستان بننے کے بعد کراچی تشریف لائے اور جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں ''تخصص فی الدعوۃ والاِرشاد'' کے مشرف رہے اور استاذِ حدیث کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیتے رہے، کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، جن میں 'اسلام کا سیاسی نظامِ حکومت' وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔

۱۶۔ **پروفیسر محمد عبدالمغنی:** اُن کے والدِ گرامی محمد عبدالغنی صاحب تھے۔ ان کی پیدائش ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔ انھوں نے فارسی میں ایم اے کیا اور مہاراجہ کالج جے پور میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ جب کالج یونی ورسٹی بن گیا تو وہ شعبۂ فارسی کے سربراہ ہو گئے اور مدتوں اسی عہدے پر فائز رہ کر ریٹائر ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت تھے، خلافت بھی حاصل تھی، اکثر وقت ان کی صحبت میں گزارنا چاہتے تھے، خاص طور سے رمضان المبارک انھی کے ساتھ گزارتے تھے اور حضرت کو روزانہ کسی کتاب سے صحابہؓ یا بزرگانِ دینؒ کے واقعات سناتے تھے، حضرت بھی انھیں بہت پسند فرماتے تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرتؒ کے جانشین حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ سے تعلق ہو گیا اور آخر وقت تک حضرتؒ سے پورا تعلق نبھایا۔ انھوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی ایما پر حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی کتاب ''امداد السلوک'' کا اردو ترجمہ ارشاد السلوک کے عنوان سے کیا تھا اور اس پر مفید حواشی بھی لکھے تھے۔ راقم سطور نے اس پر تحقیق کے ساتھ پچھلے دنوں لاہور سے شائع کیا تھا، ان کا انتقال ذکر اللہ کرتے ہوئے ۱۹۸۷ء میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے۔

(تلخیص: سبدِ گل (خاکے)، از ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی۔ ص: ۱۸۹-۲۰۴۔ طبع: رہبر پبلشرز، اردو بازار، کراچی)

۱۷۔ **مولانا عبدالحلیم جنتی:** حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ سے بیعت ہیں۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ سے بھی بدستور تعلق رہا جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں لائبریری کے ناظم رہے اور اسی کے ساتھ NED یونیورسٹی کی مسجد

میں امام وخطیب کے فرائض بھی سال ہا سال ـ سرا م دیے۔ آج کل دونوں جگہ سے ریٹا ئ ہو کر کراچی میں قیام فرما ہیں۔

۱۸۔ مولا· محمد عبدالعلیم · وی: آپ کی کنیت ابو العلا اور عُرف آغا تھا، آپ کے والدِ امی حافظ محمد عبدالرحیم خاطر تھے، آپ کی پیدائش ۱۹۱۹ء کو جے پور راجھستان میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر ہی حاصل کی، خطاطی کی مشق بھی گھر ہی کی، اپنے والدِ محترم سے اصلاح ـ رہے، اپنے ـ حافظ محمد عبدالکریم سے قرآن پ ک حفظ کیا، پھر مولا· قد یخش. ایونی سے عربی علوم کی تحصیل شروع کی، کچھ وقت ڈابھیل (سورت) میں · را۔ ۱۹۳۵ء میں دارالعلوم · وۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوئے، شیخ الحدیـ ث حضرت مولا· حیدر حسن خاں ٹو ؒ سے حدیـ ث، فقہ، تفسیر اور علم ہیئت کی کتابیں پڑھیں، انھی کے گھر قیام رہا، ۱۹۳۸ء میں دارالعلوم · وۃ العلماء سے فارغ ہوئے، پھر مولوی فاضل کا امتحان پ س کرنے کی غرض سے ۱۹۳۹ء میں لاہور چلے گئے، یہاں مولوی فاضل کا امتحان دیـ اور کامیاب ہو کر ۱۹۴۰ء میں واپس جے پور آگئے، اس کے بعد حیدر آ. د دکن چلے گئے، جہاں دارالترجمہ میں ''معجم المصنّفین'' کی ـ وین و ـ لیف کے کام میں علامہ محمود حسن ٹو ؒ کے معاون کے طور پ کام کیا اور تین سال ـ ان کی نگرانی میں ہزاروں رجالِ اسلام کے ـ اجم کی چھان بین میں مصروف رہے، یہ پ وجیکٹ ساٹھ جلدوں میں بیس ہزار صفحات پ پھیلا ہوا کم وبیش چالیس ہزار شخصیات پ مشتمل تھا، وقت کے ہاتھوں ایسا. دھوا کہ پتہ ہی نہیں چل سکا کہ کہاں ـ ، مملکتِ آصفیہ حیدر آ. د سے اس کی صرف چار جلدیں شائع ہوئی تھیں، وہی نمونہ بس موجود ہے۔ ۱۹۵۰ء میں پ کستان آگئے اور کراچی میں قیام کیا، ایـ اسکول میں زمت کی اور ایـ مدرسے میں حدیـ ث وفقہ کی ـ ریس کی، ۱۹۵۵ء میں مستقل حیدر آ. د سندھ میں سکو ـ اختیار کی اور اسکول میں زم ہو گئے، فارغ وقت میں مدرسہ قوت الاسلام میں فقہ وحدیـ ث کی کتابیں پڑھاتے رہے، اس دوران تصنیف و ـ لیف کا سلسلہ چلتا رہا، کا اردو ـ جمہ، فضائل درود پ ایـ رسالہ، کی شرح، مولا· قد یخش. ایونی کی کی ـ یـ. و ـ وین، حضرت مخدوم محمد ہاشم سندھی ٹھٹھوی ؒ کی کتابیں اور وغیرہ کتابوں کو مختلف قلمی نسخوں سے موازنہ کر کے. ی تحقیق سے مرـ. کیا اور ان کا ـ جمہ وتشریح کی، حضرت مولا· حیدر حسن خان ٹو ؒ کا ایـ رسالہ کا ـ جمہ بھی کیا۔

انھوں نے تصوف اور سلوک کی تعلیم بھی حضرت مولا· شیخ حیدر حسن خاں ٹو ؒ سے حاصل کی تھی، جو کہ سید الطا حضرت حاجی امداد اللہ مہا. مکیؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ کے انتقال کے بعد امیر ث نی دعوت وتبلیغ حضرت مولا· محمد یوسف کا · ھلویؒ سے بیعت ہوئے اور پھر اُن کے وصال کے بعد حضرت مولا· عبدالعز · رائے پوریؒ سے تجدیـ بیعت کی۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ سے آپ کو بہت تعلق خاطر تھا، ان کو مولا· حیدر حسن خانؒ نے خلافت کی تھی، بعد میں شاہ فضل اللہ گیلانی نے بھی خلافت واجازت سے سرفراز فرمایـ، لیکن کبھی انھوں نے کسی کو بیعت نہیں کیا، ان کا انتقال ۲۹ر ستمبر ۱۹۸۷ء کو نصف ث کے بعد ذکر اللہ کرتے ہوئے ہوا، اگلے دن ۳۰ر ستمبر کو زِ ظہر کے بعد آپ کے. ے بھائی حضرت مولا· محمد عبدالرشید نعمانیؒ نے زِ جنازہ پڑھائی اور حیدر آ. د کے قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کے چھ صا ادے اور تین بہنیں ہیں، . ے صا ادے پ وفیسر ڈاکٹر حافظ محمد عبدالمقیت شاکر علیمی، پ وفیسر حافظ محمد عبدالودود، حافظ محمد عبدالوارث، حافظ ڈاکٹر محمد عبدالمغیث، انجینئر محمد عبدالواسع، انجینئر محمد عبدالرافع ہیں۔ ان . حضرات کا تعلق بھی مشائخ رائے پور سے. ستور ہے۔

(تلخیص: سبدِ گل (خاکے)، از ڈاکٹر محمد عبدالمقیت شاکر علیمی۔ ص: ۱۱۱-۱۳۳۔ طبع: رہبر پبلشرز، اردو. زار، کراچی)

۱۹۔ مولا· عبداللہ کا کا خیلؒ: جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹ ؤن میں استاذ رہے اور پھر · ئجیر یـ مدرّس ہو کر چلے گئے۔

۲۰۔ حضرت مولا· مفتی احمد الرحمٰن صا . ؒ: محدثُ العصر حضرت مولا· علامہ سیّد محمد یوسف بنوریؒ کے داماد ہیں اور حضرت مولا· عبدالرحمٰن کامل پوریؒ کے صا . زادے ہیں۔ حضرت بنوریؒ کے وصال کے بعد جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹ ؤن کے مہتمم ہوئے اور استاذِ حدیـ ث بھی رہے۔ ہم نے ان سے مسلم شریف جلد ث نی پڑھی۔

۲۱۔ مفتی محمد شاہد: جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹ ؤن کے اُستاذِ حدیـ ث رہے، دارالافتا میں بھی کام کرتے رہے، راقم سطور

نے اُن سے اُصولِ فقہ کی ایک کتاب ''حسامی'' پڑھی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کے خلیفہ مجاز ہیں، حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ سے تعلق رہا، ابھی چند سال پہلے بھی اپنے روحانی مسائل کے لیے ادارہ رحیمیہ کراچی کیمپس میں حضرتؒ کی خدمت میں تشریف لائے، آج کل اپنا الگ مدرسہ اور دارالافتا قائم کیا ہوا ہے۔

۲۲۔ (۴۱:۳۰)۔

۲۳۔ محترمہ والدہ صاحبہ: ان سے مراد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

۲۴۔ اپنی بی جی: ان سے مراد حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کی اہلیہ محترمہ ہیں۔

۲۵۔ راؤ عبدالقدیر خاں: یہ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے ی چوہدری عبدالحمید صاحب کے صاحبزادے ہیں، جو بھکر شہر میں قیام فرماتے تھے اور انھی دنوں ان کا انتقال ہوا تھا۔

۲۶۔ محبوب احمد: اس سے مراد حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، جو ٹریکٹر کے ایک حادثے میں ۱۹۹۲ء میں شہید ہوگئے تھے۔

۲۷۔ راؤ رشید احمد: حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے چھوٹے بھائی ہیں، جن کا ۱۹۹۲ء میں انتقال ہوگیا تھا۔

۲۸۔ ۔حدیث نمبر ۲۳۵۳ و ۲۳۵۵۔

۲۹۔ (۲:۱۵۳)۔

۳۰۔ سیّدہ طیبہ حبیب بنوری: حضرت بنوریؒ کی چھوٹی صاحبزادی اور مولانا حبیب اللہ مختارؒ کی اہلیہ محترمہ ہیں ان کی پیدائش ۱۹۵۶ء میں ہوئی اور ان کا انتقال ۱۰/اپریل ۲۰۰۳ء بروز جمعۃ المبارک کو ہوا۔ اُن پر مولانا جلال پوریؒ کا تعزیتی شذرہ:

> ''محدث العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری نورَ اللہ مرقدہٗ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی اور حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید قدس سرہٗ کی بیوہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب رات ۱۲ بجے انتقال فرماگئیں،
>
> مرحومہ نہایت ہی اعلیٰ اوصاف و کردار کی مالک تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں سے درگزر فرماکر ان سے رضا و رضوان کا معاملہ فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ ''بینات'' کے باتوفیق قارئین سے حضرت بنوریؒ کے تعلق کی نسبت سے مغفرت اور ایصالِ ثواب کی درخواست ہے، ادارہ بینات مرحومہ کے متعلقین اور ان کی اولاد کے غم میں برابر کا شریک ہے''۔ (بینات ربیع الاول ۱۴۲۴ھ جون ۲۰۰۳ء)

☆☆☆

بابِ ششم

خطبات

(ترتیب: مولانا حسین قاسم)

”مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ میدانِ تصنیف و تالیف کے شاہ سوار تھے، اُن کے قلم سے بیسیوں کتابیں اور تراجم منصۂ شہود پر آچکے ہیں، جن میں بعض کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، اردو میں حضرت کو ادیب کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔ بلکہ حضرت کی مادری زبان بھی اُردو تھی، اور حضرت کا آبائی وطن دہلی تھا، خلاقِ عالم نے فنِ تحریر کا عجیب ذوق وملکہ حضرت کو عطا فرمایا تھا، مختصر وقت میں بہت زیادہ اور صاف لکھنا حضرت کی خاص شان تھی، ایک مرتبہ لکھ کر نظرِ ثانی اور قطع و برید کی ضرورت کم ہی پیش آتی تھی، ایسا بھی ہوا کہ حرم شریف میں عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں ایک ہی دِن میں پوری کتاب کا ترجمہ مکمل کرلیا۔

حضرتؒ کی زبان انتہائی شائستہ، شستہ اور فصیح تھی، وعظ وخطابت کی عادت نہیں تھی لیکن جب بیان فرماتے تو بہت ہی دل نشین انداز، واضح اور صاف زبان میں فرماتے کہ کسی کو بات سمجھنے میں دشواری پیش نہ آتی تھی، جب تک حضرت مہتمم نہیں بنے تھے، خطابت کا معمول نہیں تھا لیکن جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم بنے اور ساتھ ہی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کے شرف سے نوازے گئے تو جامعہ کے مرکز اور شاخوں میں مختلف مناسبات سے مختلف تقاریب اور پروگراموں میں طلباء اور اساتذہ کرام سے خطاب فرماتے تھے اور اہل مدارس کے اصرار پر اُن کی تقریبات و پروگراموں میں شرکت فرماتے اور بیان بھی فرماتے تھے۔

اللہ جل شانہ کی مہربانی ہے کہ احقر کو بھی گاہ بگاہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں مختلف جلسوں میں شرکت کا موقعہ ملا اور بعض تقاریب میں [illegible] کی سعادت بھی حاصل ہوئی، چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین اور حضرات اکابر، خاص کر آپ کے خسر اور مربی و اُستاذ حضرت بنوریؒ اور شیخ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کی خاص توجہ کی وجہ سے حضرت کے مزاج میں تصوف کا رنگ کافی غالب تھا، اس لیے اپنے بیان میں اکثر اعمال و اخلاق کی اصلاح اور تربیت کے حوالہ سے گفتگو فرماتے تھے۔

اس کا بخوبی اندازہ احقر کی کتاب ”اِرشاداتِ اکابر“ (جو حضرت والا اور حضرت بنوریؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے کہ حضرتؒ کی ہر بات سے اعمال واخلاق کی اصلاح، ظاہری و باطنی تربیت، تقوی وطہارت، صدق و امانت، توکل و بھروسہ، اِخلاص وللّٰہیت اور قوانین کی پاس داری جیسی صفاتِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ کو اپنانے کی ترغیب، بلکہ دوسری

طرف جھوٹ، خیانت، نام ونمود، ریاکاری، دھوکہ، غفلت اور قانون شکنی جیسی ی صفات اور رذائل سے وا ارکی جھلک آتی ہے۔

ز یر خطبات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر کا مجموعہ ہے، ویسے تو حضرت کی بیسیوں تقاریر ہوئی ہیں جن میں بعض کو ذریعہ کیسٹ محفوظ کرلیا گیا تھا، ۱۴۱۴ھ کے آغاز سے احقر نے حضرت کی محفوظ کی ہوئی تقاریر کو کیسٹوں سے کرنا شروع کیا، ایک سال میں کافی تقریریں ہوگئیں، اس کے بعد ’’ ‘‘ کے کام اور د امور کی وجہ سے یہ کام تعطل کا شکار رہا، ۱۴۱۸ھ کو حضرت مولانا کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس عرصہ محفوظ کیے ہوئے کافی بیانات جمع ہوگئے جو حضرت کی اولاد کے پاس ہیں۔

بہرکیف یہ حضرت کی چند تقریریں ہیں جنہیں احقر نے کیسٹوں سے کیا، اُن پر مناسب عنوانات ڈالے، رات کو ف کرد اور کہیں کہیں حسبِ ضرورت تغیر وتبدل بھی کیا، البتہ ان تقاریر میں سے آخری تقریر دراصل صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث سے متعلق تمام ضروری مباحث کا مجموعہ ہے جس کو احقر نے حضرت کے حکم سے صحیح بخاری کی معتبر اور مستند شروحات کی مدد سے تیار کیا تھا اور حضرت نے نہایت خوشی کا اظہار فرمایا تھا اور دعا دی تھیں، یہ بھی کچھ افادۂ عامہ کے پیش شائع کیا جارہا ہے۔

اس موقعہ پر احقر برادرم مولوی راشد حسین قاسم خانیوالی سلّمہٗ اللہ کا تہ دل سے شکرگزار ہے کہ موصوف اِنتہائی جانفشانی اور اہتمام کے ساتھ شروع سے آخر اس کام میں احقر کے معاون رہے، اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں اپنی شان کے مطابق اس کا بدلہ فرمائے، اُنہیں ظاہری اور باطنی قیات سے نوازے اور اپنے دین کی عالی مت کے لیے قبول فرمائے، اور برادرم مولوی ا طا سلّمہٗ الرحمٰن کا کہ اُنہوں نے احقر کے ساتھ کافی تعاون کیا۔

اللہ جل شانہ سے دعا ہے کہ احقر، والدین، سیدی واستاذی صاحب تقاریر حضرت علامہ ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مرشدی حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی، مرشدی عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب اور جملہ اساتذہ کرام کے لیے اس کتاب کو ذریعہ ت بنائے اور اسے خاص وعام کے لیے نافع بنائے، آمین

کتبہ ابو حسین قاسم

۲۷/۳/۱۶ھ

……………

تعمیر مسجد کی فضیلت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم حاضرین کرام!

اِس وقت جس تقریب کے سلسلہ میں آپ حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں یہ ایک ایسی مبارک تقریب ہے اور ایک ایسا مبارک موقعہ ہے اور ایک ایسا مبارک کام ہے جو اللہ جل شانہ نے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ذریعہ سے شروع کرایا۔

بیت اللہ کا سنگ بنیاد

مساجد، عبادت گاہوں اور اللہ جل شانہ کے گھروں کی بنیاد بیت اللہ ہے، جس کی سنگ بنیاد جلیل القدر اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے رکھی ہے اور ان کے ساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس میں شریک تھے، اللہ جل شانہ نے آپ حضرات کو اور ہمیں جو سعادت بخشی ہے یہ وہ سنت ہے کہ جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے انجام دی، بیت اللہ کی تعمیر اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کرتے جارہے ہیں، اللہ کے گھر کو بنارہے ہیں اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعاء کررہے ہیں: اے پروردگار آپ کے گھر کی بنیاد ہم رکھ رہے ہیں، آپ کے گھر کو ہم تعمیر کررہے ہیں، آپ ہماری اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو، آپ ہماری جدوجہد کو قبول فرمالیجئے۔

مدینہ منورہ میں پہلی مسجد کی تعمیر

ہمارے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو دیکھیے کہ مکہ کرمہ سے . آپ مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو مسجد ی کی تعمیر ہوتی ہے، اس کی ابتداء اللہ جل شانہ خاتم الان ء سید الکو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کراتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے جاں ر وہ صحابہؓ جو اس امت کے لیے ۔ قیامت مشعل ہدا ۔ ہیں، جن کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ’’ ‘‘ کے ذریعہ سے یہ بتلا د کہ دیکھو میرے صحابہؓ وہ رہنما اور راہِ ہدا ۔ بتانے والے ہیں، اَ تم نے ان کے نقش قدم پ چلنے کو اپنے اُو پ لازم کر لیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو ۔۔ جس طرح رات کی ۔ ریکی میں سمندر میں جہاز چلتا ہے تو اس کی رہنمائی کے لیے ستاروں کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ آج کل کے اس ۔ قی یفتہ دور میں بھی . کہ بے شمار ایسے آلات ا د ہو گئے ہیں جن کے ذریعہ سے پ نی میں چلنے والے جہاز اور کشتیاں رہنمائی حاصل کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسے مواقع آجاتے ہیں کہ ان میں سارے کے سارے آلات فیل ہو جاتے ہیں پھر وہ ستاروں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ صحابہ جن کو آپ نے ’’ ‘‘ کے ذریعہ سے قیامت ۔ کے لیے رہنما اور راہ را ۔ بتلانے والا فرماد یہ ہے وہ آپ کے ساتھ مسجد ی کی تعمیر میں شر یہ تھے کسی (را ۔) کی ضرورت نہیں، کسی مزدور کی ضرورت نہیں اللہ کا گھر تعمیر ہو رہا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے وہ جا ر صحابہؓ جن کو آپ نے قیامت ۔ کے لیے مشعل ہدا ۔ قرار د ، وہ . کے . اپنی پیٹھوں پ پتھر لا رہے ہیں، ہاتھ سے گارا بنا رہے ہیں اور اس کے ذریعہ سے اللہ جل شانہ کے گھر کو اور اس مسجد ی کو تعمیر کر رہے ہیں کہ جو آج ہمارے اور آپ کے سامنے موجود ہے۔

تعمیر مسجد ا سعادت ہے

اللہ جل شانہ نے آج آپ حضرات کو اور ہمیں بھی اس سعادت میں شر ۔ کرنے کی توفیق فرمائی کہ ہم بھی اللہ جل شانہ کے گھر کو تعمیر کرنے کی ابتداء کریں، اللہ جل

شانہ نے آج بہت سے معمار اور بہت سے مزدور د میں دیئے ہوئے ہیں لیکن اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور کیا سعادت ہو سکتی کہ ہم اللہ جل شانہ کے گھر کے لیے معمار بنیں، اللہ کے گھر کے لیے راج بنیں، اللہ کے لیے مزدور بنیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو پیسہ دیا ہے، اللہ جل شانہ نے آپ کو دولت دی ہے، آپ جو دولت اللہ جل شانہ کے گھر میں لگائیں گے، جو پیسہ آپ اللہ کے گھر کو آباد کرنے کے لیے لگائیں گے وہ سب سے مبارک پیسہ ہوگا، وہ آپ کو فائدہ پہنچانے والا سب سے بہترین پیسہ ہوگا، آنکھ بند ہو جائے گی آپ قبر میں ہوں گے قیامت تک کے لیے سو رہے ہوں گے لیکن جو پیسہ تعمیر مسجد کے حصہ میں آپ نے آج دیا ہوگا، اللہ کے اس گھر کو بنانے میں آپ نے تعمیر میں جو حصہ لیا ہوگا، قیامت تک کے لیے جب تک وہ مسجد آباد ہے اس میں نماز پڑھنے والے، قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والے اور عبادت کرنے والے ان سب کا ثواب ان حضرات کو ملتا رہے گا جو اس بیت اللہ کی تعمیر میں لگے رہے جس اعتبار سے بھی حصہ لیں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر انسان خود اپنے ہاتھ سے اس کی تعمیر میں حصہ لے سکتا ہو تو سنت ابراہیمی پر اور سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے اپنے ہاتھ سے راج کا کام کرے، اپنے ہاتھ سے مزدور کا کام کرے اِس لیے کہ ہم سب اللہ کے دین کے خادم ہیں، اللہ کے گھر کو آباد کرنے والے ہیں، اگر ہم میں سے کسی کو یہ توفیق مل جائے اور یہ موقعہ مل جائے کہ ہم اللہ کے گھر کو آباد کر سکیں تو بتائیے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت ہوگی؟ اللہ کے ان انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ مشابہت اگر ہمیں حاصل ہو جائے اور ان کے ساتھ ہمیں مشابہت کا موقع مل جائے کہ جنہوں نے اللہ کے گھروں کو آباد کیا۔

مسجد بنانے کی فضیلت

یہ بھی اللہ کا گھر ہے یہ وہ گھر ہے جس کے بارے میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں'' '' بس جس نے اللہ جل شانہ کو راضی کرنے کے لیے اِخلاص کے ساتھ رِیا کاری کی لیے نہیں، دکھاوے کے

لیے نہیں، ۔ م ونمود کے لیے نہیں، اس لیے نہیں کہ ہم نے بہت . ڑی مسجد بنائی ہے اور اس علاقہ میں ایسی کوئی مسجد نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے، مقصد صرف اللہ کی رضا ہو تو پھر آپ چاہے جتنی عالی شان مسجدیں بنا آپ اللہ کے گھر کو جتنا اعلیٰ سے اعلیٰ بنا گے اتنا ز یدہ آپ کے لیے ا . وثواب کا ذریعہ ہوگا تو فرما : '' ''جو شخص اللہ جل شانہ کے گھر کی تعمیر کر ت ہے'' ''اللہ جل شانہ اس کے لیے . ۔۔ میں ا ی عظیم الشان گھر بنا گے اور بعض روا یت میں آ ۔۔ ہے'' ''یعنی اللہ کا گھر کسی نے بنا ی چاہے وہ قطاۃ ا ی پ ۔ ہ ہو ۔۔ ہے پ ۔ ی کی طرح چھو ٹ سا، چاہے وہ گھر اتنا چھو ٹ سا ہو جیسے قطاۃ پ ۔ ے کا گھونسلہ ہو ۔۔ ہے، قطاۃ پ ۔ ے کے گھونسلے کے . ا . بھی ا َ اللہ کا گھر کوئی بنا ۔۔ ہے تو''

''اللہ اس کے لیے . ۔۔ میں عظیم الشان گھر بنا گے، یہ مقصود نہیں ہے کہ چھو ٹ سا گھونسلے کی طرح بنا ی، مقصد یہ ہے کہ آپ ا َ تھوڑی سی مقدار میں بھی اللہ کے گھر کی تعمیر کرتے ہیں چند روپیہ بھی اللہ کے گھر کے لیے لگاتے ہیں جس سے ذرا سا حصہ بن جائے تو آپ بھی اللہ کے گھر کی تعمیر کرنے والوں میں شمار ہوں گے اور اللہ جل شانہ آپ کے اس روپیہ کے . لہ میں، آپ کے اس اِخلاص کے . لہ میں آپ کے لیے قیامت کے روز . ۔۔ میں عظیم الشان گھر بنا گے، کتنی . ڑی سعادت کی . ت ہے، کتنی . ڑی خوش نصیبی کی . ت ہے کہ ہمارے چند روپیوں کے . لہ، ہماری تھوڑی سی محنت کے . لہ، ہماری اس . وجہد کے . لہ جو اللہ کے گھر کی تعمیر میں صرف ہوئی ہے ہمارے لیے . ۔۔ میں ا ی عظیم الشان محل تعمیر ہو ایسا محل''

'' اللہ جل شانہ وہاں جو اِعزاز فرما گے، . ۔۔ میں مؤمنوں کو نوازیں گے اور جن جن احسا ۔ ت اور ا مات سے نوازیں گے ان کے . رے میں حد ی ۔ ث میں آ ۔۔ ہے کہ وہ ایسے عظیم ہوں گے، ایسے جلیل ہوں گے، ایسے عظیم الشان ہوں گے کہ'' ''کسی د وی آ نے اس جیسا محل نہیں دیکھا

ہوگا، اس جیسی نعمت نہیں دیکھی ہوگی بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں آتیں، ہم نے دیکھی نہیں ہوتیں لیکن ان کے بارے میں سنا ہوتا ہے کہ صاحب فلاں جگہ اتنا بڑا محل بنا ہوا ہے فلاں جگہ اتنی بڑی کوٹھی بنی ہوئی ہے، فلاں علاقہ میں لوگوں نے ایسی شان دار مسجد بنائی، فرمایا '' '' وہ ایسی عظیم الشان نعمتیں ہوں گی، وہ ایسے عظیم الشان محلات ہوں گے کہ ان کے بارے میں کسی کان میں کوئی بات بھی نہیں پڑی ہوگی کہ ایسا بھی کوئی عظیم الشان گھر ہوسکتا ہے، بعض چیزوں کے بارے میں ایسا ہوتا ہے کہ چلیے آپ نے ان کے بارے میں نہیں سنا، آپ نے ان کو نہیں دیکھا لیکن انسان اپنے دل میں ایک تصور قائم کرتا ہے کہ وہ ایسی ہوں گی، اُن کی حدود اربعہ ایسی ہوں گی اور اس طرح کی بنی ہوں گی، ایسی خوب صورت ہوں گی، فرمایا نہیں '' '' تم ان کے بارے میں تصور بھی نہیں کرسکتے کہ کیسی عظیم الشان ہیں، تم دنیا میں رہتے ہوئے ان چیزوں کے بارے میں تصور بھی نہیں کرسکتے جیسے کراچی کا رہنے والا کراچی کے بارے میں جو چیزیں اس نے دیکھیں اُن کا تصور تو کرسکتا ہے لیکن وہ ممالک جو بڑے ترقی یافتہ کہلاتے ہیں، وہاں کی چیزوں کے بارے میں اُس کا تصور قائم نہیں کرسکتا، جو اس کے خیال سے نہ گزری ہوں، جو اس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی ہوں، یہ تو دنیا کی ہیچ چیزیں ہیں جن کو ہم جیسا انسان ہی بنانے والا ہے لیکن وہ نعمتیں، وہ درجات اور وہ مقامات جو اللہ نے تیار کیے ہیں، اُن کے بارے میں دنیا میں کوئی تصور نہیں کرسکتا، تو میں یہ عرض کر رہا تھا آج یہ توفیق جو اللہ جل شانہ نے آپ کو اور ہمیں نصیب فرمائی ہے اور یہ موقعہ جو ہمیں اور آپ کو مل رہا ہے کہ اللہ جل شانہ کے گھر کی تعمیر اور اس کے سنگ بنیاد میں آپ شریک ہوں یہ بڑی سعادت کی بات ہے، جو حضرات یہاں کے رہنے والے ہیں، وہ مبارک باد کے مستحق ہیں، اللہ جل شانہ ان کو یہ توفیق عطا فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ کے گھر کو آباد کریں، وہ اللہ کے گھر کی تعمیر کریں، وہ اللہ کے گھر کو بنائیں، خود بھی بنائیں اور پیسے کے ذریعے سے بھی اور

دوسروں کو ترغیب دلا کر بھی اس میں حصہ لیں تاکہ اللہ جل شانہ آپ کے لیے اور ہمارے لیے آخرت میں عظیم الشان گھر تعمیر کرائے۔

تعمیر مسجد کا اصل مقصد

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اور تنبیہ بھی کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مسجد بنانا تو بڑا آسان ہے مسجد کی تعمیر کرنا تو کوئی مشکل نہیں ہے، آپ چندہ کر کے اس کو تعمیر کر لیں یا اگر اس کو چندہ کر کے تعمیر نہیں کر سکتے، تو کسی صاحب خیر کو آپ ترغیب دلائیں گے اور کوئی اللہ والا اس میں پیسہ لگا کر دو منزلہ چار منزلہ بلڈنگ کھڑی کر دے گا، مسجد کی تعمیر صرف یہ نہیں ہے کہ اس کو خوب صورت تزئین بنا دیا جائے، اس کو کئی منزلہ کھڑا کر دیا جائے نہیں، مسجد کی اصل تعمیر یہ ہے کہ جیسے اس کے آپ ظاہری ڈھانچے کو تعمیر کرتے ہیں، جیسے آپ اس کی ظاہری منزلیں بناتے ہیں اور ظاہری عمارت بناتے ہیں اسی طرح اس کی باطنی تعمیر بھی کریں اور باطنی تعمیر یہ ہے کہ اس میں پنج وقتہ نماز میں لوگ حاضر ہوں، اللہ کے گھر کو آباد کریں تاکہ جب اللہ کے گھر کو آباد کیا جائے گا تو پھر ہماری بستیاں آباد ہوں گی، پھر ہمارے اپنے دل آباد ہوں گے، ہمارے گھر آباد ہوں گے اور پھر اس کے اثرات ہمارے پورے کے پورے محلے پر پڑیں گے، تو آپ حضرات اللہ کے اس گھر کی ظاہری تعمیر بھی کیجئے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی تعمیر کا بھی خیال رکھیے، اس کی باطنی تعمیر بھی کیجئے تاکہ یہ اللہ کا گھر آپ سب حضرات کے لیے رحمت اور اللہ کے انعامات اور اللہ نے جو اپنے گھروں پر انوارات کی بارشیں برسائی ہیں، اُن بارشوں میں یہاں کے رہنے والوں کا بھی حصہ ہو، اللہ جل شانہ آپ کو اور ہم سب کو اپنے گھر (مساجد) کو آباد کرنے والا، اس کی تعمیر میں حصہ لینے والا اور ظاہری اور باطنی تعمیر کرنے والا بنائے۔

الخطبة الثانية

فضیلت صوم عاشوراء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا رمضان المبارک کے بعد سب سے افضل ترین روزہ عاشوراء کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل ترین نماز صلاۃ اللیل ہے، جب تک رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اُس وقت تک عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا، اور پھر جب رمضان المبارک کا فریضہ نازل ہوا اور مسلمانوں کو رمضان کے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو اس کا وہ حکم ختم ہو گیا اور اس کے بعد جس نے چاہا روزہ رکھ لیا اور جس نے چاہا چھوڑ دیا، لیکن روزہ اتنا افضل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کے روزے کو رمضان کے بعد اور دوسرے روزوں میں سب سے افضل قرار دیا اور خود نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے روزہ رکھا، عاشوراء کا روزہ وہ روزہ ہے جو یہود بھی رکھا کرتے تھے، نصاریٰ بھی رکھا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو ان سے پوچھا تم یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم یہ روزہ اس لیے رکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اس دن حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو فرعون جیسے ظالم سے نجات دی تھی، اور فرعون کو دریا میں غرق کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تو میرے بھائی ہیں، میں زیادہ حق دار ہوں کہ میں اس دن کا روزہ رکھوں۔

نویں محرم کا روزہ

البتہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے غیروں کی مشابہت سے بچنے کے لیے یہ فرمایا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو: ''تو میں صرف دسویں تاریخ کا

یہودیوں یا عیسائیوں کی طرح روزہ نہیں رکھوں گا بلکہ اس کے ساتھ میں ایک روزہ اور بھی رکھوں گا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ عاشوراء کے ساتھ یا تو (تاسع) نویں محرم کا روزہ بھی رکھا جائے یا گیارھویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔

روزے کے فوائد

اور یہ تو آپ نے پڑھا ہوگا اور سنا بھی ہوگا کہ روزہ نہ صرف یہ کہ اللہ جل شانہ کا مقرب بناتا ہے بلکہ روزہ انسان کے نفس امارہ کو بھی کنٹرول میں کرنے کا ذریعہ ہے، اور خاص طور سے ایسے ایام میں اپنے نفس کو کنٹرول کرنا چاہیے جن ایام میں فتنہ و فساد کا احتمال ہو، جوانی کی عمر ہوتی ہے، گرم گرم خون ہوتا ہے، عقل سے زیادہ جذبات کا دخل ہوتا ہے، اس لیے انسان یہ سوچتا ہے چلو بھائی، جو ہوگا دیکھا جائے گا، کہیں تعزیہ نکالا جا رہا ہے، کہیں جلوس نکل رہے ہیں، کہیں چھریاں چل رہی ہیں اور کہیں زنجیروں سے پٹائی ہو رہی ہے، آخرت میں تو جو کچھ ہوگا ہوگا، ابھی سے وہ اپنے اوپر عذاب مسلط کرتے ہیں، کمر پر چھریاں، سینے پر ہاتھ، اور زنجیریں، اللہ جل شانہ فرماتے ہیں چلو آخرت میں ہمارے ہاں قریب تو عذاب تمہیں دیں گے، اپنے پاؤں پر کلہاڑی خود ہی مارو، اپنے عذاب کا مزہ یہاں بھی چکھ لو اور وہاں بھی مزہ چکھنا پڑے گا۔

گناہ دیکھنے والا بھی شریک جرم ہے

تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اس عذاب میں آپ بھی گرفتار ہو جائیں، ایک تو عذاب وہ ہے جو ظاہری طور پر دنیا میں آیا کرتا ہے کہیں آپ تماشا دیکھنے اور پتھر آپ کے لگ گیا یا کہیں کوئی گولی چل گئی اور وہ گولی کسی کے لگ گئی اور اس میں جو گرفتاری ہوگی تو اس میں آپ کی بھی گرفتاری ہوگی، چاہے آپ نے کچھ بھی نہیں کیا ہو لیکن یہ کہ آب کو بھی پکڑ لیا اب آپ آ کر کہیں گے جی! ہم تو بالکل بے قصور تھے ہم اس لیے نہیں گئے تھے بلکہ ہم تو آ رہے تھے اور بس سے اترے تھے اور وہاں جانا چاہ رہے تھے لیکن قانون یہ کہتا ہے کہ آپ وہاں موجود تھے، اس لیے آپ اس میں شاید شامل ہوں اور

صرف قانون نہیں بلکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام بھی فرما رہے ہیں یہ گورنمنٹ کا قانون ہی نہیں کہتا بلکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے پہلے سے بتا دیا کہ دیکھو ایسا تماشائی نہ بنو، یا ایسی جگہوں پہ نہ جایا کرو، باوجود تمہارے ان میں شامل نہ ہونے کے تمہارا نام اس میں لکھ دیا جائے فرمایا ’’جو شخص جس جماعت کی تعداد کو بڑھائے گا اس کا شمار انہیں میں ہوگا، وہ بھی ان میں شامل ہوگا، آپ اگر صرف دیکھنے کے لیے وہاں جاتے ہیں، ماتم کو دیکھنے کے لیے، تعزیوں کو دیکھنے کے لیے، یا ویسے سیر و سیاحت کے لیے تو چاہے آپ اس میں شامل نہیں ہیں لیکن آپ نے ان کی جماعت بڑھا کر، ان کی جماعت میں اضافہ کر کے اپنا نام ان میں لکھوا دیا، چاہے آپ گورنمنٹ کے لحاظ سے، حکومت کے لحاظ سے، کسی لحاظ سے آپ عندالناس مجرم ہوں یا نہ ہوں عنداللہ آپ مجرم بن گئے، آپ جب کسی ایسی جگہ پہ جائیں گے، تو چاہے آپ پہ دنیاوی کوئی قانون لاگو ہو یا نہ ہو آپ عنداللہ مجرم بن گئے، اس لیے کہ آپ نے ان کی جماعت میں اضافہ کیا اور ہوتا یہ ہے کہ ان میں شامل اکثر افراد ایسے ہوتے ہیں جو ہمارے بھائی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو سنی کہلاتے ہیں، یہ ان کی جماعت کو بڑھاتے ہیں، آج اگر یہ ان میں شامل ہونا چھوڑ دیں تو کل کو ان لوگوں کی گردن شرم سے جھک جائے گی جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بہت بڑی اکثریت رکھتے ہیں۔

سرگودھا کا واقعہ

چنانچہ سرگودھا میں چند سالوں پہلے شیعہ سنی فساد ہوا، گورنمنٹ نے سختی کی، پابندی لگائی کہ کوئی سنی شریک نہیں ہوگا، نہ اپنے گھر کے دروازہ پہ کھڑا ہوگا، نہ کھڑکی میں کھڑا ہوگا اور فوج کے پہرے میں، فوج کی حفاظت میں صرف ماتمی جلوس نکلا، چند افراد تھے اس میں سارا بھرم کھل گیا کہ تمہارا جلوس کتنا بڑا ہوتا ہے، ہم ہیں اصل مجرم، کہ ہم ان کے جلوس میں شریک ہو کر، ان کے گناہ میں شریک ہو کر اور زیادہ ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی گناہ گار بناتے ہیں اور اگر کوئی طالب علم ایسی چیزوں

میں شریک ہوتا ہے تو صرف وہ اس بات کا مجرم نہیں کہ اس نے''

''ان میں جا کر اس میں اِضافہ کیا بلکہ یہ ڈبل مجرم ہے ایک مجرم تو اس بات کا ہے کہ اس نے جا کر ان کی جماعت میں اضافہ کیا اور ان کی ہمت افزائی کی، دوسرا مجرم اس بات کا ہے کہ جو طالب علم یہاں آتا ہے سال کی ابتداء میں وعدہ کرتا ہے کہ ہم جامعہ (علومِ اِسلامیہ) کے قواعد کی پابندی کریں گے، ہم طالب علم ہیں، طالب علم بن کر رہیں گے اور پھر اس کے باوجود کہ جامعہ کے قواعد وضوابط اس نے پڑھے ہیں ان قواعد وضوابط کے پڑھنے کے باوجود اگر کوئی طالب علم، ایسی جگہوں پر جاتا ہے تو ڈبل مجرم ہوا یا نہیں؟ ایک تو وعدہ خلافی کا مجرم ہوا، وہ وعدہ خلافی جو منافق کی نشانی ہے۔

مومن جو وعدہ کرتا ہے اس کو پورا کرتا ہے، مومن کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا چاہے اس کی جان چلی جائے'' ''کیا ہے اس کے بعد کسی کو نہیں معلوم تم کہو جی وعدہ پورا کرنے کی ہماری ہی نہیں، اس لیے کیوں جملہ اپنی زبان سے کہے کہ اب خود گرفتار ہو جائے کیوں بھائی کسی کو بھی معلوم نہیں ہے؟

تم عبدالکریم ہو یا نہیں؟'' ''؟ کوئی بھی عبد الرشید نہیں ہے تم میں؟ اپنے ماں باپ کے بیٹے ہو یا نہیں؟ تمہارے ماں باپ نیک شریف تھے یا ویسے کوئی ادھر ادھر کے تھے؟ پاکستانی کی پیداوار ہو یا امریکہ و برطانیہ کی کہ پتہ نہیں باپ کون ہے ماں کون ہے، بس دنیا میں ٹپک گئے اس کے بعد ادھر لڑھک رہے ہیں؟ کریم ہو یا نہیں بہت عبدالکریم نام کے یہاں پر ہوں گے، ہمیں عبدالکریم نام کا نہیں چاہیے ہمیں عبدالکریم کام کا چاہیے کہ'' ''کریم جو وعدہ کرتا ہے اس کی جان چلی جائے لیکن وعدہ خلافی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ وعدہ خلافی کرنا منافق کی نشانی ہے، ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھائی بہت دن ہو گئے تھے دو ڈھائی مہینے گزر گئے تھے، اس لیے ہم بھول گئے ہمیں وہ سبق یا ہمیں وہ

وعدہ یاد نہیں رہا جو وعدہ ہم نے سال کی ابتداء میں کیا تھا، اب آپ کو یہ وعدہ یاد آگیا؟ اس وعدہ کو یاد دلانے کے لیے اور اس کے ساتھ اس امارہ کو کنٹرول کرنے کے لیے جو اس طرح کے لہو ولعب میں انسان کو مشغول کرتا ہے، اس کا ایک آسان راستہ یہ بھی ہے کہ آپ رمضان کے بعد جو سے افضل ترین روزہ ہے یعنی عاشوراء کا روزہ وہ رکھ لیا کریں، یہ امارہ جو آپ کو سیر وسیاحت اور گھومنے پھرنے پر مجبور کرتا ہے، اگر آپ یہ افضل ترین روزہ رکھ لیں گے تو پھر خود دیکھیں گے کہ آپ بستر پر پڑے ہوں گے یا قرآنِ کریم کی تلاوت کریں گے کیوں؟ اس لیے کہ انسان کے پیٹ میں کھانا اور پانی پہنچتا ہے تو اس کو مستیاں سوجھتی ہیں اور اگر پیٹ خالی ہو تو پھر مستیاں نہیں سوجھتیں۔

آپ کو اشرف المخلوقات بنایا

آپ لوگوں کو اللہ نے: '' ''آپ کو انسان بنایا، آپ کو اشرف المخلوقات بنایا، آپ کو اللہ جل شانہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر آپ کو کھا پی کر نہیں چاہیے بلکہ آپ کو'' '' چاہیے فارسی والا نہیں چاہیے، عربی والا چاہیے، آپ کو معلوم ہے، عربی میں کسے کہتے ہیں؟ '' ''کے معنی جھکنے کے آتے ہیں سجدہ کرنے کے آتے ہیں، نے کے آتے ہیں، آپ انسان ہیں انسان کا تقاضا یہ ہے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر اس طرح عمل کریں کہ آپ کا نام ان اوابین میں، ان صدیقین میں، ان شہداء میں اور ان صالحین میں لکھا جائے جن کا مقصد اللہ کی رضا ہوتی ہے، جن کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل ہوتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی اور یہ فرمادیا: ''

''آپ ایک کل کا روزہ رکھ لیجئے، ایک پرسوں کا روزہ رکھ لیجئے، اگر آپ نے دو روزے رکھ لیے تو ان کا جو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، وہ تو آپ کو ملے گا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ بہت سی دنیوی مصیبتوں سے بچ

جا گے، ایسے ہوں سے بچ جا گے جن ہوں میں ا ن اللہ کی فرمانی کرنے اور امارۃ کا غلام کی بنا پ فتار ہوتا ہے تو اس لیے آسان سا نسخہ ہے آپ کو ا دن کی چھٹی تو مل گئی اور ا دن آپ ایسے ہی روزے رکھ لیں دس رہ گھنٹے ار بغیر کھانے پ کے کوئی ایسا مسئلہ نہیں لوگ تو مہینہ مہینہ ار دیتے ہیں۔

غیر مسلم کا روزہ

غیر مسلم لوگ تو صرف اپنے کو کنٹرول کرنے کے لیے چلوں کے چلے کاٹتے ہیں، ہندو اور دوسرے لوگ روزے ر تے ہیں، آپ تو مسلمان ہیں، آپ تو روزے کے ا وثواب کو جا ہیں تو اس لیے کل اور پ سوں کا روزہ رکھ کر اپنے آپ کو شیطان سے اور اپنے آپ کو ایسے لوگوں کی جما ت کے ڈھانے سے بچا لیں جن کی جما ت میں شامل ہو کر اہل کی جما ت سے نکل جا گے، نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے آپ کے لیے راستہ کھولا اور آپ نے جیسا وعدہ کیا تھا اس کے مطابق آپ کو عمل کر چاہیے ورنہ ہوگا کیا؟ ہوگا یہ کہ جو اپنے پ ؤں پ کلہاڑی مار ہے خود اپنا نقصان کر ہے جو شخص وعدہ خلافی کر ہے، جو شخص شریعت کی مخالفت کر ہے وہ اس کا نقصان یا تو فوری اٹھا ہے اور یا پھر یہ کہ کچھ وقت رنے کے بعد اس کا نقصان اٹھا ہی پڑ ہے۔

آپ دین کے طا علم ہیں

آپ دین کے طا علم ہیں آپ کا فریضہ یہ ہے کہ آپ یہاں دین کے طا علم بن کر رہیں، ہم نے آپ سے سال کے شروع میں یہ کہا تھا کہ آپ اپنے قول کو، اپنے فعل کو، اپنے کردار کو، اپنی گفتار کو، لباس و پوشاک چیزوں کو ایسا بنائیے کہ دیکھنے والے آپ کو دور سے دیکھ کر یہ کہیں کہ آپ طا علم ہیں، ایسا نہ ہو کہ آپ کی کسی حر ت کی وجہ سے دین م ہو، دینی ادارہ م ہو اور لوگ یہ کہیں کہ کیا مولوی ایسے ہوتے ہیں؟ دین دار ایسے ہوتے ہیں؟ طلباء ایسے ہوتے ہیں؟ یا در ہے! آپ

کی کسی زیادتی کی وجہ سے، آپ کی کسی بے اعتدالی کی وجہ سے، آپ کی کسی غلط حرکت کی وجہ سے دین پر، مولویوں پر، طالب علموں پر کوئی داغ آگیا تو اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے، دیکھئے ان لوگوں نے کتنا عظیم فائدہ اُٹھایا؟ جنہوں نے جامعہ اور دین و اِسلام کے ان قواعد اور ضوابط پر عمل کیا جن کا ان سے مطالبہ کیا گیا، آپ جامعہ میں رہ کر جس چیز کو بھی استعمال کرتے ہیں، طالب علم کے نام سے استعمال کرتے ہیں، اگر آپ عملی طور پر اپنے آپ کو طالب علم نہیں بناتے تو پھر یہ آپ کا پڑھنا، آپ کا کھانا، آپ کا پینا، آپ کا رہنا سب ناجائز و حرام اور گناہ کا ذریعہ ہے۔

حرام سے دور رہیے

حدیث میں آتا ہے کہ ایک انسان اللہ جل شانہ سے دعا مانگتا ہے یا رب یا رب یا رب کہتا ہے لیکن اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، دعا کیسے قبول ہو؟ فرمایا:"

"کھانا حرام ہے۔ پینا حرام، لباس حرام۔۔۔ سب کچھ حرام ہیں تو پھر اس حرام کے پیٹ میں پہنچنے کے بعد پھر کیا عبادت میں مزہ آئے گا؟ کیا علم کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوگا؟ اور کیا نور پیدا ہوگا ایسے طالب علم کے دل میں کہ جس کا کھانا، پینا، اُٹھنا، بیٹھنا سب حرام ہی حرام ہے؟ اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ جو طلباء اس طرح کے ہوتے ہیں اُن میں استاد کا ادب واحترام ہوتا ہے، نہ وہ کتاب کا ادب واحترام کرتے ہیں، وہ چاہے امتحان میں کامیاب ہوجائیں لیکن ان کے چہرے پر علم کا نور نہیں ہوگا، ان کے چہرے پر پھٹکار ہوگی، نحوست ہوگی، کالک اور سیاہی ہوگی اور وہ کالک اور سیاہی ان کے دل کی سیاہی ہوگی کہ ان کا دل گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہوگیا ہے اس لیے اس کا اثر ان کے چہروں پر آئے گا، ان کے اعمال پر آئے گا، اس لیے آپ کریم ابن کریم ہیں، آپ نے جو وعدہ کیا تھا اس وعدہ کے مطابق آپ صحیح معنی میں طالب علم بن جائیں اس وعدہ کے مطابق آپ ایسے طالب علم بن جائیں کہ ہمیں آپ کی مخالفت نہ کرنی پڑے بلکہ ہمیں آپ کی تعریف کرنی پڑے، جیسے کہ ایک موقعہ

پر آپ حضرات سے یہ کہا گیا تھا کہ آپ تکبیر اولیٰ اور صف اوّل کا اہتمام کریں گے، تو کچھ دنوں تک واقعی ایسا اہتمام رہا، ایسا اہتمام کہ ایک مرتبہ میں نے یہ سوچا کہ کسی سے کہہ دوں کہ میرے لیے جگہ رکھ دیا کرو، اس لیے کہ اس سے بھی شرم آتی ہے کہ آپ نہیں آئے اور آگے سے کوئی لڑکا اپنی جگہ چھوڑ کر پیچھے ہٹ جائے طلباء تو بے چارے اس طرح کرتے ہیں لیکن ہمیں خود احساس ہوتا ہے اور شرم آتی ہے کہ اس نے جگہ چھوڑ دی اور ہم آگے بڑھ گئے، بعض طلباء کو تو کرتے ہیں، بلکہ بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں کہ ہر صورت میں پیچھے ہٹ ہی جاتے ہیں، آگے بڑھیں گے نہیں تو یعنی میں نے از خود یہ سوچا کہ کسی سے کہہ دوں یار میری جگہ وہاں پر رکھ دیا کرو، اس لیے کہ ماشاء اللہ جاؤں تو دو تین صفیں طلباء سے بھری ہوتی ہیں۔

جوشِ مسلم کی مثال

لیکن بعد میں دیکھا تو معلوم یہ ہوا کہ بھائی وہ تو سوڈا واٹر والا جوش تھا، جس کے بارے میں کسی انگریز نے کہا تھا کہ مسلمانوں کا جوش ایسا ہے جیسا سوڈا واٹر کا جوش ہوتا ہے پیپسی کولا، ببل اپ، یہ سوڈا لے لیں آپ ذرا سا ہلا اور اس کو کھولیں اس کے بعد کیا ہوگا بل بل کر کے ساری بوتل خالی ہو جائے گی اور ساری بوتل کا پانی باہر نکل جائے گا، ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ واقعی طلباء پر اثر ہوا اور طلباء واقعی ایسے بن گئے ہیں کہ اب دوبارہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی اور ہمیں خود اپنی فکر پڑ گئی تھی کہ ہم کیا کریں، لیکن بعد میں معلوم ہوا ہم نے جو کچھ کہا تھا وہ تو اس کے بالکل خلاف ہوا لیکن ہم نے سوچا کوئی نہیں اس میں اُن کا قصور نہیں ہے اللہ نے خود فرمایا:

ہمارا قصور تھا کہ ہم نے بہت سا فاصلہ کر دیا بھولا سبق کبھی کبھی یاد دلا دینا چاہیے۔

انسان کون ہے؟

لیکن کیوں انسان ہے

انسان کہتے اس لیے ہیں کہ انسان بھول سے ہے

ہم نے کہا چلو یہ سارے کے سارے ا ن ہیں، ان کو ایک مرتبہ پھر بھولا ہوا سبق یاد دلا دیں کہ اللہ کے بندو! تم جس علم کو حاصل کرنا چاہتے ہو بغیر عبادت، بغیر ریاضت، بغیر للّٰہیت، بغیر تقویٰ اور بغیر خشیت او ی کے یہ علم آپ کو ہرگز بھی حاصل نہیں ہوگا۔

حقیقی علم

حروف چاہے آ بھی جائیں لیکن وہ علم آپ کے لیے مثمر اس وقت تک نہیں بنے گا جب تک کہ وہ علم آپ کے اندر خوفِ خدا پیدا نہ کرے، تقویٰ پیدا نہ کرے، خشیت پیدا نہ کرے، وہ علم آپ کو اس بات پر مجبور کرے کہ آپ اللہ کے بندے ہیں. جب اللہ کی طرف سے حکم آگیا "" تو نہیں ہو سکتا کہ محلے والے آئیں اور وہ تو پہلے بیٹھ جائیں آپ یہاں موجود ہیں، آپ ان سے زیادہ اسبق ہیں، آپ ان سے زیادہ فارغ ہیں، آپ ان سے پہلے صف میں موجود ہوں، یہ آپ کا فریضہ ہے یہ آپ کے علم کا ثمرہ اور اثر ہونا چاہیے اگر آپ کا علم یہ اثر آپ کے اندر نہیں پیدا کرتا، اور آپ کے علم کا یہ ثمرہ نہیں ہے تو آپ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آپ علم حاصل نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، خدا کے لیے اپنا وقت ضائع کیجئے اور نہ ہمارا وقت ضائع کیجئے، مہربانی کیجئے، قوم کے پیسے کو ضائع نہ کیجئے، اس سے بہتر یہ ہوگا کہ آپ جو چاہے کام کریں، لیکن قوم کا پیسہ برباد کریں اور نہ اپنے دل پر سیاہ نقطہ لگائیں اور اگر آپ واقعی طالب علم بننا چاہتے ہیں تو پھر اپنے اندر اس وصف کو پیدا کیجئے جو وصف طالب علم کا ہوا کرتا ہے، بھوکا ہوگا، جسم پر پورا کپڑا نہیں ہوگا، سر چھپانے کے لیے اس کے پاس جگہ نہیں ہوگی۔ لیکن مجال ہے کہ اس سے کوئی حکم چھوٹ جائے، مجال ہے کہ اس سے کوئی فریضہ چھوٹ جائے، پھر طالب علم کی شان یہ نہیں ہوگی کہ باہر کے لوگ آ کر مسجد میں صفوں میں بیٹھ گئے اور یہاں آپ دیکھیں سفید ٹوپیاں، لال ٹوپیاں آ رہی ہیں اور بیٹھے ہوئے گپے ہانک رہے ہیں، سہ دری میں بیٹھے ہوئے ہیں، اِدھر بیٹھے ہوئے، اُدھر بیٹھے ہوئے، یہاں تکبیر ہوتی ہے پھر وہاں تکبیر سے ایک دو منٹ پہلے اللہ اکبر! کہہ کر

نی کی ھی جاتی ہے کیوں؟ اس لیے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں

-

زکس پ بھاری ہے؟

بہت بھاری چیز ہے ز، بہت مشکل ہے اللہ کے گھر پ حاضر ہو، بہت مشکل ہے مسجد میں آ کر پ نچ سات منٹ بیٹھنا، کیوں؟ اس لیے کہ خوفِ انہیں ہے، حلال کی روزی ہمارے پیٹ میں نہیں، اَ ہمارے پیٹ میں حلال کی روزی ہوتی، خوفِ اہوتا تو ہم خاشعین ہوتے اور سے پہلے ہم یہاں موجود ہوتے، ٹھیک ہے کبھی عذر ہے کسی عذر کی بنا پ پیچھے رہ گئے تو کوئی ت نہیں لیکن یہ تو نہ ہو کہ آپ وہاں بیٹھ کر د وی تیں کریں اور د وی تیں کر کے تھوڑا بہت جو آپ نے ثواب کما بھی ہے اس ثواب کو آپ د کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے یہ نہیں سنا اور یہ نہیں پ ڑھا کہ مسجد میں د وی تیں کر نیکیوں کو کھا جا ہے نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے تو پھر آپ طا علم ہو کر کیوں وہاں بیٹھ کر وقت د کرتے ہیں؟ طا علم ہو کر کیوں وہاں بیٹھ کر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں؟ پہلے سے کیوں یہاں موجود نہیں ہوتے؟ پہلے سے آپ سنتیں کیوں پ ڑھ نہیں ی ؟ ہر سے لوگ آتے ہیں جو مولوی ہیں اور نہ عالم، وہ آپ کو دیکھتے ہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کہ یہ طا علم ہیں؟ جو یہاں بیٹھ کر تیں کر رہے ہیں۔

اللہ کے گھر کو صاف ستھرار کی فضیلت

آپ کو اس ت کا احساس نہیں ہے کہ آپ نے یہ پ ڑھا ہے اللہ کے گھر کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے، اللہ کے گھر کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہیے، اللہ کے گھر میں جو کوڑا کر ہو اس کو نکال دینا چاہیے، ا کالی سیاہ عورت اللہ کے گھر کی صفائی کرتی تھی اور میں پہنچ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ میں شر ہوئے اور فرما کہ مجھے کیوں نہیں بتلا اس کے انتقال کا؟۔

تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام فرماتے ہیں:

تو کیا ہے جو ہے وہ رجل ہے جو وہاں بیٹھا رہے۔ وہ رجل ہے جو اس خوف سے کہ یہاں اَ ز پڑھیں گے تو دس منٹ کی ز ہوگی اور جا کر دوسری مسجد میں ز پڑھیں گے تو چار پنچ منٹ کی ز ہوتی ہے، اس سے وہ رجل مراد ہے؟ ارے اتنا نہیں سمجھتے کہ وہاں اَ چار منٹ کی ز ہوتی ہے اور تم دس منٹ کی ز چھوڑ کر جاتے ہو تو راستہ میں تمہارے دس منٹ ٘ چ نہیں ہوتے؟ وہ تمہارے منٹ ۔ دہوئے، ضائع ہوئے۔ ثواب تمہیں؟ اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر دس منٹ کی ز پڑھو گے تو ثواب ملے گا۔ َ ٘ ہ ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دے رہے ہیں: ” “تو ہم تو مومنین میں داخل نہیں ہوئے۔ ہر کے لوگ تو مسجد کی صفائی کریں اور ہم یہاں مسجد کو ٘ اب کریں کیا یہ طا ۔ علم کا وصف ہے؟ میں نے آپ سے کہا تھا اور اس پ عمل بھی ہوا چند دنوں ۔ اللہ کا گھر آپ کو صاف ستھرا رکھنا چاہیے، ایسا صاف ستھرا رکھنا چاہیے کہ خادم کہیں کہ بھائی ان لوگوں نے ہمیں فارغ کر دی، ۔ٹے اچھے لوگ ہیں۔

صفیں سیدھی کرلیا کرو

میں نے کہا تھا بے چارے ٘ واقف لوگ ہیں، صفیں بچھاتے ہیں کوئی آگے پیچھے ہو جاتی ہے تو صفیں بھی سیدھی کرلیا کرو، تمہیں تو مسئلہ معلوم ہے کہ صف سیدھی ہونی چاہیے، سیدھی نہیں ہوگی تو َ ٘ ہ ہوگا، اَ صف سیدھی نہیں ہوگی تو حدی ۃ میں آ ۃ ہے تمہارے دلوں میں تشویش پیدا ہوگی اور واقعی اس پ عمل ہوا، طلباء صفیں سیدھی کرلیا کرتے تھے، لیکن اس کے بعد وہی کا وہی۔ ما ہر چہ خوا ٘ ہ ایم فراموش کردہ ایم۔ آپ کا کیا یہ فریضہ نہیں ہے کہ اپنے گھر کو صاف کریں آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ آپ نے ای جگہ تپائی رکھی ہے۔ ۔ ز پڑھنے کا وقت آئے تپائی کو اُٹھا کر سلیقے سے رکھیں، آپ کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ آپ نے تپائی ی ڈ رکھی ہے اور ۔ لوگ سارے جمعہ پڑھنے

آتے ہیں تو جمعرات کو اُٹھا کر ایـ طرف رکھ دیں اَ یہ آپ کا فریضہ نہیں ہے تو کس کا فریضہ ہے؟ آپ لوگوں کا فریضہ ہے، یہ آپ ہی لوگوں کا کام ہے، اپنے ا رحمیت پیدا کیجئے، اِیمان کا تقویٰ پیدا کیجئے، طا علمی کا وصف پیدا کیجئے کہ طا علم کسے کہتے ہیں، طا علم اَ بن جا ہمیں مسجد میں ایـ خادم کی ضرورت نہیں پڑے گی، آپ طا علم بن جا تو ہمیں کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کہ مدرسہ صاف نہیں ہے، خادم کو ڈانٹ نہیں پڑے گا، کوڑا پڑا ہوا ہے یـ کچرا پڑا ہوا ہے اس لیے کہ آپ جہاں جو چیز دیکھیں گے اس کو اٹھا گے، اَ وہاں سے آپ کوڑے کو اٹھا گے اور یہاں سے آپ اٹھا گے تو اللہ جل شانہ اس پ آپ کوا دیں گے، آپ کے دل کو صاف کریں گے، آپ کے ہوں کو مٹا دیں گے۔ یہ چیزیں آپ کو معلوم ہیں تو ان پ عمل کیوں نہیں ہوتا؟ پھر کیا بات ہے آپ کو اٹھانے کے لیے وقت صرف کرنا پڑتا ہے، کیا بات ہے کہ ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ زوں کے اوقات میں نہ بیٹھو۔

بعد زعصر و فجر دعا سے پہلے نہ اُٹھیے

کیا وجہ ہے کہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ فجر کی ز کے بعد اور عصر کی ز کے بعد دعا سے پہلے نہ اُٹھیں، کیوں کہنا پڑتا ہے؟ آپ کو تو چاہیے کہ اَ کوئی ہر کا آدمی اُٹھ رہا ہے آپ پیار و محبت سے اُس کو بتلا بھائی اللہ کے حکم کو ادا کیا ہے اللہ کے فریضہ کو ادا کیا ہے، یہ وقت ہے اللہ سے مانگنے کا اور اپنی دعا کو قبول کرانے کا ہے، اس وقت دعا قبول ہوتی ہے تو میاں! جہاں تم نے پنچ سات منٹ ز میں لگائے ہیں، دو منٹ اور رک جاؤ، دعا ہو گی تو پھر چلے جا آپ کا تو کام یہ ہے نہ یہ کہ ز ختم ہوئی اور آپ نے اپنی آنکھیں شتر مرغ کی طرح بند کیں اور ر گئے، اِدھر کوئی ز پڑھ رہا ہو یـ نہ پڑھ رہا ہو، اس لیے کہ ہم تو دیکھ نہیں رہے۔ ہم تمہیں دیکھ نہیں رہے تو پھر چاہے زی ہو جو بھی ہو، ہمیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے، یہ طا علم کا وصف ہے؟ جی طا علم بن جا واقعی طا علم بن جا گے، تو یہاں کی پنچ یـ دس منٹ کی

زآپ پ بھاری نہیں ہوگی، آپ یہیں ز پڑھیں گے آپ کو ہر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اَ یہاں پ ز پڑھیں گے تو آپ ہر طرح کے فتنہ سے بچ جا گے، یہاں سے آپ نے قدم نکالا، اذان کے بعد ایسے بھی مسجد سے در ی نہیں ہے، ہ گار ہو گئے، ہر گئے، محرم پ پڑی ہ گار ہو گئے، دس منٹ کی ز کو چھوڑ کر آپ چار منٹ کے لیے جا رہے ہیں، چھ منٹ جو آپ نے بچائے ہ گار ہو رہے ہیں اور پھر یہ کہ اَ راستہ میں کہیں ٹکر ہو گئی تو مصیبت، راستہ میں لڑائی ہو گئی تو مصیبت۔ اردو میں ضرب المثل مشہور ہے کہ گھر کو چھوڑ تماشا دیکھ۔ اللہ کے بندو چھوڑ کر جا رہے ہو کیوں کہ جی دس منٹ کی ز شاق ہے ی مصیبت ہے اور وہ امام صا کتنے اچھے ہیں چار منٹ میں ز ختم کر دیتے ہیں، اب جاؤ گے وہاں محرم پ پڑے گی ہ، مسجد سے نکلے اذان کے بعد ہ، عبادت سے جان چھڑائی ہ، اور ٹکر ہو گئی تو جھگڑے ہو گئے، کسی سے لڑائی ہو گئی تو اور مصیبت تو کیوں اپنے او پ مصیبتیں پہنچاتے ہو کیا ز پڑھنا اتنا مشکل ہے؟ ہمارے لیے کوئی ایسی شکل پیدا کیجئے کہ ز ہی ہم پ معاف ہو جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ اس پ قادر ہے کہ ایسے طلباء کو ایسے ا نوں کو جو اللہ کے فریضہ کو دو منٹ کے لیے بھی ادا نہیں کر ت ان کو بے ہوش کر دے اور سارا دن بے ہوش پڑے رہیں، کیا د میں اس طرح کے لوگ نہیں دیکھے آپ نے؟ اللہ اس پ بھی قادر ہے کہ ایسے لوگ جو اللہ کے حکم چھوڑ کر آوارہ دی کرتے ہیں، ان کی آنکھوں میں پ دہ ڈال دے اور پھر اس کے بعد وہ ہر پھرنے کے قابل بھی نہ رہیں، ان کو ٹ نگوں سے معذور کر دے اور وہ یہاں سے پ بھی قادر نہ ہوں اور بعض اوقات ایسا بھی ہوت ہے آپ یہ چاہتے ہیں؟ کیا اللہ نے آپ کے ساتھ یہ کیا؟ کوئی چاہتا ہے آپ میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا، تو پھر کیوں اپنے آپ کو آگ، بلا ی مصیبت اور یشانی کا نہ بنانے کے لیے عبادت سے جان چھڑا کر دوسری طرف بھاگتے ہو؟

اللہ کے دی پسندیہ ہ جگہ

آپ نے تو وعدہ کیا ہے کہ جامعہ کے اُصول کی پ بندی کریں گے تو پھر آپ مغرب

کے بعد یا عشاء کے بعد جامعہ سے باہر کیوں جاتے ہو؟ آپ کو تو یہ معلوم ہے:

کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہ بازار ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ بازاروں میں گھومتے ہیں، اِدھر اُدھر پھرتے ہیں۔ جبکہ آپ کی ضرورت کی چیزیں یہاں موجود ہیں، چائے پینی ہے تو چائے یہاں موجود ہے کوئی اور چیز چاہیے تو اس کے لیے عصر کے بعد جائیے اور اگر کوئی ایسا اتفاقی کام یا ضرورت پیش آ گئی تو منتظمین حضرات موجود ہیں، اُن سے پرچی لے کر چوکیدار کو دکھا کر باہر جائیے اور کام کر کے واپس آ جائیے، پھر شکایت آئی ہمارے پاس کہ آپ کے طلباء مغرب کے بعد یا عشاء کے بعد باہر پھرتے ہیں، کیوں شکایت ہمارے پاس آئی کہ آپ کے طلباء آوارہ گردی کرتے ہیں اور رات کو بارہ بجے کے بعد واپس آتے ہیں، ہمیں آپ سے توقع یہ ہے کہ وہ بھولا ہوا سبق جو آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا، آپ دوبارہ اس کو یاد کر کے دوبارہ اس پر عمل پیرا ہوں گے، جس طرح آپ نے شروع میں اس پر عمل کر کے دکھایا تھا ہمیں امید ہے کہ اپ اس پر دوبارہ پھر سال کے آخر تک عمل کر کے دکھائیں گے اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی کہ ہم کسی طالب علم کے جرم کی بنا پر اس کو سزا دیں۔ یہ جو اوقات آ رہے ہیں ان میں دو دن کے روزے نو دس کا رکھیے، چاہے دس گیارہ کا رکھیے لیکن اس فضیلت کو حاصل کیجیے اور تمام قوا وضوابط کی اس طرح پابندی کیجئے کہ جس طرح آپ نے شروع میں پابندی کی تھی۔

یاد رکھیے! مومن جو ہے جب ایمان لاتا ہے تو اس کا ایمان ایک دن، ایک گھنٹہ یا ایک سال کے لیے نہیں ہوتا وہ اللہ جل شانہ سے جو وعدہ کرتا ہے، وہ ساری عمر کے لیے ہوتا ہے آپ نے جو وعدہ کیا اور جس کی عملی مشق آپ نماز میں کرتے ہیں، یہ وعدہ آپ کی ساری زندگی کے لیے وعدہ ہے، آپ سچے پکے مومن بنیے، تاکہ واقعی آپ زیورِ علم سے آراستہ ہوں، سچے پکے مومن بنیے تاکہ واقعی آپ کی جو عادت پڑ جائے یہاں سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ جائیں تو وہ عادت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہو اور

ساری عمر کے لیے اس جیسی عادات بنا تو اس کے لیے جو. تیں پہلے آپ حضرات نے سن لیں وہ بھی سن لیں، مجھے صرف آپ حضرات سے اتنا کہنا تھا کہ واقعی مومن بنیے۔ واقعی طا . علم بنیے، آپ واقعی دین کے طا . علم بن گئے تو ان شاء اللہ کل. . یہاں سے آپ نکلیں گے تو آپ دین کے ایسے خادم بنیں گے کہ آپ کا وجود اس علاقہ کے لیے، اس ملک کے لیے، اس قوم کے لیے رحمت کا ذریعہ ہوگا۔ اللہ آپ کو اور ہمیں . کو صحیح معنوں میں دین پ عمل کرنے والا بنائے، اللہ جل شانہ ہمیں اور آپ . کو حلال کھانے والا اور اللہ جل شانہ ہمیں اور آپ . کو ایسا طا . علم بنائے کہ جو واقعتاً طا . علم کہلانے کا مستحق ہو، ہمیں اور آپ کو ایسا زمین پ چلنے والا ا ن بنائے کہ جو واقعی ا ن ہیں، وہ ا ن جن کی تعریف قرآن کریم میں کی گئی، وہ ا ن جن کی تعریف احادیہ مبارکہ میں کی گئی ہے اس لیے اپنے آپ کو اس جیسا بنائیے اور پھر اس طرح کے مواقع آ تو ان میں شری ہوکر تکثیر سواد کا َ• ہ اپنے سر مول نہ لیں اَ آپ کی چھٹی ہے تو آرام کیجئے۔ آپ کی چھٹی ہے کمرے کی صفائی کیجئے، دار الاقامہ کی صفائی کیجئے، جامعہ کی صفائی کیجئے، تلاوت کیجئے، مطالعہ کیجئے اس کا کوئی حاصل نہیں ہے کہ آپ . ہر جا اور خود بھی کسی مصیبت میں َ فتار ہوں اور اپنے والدین کو بھی کسی مصیبت میں َ فتار کروا ، اس کا کوئی حاصل نہیں ہے، بجائے آپ ثواب کمانے کے َ• ہ کما تو اس لیے چاہے پ سوں کا دن ہو یہ سوں کا دن، یہ اس کے بعد کوئی دن آنے والا ہو ہمیشہ آپ اس چیز کو یہ درکھیے اور آپ وہ کام کیجئے جو آپ کے اکا. اور آپ کے آ. ءوا. ادنے کیا۔ اللہ ہمیں، آپ کو . کو صحیح معنوں میں دین کا طا . علم بنائے۔

(۱۴۱۴ھ-۱۹۹۵م)

الخطبة الثالثة

طا . علم اور علومِ دینیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام علوم کا منبع

جتنے بھی علوم پڑھائے جاتے ہیں، ہمارے یہاں درسی علوم اور درسی کتابوں میں ان کا مقصد اور کا مرجع یہ قرآنِ کریم اور احادیث یہ ہوتی ہیں، اِس لیے کہ یہی تمام علوم کے لیے مرکز، یہی منبع اور یہی اصل ہیں، ان میں دسترس حاصل کرنے کے لیے اور ان کے مطالب اور معانی کو سمجھنے کے لیے باقی اور جتنے علوم ہمارے یہاں پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ ذریعہ بنتے ہیں، علامہ شعرانیؒ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں'' ''کہ اگر یہ احادیث مبارکہ نہ ہوتی تو ہم میں سے کوئی بھی قرآنِ کریم کو سمجھنے پر قادر نہ ہوتا۔

احادیث قرآن مجید کی شرح ہیں

اس لیے امام شافعیؒ فرماتے ہیں:''

''امت جو کچھ کہتی ہے احادیث مبارکہ کی شرح ہے اور احادیث اور میں جو کچھ ہے وہ قرآنِ کریم کی شرح ہے۔

احادیث طیبہ پڑھنے کے آداب

اب افضل العلوم قرآنِ کریم اور سے آپ کا تعلق قائم ہو رہا ہے اور یہ آپ نے پہلے بھی سنا اور پڑھا ہوگا کہ جو چیز جتنی اہم ہوتی ہے اس کے آداب بھی اتنے اہم، جتنی جو چیز اعلیٰ اور ارفع ہوگی، اس کے لیے اہتمام بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، اب کہ آپ قرآنِ کریم کی شرح نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے فرامین سے اپنا تعلق جوڑنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو اتنا ہی زیادہ اہتمام اور اتنا ہی زیادہ خیال کرنا ہوگا، احادیث کے حصول اور اپنے قلب وقالب میں اس کا اثر پیدا کرنے کے لیے ضروری

ہے کہ انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت کو اپنے سامنے رکھے۔

حدیث پڑھنے والوں کے لیے ظاہری ادب

ظاہری طور سے اس کا ادب یہ ہے کہ انسان جو حدیث پڑھے، حدیث پڑھنے کے لیے جب آئے تو وضو کر کے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے طہارت حاصل کر کے آئے، ظاہری طہارت یہ ہے کہ کپڑے صاف ہوں اور احادیث کی کتابوں کو بغیر وضو کے ہاتھ نہ لگایا جائے۔

حدیث پڑھنے والوں کے لیے باطنی طہارت

باطنی طہارت یہ ہے کہ انسان کا دل غیر اللہ سے پاک و صاف ہو، جو علم حاصل کر رہے ہیں اس کا مقصد یہ ہو کہ میں یہ علم اس لیے حاصل کر رہا ہوں کہ اللہ جل شانہ کی رضا اور اللہ جل شانہ کا قرب حاصل ہو۔

حدیث کو عمل کی نیت سے پڑھیں

اور ساتھ ساتھ جو حدیث بھی پڑھیں، اس نیت اور عزم کے ساتھ پڑھیں کہ میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں اس پر میں عمل کروں گا، اس کے دو فائدے ہوں گے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ کا ثواب ملے گا'' '' کی وجہ سے اور دوسرا آپ جب اس نیت کے ساتھ پڑھیں گے تو آپ کا پڑھنا پڑھانا یہ بھی اللہ جل شانہ کے لیے ہوگا۔ آپ کا یہ پڑھنا پڑھانا آپ کی دنیا و آخرت دونوں کو بنانے کے لیے ہوگا، اور ایک دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کے لیے ان احادیث کا اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا آسان ہو جائے گا۔

ہم میں اور پہلے حضرات میں فرق

ہم میں اور پہلے حضرات میں فرق یہ تھا کہ پہلے جو حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو سنا کرتے تھے وہ عمل کی نیت سے سنا کرتے تھے اور جو چیز عمل کی نیت سے سنی جاتی ہے تو وہ انسان کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے عمل کی نیت سے۔ جب انسان پڑھتا

ہے تو جتنا پڑھتا جا ت ہے وہ اس کے سینہ میں محفوظ ہوجا ت ہے اور اً مقصد عمل نہ ہو تو پھر آپ دس حدیثیں پڑھیں یا سو حدیثیں ۔ ۔ ا۔ ہے اس لیے کہ مقصد یاد کر· ہے، عمل کر· تو ہے نہیں، جس چیز کا مقصد ہو ت ہے یاد کر· اور عمل کر· وہ ا ن اپنے پ س محفوظ ر · کی کوشش کر ت ہے، تو اس میں آپ کے لیے بڑا فا ئ ہ یہ ہوگا کہ عمل کی سے پڑھیں گے تو ا یا تو اللہ جل شانہ کی رضاء وقرب حاصل ہوگا اور دوسری ب ت یہ ہے کہ وہ چیز آپ کے یا· میں محفوظ ہوتی جائے گی۔

طا ب علمی کے دور میں ہمارا معمول

ہم طا ب علمی کے دور میں ۔ ب احادی ث پڑھ رہے تھے تو یہ جو ادعیہ وغیرہ آتی، اذکار وغیرہ آتے تو ان میں جو حدی ث ایسی ہوتی تھی کہ جس میں زیادہ دعا اور ذکر زیادہ منا ب معلوم ہو تو میں اس کو پڑھنا شروع کر دی کر ت تھا، اور وقت ہمارے پ س ہو ت تھا جیسے آپ لوگ شہر کے ہیں اور اپنے گھروں سے آتے ہیں، ہم بھی اپنے گھر سے پڑھنے آتے تھے، فجر پڑھ کر نکلے، بس اسٹاپ پ گئے، وہاں دس پندرہ منٹ پڑھیں، آدھا گھنٹہ پڑھتے، بس میں بیٹھے پندرہ بیس منٹ پڑھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار احادی ث، ادعیہ اور اذکار ہم کو یاد ہو گئے، ۔ ب میں اپنے شیخ حضرت مولا· شاہ عبد العزی· صا ب رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت ہوا تو اُنہوں نے ذکر کرنے کو بتا یا، اس کے ساتھ تسبیحات بھی بتلا یا کرتے تو مجھ سے پوچھا کہ تسبیحات وغیرہ کا کچھ معمول ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، کون کون سی؟ میں نے بتا یا صبح اور شام فلاں فلاں، جو میں پڑھا کر ت تھا، اس وقت وہ میں نے بتا دی کہ یہ پڑھا کر ت تھا، فرما یا بس ٹھیک ہے، بس اب یہ ذکر کرلیا کریں ذکر بس کافی ہے، تو میں یہ کہہ رہا تھا ۔ ب عمل کی سے ا ن پڑھتا ہے، عمل کی سے جو چیز پڑھی جائے وہ ا ن کے سینہ میں محفوظ ہوجاتی ہے اور ان احادی ث کا پڑھنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ یہ وہ علم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زب ن مبارک سے نکلا ہے، جو علوم کا منبع اور اصل ہے (اس لیے کہ علوم کا منبع واصل کتاب اللہ

اور نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) تو یہ منبع جس کو ہم پڑھ رہے ہیں، یہ منبع ہمارے قلب میں پیدا ہو جائے تاکہ ہمارے اعمال اور ہمارے ظاہر پر اس کا اثر ہو، اس سے پڑھیں گے تو اس کا یاد کرنا آسان ہوگا، بلکہ خود بخود بغیر یاد کیے وہ چیز آپ کو یاد ہوتی جائے گی، تو پھر احادیث کو پڑھنے کا جو اثر ظاہر ہونا چاہیے وہ ظاہر ہوگا، تو ظاہری طور سے با وضو اور با ادب آکر بیٹھیں، پڑھانے والے جو احادیث آپ کو پڑھا رہے ہیں گویا کہ وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام اور آپ کے درمیان ایک واسطہ ہیں، اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کو ہم نے دیکھا نہیں، آپ کے زمانہ میں ہم موجود نہیں تھے ان کتابوں کے ذریعہ سے یہ علم محفوظ ہوا اور پھر یہ ہم تک پہنچا۔

استاد اور کتابوں کا ادب

یہ علم آپ کے استاد کی معرفت آپ تک پہنچ رہا ہے تو یہ آپ کے محسن ہوئے جو آپ کو قال اللہ، قال الرسول بتلا رہے ہیں اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات سے روشناس کرا رہے ہیں، اور ان کتابوں کا جو یہ واسطہ رہی ہیں، اس علم کے آپ تک پہنچنے کا اور ان استادوں کا جو اس علم کے آپ کے سینوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے ان سب کا بھی احترام اور ادب کیا جائے۔

حدیث پڑھنے والے معناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں

آپ جب اپنے ظاہر و باطن کو اس سے آراستہ کرلیں گے اور عزم سے اس کے لیے ابھی سے کام لیں گے تو پھر ان شاء اللہ یہ احادیث کا ذخیرہ آپ کے دل میں ایک ایسا نور پیدا کرے گا، وہ آپ کو واقعتاً ایک ایسا طالب علم بنا دے گا جو طالب علم صرف لفظ کا اور کتاب کا طالب نہیں ہوگا بلکہ وہ طالب علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی کے اعتبار سے صحابی ہوگا، ایک تو وہ حضرات تھے، وہ مبارک ہستیاں تھیں، جن کو اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب فرمائی، اور صحابیت کے درجہ کو پہنچے”

“یہ وہ مبارک

ہستیاں تھیں جن کو اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے سرفراز فرمایا۔

حدیث پڑھنے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آجائے تو۔۔۔

یہ جو ابھی آپ کتاب پڑھیں گے اگر اس کے پڑھنے کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آئے گا تو جو حضرات بھی پڑھنے والے ہوں ان کو چاہیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آئے اُن پر درود شریف ضرور پڑھا کریں، علیہ الصلاۃ والسلام پڑھیں، صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیں، اللھم صل وسلم وبارک علیہ پڑھیں، جو چاہے پڑھیں، ایسا ہو کہ زبان سے آپ پڑھیں آپ ہی سنیں اس لیے کہ طالب علم اور حدیث پڑھنے والے پر ایک حق یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آئے تو درود پڑھے اور صرف طالب علم نہیں بلکہ جس کے سامنے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آئے اس پر یہ فرض ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حق ہے کہ وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام پر درود شریف پڑھے حدیث میں آتا ہے”

“

اور دوسری روایت میں آتا ہے” “تو درود شریف پڑھنے کا حکم دیا گیا اور درود پڑھنا بہرحال ایسی ذات پر کہ جس نے اپنے تن من دھن کی بازی لگائی ہو، اپنے گھر کو چھوڑا، اپنے رشتہ داروں کو چھوڑا، اپنی قوم کو چھوڑا اور . کو چھوڑا کس کے لیے؟ اللہ جل شانہ کے لیے، اپنے دندان مبارک شہید کرائے، اپنے چہرہ لہولہان کرایا، یہ ساری قربان دیں، اگر کوئی شخص اس ذات پر دو بول کے ذریعہ سے صلاۃ و سلام نہ پڑھے تو بڑی محرومی کی بات ہوگی، اس ذات کا ہم پر حق یہ ہے کہ ہم ہر وقت جہاں تک ہوسکے اس پر کثرت سے درود شریف پڑھا کریں، اور کچھ نہ ہو تو کم از کم صبح شام ایک تسبیح پڑھ لیا کریں اور پھر یہ ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے، جب بھی ہم سنیں تو پھر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام پر درود شریف ضرور پڑھ لیا کریں۔

درود نہ بھیجنے پر وعید

ورنہ اگر ایسا نہیں کریں گے تو حدیث میں آتا ہے”

''بخیل . سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا نام آئے اور اس کو اتنی توفیق بھی نہ ہو کہ زبان ہلا کر دو بول بول دے، صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لے، علیہ الصلاۃ والسلام پڑھ لے، اور وہ حدیث بھی آپ کے سامنے ہوگی جس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے بد دعا کی تھی، ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے سامنے آپ کا نامِ نامی لیا جائے اور وہ آپ پر درود شریف نہ پڑھے، یہ دعا تھی حضرت جبریل علیہ السلام کی اور آمین تھی اس پر خاتم الانبیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی، اِس لیے . . بھی آپ کا نام آئے تو درود پڑھ لیا کریں تاکہ آپ اس درود شریف پڑھنے کی . . سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے بنیں۔ تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ احادیث پڑھنے والوں کے کیا کیا فضائل ہیں:

احادیث پڑھنے والوں کے فضائل

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث جو پڑھی جا ان کو اہتمام سے پڑھا جائے، یہ احادیث کے پڑھنے کی بناء پر آپ معنوی طور پر صحابی بن جائیں گے، اس لیے کہ شاعر کہتا ہے:

صرف نام لے کر کے اِن اہل حدیث نہیں

کہا جاتا ہے کہ جو حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث مبارکہ سے شوق رکھتے ہیں، ان سے تعلق رکھتے ہیں وہ درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، یہ الگ بات ہے کہ '' '' آپ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ تو نہ رہ سکے '' '' یہ انفاسِ قدسیہ جو موجود ہیں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

محدثین کے فضائل

اس لیے روایت میں آتا ہے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''

''اے اللہ! میرے خلفاء پر رحم فرما''

''وہ

جو میرے بعد آئیں گے اور میری احادیث اور میری سنت کو کریں گے، ابن حبانؒ لکھتے ہیں کہ محدثین جو ہیں یہ معنیً صحابی ہیں اور یہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام پر چونکہ کثرت سے درود شریف پڑھتے ہیں، اِس لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے بہت زیادہ قریب ہوں گے، اس لیے احادیث کا ذخیرہ جو آپ پڑھ رہے ہیں اس کے مقام کو پہنچاپئے، اس کے درجہ کو پہنچاپئے، اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیجئے کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو اس علم کے لیے قبول فرمایا تھا جس کے لیے اللہ جل جلالہ نے ان حضرات کو قبول فرمایا......جن کی تعریف قرآن کریم میں ’’ ‘‘ کے ذریعہ سے کی ہے، آپ جہاں کے رہنے والے ہیں اس علاقہ میں سینکڑوں، ہزاروں اور لوگ بھی رہنے والے ہیں، لیکن ان میں سے ایک، دو، تین، چار، پانچ ہیں جن حضرات کو اللہ نے قبول کیا ہے یہ ان کے لیے سعادت ہے، اگر اس سعادت کو وہ اور آپ اپنے لیے ہمیشہ ہمیشہ دائم وقائم رکھنا چاہتے ہیں پھر واقعی اپنے آپ کو اس کا اہل بنائیے، اس کے لیے جو ایک طالبِ علم کے ظاہر اور باطن میں اوصاف ہوتے ہیں وہ اپنے اندر پیدا کیجیے، تاکہ ان احادیث کا نور آپ کے دل پر پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے ظاہر پر بھی نظر آئے، اگر آپ نے اپنے ظاہر اور باطن کو اس سے آراستہ کرلیا تو پھر ان شاء اللہ آپ جو بھی احادیث مبارکہ پڑھیں گے اور اس کے ساتھ پڑھیں گے کہ اس پر ہمیں عمل کرنا ہے تو پھر آپ واقعتاً معنی کے اعتبار سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بن جائیں گے اور پھر اللہ جل شانہ آپ سے وہ کام لیں گے، وہ کام لیں گے کہ جو کام اللہ جل شانہ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات کے ساتھ رہنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم سے لیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ جس ذات کے ساتھ رہ رہے تھے اور ہمارا کام کسی اور درجہ کا ہوگا یعنی ان سے کم درجہ کا ہوگا۔

احادیث مبارکہ قرآن کی تشریح ہیں

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے الفاظِ مبارکہ جو قرآنِ کریم تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں

یہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے وہ اقوال وافعال ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلے ہیں، جن کے بارے میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: ''

''اپنی جانب سے کچھ نہیں کہتے جو کچھ بیان کرتے ہیں، جو کچھ بتلایا کرتے ہیں یہ ہماری طرف سے بتلایا ہوا ہے، وہ ہماری طرف سے ان کے سینۂ مبارک اور قلب اطہر پر نازل کیا ہوا ہے، جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ ہماری طرف سے بیان کیا ہوا ہوتا ہے، تو اس لیے مبارک ہو آپ کو اس کتاب کا اور دوسری کتابوں کا شروع کرنا اللہ جل شانہ آپ . کو علومِ ت اور اس کی حقیقت اور اس کے ظاہر و باطن دونوں پر عمل کرنے کی توفیق فرمائے، اللہ تعالیٰ . ت دے، آپ حضرات کے علم اور عمل میں اور آپ کے پڑھانے والوں اور آپ کے لیے اہتمام اور انتظام کرنے والوں میں، اخلاص کے ساتھ کتابوں کو پڑھیے اور اپنے ظاہر اور باطن کو پاک صاف کیجیے، اپنی نگاہ کی حفاظت کیجیے، اپنے قلب کی حفاظت کیجیے، اپنے ہاتھوں اور پاؤں اور کانوں کی حفاظت کیجیے، تاکہ واقعتاً آپ علومِ ت کے وارث اور والی بنیں، یہ علومِ ت اس وقت آپ میں پیدا ہوں گے . . آپ ہر اِعتبار سے اپنی اِصلاح اور ہر اِعتبار سے تزکیہ کریں۔

تعلیم کا مقصد اللہ کی رضا ہو

مقصد آپ کا اللہ جل شانہ کی رضا ہو، مقصد آپ کا کسی سند یا ڈگری کا حاصل کرنا نہ ہو۔ تاکہ . . آپ یہ علم پڑھیں تو واقعتاً اس علم کے اثرات آپ میں پیدا ہوں، کاغذ کا ٹکڑا ویسے بھی آپ کو مل جائے گا، سند آپ کو ویسے ہی مل جائے گی، چاہے آپ کچھ بھی کریں تو یہ بڑی کم عقلی کی بات ہوگی کہ انسان ایک عظیم مقصد اور ایک عظیم چیز کو ایک چھوٹے سے کاغذ کے ٹکڑے کی بناء پر ضائع کرے۔ اس لیے اللہ جل شانہ نے آپ کو یہ توفیق فرمائی ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کیجیے۔

طالبِ علم کی علامات

یہ کتاب جس کو آپ شروع کر رہے ہیں، '' '' ہے، جو

احادیث کا ایک دروازہ ہے اور جس کے ذریعہ سے ظاہری طور پر آپ کا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے تعلق قائم ہو رہا ہے تو اس تعلق قائم ہونے کے بعد آپ کے ظاہر اور باطن دونوں میں ایک ایسی نمایاں تبدیلی آنی چاہیے ایک ایسی نمایاں تبدیلی رونما ہونی چاہیے جس کو آپ خود بھی محسوس کریں کہ ہاں اب میرا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے تعلق پیدا ہوگیا ہے، اب میرا عمل، میرا قول، میرا فعل، میری چال، میری ڈھال، میرا کردار، میری گفتار کیسی ہونی چاہیے خود آپ کا ضمیر آپ کو مجبور کرے، اس بات پر کہ اب میں وہ پہلے والا طالب علم نہیں رہا، اب میں پہلے والا اِنسان نہیں رہا، بلکہ مجھے اب ایک صحبت مل گئی اور صحبت بھی ایک ایسی ذات کی مل گئی ہے جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ان کی صحبت ملنے کے بعد میرے قلب کا جب اس ذاتِ اطہر کے قلب اطہر کے ساتھ تعلق ہوگیا تو پھر مجھ میں ایک ایسی نمایاں تبدیلی ہونی چاہیے کہ جس تبدیلی کے بعد مجھے خود بھی اپنے اندر ایک نمایاں فرق نظر آئے اور میرے اساتذہ اور میرے گھر والوں اور دوسروں کو بھی مجھ میں تبدیلی نظر آئے، یہ تبدیلی اگر آپ میں پیدا ہوجاتی ہے تو واقعتاً آپ طالب علم ہیں اور اگر یہ تبدیلی پیدا نہیں ہوتی تو پھر اپنے قلب کی اِصلاح کیجئے، اپنے اعمال کی اِصلاح کیجئے، اور پھر توبہ کرکے اپنے آپ کو واقعتاً طالب علم بنایئے، طالب علم اگر بن جائیں گے تو پھر یہ آپ کا پڑھنا، پڑھانا سارے کا سارا آپ کے لیے مبارک ہوگا اور اگر طالب علم نہیں بنیں گے تو ایک کتاب نہیں دس کتابیں پڑھ لیجئے ان کے پڑھنے کا کوئی حاصل نہیں۔

علم کسے کہتے ہیں؟

علم وہ ہے جو اِنسان کو اللہ جل شانہ کی معرفت سکھائے، اگر علم انسان کو اللہ جل شانہ کی معرفت نہیں سکھاتا تو پھر وہ حقیقی علم نہیں ہے بلکہ وہ نام کا علم ہے جو کہ بیکار ہے، علم تو اسکولوں اور کالجوں میں بھی حاصل کیا جا رہا ہے لیکن اُن کے والدین بھی دیکھ رہے ہیں، آپ خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس علم کے حاصل کرنے کے بعد کیا ان طلباء اور ان کے پڑھانے والوں کی اِصلاح ہوتی ہے؟ اس علم کے حاصل کرنے کے بعد طالب علم کیا

اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتا ہے، اس کے احکام کا مکلّف سمجھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک ایسا شخص ہوں، ایسا فرد ہوں کہ جس کو اللہ نے ہاتھ دیئے ہیں، میں اس ہاتھوں میں کلاشنکوف تھاموں، پستول تھاموں، بندوق تھاموں اور جس طرح چاہوں اپنی خواہشات پوری کروں، یہ علم نہیں ہے یہ تو جہالت ہے کہ جس جہالت نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں، اب وہ یہ سوچنے پر بھی قادِر نہیں ہے کہ ہم اِنسان ہیں اور اِنسان کسے کہتے ہیں؟ اِنسان کون ہے؟" "

(بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے) وہ اس کے سوچنے پر بھی قادِر نہیں ہے کہ اِنسان میں کیا وصف ہونا چاہیے اور ہم جو علم پڑھ رہے ہیں علم پڑھنے کے بعد مجھے کیسا ہونا چاہیے؟ تو اگر ان میں اور ہم میں علم حاصل کرنے کے بعد کوئی ایسا نمایاں فرق نہ ہو تو پھر ہمارا علم علم نہیں ہے، بلکہ وہ ہنر ہے جس کو پڑھنے کے بعد ایک کاغذ کا ٹکڑا ملتا ہے اور اِنسان دفتر میں یا کسی ادارہ میں ملازم ہو جاتا ہے اور چند سو روپے اور چند سو ٹکے حاصل کرتا ہے، آپ کا علم ایسا علم ہونا چاہیے جس کے بارے میں کہتے ہیں"

"علم کیا ہے جو اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے حاصل کیا جائے وہ علم جو اِنسان کو یہ بتلائے کہ تم اِنسان ہو اور تمہیں کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ تمہارا فریضہ کیا ہے؟ باقی اس کے علاوہ جو ہے تو کہتے ہیں" "اس علم کے علاوہ جو ہیں وہ تو اپنی جہالت میں اِدھر اُدھر اُلٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں، اُن کو کچھ پتہ ہی نہیں کہاں جا رہے ہیں، کہاں نہیں جا رہے ہیں (سمندر میں اپنے آپ کو ڈال دیا جائے، لہریں اُس کو دور دیں، ہاتھ پاؤں مارتا ہے اُس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ میں کنارے کے قریب جا رہا ہوں یا بیچ سمندر میں جا رہا ہوں تو یہ اس علم کی مثال ہے کہ جو علم انسان کے لیے نافع نہ ہو علم کیا ہے؟"

"علم کیا ہے؟ کہتے ہیں کیا واسطہ ہے تراب (مٹی) کا اور علم کا، اِنسان علم حاصل کرتا ہے، کس لیے حاصل کرتا ہے؟

اس لیے تاکہ اسے اپنی کمتری کا احساس ہو، اپنی جہالت کا اعتراف ہو وہ یہ سمجھے کہ میں علامہ نہیں بنا، میں بہت بڑی چیز نہیں بن گیا، بلکہ اسے یہ معلوم ہو کہ: ’’ ‘‘آپ آگے بڑھ رہے ہیں لیکن آگے بڑھنے کے ساتھ آپ میں تکبر اور بڑائی پیدا نہ ہو، آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ حاصل ہو کہ بھائی ہمارا علم کیا ہے’’ ‘‘مجھے تو چند حروف آتے ہیں علم کا مرکز تو وہی ہے، علم دینے والا تو وہی ہے، وہ علم اس کو دیتا ہے کہ جو اس کا بن جاتا ہے، ہم اگر اس کے بن جائیں گے، ہماری درست ہو گی تو ہم اس علم سے آراستہ ہوں گے اور اگر ہماری درست نہیں ہے تو پھر کاغذ کا پڑھنا پڑھانا چاہے وہ مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھیں، چاہے وہ اسکول و کالج میں بیٹھ کر پڑھیں، یہ کا ا ہو جائے گا، اس لیے یہ علم یعنی علم حدیث جو ان علوم میں سے ہے جو تمام علوم کی اصل اور جڑ ہیں اس کو حاصل کرنے والوں کو اپنی کو درست کرنا چاہیے اور اپنی اِصلاح کرنی چاہیے اور اِخلاص کے ساتھ پڑھنا چاہیے تاکہ واقعتاً طالب علم بنیں اور واقعتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر عمل کرنے والے اور آپ کے دین کو پھیلانے والے بنیں، اللہ جل شانہ آپ کے اس پڑھنے پڑھانے کو مبارک کرے، اس میں برکت فرمائے، اور آپ کو اور ہمیں کو واقعتاً احادیث مبارکہ کا پڑھنے والا، اُن پر عمل کرنے والا اور اُن کو دوسروں تک پہنچانے والا بنائے۔ آمین

الخطبة الرابعة

کامیابی کا مدار تقویٰ پر ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم اساتذہ کرام اور!

عزیز طلباء! جیسا کہ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ سہ ماہی اور ششماہی امتحان میں جو طلباء کامیاب ہوتے ہیں اُن کو جامعہ کی طرف سے اُن کے اِکرام کے طور پر اُن کی تشجیع اور ترغیب کے لیے کچھ نہ کچھ اِنعامات دیئے جاتے ہیں، جو ان طلباء کے لیے ہمت افزائی کا ذریعہ بنتے ہیں، آپ حضرات خود بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہوں گے کہ جو طلباء یہ اِنعامات حاصل کرتے ہیں۔ جب یہ اِنعام ان کو دیا جاتا ہے تو ان کو ایک خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کا اظہار ان کے چہرے سے بھی ہوتا ہے اور جو طلباء ناکام ہوتے ہیں اُن کے ناموں کو لیا جاتا ہے یا جب وہ تختہ سیاہ (نوٹس بورڈ) پر ناکامی کا اعلان پڑھتے ہیں تو اُن کو افسوس ہوتا ہے اور اُن کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔

کامیابی اور ناکامی کا مدار

دراصل کامیابی اور ناکامی اللہ جل شانہ کی طرف سے ہوتی ہے، اللہ جل شانہ جس کو چاہتے ہیں عزت عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ذلیل کر دیتے ہیں، اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا کردہ یہ کامیابی اسی کا فضل و کرم ہے، اسی کا احسان ہے جو ان طلباء کو حاصل ہوئی وہ اِس وقت آپ کے سامنے کتابوں کی شکل میں انعام کو حاصل کریں گے، لیکن اللہ جل شانہ نے اس میں آپ کو جو عقل، حافظہ، دماغ اور جسم دیا ہے اس کو صحیح استعمال کرنے کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے جو طلباء کامیاب ہوئے وہ بھی آپ ہی کی طرح انسان ہیں، وہ بھی آپ ہی کی طرح پڑھتے ہیں وہ بھی ان طلباء کی طرح تمام ضروریاتِ زندگی اور تمام معمولات پورے کرتے ہیں جو ناکام ہونے والے طلباء پوری کرتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ جو طلباء کامیاب ہوئے وہ اپنی اللہ جل شانہ کی عطا کردہ ان نعمتوں سے، اس صحت سے، اس دماغ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور

دنیا میں سرخرو ہو جاتے ہیں اور جو طلباء اللہ جل شانہ کی طرف سے کردہ ان نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے وہ دنیا میں ظاہری طور پر ناکام ہو جاتے ہیں۔ یہ کامیابی یا ناکامی ہر سہ ماہی پر ہوا کرتی ہے ایک سہ ماہی میں ہوگی، دوسری سہ ماہی میں ہوگی پھر اس کے بعد تیسری سہ ماہی میں ہو جائے گی، ان میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر سہ ماہی میں کامیاب ہونے والے طلباء یا پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء بدل جائیں لیکن اگر کوئی ایک سہ ماہی میں پوزیشن حاصل نہیں کر سکا تو دوسری سہ ماہی میں وہ حاصل کر سکتا ہے محنت کریں، کوشش کریں، اللہ جل شانہ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتے، اگر ششماہی میں پوزیشن حاصل نہیں کر سکا تو سالانہ میں پوزیشن حاصل کر کے اس مقام کو حاصل کر سکتا ہے، بہر حال یہ دنیا کی کامیابی اور ناکامی، پوزیشن حاصل کرنا یا حاصل نہ کرنا یہ وقتی اور فانی ہے اس پر اصل کامیابی اور ناکامی کا دار و مدار نہیں ہے۔

حصولِ تعلیم کا مقصد

جو تعلیم آپ حضرات حاصل کر رہے ہیں اور جس علم دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں اور جن امتحانات کے ذریعہ سے آپ کو کامیاب ہونے کی طرف مائل کیا جاتا ہے اور جن انعامات کے ذریعہ سے آپ کو اچھی سے اچھی پوزیشن حاصل کرنے کے لیے ترغیب دی جاتی ہے، اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ ان علوم کو اچھے طریقے سے پڑھیں، اس زیور سے اچھے طریقے سے آراستہ ہوں اور اس اسلحہ سے اچھے طریقے سے لیس ہوں تاکہ کل آپ کا دشمن، سب سے بڑا دشمن جو انسان کے ساتھ ہر وقت لگا ہوا ہے یعنی شیطان اور پھر اس کے ساتھ اس کے وہ اعوان و انصار اور مددگار جو اس کی مدد کر کے انسانوں کو تباہ و برباد کرنے کے درپے رہتے ہیں اُن کے خلاف آپ ایک صحیح معنوں میں مجاہد، غازی اور دین کے سپاہی بنیں۔

اصل کامیابی آخرت کی ہے

یہ وقتی کامیابی آپ کو ایک ایسی کامیابی یاد دلاتی ہے کہ اگر وہ کامیابی آپ کو ایک مرتبہ حاصل ہوگئی ہے پھر آپ کبھی ناکام نہیں ہوں گے اور اگر خدانخواستہ اس کامیابی سے محروم ہو گئے تو پھر اس کے بعد کامیابی کا کوئی امکان نہیں یہ انعامات جو آپ حاصل

کرتے ہیں یہ آپ کا وقتی اعزاز ہے، ذرا سی د ی کے لیے آپ کا اعزاز ہوا آپ بھی خوش ہو گئے، دینے والے بھی خوش ہو گئے اور حاضرین بھی خوش ہو گئے لیکن یہ ا ی وقتی چیز ہے آج نہیں کل، کل نہیں پ سوں ختم ہو جائے گی لیکن اصل اعزاز جو آپ کو ملنے والا ہے اَ آپ نے واقعتاً اپنے آپ کو اس اعزاز کا مستحق بنا لیا تو پھر ا ی اعزاز ایسا ہوگا کہ جو آپ سے کبھی بھی نہیں چھن سکتا اور وہی اصل اعزاز ہے جس کے لیے آپ حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں آپ اَ ہر کتاب میں سو نمبر حاصل کر لیں اور جامعہ آپ کا یہ مدرسہ بلکہ پوری شاخوں میں بھی . سے ز ی دہ نمبر حاصل کر لیں لیکن اَ آپ نے وہ اعزاز حاصل نہیں کیا جو اللہ جل شانہ کے یہاں اعزاز کہلا ٓ ہے، سو نمبر نہیں ا ی سو دس نمبر بھی آپ کو مل جا ، بے کار ہیں، دس کتابیں نہیں اَ آپ کو ہزار کتابیں بھی ا م میں مل جا تو یہ ا مات آپ کے لیے بے کار ہیں، کچھ فا ٔ ہ نہیں، ا م وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو، نعمت وہ ہے جو کبھی ختم نہ ہو، ٓ قی وہ ہے جس کے بعد کبھی تنزلی نہ آئے، اور وہ ٓ قی یہ ہے جس کے لیے آپ ابھی تیاری کر رہے ہیں کہ جو اصل امتحان آپ کا آنے والا ہے، جو اصل اعزاز آپ کو ملنے والا ہے اس اصل امتحان میں آپ کامیاب ہوں اور اس اصل اعزاز کو آپ حاصل کریں۔

اصل اعزاز تقویٰ ہے

اور آپ کا اصل اعزاز کیا ہے؟’’ ‘‘اَ اس اکرام کو حاصل کر· چاہتے ہیں، پوز حاصل کر· چاہتے ہیں تو پھر اپنے ا· رتقویٰ پیدا کیجئے، خوف · اپیدا کیجئے، جو عبادات اللہ جل شانہ نے آپ پ لاگو کی ہیں اور جو فرائض اور ذمہ دار ں آپ کے ذمہ لگائی ہیں اُن کو پورا کیجئے ٓ کہ آپ’’ ‘‘کے مستحق بنیں، اَ آپ نے اپنے ا· رتقویٰ پیدا کر لیا، آپ نے اللہ جل شانہ کا خوف پیدا کر لیا تو پھر ی در کھیے آپ کی د جیسی بھی ہو آ ٓ ت میں آپ . سے آگے ہیں، آپ کو ایسا ا م ملے گا، ایسا ا م ملے گا کہ د میں کوئی ا ن اس کا تصور نہیں کر سکتا اور وہ ا م ایسا ا م ہے کہ اَ ساری د بھی مل جائے ٓ . بھی اس کے . رے میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ ا م کیا ہے اور یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ

جل شانہ فرما رہے ہیں فرماتے ہیں:''

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، ایسی ایسی قیمتی اور اعلیٰ و بالا نعمتیں تیار کر رکھی ہیں کہ''

''کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہیں ہوگا، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کوئی چیز آپ نے نہ دیکھی ہو تو سنا ہوتا ہے کہ صاحب فلاں شہر جو ہے بڑا اچھا ہے، فلاں ملک جو ہے بڑا سرسبز و شاداب، فلاں ملک جو ہے اس میں پیسے کی ریل پیل ہے، فرماتے ہیں نہیں ناقص عقل، ناقص ادراک، ناقص تصور کرسکتے ہو؟'' ''کسی کان نے اس کے بارے میں سنا بھی نہیں ہوگا کہ کیا نعمتیں ہم نے تیار کیں، انسان کہتا ہے چلو اللہ نے جو عقل دی ہے تو بعض مرتبہ انسان اپنے ذہن میں تصور قائم کرتا ہے، اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ ہاں جی فلاں چیز ایسی ہوگی، فلاں ایسی ہوگی، فلاں ایسی ہوگی جیسے شیخ چلی کے پلاؤ پکا کرتے ہیں فرماتے ہیں نہیں بلکہ''

''تمہارے دل پر اس کا خواب و خیال بھی نہیں گزر سکتا تم اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے یہ کس کے لیے ہوں گی؟ ان لوگوں کے ہوں گی، ان طلباء کے لیے ہوں گی، اللہ کے ان بندوں کے لیے ہوں گی، جن کا مقصد دنیا نہیں ہوگی، جن کا مقصد دنیوی مقام حاصل کرنا نہیں ہوگا، دنیوی اعزاز حاصل کرنا نہیں ہوگا جن کا مقصد یہ ہوگا کہ اللہ کے نیک بندے بنیں، متواضع بنیں، علم حاصل کرنے والے بنیں جن کا مقصد یہ ہو کہ علم ہمارے اندر پیدا ہو تاکہ اس پر ہم عمل کرسکیں جن کا مقصد یہ ہو کہ آج ہم اس علم کے ذریعہ سے آراستہ ہوں تاکہ ہم دین کے سپاہی، مجاہد اور غازی بنیں اور جا کر اس دین کو اور اس علم کو سارے کے سارے عالم میں پھیلائیں اگر واقعتاً اس چیز کو ہم نے پیدا کرلیا تو پھر یہ انعام سونے پر سہاگا بن جائے گا۔

علم خدا کے خوف کا نام ہے

اور اگر تقویٰ پیدا نہیں کیا تو پھر اگر اس وقت پانچ سو طالب علم موجود ہیں پانچ ہزار طالب علم بھی موجود ہوں پانچ لاکھ طلباء بھی جمع ہوجائیں تو ان کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہے، طلباء کے نام سے اس وقت کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں، اسکولوں میں لاکھوں

طلباء پڑھ رہے ہیں ہزاروں نہیں لاکھوں طلباء لیکن کیا ان طلباء سے قوم فائدہ اُٹھا رہی ہے؟ اخباروں میں روز آپ سنتے اور پڑھتے ہوں گے کہ فلاں جگہ ایک ٹیکسی کو اغواء کرتے ہوئے طلباء پکڑے گئے جو فلاں کالج کے طالب علم ہیں، ڈاکہ ڈالا تھا وہاں جو پکڑے گئے وہ فلاں یونی ورسٹی کے طلباء تھے قوم کیا فائدہ اٹھا رہی ہے؟ صرف یہ فائدہ اٹھا رہی ہے کہ اُن کی جیب ہلکی ہو جاتی ہے، اُن کے گھروں میں ڈاکے پڑ جاتے ہیں، اُن کی چیزیں لُٹ جاتی ہیں کیا بات ہے؟ علم ہے، ڈگری ہے، سب کچھ ہے، لیکن خدا کا خوف نہیں ہے، اگر خدانخواستہ آج یہ بات ہمارے دینی مدارس میں پیدا ہو جاتی ہے تو پھر پانچ سو نہیں پانچ ہزار طلباء بھی ہوں اُن کا ہونا نہ ہونا بے کار، اُن کا پڑھنا پڑھانا بے کار بلکہ بے کار نہیں اُن کے لیے وبال کا ذریعہ ہوگا، اگر طالب علم اپنی اِصلاح نہیں کرتا، اگر طالب علم اپنے آپ کو متقی نہیں بناتا تو چاہے کتنا ہی ذہین ہو، کتنا ہی اعلیٰ نمبر حاصل کرتا ہو لیکن وہ بے کار ہے۔ مدرسہ کے لیے کوئی فائدہ مند ہے اور نہ اپنے گھر والوں کے لیے اور نہ ہی قوم کے لیے کوئی فائدہ مند ہے خود بھی جہنم میں جائے گا اور دوسروں کو بھی جہنم میں گرائے گا اور ہو سکتا ہے کہ دوسروں کو بھی گم راہ کرے۔ لیکن وہ طالب علم جو صرف کامیاب ہونے کے نمبر حاصل کرتا ہے، وہ طالب علم خواہ ناکام کیوں نہ ہو جائے اگر متقی ہے، اللہ سے ڈرنے والا ہے تو وہ ان جیسے ہزاروں طالب علموں سے بہتر ہے۔

تو آپ کے علم دین پڑھنے کا مقصد یہ انعامات حاصل کرنا نہیں ہے، آپ کے علم دین پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے اندر خوفِ خدا کو پیدا کریں، تقویٰ کو پیدا کریں، آپ اپنے لیے، ادارے کے لیے، محلّہ کے لیے اور قوم کے لیے وہ فرشتے ہوں جو روئے زمین پر چلنے والے ہیں، جن کو دیکھ کر نہ صرف یہ کہ ان کے اساتذہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں بلکہ ان کو دیکھ کر محلّہ والے اور قوم اور علاقہ والے سب کے سب یہ کہیں کہ واقعی یہ رحمت کے فرشتے ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کی وجہ سے ہماری بستی شاد اور آباد ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی حرکتیں، آپ کی بے اعتدالی اور آپ کے گناہوں کی وجہ سے علاقے والے اور

بستی والے کہیں کہ پتہ نہیں منحوس لوگ کہاں سے آ گئے کہ جب سے یہ لوگ اس علاقہ میں آئے ہیں، ہمارے ہاں نحوست کے دروازے کھل گئے۔

اللہ جل جلالہ کے ہاں مقام حاصل کرنے کا طریقہ

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر اللہ جل شانہ کے یہاں مقام حاصل کرنا ہے تو اس کو حاصل کرنے کا طریقہ صرف اور صرف یہ ہے کہ آپ صرف اس ظاہری کامیابی کو نہ دیکھیں اصل کامیابی کو دیکھیں اور آپ کی اصل کامیابی یہ ہے کہ آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں اس پر عمل کریں، آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں اُس کو اپنے لیے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں اگر یہ آپ کا علم آپ کے اندر تقویٰ پیدا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے تو آپ بھی کامیاب ہیں، ہم بھی کامیاب ہیں اور آپ کے اساتذہ کی محنت بھی سرخرو ہوگی اور اگر آپ کے اندر یہ چیز نہیں پائی جاتی تو پھر ہم یہ سمجھیں گے کہ ہماری یہ محنت رائیگاں جارہی ہے، اساتذہ یہ سمجھیں گے کہ وہ آپ پر جو وقت خرچ کر رہے ہیں، وہ بے سود ہے، بھینس کے سامنے بین بجائی جائے تو کیا حاصل ہوسکتا ہے؟ تو اگر اس انسان جس انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے اگر اس کے سامنے بین بجائی جائی اور وہ حیوانِ ناطق بن جائے اس کا کوئی حاصل ہوگا؟ اگر آپ کا پڑھنا پڑھانا آپ کے اندر عمل پیدا نہیں کرتا نماز کا وقت ہو رہا ہے آپ کمرے میں پڑے سوتے رہیں، محلّہ کے لوگ آجائیں اور وہ آکر صف اوّل میں نماز پڑھیں اور ہمارے طلباء آخری صفوں میں ہوں تو ان کو علم حاصل کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟

اپنے اندر عمل پیدا کیجیے؟

اساتذہ جو آپ پر محنت کرتے ہیں اُن کی محنت کا آپ نے کیا اثر لیا؟ صبح نماز کے بعد یا نماز سے پہلے محلّہ کے لوگ آکر قرآنِ کریم کی تلاوت کریں لیکن یہاں معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے جاکر دیکھا تو بھی سو رہے ہیں اور اگر ڈنڈے کے زور سے اُٹھادیا، اگر نماز پڑھ لی تو نماز کے بعد پھر جاکر اوندھے پڑ گئے تو آپ کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہوا؟ آپ کے پڑھنے کا کیا حاصل ہوا؟ اس لیے اپنے اندر عمل پیدا کیجیے، تقویٰ پیدا کیجیے،

خوفِ خدا پیدا کیجئے، اگر آپ نے اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کرلیا تو آپ کا تھوڑا سا پڑھنا بھی وہ رنگ لائے گا، وہ رنگ لائے گا کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اور جو بے عمل ہے اس کا بہت زیادہ پڑھنا بھی اس کو فائدہ نہیں پہنچائے گا، اللہ جل شانہ آپ کے اس کامیاب ہونے کو مبارک کرے، آپ کا یہ پوزیشن حاصل کرنا مبارک ہو، ہمیں تو خوشی ہوگی جب ہمیں معلوم ہو کہ آپ سارے کے سارے حضرات صف اوّل میں آنے کے اس طرح شوقین ہیں، تکبیر اولیٰ میں امام کے ساتھ شریک ہونے کے اس طرح شوقین ہیں کہ دو تین طلباء آپس میں لڑ پڑے ایک نے کہا جی پہلے میں آرہا تھا اُس نے دھکا دے کر مجھے پیچھے کر دیا، وہ آگے ہوگیا اور دوسرے نے کہا جی میری جگہ پر اس نے قبضہ کرلیا ہے ہم کہیں گے واقعی محنت ہو رہی ہے۔ باہر کے لوگ کہیں گے پتہ نہیں ان کے استادوں نے ان کو کیا پڑھا دیا کہ ہمارے لیے پہلے صف اوّل میں جگہ ہوا کرتی تھی اب جب آؤ تو معلوم ہوتا ہے دو صفیں بھری ہوئی ہیں، کوئی جگہ ہی نہیں، یہ کیا مصیبت آگئی، ہمارے لیے کہ ہمیں صف اوّل کے ثواب سے محروم کردیا؟

یہ بات آپ میں پیدا ہونی چاہیے یا نہیں؟ آپ جو علم حاصل کررہے ہیں، جو ترغیبات پڑھتے ہیں، یہ آپ کے لیے ہیں یا درودیوار کے لیے ہیں؟ یہ آپ کے لیے ہیں یا محلّہ والوں کے لیے ہیں؟ اگر آپ میں یہ چیز پیدا نہیں ہوتی تو پھر آپ کا پڑھنا پڑھانا بے کار ہے اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز آپ میں پیدا ہو رہی ہے اور آپ کا آج کا دن کل سے زیادہ بہتر ہے تو پھر میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور میں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ آپ کو ہمیں، سب کو ان لوگوں میں سے بنائے جو اللہ سے خوف کرتے ہیں، ڈرتے ہیں، تقویٰ اِختیار کرتے ہیں، اللہ ان لوگوں میں سے بنائے جو علم پڑھ کر اس پر عمل کرتے ہیں اور جن کی آج کل سے زیادہ بہتر ہوتی ہے اور آپ کو اور ہمیں سب کو دین کا سچا پکا مخلص خادم بنائے۔

الخطبة الخامسة

علم و عمل کا حسین سنگم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم علماء کرام اور حاضرین محترم اور عزی طلباء! آپ حضرت کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ذکر کیا ہے کہ جو ہر اِ ن کو شامل ہے د میں جتنے بھی ا ن ہیں، جس کو بھی اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے، ہر ا ی کا اپنا ا ی مطمح ، مقصد اور مطلوب ہوا کرت ہے، دین دار ہے . ، د دار ہے . ، د میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کو اللہ نے عقل دی ہو اور وہ کوئی کام بلا مقصد کر لے، عقل مند کو تو چھوڑ دیجئے جن کو ہم اور آپ پ گل کہا کرتے ہیں، دیوانہ کہا کرتے ہیں، جو سڑکوں پ مارے مارے بغیر لباس، بغیر جوتے اور بغیر ٹوپی کے پھرا کرتے ہیں وہ بھی اپنا کام اور اپنے مقصد میں ہوشیار ہوا کرتے ہیں، اِس لیے آپ نے مثال سنی ہوگی ''دیوانہ درکار خود ہوشیار'' وہ دیوانہ ہے، . د اس کو دیوانہ اور پ گل کہتی ہے، اور اس کی اپنی حرکات بھی اس

طرح کی ہوتی ہیں کہ لوگ اس کو دیوانہ کہا کرتے ہیں کیا اس کو ہمارے دیوانہ کہنے سے واقعتاً وہ دیوانہ بن جاتا ہے؟ اور ہم اپنے آپ کو جو عقل مند کہلاتے یا کہتے ہیں کیا اس سے واقعتاً ہم عقل مند بن گئے؟

جیسے میں نے ابھی عرض کیا کہ دیوانہ بھی اپنے مقصد کے لیے ہوشیار ہوا کرتا ہے تو ہمیں بھی اپنے مقصد کے لیے ہوشیار ہونا چاہیے اور پھر ہماری دو جماعتیں بن گئیں، ایک جماعت وہ ہے جس کے بارے میں فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دو حریص ہیں، دو بھوکے ہیں جن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، ایک وہ جو علم کا شوقین ہو، دِین کا شوقین ہو، اور یہ آپ حضرات کے بھی ذہن میں رہنا چاہیے اور اب تو وہ دور آگیا ہے کہ جس میں یہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں کہ یہ بتلایا جائے کہ علم کس کو کہا جاتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا اور ایک آج ہے کہ ب ب لوگ دنیوی علوم کے بارے میں علماء یا ان حضرات کو تو چھوڑ دیجیے جو دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں خود وہ تعلیم دینے والے سر بگریباں ہیں، پریشان ہیں، اور متفکر ہیں کہ جس تعلیم کو آپ تعلیم کہہ رہے ہیں کیا واقعتاً یہ تعلیم کہلانے کی مستحق ہے؟

علم کسے کہتے ہیں؟

علم تو اسے کہتے ہیں جو انسان کو یہ پہچان کرائے کہ تم کیا ہو؟ تمہاری ذمہ داری اور فریضہ کیا ہے؟ کیا یہ علم ہے جس کو ہم علم کہیں کہ وہاں پڑھنے کے بعد ایک طالب علم کو ڈگری مل جائے اور ڈگری ملنے کے بعد وہ جو چاہے کرتا پھرے، استادوں کا ادب اور نہ اپنے آپ کو پہچاننا، صورتِ حال آپ حضرات کے سامنے ہے پہلے اس کی وضاحت کی ضرورت پڑا کرتی تھی۔

موجودہ تعلیمی اداروں کی حالتِ زار

لیکن اب ب یہ کہہ رہے ہیں کہ صاحب یہ ہمارے تعلیمی ادارے جہاں تعلیم ہونا چاہیے تھی، وہاں تعلیم نہیں رہی، وہاں اب اسلحہ کا دور ہوگیا، تعلیم حاصل کرنے والا طالب علم حاضری دے یا نہ دے استاد کو حاضری لگانی پڑتی ہے، امتحان دینے والا طالب

علم چاہے جانتا ہو یا نہ ہو جانتا ہو، نگران کو اس کی مرضی کے مطابق چلنا ہے، ورنہ کلاشن کوف کی گولی اس کے ہاتھ میں ہے، تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جس کو آج کل تعلیم کہا جاتا ہے کیا ہم واقعتاً اس کو تعلیم کہہ سکتے ہیں؟ جسے علم کہا جاتا ہے کیا وہ وہی ہے کہ جو انسان کو یہ پہچان کرائے کہ تم کیا ہو، تمہاری حقیقت کیا ہے؟ اگر علم انسان کو یہ باور کرا دیتا ہے کہ تم کیا ہو؟ تو پھر واقعتاً وہ علم ہے، اگر علم انسان کو اللہ جل شانہ کی رضا تک پہنچا دے اور اس کی حقیقت اس کو باور کرا دے تو وہ علم ہے اور اگر علم اِنسان کو یہ نہیں پہنچان کراتا اور علم کا یہ ثمرہ نہیں ہوتا تو پھر علم نہیں ہے بلکہ وہ جہل مرکب ہے، اس کو علم نہیں کہہ سکتے اس کو ہنر تو کہہ سکتے ہیں، دنیا میں بہت سے ہنر ہیں، کوئی کوئی سا پیشہ سیکھتا ہے، کوئی کوئی سا ہنر سیکھتا ہے کوئی کوئی سا، یہ بھی ایک ہنر ہے۔

علم دین حاصل کرنے کا مقصد

لیکن علم جس کے معنی ہیں جاننا، وہ جاننا کہ جس میں سب سے پہلا مخاطب انسان کی اپنی ذات ہے۔ جو علم حاصل کرنے اور علم کا مصداق بننے کے لیے پہلا نکتہ ہے، پہلی ضرورت ہے، اس لیے آپ نے سنا ہوگا کہ آپ کے اساتذہ کرام شروع میں آپ کو اس بات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ دیکھو یہ دین کا علم ہے، اللہ کے لیے اس کو حاصل کرنا چاہیے، نیت کی اِصلاح کرلو اگر اس علم کو اللہ کے لیے حاصل کر رہے ہو تو پھر یہ تمہارا علم، علم کہلائے گا، تمہیں اس سے خود بھی فائدہ ہوگا، اور تم دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ گے، لیکن اگر تمہارا مقصد علم نہیں ہے تو پھر تم مسجد میں بیٹھ کر پڑھنے والے ہو یا مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھنے والے ہو تم میں اور اسکولوں اور کالجوں میں بیٹھ کر پڑھنے والوں میں کوئی فرق بھی نہیں، اگر تمہارا علم اللہ کے لیے نہیں ہے اور تمہارا علم اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے تو پھر یہ علم بجائے کامیابی کے ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ ہے، ذِلت اور رُسوائی کا ذریعہ ہے بلکہ سب سے پہلے جس کو رُسوا کیا جائے گا، وہ وہ شخص ہوگا جو اللہ کے لیے علم حاصل نہ کرے، علم تو انسان بناتا ہے، علم انسان کو اللہ سے ملاتا ہے، تو فرمایا نبی کریم علیہ الصلاۃ

والسلام نے کہ دو بھوکے ایسے ہیں، دو حریص ایسے ہیں کہ اُن کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، ایک طالب علم، وہ جس کو علم کا شوق ہو کہ مجھے علم حاصل کرنا ہے، ا ن پڑھتا ہے، پڑھتا ہے، پڑھتا ہے اور یہاں تک کہ قبر میں جاتا ہے، بالکل بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن اس کا پیٹ علم سے نہیں بھرتا، وہ کہتا ہے ‘‘ ’’ اسے معلوم ہے کہ میرا علم کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ‘‘

’’ تمہیں تو بہت تھوڑا سا علم دیا گیا ہے تو طالب علم جو ہے وہ ساری زندگی طالب علم رہتا ہے، یہ نہیں کہ آپ نے ثانویہ اور عالیہ کی سند حاصل کرلی، عالمیہ کی سند حاصل کرلی اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ علامہ ہوگئے، اب آپ کو علم کی ضرورت نہیں ہے، اگر اس کو آپ حاصل کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ آپ علامہ ہوگئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں علم حاصل کر رہا ہوں اور طلب علم کے میدان میں ہوں تو یقین رکھیے کہ آپ کا علم آپ کو بھی فائدہ پہنچائے گا اور روز آپ کے علم میں اِضافہ بھی ہوگا اور پھر آپ اس حدیث کے مصداق بنیں گے جس میں فرمایا کہ جو ہے اس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، وہ علم حاصل کرتا ہے، حاصل کرتا ہے جتنا آگے بڑھتا ہے یہ ، اللہ جل شانہ کی خوشنودی اس کو حاصل ہوتی ہے، اللہ جل شانہ کا قرب اور حاصل ہوتا جاتا ہے۔

طالب علم کو کیسا ہونا چاہیے؟

طالب علم کو واقعتاً ایسا منہوم ہونا چاہیے، ایسا طالب علم ہونا چاہیے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ مجھے کیا علم حاصل ہوا؟ یہ دو چار کتابیں، سو پچاس کتابیں پڑھ لیں اس سے کیا ہوتا ہے؟ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھیجا جاتا رہا ہے اور اُن کو یہ تعلیم دی جاتی رہی ہے کہ تعلیم جو ہے اس کو بڑھاؤ، تعلیم جو ہے اس کا کوئی کنارہ نہیں ہے، تعلیم ایسا سمندر ہے کہ جس کا کوئی منتہٰی نہیں، تو جو ہے اس کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا وہ ہمیشہ علم کے حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے اور

جس کو موت ایسی حالت میں آئے کہ علم کے میدان میں ہو، علم حاصل کر رہا ہو، چاہے مدرّس کیوں نہ ہو، مدرّس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کے علم کا میدان ختم ہوگیا ہو، جامعہ کے بانی ہمارے مربی و اُستاذ، محدثُ العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ دورہ کے طلباء سے فرمایا کرتے تھے: تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اب تم نے صحاحِ ستہ پڑھ لیں موطا مالک، موطا محمد، شرح معانی الآثار یہ کتابیں پڑھ لیں تو تم بہت بڑے علامہ بن گئے تم تو یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے ساری صحاحِ ستہ پڑھ لیں دورہ کرلیا بڑے علامہ ہوگئے۔ نہیں ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم جتنا آگے بڑھتے ہیں، ہمیں اپنی جہالت کا اور اعتراف ہوتا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے، ہم اب تک وہی کے وہی رہے ابھی تک علم کے کنارے تک بھی نہیں پہنچے اور واقعتاً حقیقت بھی یہی ہے کہ اس انسان کے پاس جتنا علم ہوتا ہے، انسان جتنا علم حاصل کرتا ہے اتنا وہ آگے بڑھتا رہتا ہے اور جس کا علم جتنا کم ہوگا اتنا وہ اپنے آپ کو سمجھے گا کہ بہت بڑا ہے غبارے کو آپ نے دیکھا ہوگا، بھرا غبارہ آسمان کی طرف جاتا ہے اور بھارِی چیز ہمیشہ نیچے کی طرف آتی ہے تو جس کے اندر علم ہے اور جتنا علم ہے وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھے گا تو فرمایا نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے دو پیٹو ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا ایک اور دوسرا پیسوں کے چکر میں پڑنے والا، مال و دولت کا پجاری، پیسوں کو اپنا مطمح بنانے والا کبھی اس کا پیٹ پیسوں سے نہیں بھرتا ننانوے کے پھیر میں انسان پڑ جاتا ہے پھر چاہے کتنی دولت اس کے پاس ہو جائے لیکن اس کی مثال بالکل وہی ہے جیسے کسی نے لکھی ہے کہ انسان پیسوں کے چکر میں پڑتا ہے تو اس کی مثال گدھے کی طرح ہوتی ہے گدھا اپنی کمر پر ہیرے، جواہرات، سونا، چاندی، کتابیں، احادیث اور قرآنِ کریم لاد کر لے جاتا ہے اور یہاں سے وہاں تک پہنچاتا ہے لیکن کھاتا کیا ہے جی! ہیرے کھاتا ہے، جواہرات کھاتا ہے، کیا کھاتا ہے؟ کھانے کو وہی چارہ ہے تو بھی ایسا ہی ہے جو ساری

زندگی رکھتا ہے، جوڑتا ہے، پیسے جمع کرتا ہے، نماز کی فکر نہ روزے کی فکر، وقت کی فکر نہ بیوی کی فکر، بچوں کی فکر نہ والدین کی۔ اِدھر سے آئے اُدھر سے آئے، حلال سے آئے حرام سے آئے، لیکن کھاتا کیا ہے؟ غریب اس سے اچھا کھاتا ہے، غریب پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اللہ کی جو نعمتیں ہوتی ہیں اُن کا شکر ادا کرتا ہے، یہ کہتا ہے کچھ بچ جائے، کچھ بچ جائے کچھ اور کرلو، کچھ پہلے سے ڈھالوں کچھ نہ کچھ تو ہو۔ تو جو ہے اُس کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح سے میرے مال میں اور اِضافہ ہوجائے یہ دو جماعتیں ہیں اُن سے کوئی بھی خالی نہیں، ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ کامیابی کس میں ہے؟ اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں تو پھر ہمیں ایسی جماعت کو اختیار کرنا چاہیے جو واقعتاً ہمیں ہر ہر جگہ کام دے۔

مال واولاد صرف دنیا کے ساتھی ہیں

دنیا میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض مواقع پر پیسہ انسان کو کام دیتا ہے، کہیں سفارش کی ضرورت پڑی، مکان نہیں ہوا، گاڑی لینی پڑی، علاج معالجہ کرنا پڑا، وہاں تو پیسے نے کام دے دیا، لیکن یہ بتائیے کہ جب آپ کو موت آئے گی اور قبر میں پہنچیں گے تو کیا آپ کو پیسہ فائدہ پہنچائے گا؟ قبر میں ٹیوب لائٹ آپ کو روشنی مہیا کرے گی، آرام کے گدے اور بہترین قبر بنانا آپ کو جہنم کی گرمی سے روک سکے گا؟ حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے ساتھ تین ساتھی ہوتے ہیں، دو ساتھی ایسے ہیں جو قبر تک اس کے ساتھ جاتے ہیں اور قبر میں اس کو لٹانے کے بعد واپس لوٹ جاتے ہیں اور ایک ساتھی ایسا ہے جو اس کے ساتھ زندگی میں بھی ہوا کرتا تھا اور قبر میں بھی اس کا ساتھ دے گا، مال و دولت اور بیوی، بچے، عزیز و اقارب یہ وہ دو ساتھی ہیں کہ اِنسان کے ساتھ قبر تک جاتے ہیں، آپ کی گاڑی ہے اس میں آپ کے بیوی بچے بیٹھیں گے لیکن آپ کو اس میں نہیں بٹھائیں گے، چاہے آپ کی گاڑی کوئی سی بھی ہو، اس میں کوئی نہیں بٹھائے گا، آپ کو کہیں گے . .

کام کرو اب تم اس لائق نہیں ہو کہ تمہیں اس میں بٹھایا جائے، خیراتی گاڑی منگائیں گے اور اس میں آپ کو رکھیں گے، اتنا آپ پر احسان کریں گے کہ بھائی آپ نے ساری عمر کمایا، ہمارا پیٹ بھرا چلو آپ کو قبرستان چھوڑ آتے ہیں، تو ان کے بہن بھائی، رشتہ دار، اقرباء آپ کا پیسہ خرچ کر کے آپ کے لیے کوئی اچھی جگہ لے لیں گے کہ بھائی یہاں تو غریب لوگ دفن ہوتے ہیں، ذرا اچھی جگہ لے لو جہاں پانی نہ آئے، جہاں دھوپ نہ پڑتی ہو آپ کو جگہ دلا دیں گے آپ کے پیسے سے لیکن بہر حال قبر میں رکھنے کے بعد یہ دونوں ساتھی منہ موڑ کر کہیں گے، .. اپنا کام کرو تم جانو تمہارا کام جانے، ہمارا تم سے کیا واسطہ؟ بس'' ''یہ دونوں ساتھی وہاں سے منہ موڑ کر آ جاتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ اِن کے وفادار ساتھی ہیں

لیکن ایک ساتھی ایسا وفا شعار ہے ایسا ان کا مخلص ساتھی ہے کہ وہ دنیا میں بھی ان کے ساتھ رہتا ہے، قبر میں بھی ان کے ساتھ رہتا ہے، وہ ان کے اعمال ہیں وہ اعمال قبر میں بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں، عذاب اگر کسی طرف سے آئے تو اس طرف سے اس کو بچاتے ہیں، حدیث میں آتا ہے ایک طرف روزہ ہوگا، ایک طرف زکوٰۃ ہوگی، ایک طرف قرآنِ کریم جو پڑھتا تھا وہ ہوگا اور جو صدقہ وخیرات کرتا تھا وہ ہوگا۔ تو یہ وہ ساتھی ہیں جو ان کے ساتھ رہا اور یہ جو ان کا عمل والا ساتھی ہے اس کو آپ پیسوں سے نہیں خرید سکتے، یہ ساتھی جو آپ کے لیے قبر میں وسعت کا ذریعہ ہوگا، قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنانے کا ذریعہ ہوگا، وہاں کی خوشبو آپ تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا، وہاں کی روشنی اور ہوا آپ تک پہنچانے کا ذریعہ ہوگا یہ آپ کا ساتھی آپ کو آپ کی محنت اور علم سے حاصل ہوگا اس لیے آپ جتنی چاہے دولت کمائیں لیکن اس بات کو یاد رکھیے کہ اگر فائدہ اُٹھانا ہے تو فائدہ آپ کو اس پیسے سے ہوگا جس کو آپ نے پہلے سے اللہ کے راستہ میں بھیج دیا ہے، چاہے علم حاصل کر کے ہو، چاہے دوسروں کو علم دین حاصل کرنے میں معاونت کر کے ہو بہر حال یہ دو ساتھی اور یہ

دو جماعتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ان کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا ہمیں کوشش اس بات کی کرنا چاہیے کہ ہم اس فانی اور بے وفا ساتھی کے پیچھے نہ دوڑیں کہ جو انسان کو تباہ و برباد ہی کر ڈالے ہمیں چاہیے کہ ہم ایسے علم کو حاصل کریں جس کے لیے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ''میں قاسم ہوں، تقسیم کرنے والا ہوں تم تک پہنچانے والا ہوں دینے والا وہ اللہ ہے۔

علم دین انبیاء کی میراث ہے

انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی میراث یہ علم دین ہے آپ خود بھی علم حاصل کیجئے، اپنے بچوں کو بھی علم دین سکھایئے اور اگر آپ کی یہ عمر نہیں آپ کے بچوں میں کوئی ایسا نہیں تو بہر حال یہ دوسرے جتنے مسلمان بھائیوں کے بچے ہیں وہ آپ کے اپنے بچے ہیں، اُن کو آپ علم دین کی طرف راغب کیجئے، ترغیب دیجئے، اُن کو اس پر آمادہ کیجئے، اُن کے والدین کو منایئے، اُن کے پاس اگر پیسے نہیں ہیں تو اُن کے اخراجات برداشت کیجئے تاکہ وہ علم حاصل کریں اور ثواب جتنا اُن کو مل رہا ہے اس طرح آپ کو بھی ثواب ملے، ان کی جس طرح آخرت بنے اس طرح آپ کی اور ہماری بھی آخرت بنے اور جو واقعتاً علم کے میدان میں ہیں اُن کو چاہیے کہ وہ علم کے ایسے حریص بنیں ایسے حریص بنیں کہ چاہے وہ سند حاصل کرلیں دورہ کی سند مل جائے، تخصص کی سند حاصل ہو جائے لیکن ان کو اس حدیث کا مصداق بننا چاہیے اور جو واقعتاً علم حاصل کرنے والے طالب علم ہیں وہ ہمیشہ اس کے مطابق علم کے حریص رہتے ہیں، اللہ جل شانہ آپ اور ہمیں سب کو دین کا علم حاصل کرنے والا، اس کی امداد اور معاونت کرنے والا بنائے اور ہم سب کو اِخلاص سے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

الخطبة السادسة

امتحان کی تیاری اور فکر آخرت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز حاضرین اور عزیز طلباء! آپ حضرات ہر پیر کو جو حضرات اس کے اہل ہیں، ان سے اس موضوع سے متعلق سنتے رہتے ہیں اور ماشاء اللہ اس پر عمل بھی کرتے ہیں اور چند روز پہلے بھی بیان ہوا وہ بھی آپ حضرات نے سن لیا، حکم تھا اس لیے تعمیل کے لیے بیٹھ گیا ہوں۔

دنیوی امتحان کی تیاری سے ایک اہم سبق

اگرچہ امتحان کا زمانہ ہے آپ حضرات بھی امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں، یہ امتحان جس کی تیاری میں آپ مصروف ہیں اور سال میں تین مرتبہ امتحان کی تیاری میں اپنے کھانے، پینے، سونے اور راحت و آرام کی قربانی دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ سوچ اور سمجھ لیں کہ یہ امتحان جس میں صرف ایک ناکامی سے بچنے کے لیے ہم اپنی راحت و

آرام کو قر ن کرتے ہیں اور طلباء کو اَ آپ دیکھیں کہ کس طرح ساری ساری رات جاگتے ہیں، کس طرح کتابوں کو قرآنِ کریم کی طرح رٹتے ہیں، صرف اس لیے کہ تختۂ سیاہ پ کام نہ لکھا جائے، صرف اس لیے کہ ہم عملی پوز حاصل کرکے د وی ا م کے مستحق بن جا ، صرف طلباء ہی کو نہیں بلکہ ہر شخص کو سوچنا چاہیے کہ یہ جو امتحا ت آتے ہیں یہ حقیقت میں اس ڑے امتحان کو ی د دلانے والے ہیں کہ جو ز گی میں ا ی ہی مرتبہ آئے گا، ایسا امتحان کہ اس میں اَ ا ی شخص کام ہو ی تو پھر ساری ز گی اس کو کامیاب ہونے کا موقعہ نہیں ملے گا۔

آ ت کے امتحان میں کامی کا ا م

د میں تو آپ ا ی سال کام ہو جا کوئی ت نہیں اگلے سال کامیاب ہو جا گے، اس میں بھی اَ کام ہو گئے تو اس کے بعد کامیاب ہو جا گے، ز دہ سے ز دہ اتنا ہوگا کہ تختۂ سیاہ پ آپ کا م لکھ د جائے گا کہ آپ کام ہیں، لیکن آپ کا روم سیاہ نہیں ہوگا، آپ کا چہرہ جیسا ہے ویسا ہی رہے گا، لیکن وہ جو ا ڑا امتحان آنے والا ہے اور وہ امتحان آ ت کا امتحان ہے اس میں اَ کوئی شخص (اللہ محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو بچائے)، ا ی مرتبہ اَ کام ہو ی تو پھر یہ نہیں ہے کہ م صرف تختۂ سیاہ پ آئے گا بلکہ روم سیاہ ہو جائے گی‘‘

’’وہ کیا دن ہوگا؟ آپ کو تین مہینے چھ مہینے اور نو مہینے دیئے جاتے ہیں، امتحان کی تیاری کرلو کہ تختۂ سیاہ پ کام نہ ہوں، اللہ جل شانہ نے ہر شخص کو تیس سال، چالیس سال، پچاس سال، ساٹھ سال، ستر سال، سو سال اس ت کے لیے دیئے ہیں کہ دیکھو د کھیتی ہے،‘‘ ’’یہ آ ت کی کھیتی ہے، تیاری کرلو محنت کرلو، اِمتحان آنے والا ہے اور پھر وہ اِمتحان ایسا شد امتحان ہوگا اور ایسا امتحان ہوگا کہ اس میں جو کامیاب ہو ی تو‘‘ ’’وہ ایسے خوش نصیب ہوں گے، ایسے خوش نصیب ہوں گے کہ ان کے چہرے چودھویں رات کی طرح

چمکتے ہوں گے اللہ جل شانہ کا دیدار نصیب ہوگا لیکن العیاذ باللہ اگر ساری زندگی جو انسان کو دی گئی اس میں اس نے محنت نہیں کی اور اس دنیا کی زندگی میں جو کھیتی لگانا چاہتے تھے اور اس نے نہیں لگائی پھر'' '' کیا ہوگا'' و

''چہرے سیاہ ہوں گے،'' ر ی ہوں گے اور وہ روسیاہی ایسی ہوگی، ایسی ہوگی کہ پھر وہ ساری زندگی ختم نہیں ہوگی۔

اللہ جل شانہ آپ کو اور ہمیں سب کو اس ناکامی سے، اس رسوائی سے، اس ذلت سے بچائے۔

آخرت کے امتحان کی تیاری

عرض یہ کر رہا تھا کہ آپ کے امتحان کا زمانہ ہے، آپ امتحان کی تیاری میں مصروف ہیں تو جو آپ محنت اس دنیاوی امتحان یا اس دنیاوی امتحان کی کامیابی کے لیے صرف کرتے ہیں، ذرا سی گردن جھکائیے، گریبان میں منہ ڈالیے اور یہ سوچیے کہ کیا ہم نے اس آخرت کے امتحان کے لیے کوئی تیاری کی؟ ہم اس دنیاوی امتحان کے لیے راتوں رات بھر جاگتے ہیں، ساری رات جاگ کر امتحان کی تیاری کر کے یہ چاہتے ہیں کہ پرچہ میں کامیاب ہو جائیں لیکن جو اصل ہمارا امتحان آنے والا ہے کیا اس کے لیے کبھی ایک رات بھی قربان کی؟ رات تو چھوڑیئے، آدھی رات بھی قربان نہیں کی؟ اللہ جل شانہ نے پانچ وقت کی نماز فرض کی اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے یہ فرمایا کہ جو شخص عشاء کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے تو ایسا ہے گویا کہ اس نے آدھی رات عبادت کی اور جو شخص فجر کی نماز جماعت سے پڑھتا ہے تو وہ ایسا ہے گویا اس نے پوری رات عبادت کی۔ آدھی رات عشاء کی نماز اور آدھی رات صبح کی نماز جو پڑھی، اس کی تو گویا اس کو پوری رات جاگنے کا ثواب اللہ کی طرف سے تو رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے کہ آؤ عشاء کی نماز پڑھو ہمارے در پر سر جھکاؤ ہم تمہیں آدھی رات کا ثواب دے دیں گے۔

الخطبة السابعة

تربیت اولاد اور والدین کی ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر انسان کی ذمہ داری

محترم حاضرین اور عزیز طلباء! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کا جو ٹکڑا میں نے آپ حضرات کے سامنے ابھی پڑھا ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اپنی ذمہ داری یاد دلائی ہے، ہر وہ جو انسان ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ جل شانہ نے عقل دی ہے، ہر وہ شخص جس کے زیر کفالت کوئی بھی چھوٹے بڑے افراد ہوں ان کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان کا فریضہ یاد دلایا اور ان کو اپنا مقام اور مرتبہ سمجھایا کہ تم کیا ہو؟ تمہارا فریضہ کیا ہے؟ تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ تم کیا کر رہے ہو اور تمہیں کیا کرنا چاہیے؟ عام طور سے انسان اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے یا اپنے مقصد کو سمجھتا ہی نہیں اگر کسی کو اپنا مقصد معلوم ہو۔ تو پھر راہِ راست پر ہوتا ہے اور اگر مقصد معلوم نہ ہو تو بھٹکتا رہتا ہے۔

اولاد کی تربیت

چھوٹے بچوں کو آپ نے دیکھا ہوگا جو چھوٹے بچے اپنے والدین کی تربیت سے محروم ہوتے ہیں وہ گلیوں میں آوارہ گردی کرتے پھرتے رہتے ہیں اور ان کو کوئی سمجھانے والا ہی نہیں ہے کہ تم گھر سے باہر نکلے ہوئے ہو تمہارا کام کیا ہے، تمہارے پاس جو وقت ہے وہ تمہیں کس میں صرف کرنا چاہیے اور ان میں اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے فائدہ اور نقصان کو سمجھیں، اگر والدین اپنے بچوں کو یہ بتلائیں کہ دیکھو! تم انسان ہو اور تم اپنے اوقات کو اس طرح خرچ کرو جس طرح انسان یا عقل مند خرچ کیا کرتا ہے تو پھر یہ بچے ایک سیدھی لائن پر پڑ جاتے ہیں، چنانچہ جو والدین اپنے بچوں کو گھر سے مدرسہ یا مسجد بھیجتے ہیں کہ جاؤ جا کر قاعدہ پڑھو، قرآنِ کریم پڑھو، قرآن حفظ کرو، تو بچے پابندی سے صبح اور شام مدرسہ یا مسجد جا کر قرآن پڑھتے ہیں اور جن بچوں کے والدین ان سے یہ کہتے ہیں کہ تمہیں کما کر لانا ہے وہ کسی دکان پر بھیج دیا کرتے ہیں کسی اور کام کاج میں کارخانہ وغیرہ میں لگا دیا کرتے ہیں، وہاں چلے جاتے ہیں وہاں جا کر دو چار دس پانچ بیس روپیہ کما کر لے آتے ہیں، وہ بھی ایک مقصد ہے، یہ بھی ایک مقصد ہے۔

بہترین والدین کون ہیں

والدین وہ ہیں جو اپنے بچوں سے دنیا کمانا نہیں چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اُن کا عقیدہ درست ہو ان کے بچے واقعتاً صحیح معنوں میں ان کے بچے بنیں اور صحیح معنوں میں اللہ کے بندے بنیں وہ تو ان کی تربیت میں قرآنِ کریم کی تعلیمات کو ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ بچے وقتی طور پر بظاہر کما کر نہیں لاتے ہیں، اُن کے والدین کو وقتی طور پر روپیہ پیسہ کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن ان کے والدین کو جو نعمت حاصل ہو رہی ہے، ان کے والدین کو جو دولت مل رہی ہے، اس دولت کا اندازہ وہ نہیں کرسکتے جو اپنے بچوں کو دکانوں پر ملازم رکھواتے ہیں، کارخانوں میں ملازم رکھواتے ہیں، گھروں میں بھیج کر گھر کی صفائی یا برتن دھلواتے ہیں وہ اس کا اندازہ نہیں کرسکتے، بہرحال وہ بھی اپنے بچوں کو کسی نہ کسی کام

میں لگا دیتے ہیں اور وہ بھی کچھ نہ کچھ کماتے ہیں چاہے وہ دنیوی کمائی ہی کیوں نہ ہو۔

اولاد کی طرف سے غفلت برتنے کا نتیجہ

لیکن ایک تیسری جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے بچوں کی طرف سے بالکل غافل ہیں نہ ان کو دین کے کام میں لگاتے ہیں نہ دنیوی کام میں لگاتے ہیں، باپ اپنے کام پر، ماں اپنے کام پر لگ گئی، بچے کا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ گلیوں میں پھرتے رہے، اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کرتے رہے، ذرا بڑا ہوا تو آوارہ گردی میں لگ جاتے ہے، یہ بڑی بری بات ہے، ایسے بچے عام طور سے نہ دین کے ہوتے ہیں، اور نہ وہ اپنے ہوتے ہیں، وہ جس طرح اپنے گھر بار، اپنے خاندان، بہن، بھائیوں اور دین وایمان کے دشمن ہوتے ہیں، اسی طرح اپنی ذات کے بھی دُشمن ہوتے ہیں، پہلے زمانہ میں تو ذرا اس کا اظہار کم ہوا کرتا تھا لیکن آج کل آپ نے دیکھا ہوگا، گلی کوچوں میں کتنے اس طرح کے بچے اور بڑے ہیں جو کہ منشیات کے چکر میں پڑ کر خود اپنے کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے بھی دُشمن ہیں کہ اپنے آپ کو ہلاکت کے غار میں دھکیل رہے ہیں، اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں ڈال رہے ہیں لیکن ان کو یہ پتہ نہیں ہے کہ ہم کہاں جارہے ہیں یہ قصور اُن کے والدین کا ہے کہ والدین نے اُن کی تربیت نہیں کی، والدین نے ان کو راہِ راست پر لگانے کی کوشش نہیں کی، نتیجہ یہ نکلا کہ والدین کے لیے بھی وہ وبال بنے، عزیز ورشتہ داروں کے لیے بھی وبال بنے اور قوم کے لیے بھی وبال بنے اور اپنے لیے بھی اپنی تباہی کا اپنے ہاتھوں سے اسباب وسامان پیدا کرنے والے بنے۔ لیکن اس کا اگر کوئی مسئول ہے تو سب سے پہلے اس کا وہ باپ ہے جس کو اس کا مکلّف بنایا گیا وہ ماں ہے جس کو اس کا مکلّف بتایا گیا، وہ بڑا بھائی ہے جس کو اس کا مکلّف بنایا گیا، وہ قوم اور قبیلہ کا سربراہ ہے جس کو ان کی دیکھ بھال کا مکلّف بنایا گیا۔

جو جیسا کرتا ہے دنیا میں اس کو ویسا ہی ملتا ہے

بہرحال جو جیسا کرتا ہے دنیا میں دستور یہ ہے کہ دنیا میں اس کو ویسا ہی ملتا ہے،

اِ ن اَ اچھائی اور خیر کا کام کرتا ہے تو اُس کا اچھا م پ تا ہے، . ائی اور ہ کرتا ہے تو اس کا . اا م اس کو حاصل ہوتا ہے تو جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی اس کو د میں ملتا ہے، آ ت میں جو صلہ ملے گا آ ت میں جو ا م ہوگا وہ اس کے علاوہ ہوگا، آ ت میں جو اس کا . لہ ملے گا وہ اس . کے علاوہ ہوگا، اس لیے والدین کو اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہیے۔

اولاد اللہ کی اما ہے

اور والدین کو یہ . د رکھنا چاہیے کہ یہ بچے اور یہ اولاد جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے یہ آپ کے پ س ا . اما ہے اور امین کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اما میں خیا نہ کرے جس نے اما رکھوائی ہے اس کی اما کو اسی طرح استعمال کرے جس طرح اس نے استعمال کرنے کا حکم د . اور وہ اما دار امین ہوتا ہے کہ جو اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کرتا جو اس اما کے رکھوانے والے کی مرضی کے خلاف ہو، ایسا شخص د میں بھی کامیاب ہوتا ہے، د کے لوگوں کی میں بھی . عزت ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ کے یہاں بھی وہ . عزت ہوتا ہے لیکن جو اس میں خیا کرتا ہے د میں لوگ اسے دھوکہ . ز کہتے ہیں، خائن کہتے ہیں، . کار کہتے ہیں، . معاملہ کہتے ہیں، یہ بچے جو اللہ جل شانہ نے آپ کو اما کے طور پ دیئے ہیں، آپ کا یہ فریضہ ہے کہ ان کے دین و ایمان کی حفاظت کریں، ان کے اوقات کی حفاظت کریں، ایسا نہ ہو کہ آپ اس سے غفلت . تیں اور یہ بچے دین اور ایمان سے دور ہو کر آپ کے لیے بھی و . ل جان بنیں اور اپنے لیے بھی مصیبت و تباہی کا ذریعہ بنیں۔

اولاد کو . سے پہلے کیا سکھا چاہیے

اِس لیے بچوں کی . ت کے سلسلہ میں . دی . ت یہ . د ر چاہیے کہ جیسے ہی بچہ اس قابل ہو کہ وہ ز . ن سے اللہ جل شانہ کا م اور کلمہ وغیرہ پ ڑھ سکے تو اس کو اس کی تعلیم دی جائے اور پھر . اس قابل ہو جائے کہ مسجد اور مدرسہ میں بیٹھ سکے تو اس کو

مسجد اور مدرسہ میں بھیج کر اس کی گھٹی میں قرآنِ کریم کی تعلیمات کو ڈالنا چاہیے، یاد رکھیے جو والدین اپنے بچے کی گھٹی میں قرآنِ کریم کی تعلیمات کو ڈالتے ہیں، ان شاء اللہ وہ بچہ آئندہ چل کر گمراہ نہیں ہوگا، وقتی طور پر کسی وجہ سے وہ بھٹک تو سکتا ہے لیکن فوری وہ اپنے دین و ایمان اور مذہب کی طرف لوٹ آئے گا جو اس کی اصل گھٹی میں پڑا تھا، اس مقصد کی طرف لوٹ آئے گا جو مقصد اس کے والدین نے اس کے ذہن میں بسایا تھا اپنے قول سے بھی، اپنے فعل سے بھی، اپنے کردار سے بھی اور اپنی نشست و برخاست سے بھی اس لیے بچوں کو دینی مدارس اور دینی تعلیم گاہوں میں بھیج کر اپنے اس فریضہ کو ادا کرنا چاہیے اور اپنے اس فریضہ سے سبکدوش ہونا چاہیے۔ یہ ہمارا ان پر احسان نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے ہم اگر یہ کریں گے تو اللہ جل شانہ کے ان انعامات اور احسانات کا شکریہ ادا کریں گے جو اللہ جل شانہ نے ہمیں ان پھولوں کی شکل میں عطا فرمائے۔

والدین مالی کے مانند ہیں

یہ بچے اور بچیاں اللہ کی طرف سے انعام ہیں، یہ وہ پھول ہیں جو اللہ جل شانہ نے اس گھرانے میں کھلائے ہیں، جو گھرانہ آباد ہوتا ہے، لیکن اگر وہ گھرانہ ان پھولوں کی دیکھ بھال نہیں کرے گا تو اس کا حشر بالکل وہی ہوگا جیسے مالی اگر اپنے کھیت اور اپنے باغ کی رکھوالی نہ کرے، اس کو پانی نہ دے، اس میں کھاد نہ ڈالے تو وہ پھول مرجھا جاتے ہیں، اس کی کونپلیں ختم ہو جاتی ہیں اور آہستہ آہستہ پتے بھی جھڑ کر سوائے ڈنڈیوں کے اور کچھ نہیں رہتا، یہ ہمارے پھول یہ جگر گوشے جو اللہ جل شانہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا کیے ہیں، یہ اسی کی مہربانی ہے اس میں ہمارا آپ کا کوئی کمال نہیں ہے۔

بے اولاد لوگوں کا حال

آپ نے دیکھا ہوگا کہ کتنے ماں باپ ایسے ہوتے ہیں جو ساری عمر اولاد کے لیے ترستے رہتے ہیں، لاکھوں دعائیں کرتے ہیں، ہزاروں قسم کے علاج کرتے ہیں، بہت کچھ کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اولاد سے محروم رہتے ہیں۔

کثرتِ آبادی کے خلاف اسکیمیں

اور اللہ جل شانہ جن کو اولاد دینا چاہتا ہے اور ماشاء اللہ ایسی ہوتی ہے تو پھر حکومتوں کو اسکیمیں بنانی پڑتی ہیں کہ بھائی مسئلہ بند کرو، آبادی میں اِضافہ ہو رہا ہے، خاندانوں میں اِضافہ ہو رہا ہے، ملک تنگ پڑ جائے گا، غلہ کم ہو جائے گا، عقلیں ماری گئی ہیں، تم خود کیا کرتے ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو کھلا پلاتے ہو؟ جو تمہیں قوم اور اس کی فکر پڑ گئی؟ بھائی جو تمہیں دے رہا ہے وہ ساری قوم کو دے گا جو آتا ہے اپنی قسمت لے کر آتا ہے، تم کیوں پریشان ہو؟ پریشان اس لیے ہیں کہ غیروں کے دستِ نگر بنے ہوئے ہیں، پریشان اس لیے ہیں کہ خدا کی ذات پر اعتماد نہیں ہے، بلکہ یورپ اور امریکہ پر اعتماد ہے، ان کو خدا سمجھا ہے، ان کو رزّاق سمجھا ہے، ان کو مشکل کشا سمجھا ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا، تمہارے آباء واجداد کو دیا اور اللہ جل شانہ سارے عالم کو دے رہے ہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ہم ان کی قدر نہیں کرتے، یہ ہمارا کوئی کمال نہیں ہے، اللہ کا احسان ہے، اللہ جل شانہ کی نعمت ہے کہ اللہ جل شانہ ہمیں گھر بیٹھے یہ جگر گوشے فرماتے ہیں، اب ہم اگر ان جگر گوشوں کی دیکھ بھال نہیں کریں گے، ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام نہیں کریں گے، تو یاد رکھیے پھر اس باغ پر خزاں آئے گی، یہ پھول بجائے کھلنے کے مرجھا جائیں گے، یہ وہ جگر گوشے ہیں جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، یہ ہمارے لیے ناسور بن جائیں گے، یہ ہمارے لیے ایذاء اور تکلیف پہنچانے کا ذریعہ بنیں گے۔

یورپ اور امریکہ کے نونہالوں کا حال

اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے بلکہ یورپ اور امریکہ کو دیکھ لیجیے، ان لوگوں کو جو تہذیب وتمدن اور ترقی کے چیمپئن ہیں، ان کے یہاں ان کے نونہال کیا بنے ہوئے ہیں، یورپ اور امریکہ بھی اپنے نونہالوں کی وجہ سے پریشان ہیں کہ نونہال جو ہیں ان

کی مرضی پر نہیں چلتے، نونہال خود مختار ہیں، نونہال ایسی ایسی حرکتوں میں مبتلا ہیں کہ وہاں ذراسی عقل و دانش رکھنے والے بھی پریشان اور حیران ہیں کہ ہم اپنے ان نونہالوں کو کس طرح نونہال بنائیں، یہ تو ہمارے لیے وبال بن گئے اور وہ وبال اس لیے بنے ہیں کہ انہوں نے ان کو شتر بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا۔ اگر ہم بھی اپنے ان نونہالوں کی قدر نہیں کریں گے، اللہ کا شکر ادا نہیں کریں گے تو پھر اللہ نہ کرے کہ وہ وقت ہمارے یہاں بھی آ جائے، ہم بھی پریشان ہوں ہم بھی اپنا سر پیٹتے ہوں اور اس وقت ہمارے پاس سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہیں ہوگا، جو حال اُن کا ہے وہ حال ہمارا بھی آہستہ آہستہ ہوتا جارہا ہے۔

بچوں کے لیے تباہی کا سامان

ماں باپ بڑے خوشی خوشی گھروں میں لاکر ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں، وی سی آر دیکھتے ہیں اور بڑے ہنسی خوشی اپنے ساتھ بٹھا کر اپنے بچوں کو یہ تباہی کا سامان دکھاتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر وہ ان کے باغی بن جاتے ہیں اور پھر نہ بیٹا ان کے قابو میں نہ بیٹی ان کے قابو میں، ان کو راہِ راست پر لانا بھی چاہتے ہیں تو وہ راہِ راست پر نہیں آتے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ابا جان پاگل ہوگئے، ہماری ماں تو بے وقوف ہے، دیکھو ترقی کے خلاف ہے آج تو ترقی کا دور ہے اس میں ہمیں یہ کرنا چاہیے وہ کرنا چاہیے اور پھر یہ اور وہ کر کے وہ ایسے گڑھے میں گرتے ہیں، ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ نہ باپ منہ دکھانے کے قابل، نہ ماں منہ دکھانے کے قابل اور اولاد کا جو ہونا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے اس لیے اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کیجیے۔

اہل مدارس کا شکریہ ادا کیجیے

ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کیجیے جو آپ کے ان نونہالوں کو صحیح راستہ پر لانے کے لیے، ان کی دینی، ایمانی اور اخلاقی تربیت کے لیے دین کے ان مراکز کو قائم کیے ہوئے ہیں، جہاں نونہالوں کو قرآن کی تعلیمات سے آشنا کیا جاتا ہے، جہاں ان بچوں کو صحیح

معنوں میں بچہ، صحیح معنوں میں انسان اور صحیح معنوں میں مسلمان بنایا جاتا ہے۔

اہل مدارس کے ساتھ معاونت کیجئے

ان کے ساتھ معاونت کیجئے، اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بھیج کر ان کے ساتھ امداد کیجیے، مالی خدمت کر کے ان کا ہاتھ بٹائیے تاکہ وہ جو آپ کے حقیقی محسن ہیں، فارغ البالی سے اپنے اس فریضہ کو انجام دے سکیں، آپ کے ان نونہالوں کو مستقبل کا معمار بنا سکیں، آپ کے ان بچوں کو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا سکیں اور پھر آپ بھی اپنے گھروں میں خوش حال اور مطمئن ہوں اور یہ حضرات بھی اپنے اپنے اداروں میں مطمئن اور خوش حال ہوں اور یہ معلوم ہو کہ واقعی یہ تعلیم گاہ ہے۔

مدرسہ امن کا گہوارہ ہے

مدرسہ امن کا گہوارہ ہے یہ اخلاق بگاڑنے کی جگہ نہیں، یہ بچوں کے ہاتھ میں بندوق، پستول اور خنجر دینے کی جگہ نہیں، بلکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اگر خنجر دیا جاتا ہے تو کافروں کے پیٹ چاک کرنے کے لیے، یہ وہ جگہ ہے جہاں اگر قوت پہنچائی جاتی ہے تو ایمان کی قوت وطاقت پہنچائی جاتی ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں اگر مجاہد بنائے جاتے ہیں تو دشمن کی سرکوبی کے لیے بنائے جاتے ہیں، یہاں کے بچے، یہاں کی تعلیم حاصل کرنے والے قوم کے لیے، ملک کے لیے، اپنے اہل محلّہ کے لیے، علاقہ والوں کے لیے رحمت بنتے ہیں، اور ان کو دیکھ کر ان کے بڑے یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ فرشتے ہیں جو انسانی شکل میں روئے زمین پر چل رہے ہیں۔

جو خود بویا تھا وہ کاٹنا پڑ رہا ہے

یاد رکھیے! اگر آپ اپنے اس فریضہ کو ادا کریں گے تو آپ کے بچے زمین پر چلنے والے فرشتوں کی مانند ہوں گے اور اگر اس سے غفلت برتی، اس سے اِعراض کیا تو پھر یہ بچے وہ شیاطین بنیں گے جو شیاطین آج یورپ اور امریکہ میں گلی گلی کوچوں کوچوں میں پھر رہے ہیں نہ ان کو کوئی پکڑنے والا، نہ ان کو کوئی کچھ کہنے والا اور نہ ان کو کوئی روکنے

اور ٹوکنے والا ہے سب پریشان ہیں، حکومت بھی پریشان، اسکول، کالج اور یونی ورسٹی والے بھی پریشان، پولیس اور امن قائم کرنے والے ادارے بھی پریشان، لیکن کیا کریں جو گڑھا خود کھودا تھا اور جو بیج خود بویا تھا وہ کانٹا پڑ رہا ہے، اِس لیے دوسروں سے عبرت حاصل کیجیے۔

اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوں

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کو اپنائیے اور اپنے اس فریضہ کو جو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس حدیث کے ذریعہ بیان کیا، فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے، نگہبان ہے، رکھوالا ہے اور اس سے اس کی رعایا، ماتحتوں اور زیر کفالت افراد کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اس پر عمل کیجئے اور اس پر عمل کرکے اپنے آپ کو اس عہدہ سے عہدہ برآ کیجیے، تاکہ عند اللہ بھی آپ سرخ رو ہوں اور عند الناس بھی سرخ رو ہوں، دنیا میں بھی آپ کو راحت، امن اور سکون ملے اور جب آپ قبر میں جائیں تو وہاں بھی راحت، اطمینان اور سکون کے ساتھ سو سکیں اس لیے کہ آپ نے اپنے فریضہ کو ادا کیا ہوگا، اللہ جل شانہ آپ کو، ہمیں اور سب کو اپنے فرائض کو ادا کرنے کی توفیق فرمائے، ہمیں اور آپ سب کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی اولاد کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں اور اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں دین کا مجاہد بنائیں، اللہ جل شانہ ان حضرات کی جو ان اداروں کو قائم کیے ہوئے ہیں، محنت کو قبول فرمائے، برکت دے، غیب سے ان کی مدد فرمائے۔

الخطبة الثامنة

دین داری کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم علماء کرام، حاضرین مجلس اور عزیز طلباء! مغرب کے بعد سے آپ حضرات بڑے علماء، خطباء اور واعظین کے وعظ سے محظوظ ہو رہے ہیں گے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ '' '' کے اعتبار سے کسی بڑے واعظ یا مقرر کا بیان ہوتا لیکن جیسا کہ آج کل ہر چیز میں معاملہ برعکس ہے تو یہاں بھی معاملہ اُلٹا ہی ہوگیا، بہرحال موضوع کی مناسبت سے جس مقصد کے لیے یہ تقریب آپ کے یہاں منعقد ہوئی ہے اور اللہ جل شانہ نے ہمیں بھی اس مبارک مجلس میں حاضر ہونے کی توفیق فرمائی ہے اور آپ حضرات کو بھی مغرب کے بعد سے لے کر اب تک یہاں جو کچھ بیان کیا گیا اس کے سنانے کی توفیق فرمائی ہے، یہ اللہ کا آپ پر اور ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

وقت کی قدر کیجیے

زندگی اِنسان کی گزرتی ہے، وقت گزرتا ہے، اور برف کی مانند عمر پگھلتی رہتی ہے، روزانہ مغرب کی نماز ہوتی ہے، عشاء کی نماز ہوتی ہے اور آپ حضرات کا ہمارا، سب کا وقت صرف ہوتا ہے، سوچنا یہ چاہیے کہ ہم اپنے اوقات کو جو صرف کر رہے ہیں کیا یہ اوقات ہمارے ان کاموں میں لگ رہے ہیں جو ہمیں آخرت میں کام دیں، ان کاموں میں صرف ہو رہے ہیں جو ہمیں دنیا میں فائدہ پہنچائیں، یا یہ کہ ہم بھی اپنے اوقات کو اِدھر اُدھر بیٹھ کر، یہاں وہاں جا کر خانہ پری کر کے وقت کو پاس کر دیتے ہیں؟ وقت ہر طرح گزر جاتا ہے، زندگی جیسے چاہیں آپ گزار لیں لیکن اگر اللہ جل شانہ نے کسی کو عقل

وسمجھ دی ہے تو عقل مند آدمی اپنا وقت ضائع نہیں کرتا، عقل مند کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ہوسکے اپنا وقت قیمتی بنائے، سمجھ دار آدمی کا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے دنیا اور آخرت دونوں کے فائدے کو سامنے رکھے، اگر ہم اپنے فائدے کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ ہم اپنے وقت کو قیمتی بنا رہے ہیں یا ضائع کر رہے ہیں تو اس کے لیے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہم اپنا وقت کن چیزوں میں صرف کرتے ہیں، ہم اپنا وقت اِدھر اُدھر بیٹھ کر فضول باتوں میں ضائع کر دیتے ہیں یا اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر عبادت اور ذکر و تلاوت میں لگاتے ہیں۔

اپنے لمحات کو قیمتی بنائیے

غور کیجیے تو آپ کے سامنے معاملہ کھل کر آ جائے گا کہ چوبیس گھنٹوں میں سے اپنا وقت ہم کتنا عبادت میں خرچ کرتے ہیں، اللہ کی یاد میں لگاتے ہیں، ذکر اور تلاوت میں صرف کرتے ہیں اور کتنا وقت ہم دنیا کے لیے خرچ کرتے ہیں؟ ہر شخص سوچ لے اس کی زندگی کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہے جواب اس کو مل جائے گا کہ میں نے صبح سے لے کر شام تک کیا کیا؟ بہرحال جتنا وقت گزر گیا، جتنی زندگی گزر گئی، گیا وقت آتا نہیں وہ تو گزر گیا، لیکن اب جو اللہ نے ہمیں وقت دیا ہے، اب جو اللہ نے ہمیں زندگی دی ہے تو ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہماری باقی ماندہ زندگی لغویات میں نہ گزرے، فضول ضائع نہ ہو، نہ معلوم کس کی زندگی کے کتنے ایام باقی ہیں، کتنے سال اور کتنے مہینے کتنے گھنٹے اور کتنے منٹ باقی ہیں؟ اس لیے ہمیں جہاں تک ہو سکے اپنے وقت کو قیمتی سے قیمتی تر بنانا چاہیے، اپنے مقصد خلقت کو سمجھنا چاہیے اور مسلمان کو کم از کم مسلمان کی طرح رہ کر زندگی گزارنا چاہیے، مسلمان اپنا وقت کبھی ضائع نہیں کرتا جو واقعتاً سچے پکے مسلمان گزرے ہیں، وہ مرد ہیں یا عورتیں، وہ اپنا ایک لمحہ ضائع نہیں کیا کرتے تھے، وہ کاروبار میں ہوتے تب بھی قرآنِ کریم کی تلاوت یا اللہ کا ذکر ان کی زبان پر ہوتا تھا، وہ چلتے تھے پھرتے تھے تب بھی قرآنِ کریم کی تلاوت یا اللہ کا ذکر ان کی زبان

پر ہوتا تھا، مردوں کو چھوڑیئے، عورتوں کو دیکھ لیجیے، آپ نے بھی اپنے خاندان کی بعض عورتوں کو دیکھا ہوگا اور آپ نے پڑھا ہوگا کہ بعض عورتیں گھر کے کام کاج خود اپنے ہاتھوں سے کرلیا کرتی تھیں، آج کی طرح نہیں ہے کہ برتن دھونے والی خادمہ الگ آرہی ہے اور کپڑے دھونے والی خادمہ الگ آرہی ہے، ایسا نہیں، وہ عورتیں اس کے ساتھ ساتھ دو دو پارے تین تین پارے روزانہ پڑھ لیا کرتی تھیں اور سینکڑوں مرتبہ درود شریف پڑھا کرتی تھیں اور ہزاروں مرتبہ ’’ ‘‘ ان کی زبانوں سے نکلا کرتا تھا۔

والدین کی دیانت کا اثر اولاد پر

اس کا یہ اثر تھا کہ ان کی اولاد واقعتاً اللہ کی بندی بن گئی، اس کا یہ اثر تھا کہ ان کو جو کھانے کو ملتا تھا، جو پہننے کو ملتا تھا اس پر اتنی مرتبہ اللہ کا نام لیا گیا تھا کہ اس کا نور ان کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا، اُن کو نیک اعمال کی توفیق ہوا کرتی تھی، اچھے کاموں میں اُن کا دل لگا کرتا تھا، آج ہمارے مرد ہوں یا عورتیں ہر شخص دنیا کے کھیل کود، ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر میں مصروف ہے۔ نہ باپ کو اللہ اللہ کرنے کی توفیق، نہ ماں کو اللہ اللہ کرنے کی توفیق پھر رونا یہ رویا جاتا ہے کہ اولاد نافرمان ہے، بھائی بھائی کی بات نہیں مانتا، بیٹا باپ کی بات نہیں مانتا، اولاد ماں کی بات نہیں مانتی، کیسے اولاد آپ کی بات مانے گی؟ بیٹی ماں کی بات کس طرح مانے؟ بیٹا باپ کی اطاعت کس طرح کرے؟ جب کہ باپ خود خدا کی اطاعت نہیں کرتا، باپ اور ماں جب خود اللہ جل شانہ کی نافرمانی میں لگے ہوئے ہیں تو ان کی اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی ہے، ان پر ان ہی کا اثر آئے گا، اولاد سب سے پہلے اپنے ماں اور باپ کو دیکھا کرتی ہے، اپنے اساتذہ اور معلّمین کو دیکھا کرتی ہے اور جس رنگ میں وہ رنگے ہوتے ہیں اس رنگ میں وہ رنگ جائے گی۔

بچے اساتذہ اور والدین کے طرز کو اپناتے ہیں

آپ نے دیکھا ہوگا کہ چھوٹا بچہ اگر اسکول میں پڑھنے جاتا ہے تو اسکول کے جو

ماسٹر ہوتے ہیں اُن کے لباس کو پسند کرتا ہے، ان کے اطوار اور طریقوں کو پسند کرتا ہے اور اگر مسجد یا مدرسہ میں جائے گا تو اپنے اساتذہ کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتا ہے، یہ آپ کا روز کا مشاہدہ ہے تو ماں باپ خود اپنے وقت کو ضائع کریں گے اور اللہ جل شانہ کی نافرمانی کریں گے تو پھر یہ بتائیے کہ آپ کی اولاد اگر آپ کی نافرمانی کرتی ہے اور آپ کے حکم کو توڑتی ہے تو پھر آپ کا دل کیوں جلتا ہے؟ آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ آپ کو ان سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟ آپ تو ان کو وقتی طور پر فائدہ پہنچانے والے، ان کی ضروریات کو پورا کرنے والے ہیں لیکن وہ اللہ جل شانہ جس نے آپ کی ساری ضروریات کو پورا کیا اور کر رہا ہے، جس نے آپ کو عدم سے وجود بخشا، کیا آپ نے اس کی بات مانی؟ کیا آپ نے اس کے احکامات کے سامنے سر جھکایا؟ اگر نہیں جھکایا تو یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے، یہ بڑی افسوس کی بات ہے اور اسی کی وجہ سے اولاد میں یہ اثر آرہا ہے۔

بہرحال یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وقت ہے، اب بھی وقت ہے، اب بھی اللہ کی طرف راجع ہو جائے اولاد ٹھیک ہو جائے گی آج شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو، جہاں کے ماں باپ اپنی اولاد سے خوش ہوں، اولاد کی شکایت تو ہوتی ہے، لیکن اپنے بارے میں غور نہیں کرتے کہ اولاد کو خراب ہم نے کیا یا خود خراب ہوگئی؟

والدین کی تربیت کا اثر

ایک صاحب ایک جگہ سے گزر رہے تھے اُنہوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان آدمی ہٹا کٹا اور موٹا تازہ ایک بوڑھے آدمی کو جوتوں سے مار رہا ہے، بڑا غصہ آیا، بڑے لال پیلے ہوئے اور اس کو برا بھلا کہنے لگے، تجھے شرم نہیں آتی ایک بوڑھے آدمی کو کیوں مار رہا ہے؟ اس بوڑھے شخص نے کہا کہ اس کو برا بھلا مت کہو اس کا قصور نہیں ہے، قصور میرا ہے کہ میں نے اپنے باپ کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، تو آج میرے ساتھ بھی یہ سلوک ہو رہا ہے، جیسے باپ نے کیا وہی بیٹا کر رہا ہے، جو باپ کے ساتھ سلوک کیا گیا، وہی

آج اولاد اس کے ساتھ کر رہی ہے، تو ہم اگر اپنے ماں باپ کے فرماں بردار ہوں گے تو اولاد ہماری فرماں بردار ہوگی، ہم اگر اللہ جل شانہ کی بات مانیں گے، ان کے احکامات کو مانیں گے تو اولاد ہماری بات مانے گی، ہم خود اگر نیک ہوں گے، تو ہماری اولاد بھی نیک ہوگی تو ہم اپنی اولاد کو نیک بنانے کے لیے، ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کریں اور ان تدبیروں میں سے ایک سب سے کارگر، سب سے نافع اور سب سے مفید تدبیر یہ ہے کہ ان کی گھٹی میں دین وایمان کو ڈالا جائے، ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا کی جائے، ان کے دل میں قرآنِ کریم اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کی محبت پیدا کی جائے، ان کو شروع ہی سے اللہ کا کلام سکھایا جائے ایسا نہ ہو کہ آپ کا بیٹا دسویں یا گیارھویں میں پڑھ رہا ہو لیکن اس نے قرآنِ کریم کی چند سورتیں بھی نہ پڑھی ہوں، اس لیے کہ جو کتابیں اسکول میں پڑھائی جاتی ہیں، اس کے اثرات پڑھنے والوں پر پڑا کرتے ہیں، اس لیے ایک زمانہ میں ہمارے اکابرین یہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو یہ غیر مسلموں کی کتابیں نہ پڑھنا ان کی کتابیں پڑھو گے تو ان کے اثرات تم میں پیدا ہوں گے، تم صالحین، مسلمان اور نیک لوگوں کی کتابیں پڑھنا تاکہ اُن کے اثرات تمہارے اندر پیدا ہوں، اچھوں کی کتابیں پڑھو گے اچھے بنو گے، بروں کی کتابیں پڑھو گے برے بنو گے، نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھو گے تو نیک بنو گے، بروں کے ساتھ بیٹھو گے تو برے بنو گے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

جیسی نشست و برخاست ہوگی ویسا آپ کا مزاج بنے گا تو اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے نیک اور صالح بنیں تو پھر اس کا آسان طریقہ اور آسان راستہ یہ ہے کہ ان کی گھٹی میں شروع سے ہی قرآنِ کریم کی تعلیمات کو ڈالا جائے، جیسے ہی وہ ہوش سنبھالیں اور زبان سے کچھ بولنے کے لائق ہوں تو اللہ اور اس کے رسول کا نام، کلمہ اور سبحان اللہ اور الحمد للہ ان کی زبان پر ڈالا جائے آپ دیکھیں گے کہ اگر آپ نے یہ کیا تو

کل کو یہ بچے آپ کے لیے رحمت کا ذریعہ بنیں گے، آپ کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنیں گے، ان سے ان شاء اللہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی، وہ ماں باپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ جو اپنی اولاد کو صحیح راستہ پر ڈالتے ہیں اور اس طرح اپنی ذمہ داری اور فریضہ کو پورا کرتے ہیں، یہ بچے جو آپ کے پاس اللہ جل شانہ کی ایک امانت ہیں، ان بچوں کو صحیح راستہ پر لانا اور ان کو دین کی تعلیم دینا یہ آپ کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا فریضہ ہے، اگر آپ نے اس فریضہ کو پورا کیا تو آپ اللہ جل شانہ کے یہاں سرخرو ہوں گے اور آپ کی اولاد آپ کی فرماں بردار ہوگی اور اگر آپ نے اس فریضہ کو پورا نہیں کیا تو قیامت کے روز یہی اولاد آپ کا گریبان پکڑے گی اور قیامت تو خیر بعد کی بات ہے، اب دنیا میں بھی آپ دیکھتے ہوں گے کہ اولاد ماں باپ کا گریبان پکڑتی ہے اور قتل تک نوبت آجاتی ہے، ڈنڈوں سے مارتی ہے، گھر سے نکال دیتی ہے، یہ ساری چیزیں آج آپ کی اور ہماری، سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

ترقی و روشن خیالی اخلاق کی قاتل ہے

ہمارے یہاں تو اس طرح کے واقعات کم ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بڑا ترقی یافتہ اور تہذیب وتمدن کا سربراہ کہتے ہیں اُن کے ہاں تو یہ چیز بڑی عام ہے، اولاد باپ اور ماں کی جگہ ہوتی ہے اور ماں باپ بچوں کی جگہ ہوتے ہیں۔ باپ بیٹے کو تنبیہ نہیں کرسکتا، باپ بیٹے کو مار نہیں سکتا، باپ بیٹے سے اپنی مرضی سے کام نہیں کراسکتا، بیٹا جو چاہے گا وہ کرے گا کیونکہ اس لیے کہ ان کی ترقی اور تہذیب کا مدار اسی بات پر ہے کہ ہر شخص خود مختار ہے جو چاہے کرتا رہے لیکن مسلمان ایسا نہیں ہوتا، مسلمان کسے کہتے ہیں؟ مسلمان اسے کہتے ہیں جس کا کوئی کام بھی اپنی مرضی سے نہیں ہوتا، وہ ہر کام کو اس طریقے سے کرتا ہے جس طریقے سے کرنے کا اس کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم دیا ہے اس کا ہر کام اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، وہ سوتا ہے تو اللہ کے حکم کے مطابق سوتا ہے، اُٹھتا ہے تو اللہ کے حکم کے مطابق اُٹھتا ہے، سخت سردی پڑ رہی ہے، مؤذن کھڑے

ہوئے: دل کہتا ہے کہ بھائی ابھی تو وقت ہے سو جاؤ! حدیث میں آتا ہے، شیطان تھپکی دیتا ہے اور کہتا ہے'' ''پڑے سو جاؤ ابھی اُٹھ کر کیا کرو گے ابھی تو بہت رات باقی ہے، پھر اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے پھر تھپکی دیتا ہے، ارے پاگل ہوا ابھی تو موذن نے آدھا گھنٹہ پہلے اذان دی ہے، پانچ منٹ پہلے چلے جانا نماز پڑھ لینا، وہ یوں کر کے سلا دیتا ہے اور اس کے بعد جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوا سات بج گئے، شیطان کہتا ہے چل بیٹا ٹھیک ہے حدیث میں آتا ہے''

''شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے کہ تو اس قابل ہے کہ اللہ کو نہیں مانتا تو تو میرے پیشاب میں ہے۔ حدیث میں آتا ہے جب وہ اُٹھتا ہے''

''سست، کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا ہے، نماز پڑھنا تو در کنار کاہل اور بگڑا ہوا مزاج لیکن اگر اللہ کا بندہ ہوتا ہے تو شیطان کہتا ہے''

''وہ کہتا ہے چلے جا اپنا کام کر بہت سو لیا، سونا تو قبر میں ملے گا، دُنیا سونے کی جگہ نہیں، مسلمان جاگنے کے لیے پیدا ہوا ہے، مسلمان ہر وقت جاگتا ہے۔

مسلمان کا سونا جاگنا عبادت ہے

مسلمان صرف اتنا سوتا ہے کہ اس سونے کے بعد نشاط اور اس قوۃ کے سامنے جو سونے کے بعد حاصل ہوتی ہے عبادت کر سکے، سونا اس کا مقصد نہیں ہوتا، اس کا سونا عبادت کے لیے ہوتا ہے اس لیے حدیث میں آتا ہے کہ ا ن سوتا ہے عبادت کے لیے تو سونے پر بھی ا ن کو اجر ملتا ہے، کھانا کھاتا ہے تو کھانے پر بھی اجر ملتا ہے، پیتا ہے تو پینے پر بھی اجر ملتا ہے آپ چاہیں اسی کھانے کو پینے کو، سونے کو عبادت بنا لیں اور چاہیں تو'' ''(یعنی وہ جانوروں کی طرح کھاتے ہیں) ان کی طرح ہو جائیں چاہیں تو ویسے بن جائیں جیسے آپ نے دیکھا ہوگا گائے جا رہی ہے اِدھر منہ مارا اُدھر سے کھا لیا، اِدھر منہ مارا اُدھر سے کھا لیا، میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مسلمان اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا، اس کا کھانا بھی اللہ کے حکم کے مطابق، پینا بھی اللہ

کے حکم کے مطابق، سونا بھی اللہ کے حکم کے مطابق، ابھی سویا ہے رات کو چار بجے آنکھ لگی ہے اور اِدھر سے اللہ اکبر کی آواز آئی اب بستر اس کے لیے حرام، لحاف اور موٹی رضائی اس کے لیے حرام، اب وہ کہتا ہے میں کیسے لیٹ سکتا ہوں؟ اللہ کی طرف سے منادی آواز دے رہا ہے'' ''کامیابی چاہتے ہو تو اس گھر میں آؤ، اگر تمہیں ترقی چاہیے، کامیابی چاہیے، سرخروئی چاہیے تو''

''چنانچہ اس پر مسلمان اُٹھ جاتا ہے، شیطان چیختا ہے، ہے، واویلا کرتا ہے کہ یہ کیسا آدمی ہے، اس نے میری بات نہیں مانی؟ اب اُٹھتا ہے تو اُٹھتا ہے بڑا ، چاک و چوبند اور خوش و خرم ہو کر اُٹھتا ہے، سارا دن اس کا مبارک ہوتا ہے۔

مسلمان کا ہر لمحہ اللہ جل شانہ کے تابع ہے

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مسلمان اپنی مرضی کا مالک نہیں ہوتا، مسلمان اسے کہتے ہیں جو ہر حالت میں، ہر موقعہ پر اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو تلاش کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو جو عمر دی، آپ کو جو اولاد دی ہے، اگر ہم یہ چاہیں کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل ہو، دنیا میں بھی راحت اور سکون ملے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں تو اس کے لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کو اپنائیے، صبح اُٹھیے تو قرآنِ کریم کی تلاوت سے اپنے دِن کی اِبتداء کیجیے، بچوں کو سے پہلے قرآنِ کریم کی تعلیم دلائیے، یہ بچے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کریں گے جتنا قرآن شریف پڑھیں گے، اور جتنا پڑھتے رہیں گے، کا اجر جتنا ان کو ملے گا آپ کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا، اگر آپ نے ان کو صحیح تعلیم دے دی تو یہ اولاد آپ کے لیے آپ کے مرنے کے بعد صدقہ جاریہ بنے گی، جتنے نیک کام کرتے رہیں گے ان کو بھی پورا کا پورا ثواب ملتا رہے گا اور آپ کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جاتا رہے گا، آپ قبر میں پڑے ہوں گے اور آپ کو ثواب ملتا رہے گا اور اگر اس سے آپ نے غفلت برتی، اپنی اولاد کو لاابالی پن سے یوں ہی چھوڑ دیا، اُن کو دنیوی تعلیم میں لگا کر

قرآن اور حدیث کی تعلیم سے آپ نے روشناس نہیں کرایا تو پھر یہ آپ کے لیے وبال ہے، دنیا میں بھی وبال بنے گی جیسے آج کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور آخرت میں بھی بہت بڑے وبال کا ذریعہ بنے گی، اولاد جتنے گناہ کرے گی، جتنی نافرمانیاں کرے گی، قبر میں جتنا اُن کو گناہ ملے گا اتنا آپ کو بھی گناہ ملے گا، اِس لیے کہ آپ نے ان کی صحیح تربیت کیوں نہیں کی؟ آپ ذمہ دار تھے، مسئول تھے، آپ نے ان بچوں کی صحیح تربیت نہیں کی، آپ نے غلط راستہ پر ڈالا تو وہ گناہ گار تو ہوں گے ہی آپ بھی گناہ گار ہوں گے۔

قابل مبارک باد والدین

اِس لیے خوش نصیب ہیں وہ بچے اور مبارک باد کے مستحق ہیں وہ ماں باپ جو اپنے بچوں کو اللہ کے گھر میں بھیج کر، دینی مدارس میں بھیج کر اُن کی گود میں قرآنِ کریم کو ڈالتے ہیں اور صد قابل مبارک باد ہیں، وہ حضرات جو اپنے بچوں کو قرآنِ کریم کا حافظ بناتے ہیں، یہ بچے جو قرآنِ کریم کے حافظ بنے ہیں، یہ اللہ کے بڑے مقرب بندے ہیں، ان کے والدین اللہ کی رحمت کے بڑے مستحق ہیں، ان میں حضرات کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو جیسے قرآنِ کریم کے الفاظ کا حافظ بنایا ہے اسی طرح قرآنِ کریم کے معانی کا بھی حافظ بنائیں، اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کا بھی، صرف الفاظ کے حافظ نہ ہوں، بلکہ ان الفاظ کے ذریعہ سے اللہ جل شانہ بندوں کو جو بتلا رہے ہیں اور بندوں کے لیے جو اپنے احکامات نافذ فرما رہے ہیں، اُن کے بھی جاننے والے ہوں تاکہ یہ قرآنِ کریم ان کے لیے اور ان کی قوم کے لیے صرف الفاظ تک ہی محدود نہ رہے بلکہ مشعل نور بنے، ان کے لیے راہِ ہدایت بنے، ان کی قوم کے لیے ترقی اور سربلندی کا ذریعہ ہو، ایک بچہ بھی اگر کسی قوم میں عالم بن جاتا ہے، قرآنِ کریم اور دین کی تعلیم کا حاصل کرنے والا صحیح معنوں میں بن جاتا ہے تو اپنی ساری قوم کے لیے ہدایت کا اور رہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے، اس کے والدین آخرت میں جو مزے لوٹیں گے وہ تو لوٹیں گے ہی دنیا میں بھی ان

کے لیے رحمت اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے برکات کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مدارس کا نور

وہ بستیاں جن میں اللہ کے گھر قائم ہیں اور جہاں دینی مدارس میں کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ بستیاں اللہ کے نور سے منور ہوں گی، یہ دوسری بات ہے کہ ہم اس کو محسوس نہ کریں، یا یہ ہے کہ ہم اپنے اس بستی میں ان چیزوں کے مراکز عام کرتے ہیں جو اللہ کے حکم کو توڑنے والے ہوں، جہاں اللہ کے احکامات توڑے جا رہے ہوں، اور جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مخالفت ہوتی ہو اور ان کی نحوست کی بنا پر ہم ان کی برکات کو نہ سمجھیں یا اس سے مستفید نہ ہوں لیکن بہرحال جن بستیوں میں، جن گھروں میں، جن علاقوں میں اللہ کے کلام کو پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے اور اس کی تعلیمات دی جاتی ہیں، اُن کے اطراف اور قرب وجوار کے رہنے والے اُن کی برکات سے مالا مال ہوتے ہیں، اُن کے انوارات سے اُن کے دل منور ہوتے ہیں، اُن کی برکات سے اُن کے گھر کے بجائے اس کے کہ وہ جہنم بنیں وہ ایسے ہنستے کھیلتے گھرانے بنتے ہیں کہ انسان وہاں جاتا ہے تو خوش ہوتا ہے تو اِس لیے یہ بچے جنھوں نے قرآن پڑھا ہے میں ان کو مبارکباد دیتا ہوں اور ان کے والدین کو بھی مبارکباد دیتا ہوں، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے قرآنِ کریم کے الفاظ جو انہوں نے یاد کیے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھیں تو آپ اس کے ساتھ ساتھ انہیں قرآنِ کریم کے معانی اور علوم کا بھی جاننے والا بنائیے، ان کو دینی تعلیم دلایئے اور یہ نہ سمجھیے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ بچے بے کار ہو جائیں گے، یہ بھی ایک مزاج ہے لوگوں کا، کہتے ہیں کہ یہ مولوی بن جائے گا تو کیا کرے گا مسجد کا امام بن جائے گا؟ مولوی بن جائے گا کیا کرے گا مسجد میں بیٹھ کر پڑھائے گا؟۔

دین ودنیا کا خسارہ

آپ کو اور کیا چاہیے؟ آپ نے اپنے بیٹے کو میٹرک کرایا، انٹر کا امتحان دلایا، بی

اے پ س کرا ی، ایم اے اس نے کرلیا اس کے بعد اس نے آپ کو کیا دی ؟ کیا آپ کے گھروں میں کتنے ایسے لڑکے موجود نہیں ہیں، جو ایم اے پ س ہیں اور اپنی . . . . چ کے لیے ماں . پ سے پیسے ما َ کر لے جاتے ہیں؟ ایم اے پ س ہیں لیکن کہیں بھی کچھ نہیں بن ، ایم اے پ س ہیں لیکن در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، اتنا پی آپ نے ان کی تعلیم پ چ کیا کیا فائ ہ ہوا؟

نہ ۰ ا ہی نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

نہ د کا آپ کو کوئی فائ ہ حاصل ہوا، آ ت میں تو کوئی فائ ہ حاصل ہوگا ہی نہیں۔

دین ود کی متاع

اس کے بجائے اَ آپ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دیتے اور آپ ان کو علم دین سے روشناس کراتے تو نہ وہ آپ پ بوجھ ب ، نہ آپ کے لیے و.ل ب ، اَ چہ وہ مسجد میں بیٹھ کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی . کریں، مسجد کی امامت کوئی معمولی چیز ہے؟ آپ کہتے ہیں وہ مسجد کا ہے، وہ مسجد کا نہیں ہے بلکہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا جانشین ہے، امامت کون کراتا ہے؟ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام ز پ ڑھای کرتے تھے، آپ کے ہوتے ہوئے کسی نے ز نہیں پ ڑھائی اور . آپ بیمار ہوگئے تو آپ نے یہ نہیں کہا کہ فلاں سے کراؤ، فلاں سے کراؤ، نہیں جو . سے ب ڑے صحابی تھے اور . سے زی دہ اللہ کے مقرب تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ نے حکم دی ” ” آپ کہتے ہیں صا . مسجد کا بنے گا یہ ہے! یہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا جانشین ہے یہ وہ ہے کہ اَ آپ مرجا گے تو مرنے کے بعد اَ یہ موجود نہ ہو تو آپ کو کوئی ز جنازہ پ ڑھانے والا نہیں ملے گا، ایسی بستیاں ہیں جہاں پ لوگ دس دس میل چلتے ہیں، پندرہ پندرہ میل چل کر جاتے ہیں

لیکن ان کو کوئی ز پڑھانے والا نہیں ملتا۔ قدر آتی ہے کہ کیا چیز ہے؟۔

تقلید یورپ کا نتیجہ

یہ تو یورپ اور امریکہ اور یہودیوں اور عیسائیوں نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ کر کے کی توہین اور اس کی لیل کی، کہ یہ اُن کا رہنماء اُن کی وں میں رہنماء نہ رہے اس کی جگہ ہم لے لیں اور یہی ہوا کہ ہم نے کو ذلیل کیا اس کے بجائے ہم نے اپنا امام کس کو بنا ی؟ ہم نے کس کی پیروی کی، کس کے نقش قدم پ چلے؟ جن کو پیش ب کرنے کا طر نہیں آ ، ہم نے اپنا مقتدا اُن کو بنا ی کہ جن کی پتلونوں کے ا اس حصہ کو آپ تولیں جو حصہ ان کی شرم گاہ سے لگا ہو ہے تو آپ کو چھٹا ں پیش ب جما ہوا ملے، جو گند سے بھرے ہوئے ہیں، ظاہری طور سے ے اچھے معلوم ہوتے ہیں، ی اچھی پتلون اور ا اچھا سوٹ اور بوٹ پہنا ہوا ہے لیکن ذرا ان کو دیکھیے کہ ا ر سے کیا ہیں؟ یہ تو ظاہر کی ت کر رہا ہوں، دل کو چھوڑیئے، دل میں کیا میل ہے، دل میں کیا گند ہے؟ یہ سازش یہودیوں اور عیسائیوں کی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ جو آپ کے مقتدا ہیں ان سے آپ کا رابطہ ختم کر دی جائے اور آپ کو، آپ کی اولاد کو مقتدا سے روکنے کے لیے کا فلسفہ ھ دی، کا لفظ ھ دی اور ان کو ایسا ذلیل کر دی، ایسا ذلیل کر دی کہ وہ آپ کی وں میں کوئی حیثیت ہی نہیں ر ، مولوی صا کے لیے گھر سے کھا آ ہے، میں کی ت نہیں کر رہا ہوں، بہت سے اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں، اچھے سے اچھا کھا بھی بھیجتے ہیں، لیکن ایسے بھی گھرانے ہیں کہ بھائی چلو بچا ہوا سالن یہ رکھا ہوا ہے مولوی صا کو دے دو۔

ای لطیفہ

ای مولوی صا کے پ س ای بچہ کھیر لا ی، کبھی اس گھر سے کچھ نہیں آ ی تھا۔ مولوی صا نے کہا کہ آج یہ حاتم کیسے بن گئے؟ کہ اتنا ا اطسلہ کھیر کا بھرا ہوا آ ی، چھوٹ بچہ لے کر آ ی تھا مولوی صا نے کہا ی! تمہارے گھر والوں نے کھیر کیسے بھیجی

ہے؟ اس نے کہا جی مولوی صاحب! بلی نے اس میں منہ ڈال دیا تھا اور اماں نے کہا کہ جاؤ مولوی صاحب کو دے دو'' ''یہ آپ کا دین ہے؟ یہ آپ کا ایمان ہے؟ نہیں آپ کا ایمان تو بڑا مضبوط ہے آپ تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے نام لیوا ہیں، آپ تو وہ ہیں جو اگر ایک مرتبہ دل سے اللہ اکبر کہے تو کافروں کے محلات پر زلزلہ آجائے اور زمین جا... آپ تو وہ اِیمان ر... والے ہیں، آپ میں یہ ایمان کی کمزوری کیوں آگئی؟ آپ کا ایمان اتنا کمزور کب سے ہو گیا؟ کہ جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ اپنے مقتدا کو بھیجتے ہیں، یہ اِیمان کمزور کیا گیا ہے جیسے دشمن اپنے مدمقابل کو جب کمزور کرنا چاہتا ہے تو ان کو کسی نہ کسی چیز میں مست کر دیا کرتا ہے، منشیات میں لگا دو، افیونی بنا دو، چرسی بنا دو، نشئی بنا دو تاکہ ان کے نوجوان کسی کام کے نہ رہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ چین میں کیا ہوا؟ تو یہ آپ کے ساتھ کیا گیا آپ کا ایمان ایسا کمزور ہو جائے، ایسا کمزور ہو جائے کہ آپ اپنے اس مرکز سے جس مرکز سے آپ کو ہدایت ملتی تھی، جس مرکز سے آپ کی بیٹری چارج ہوتی تھی، اس مرکز سے آپ کو دور کر دیا جائے اس کو ایسا ذلیل کر کے آپ کی نظروں سے گرا دیا جائے کہ آپ اس کو کہیں جی ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والا اور ہمیں آنکھیں دکھاتا ہے؟ آپ کے ٹکڑوں پر نہیں پلتا، آپ کی کیا حیثیت ہے؟ ایک لقمہ آپ اپنے منہ میں رکھتے ہیں؟ آپ ایک گھونٹ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں آپ کی کیا حیثیت ہے؟ یہ آپ کا کام نہیں بلکہ آپ کو اس طرح ن اب کیا گیا اس لیے یہ نہ سمجھیے کہ آپ بھی پڑھ کر کل کو بنیں گے، نہیں بنیں گے بلکہ وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے جانشین بنیں گے، ان کا تعلق اللہ جل شانہ سے براہِ راست ہوگا، ان کے سینوں میں اللہ کا کلام ہے، جس نے قرآن پڑھا، گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا یہ کس کا کلام ہے؟ کسی انسان کا نہیں ہے، اللہ کا کلام ہے، کہتے ہیں جس نے قرآن پڑھا گویا اس نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا وہ کیا قرب کا سامان ہے قرآن شریف۔ یہ وہ قال اللہ اور قال الرسول پڑھنے والے ہیں کہ ان کے سینہ کا تعلق

نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے سینۂ اطہر سے ملتا ہے، اس لیے آپ یہ نہ سمجھیں اور اس پروپیگنڈہ سے متأثر نہ ہوں کہ آپ کی اولاد بنے گی، نہیں یہ تو بڑی ہستی بنے گی، اللہ جل شانہ ان سے دین کی خدمت لیں گے، اس لیے کیجیے اور ان کو دین کی تعلیمات میں لگائیے، اللہ سے رو رو کر دعا مانگیے کہ اے اللہ! ہم تو ایسے رہ گئے، ہم تو نہیں کر سکے، ہماری اولاد ہی پڑھ لے، ہماری اولاد ہی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے دین کی جانشین بن جائے اور اگر اولاد ہماری نہیں بن سکتی تو کم از کم ہمارے دوستوں کی، محلّہ والوں کی ی جو اور مسلمان بھائی ہیں، جن کے بچے پڑھ رہے ہیں، ان کی اعانت کر کے اس میں اپنا حصہ رکھوا لیں، اس میں آپ شریک بن جائیں، خیر کے دروازے ہر طرف سے کھلے ہوئے ہیں، اللہ جل شانہ نے خیر کے راستے ہر طرف سے کھولے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خیر کی طرف متوجہ ہوں، خیر کو خیر سمجھیں اور اپنے آپ کو خیر کرنے والوں میں شامل کریں، اپنا نام ان خیر کرنے والوں میں لکھوائیں، اس لیے اللہ جل شانہ کا شکر ادا کیجیے کہ اللہ نے آپ کو یہ توفیق دی اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم کی طرف لگائیے، ان کو مستقبل کا معمار بنائیے، اللہ جل شانہ آپ کو اور ہمیں سب کو دین کا پڑھنے پڑھانے والا، اس پر عمل کرنے والا، اس کی خدمت کرنے والا اور اس کی ہمت افزائی کرنے والا بنائے۔

الخطبة التاسعة

احادیث پڑھنا پڑھانا عظیم سعادت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے بزرگ، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور قدیم ترین استاذ حضرت مولانا سیّد مصباح اللہ شاہ صاحب مدظلہم العالی نے کتاب کی بسم اللہ کرائی ہے، یوں تو آگے اس پر جو بھی کلام کرنا تھا، جو فرمانا چاہیے تھا وہ خود بیان فرماتے، لیکن یہ کہ بہرحال مفتی صاحب نے بھی اور شاہ صاحب نے بھی دونوں نے میرے ذمہ ڈال دیا اور نہ معلوم کیا سمجھ کر ڈالا، ابھی آپ حضرات نے مفتی صاحب سے اس حقیر کے بارے میں جو کچھ سنا وہ ان کا اپنا حسنِ ظن اور اللہ والوں کی جو شان ہوتی ہے اس کا اظہار تھا، ورنہ اپنی حقیقت صرف اتنی ہے کہ میں بنوری ٹاؤن کا ایک طالب علم ہوں، یہیں سے میں نے درجہ ش سے ابتداء کی اور یہیں پر الحمد للہ حضرت بنوریؒ سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی اور ابن ماجہ حدیث کی یہ چار کتابیں پڑھیں اور اللہ نے یہ توفیق دی کہ یہیں دین کی جو بھی ٹوٹی پھوٹی خدمت ہوسکتی ہے اس کی توفیق مل گئی۔

صحیح بخاری شریف پڑھنے پڑھنا عظیم سعادت

یہ بخاری کا پڑھانا تو بہت بڑی بات ہے، اس کا پڑھنا بھی بہت ہی عظیم چیز ہے، اس کے لیے بھی بڑی صلاحیت اور بڑی للّٰہیت کی ضرورت ہوتی ہے، جو کام جتنا بڑا ہوتا

ہے اس کے لیے آداب بھی اتنے زیادہ اور اتنے عظیم ہوا کرتے ہیں، ہمارے یہاں احادیث کے پڑھنے پڑھانے، قرآنِ کریم کے پڑھنے پڑھانے کو عام دوسرے علوم کی طرح تعلیم سمجھا جاتا ہے، اگرچہ قرآنِ کریم کی تعلیم بھی تعلیم ہے، احادیث نبویہ کی تعلیم بھی تعلیم ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو اس کا اہل بننے کے لیے اِنسان کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے اور بہت محنت کرنی چاہیے، بخاری پڑھانے کے بارے میں تو شاید آپ نے ایک شعر تو سنا ہوگا:

آتا ہے بخار اُن کو بخاری نہیں آتی

میرے خیال میں شعر کہنے والے نے مجھ جیسے لوگوں کے لیے ہی یہ شعر کہا ہوگا، اس کا پڑھنا بھی ایک ایسا عظیم منصب ہے اور ایک ایسی سعادت ہے کہ جو سعادت اگر کسی اللہ کے بندے یا اللہ کی بندی کو حاصل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خوش نصیب نہیں ہوسکتا، اِس لیے کہ یہ احادیث جو صحاحِ ستہ میں آپ کے سامنے مرتب اور مدون ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ہیں، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال ہیں، یہ وہ انفاسِ قدسیہ ہیں جو ایک ایسی ذات کے اقوال، افعال اور اعمال پر مشتمل ہیں جو اللہ جل شانہ کے محبوب نبی اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ وہ اقوال، اعمال اور افعال ہیں کہ جن کا سننے والا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونے والا ایک ایسے بڑے شرف اور ایسی سعادت سے مالا مال ہوتا تھا کہ دنیا میں کوئی سعادت، کوئی خوش نصیبی اور کوئی دولت اس کی برابری نہیں کرسکتی۔

صحابہؓ کے فضائل

جن حضرات نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُن کے بارے میں اللہ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں
„

” کے ذریعہ اور اس کے

علاوہ دوسرے مقام پر ان کے اوصاف بیان فرمائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کے آخری نبی ہیں، نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کردی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں اب کوئی نبی نہیں آئے گا، جھوٹے دعوے دار تو پیدا ہوئے، آپ کے سامنے بھی اور آپ کے بعد بھی اور پیدا ہوتے رہیں گے، لیکن یہ کہ اللہ کے جو مخصوص بندے ہدایت اور رہنمائی کے لیے، مخلوق کو گمراہی اور ضلالت سے بچانے کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے، اُن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ختم کردیا گیا۔

صحابیت کا درجہ

جو شرف اور فضیلت کسی نبی کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے اور اس کے افعال واقوال اور اعمال کا مشاہدہ کرنے والے اور اُن کی پیروی کرنے والے کو حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتی لیکن اللہ جل شانہ نے اس اُمت پر کیسا عظیم اِنعام فرمایا، اگرچہ یہ نبی خاتم الانبیاء تھے، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن صحابیت کے ایک درجہ کو قیامت تک کے لیے باقی رکھا، اگرچہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور آپ کے درمیان موجود نہیں ہیں اور ہم اس صحابیت کی فضیلت اور شرف کو حاصل نہیں کرسکتے، لیکن محدثین کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو، افعال کو اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث مبارکہ کو جمع کرکے، مرتب اور مدون کرکے بعد میں آنے والوں پر ایک ایسا عظیم احسان فرمایا کہ اگر ہم اُن کا شکریہ ادا بھی کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، اس لیے ہمیں ان کے لیے بھی ہمیشہ دعاگو رہنا چاہیے، کیسا عظیم احسان؟ کہ ان حضرات نے ان احادیث کو مرتب کرکے ہمیں اور آپ کو بھی معنوی صحابیت کا درجہ عطا کیا جو بھی احادیث کا پڑھنے پڑھانے والا اور سننے، سنانے والا ہے وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا معنوی صحابی ہے، حدیث میں آتا ہے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ” ''یا اللہ میرے خلفاء پر اپنی رحمتیں نازل فرما، صحابہ کرامؓ نے پوچھا ؟ اے اللہ کے رسول خلفاء سے

آپ کی کیا مراد ہے؟ فرمایا ''

''میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد دنیا میں آئیں گے اور میری احادیث اور میری [illegible] کریں گے اس لیے شاعر کہتے ہیں:

اہل حدیث کون ہیں؟ حدیث کے حامل کون ہیں؟ فرماتے ہیں کہ جو حضرات حدیث کی خدمت کرتے ہیں، پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابی ہیں، وہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے صحابہؓ میں شامل ہیں، کیسے شامل ہیں، کہتے ہیں'' ''کہ اگر آپ کی ذاتِ قدسیہ کی صحبت نہیں حاصل کر سکے، آپ کے دیدار سے اپنی آنکھوں اور اپنے سینوں کو منور نہیں کر سکے تو اُنہیں افسوس نہیں کرنا چاہیے اور اگر افسوس کریں تو اس پر اجر ملے گا، اس لیے یہ بھی تعلق کی علامت ہوتی ہے کہ یہ تمنا کی جائے کہ اس [illegible] ذات کے سامنے ہوتے اور اس [illegible] ذات کی زیارت کرتے، اس کی خدمت کرتے، اس کا فیض اُٹھاتے اور میرے خیال میں ہر مؤمن کو دل میں یہ تمنا ہوتی ہوگی اور اس نے اس پر سوچا بھی ہوگا کہ اللہ جل شانہ اس پر کتنا اجر [illegible] فرماتے ہیں بہرحال''

''محدود وقت کے لیے دنیا میں بھیجا گیا تھا، محدود وقت گزار کر دنیا سے تشریف لے گئے، لیکن اللہ نے ایسا انتظام فرمایا، ایسا انتظام فرمایا کہ کوئی بھی قیامت تک آنے والا اگر یہ چاہے کہ اپنا نام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں شامل کرے تو بس احادیث طیبہ کے طالب علم بن جائے، حقیقتاً نہ سہی معناً صحابی بن جائے گا۔

الخطبة العاشرة

درسِ بخاری اور دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اہم گزارش

کتب حدیث میں صحیح بخاری کا جو مقام ہے کسی پر مخفی نہیں ہے، وہ ہے، سلفِ صالحین کا تجربہ ہے کہ اس کے ختم پر دعا قبول ہوتی ہے، اس لیے عالمِ اِسلام کے بہت سے ممالک میں اس کے ختم پر باقاعدہ تقریب منعقد ہوتی ہے اور اس کی آخری حدیث پر شیوخ حدیث بڑی مفصل، محقق، مدلل اور سیر حاصل تقریر فرماتے ہیں، ایسی تقریبات میں عوام وخواص بڑے شوق وولولہ سے شرکت کرتے ہیں اور دعا کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ اپنے استاذ حضرت بنوری رحمہ اللہ کی اِقتداء میں صحیح بخاری کے ختم پر اس طرح تقریب تو منعقد نہیں فرماتے تھے، البتہ دورۂ حدیث کی درس گاہ میں ہی آخری حدیث پر مفصل بیان فرماتے اور اخیر میں بہت دیر تک آہ وبکا اور تضرع کے ساتھ دعا کرتے، اور ایسے روتے تھے کہ دعا کے دوران کافی دیر تک ان کی ہچکی بندھ جاتی تھی، اور ساتھ ہی تمام طلباء بھی روتے تھے، حضر

ت شہیدؒ صحیح بخاری شریف کے اِختتام پ جلسہ اور تقری . منعقد کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ ہم اہل مدارس کے اصرار پ کہیں کہیں . ہر اس طرح کی تقری . میں مہمانِ خصوصی کے طور پ شر فرماتے اور آ ی حدی پ سیر حاصل بحث فرماتے تھے۔

ز ی مفصل خطاب دراصل حضرت شہیدؒ ہی کا فیض ہے جس کو مرت . کرنے کے لیے انہوں نے احقر کو حکم فرمای تھا، احقر نے انتہائی عجلت میں صحیح بخاری کی معتبر شروحات کی مدد سے پہلے عربی میں پھر اردو میں آ ی حدی کی شرح کا خلاصہ مرت . کیا، حضرت رحمہ اللہ نے اس کام پ .ٰی مسرت اور خوشی کا اِظہار فرمای اور خوب دعا بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ پھر حضرت اس خلاصہ کو اپنے ساتھ ر اور . ضرورت اسے دیکھتے تھے، افادۂ عامہ کے لیے اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

اُمید ہے کہ کسی کو فا ہ ہو جائے اور حضرت مولا٠ رحمہ اللہ تعالیٰ احقر اور جملہ معاو کے لیے آ ت میں ذریعہ ت بن جائے۔ آمین حسین قاسم

اُستاذ جامعہ دار العلوم کراچی‘‘۔

ختم صحیح بخاری کے موقع پ طلباء سے نصیحت

اللہ جل شانہ ہم کو، آپ . کو ان لوگوں میں بنائے جو جیتے ہیں تو اللہ کے احکام پ عمل کرتے ہیں اور . د سے جاتے ہیں تو اللہ کو راضی کر کے جاتے ہیں، ۔ کہ ہماری ساری ز گی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جائے، ہمارا پڑھنا پڑھا٠ اور ہمارے دوسرے اعمال کر٠ یہ . اللہ کو راضی کرنے کے لیے ہو۔

بہت ساری پ چیاں ہیں کسی کے والد کا انتقال ہوَ ی ہے، کسی کی والدہ کا انتقال ہوَ ی ہے، کوئی بیمار ہے، کسی کا کوئی عزی بیمار ہے، یہ پ چیاں انہی سے متعلق ہیں، اللہ جل شانہ سے ان . کے لیے دعا کریں، خاص طور سے ہمارے اس ادارے کے . نی ہمارے استاذ و مربی محدث العصر حضرت مولا٠ علامہ سیّد محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہٗ کے لیے اور جامعہ کے سارے اسا ہ اور اُن کے متعلقین جو د سے انتقال کر گئے ہیں، ان کے لیے بھی اور جو موجود ہیں خاص طور پ شیخ حضرت مولا٠ فضل محمد صا . اور جتنے

بھی اساتذہ بیمار ہیں، اُن کے لیے شفا کی دعا کریں، ہمارے اساتذہ وطلباء کے جو عزیز ورشتہ دار بیمار ہیں، اُن کے لیے بھی دعا کریں اور ملک کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ جل شانہ اس ملک پر رحم فرمائے، مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے اور سب کو خدمت دین کے لیے قبول فرمائے، بہرحال دعا کی قبولیت کے جو مقامات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی لکھا ہے کہ بوقت ختم بخاری دعا قبول ہوتی ہے اور چو

ہے اس لیے بھی لیکن یہ نقشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وہ دعا جلد قبول فرماتے ہیں جو قلب [illegible] دم سے کی گئی ہو۔ بے خبر غافل دل سے نکلنے والی دعا کو قبول نہیں فرماتے بلکہ مکمل توجہ کے ساتھ، عجز وانکسارِی، تضرع وخشیت کے ساتھ جو دعا مانگی جائے اللہ جل شانہ اسے قبول فرماتے ہیں۔ جتنا رو کر گڑگڑا کر بندہ اللہ سے مانگتا ہے تو رحمت خداوندی اور زیادہ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

ایک عجیب واقعہ

مصر کے ایک بادشاہ تھے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ان کو پے در پے شکست ہونے لگی تو انہوں نے علماء مصر جو حاضر تھے ان سے کہا کہ بخاری کا ختم کراؤ۔ بخاری کے ختم سے دعائیں قبول ہوتی ہیں چنانچہ بخاری کا ختم کیا گیا لیکن اس کے باوجود بھی کہ بخاری کا ختم ہوا شکست کی وہی خبریں آ رہی ہیں کہ فلاں جگہ شکست ہوگئی، فلاں جگہ شکست ہوگئی تو بادشاہ نے ان حضرات کو بلایا کہ بھئی دو باتوں میں سے ایک بات ہے یا تو یہ ہے کہ تم لوگ جو پڑھ رہے ہو یہ بخاری نہیں ہے، اس لیے کہ بخاری پڑھ کر ختم کر کے جو دعا مانگی جائے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، یا تو یہ کہ تم لوگ ٹھیک نہیں ہو جو پڑھ نہیں رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بخاری تو موجود ہے اور پڑھنے والے بھی موجود ہیں لیکن بات یہ ہے کہ آپ کے ملک میں اللہ کے احکامات کو توڑا جا رہا ہے، یہاں سود، زنا اور دوسری برائیاں موجود ہیں۔۔ جب اللہ کے احکامات کو اس طرح توڑا جائے تو پھر اللہ کی رحمت نہیں آتی بلکہ اللہ کا عذاب آتا ہے۔

اِس لیے بہر حال ا ن ہیں، َ ٠ ہ . سے ہوتے ہیں، غلطیاں ہوتی ہیں، ہم میں سے ہر ا . اپنے َ ٠ ہوں کی اللہ سے معافی مانگے، اللہ جل شانہ ہم . کے َ ٠ ہوں کو معاف فرما ، ہماری توبہ ’’ ’’ہو اور ہماری توبہ قبول ہو، آئندہ کے لیے عزم کریں کہ آئندہ َ ٠ ہوں سے بچیں گے، دین کی ٠ مت کریں گے، دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کریں گے اور حرام سے اپنے آپ کو بچا گے۔

حلال کا لقمہ . ا ن کے پیٹ میں پہنچ جائے تو پھر وہ ا ن کو عبادت پ اُبھارۃ ہے اور حرام کا لقمہ پہنچ جائے تو چاہے ا ن عبادت کرلے لیکن قبولیت سے محروم رہتا ہے اس لیے حدی ۃ میں آۃ ہے کہ ا ن دعا کرۃ ہے ی اللہ! ی اللہ! کہتا ہے لیکن اس کی دعا قبول نہیں۔

بہر حال پورے سال آپ نے پ ڑھا، ہم نے آپ کو پ ڑھا ی اور بہت سی مرتبہ ایسا ہوا ہوگا کہ ہم نے بہت سارے حضرات کو . ا بھلا کہا ہوگا، جیسا کہ مزاج ہے، میں . ا بھلا کہتا رہتا ہوں، اس لیے جس طا . علم کو میں نے . ا بھلا کہا ہو، اس کی حق کی ہو ی اس کے ساتھ زی دتی کی ہو، . مجھ کو معاف کردیں۔ بھئی ز . ن سے نہیں دل سے، ہم تو ہر سال یہ کوشش کرتے ہیں کہ طلباء کو ڈا نہ جائے، . ا بھلا نہ کہا جائے، لیکن مجبور ہو جاۃ ہوں اس . ت پ کہ اِصلاح کروں ورنہ ہر سال یہ ارادہ ہوۃ ہے کہ ڈا نہ جائے، اِس لیے بہر حال جس ا٠ از سے بھی ہو جیسے بھی ہو . حضرات سے َ ٠ ارش ہے کہ مجھے معاف کردیں اور دل سے اللہ سے دعا کریں اللہ ہم . کو دین کا سچا، پکا خادم بنائے۔

محبوب دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صحیح بخاری کی آخری حدیث کی مفصل تشریح

ترجمۃ الباب کا مقصد

(۱) امام العصر حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس باب سے یہ بتلانا مقصد ہے کہ ہمارے اعمال وافعال قرآنِ کریم سے بالکل مختلف ہیں، چنانچہ ہمارے اعمال کے لیے میزان نصب کیا جائے گا اور رہا قرآن”

''۔(الفیض ۴۔۵۳۸).

(۲) وزن اعمال کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کی اور معتزلہ کی تردید میں یہ باب قائم کیا گیا ہے۔(لامع ۱۰۔۴۶۰).

وضع میزان سے کیا مراد ہے؟

ارشادِ باری تعالیٰ '' ''میں وضع میزان سے کیا مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) احضار الموازین (روح المعانی ۱۷۔۵۴).

(۲) وضع میزان سے مراد اقامۃ حساب وعدل اور اعمال کے اعتبار سے بدلہ دینا ہے ( )(حوالہ بالا).

(۳) (لامع الدراری: ۱۰۔۴۶۴).

موازین کی تحقیق، اور اس کو جمع لانے کی وجہ

لغوی تحقیق

کی جمع ہے، اصل میں وزنِ تھا، واؤ ساکن ماقبل مکسور واؤ کو یاء سے تبدیل کر دیا تو ہو گیا۔(فتح الباری ۱۳۔۵۴۷)، زجاج نے کو (اِسم مفعول) کی جمع قرار دیا ہے(لامع ۱۰۔۴۶۲)۔

قیامت کے روز نصب کیا جانے والا میزان ایک ہوگا یا ایک سے زائد؟ صورت اولیٰ پر اعتراض ہوگا کہ آیت کریمہ میں لفظ جمع کیوں لایا گیا؟ صحیح قول کے مطابق ایک میزان ہوگا۔ البتہ آیت کریمہ میں جمع لانے کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) بندوں کے تعدد کے اعتبار سے۔

(۲) تعدد موزونات کے اعتبار سے۔ (کرمانی ۲۵۔۲۴۸) و ( )۔

(۳) جمع. ائے

(فتح الباری ۱۳۔۵۴۷)۔

(۴) میزان تو ا ی ہی ہوگا کیو وہ بہت سے موازین کا کام دے گا اس لیے جمع لا یَ ی ۔ (مظہری)۔

موازین کے متعلق مزی اقوال

(۱) ا ی شخص کے لیے متعدد میزان ہوں گے۔ اس طرح کہ اس کے اعمال میں سے ہر عمل کے لیے الگ الگ میزان ہوگا، :

ملك تقوم الحادثات لأجله فلكل حادثة لها ميزان

(قسطلانی ۱۰۔۴۸۰)

(۲) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرما ی: افعالِ قلوب، افعالِ جوارح اور ان چیزوں کے لیے جن کا تعلق قول سے ہے الگ الگ میزان ہوگا، اس لیے لفظ جمع لا یَ ی ۔ (لامع الدراری ۱۰۔۴۶۲)۔

(۳) زجاج کا قول ہے: دو وجہ سے لفظ جمع لا یَ ی ۔

(۱) اہل عرب جمع کا اطلاق واحد اور تثنیہ پ بھی کرتے ہیں۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ موازین یہاں موزون کی جمع ہے، میزان کی نہیں اور اس سے مراد اعمالِ موزونہ ہیں۔ (لامع ۱۰۔۴۶۲)۔

(۴) معتزلہ کا مذہب ہے: اس لیے لفظ جمع لا یَ ی کہ الوان کا میزان بصر ہے، اصوات کا میزان کان اور معقولات کا میزان عقل ہے۔

(۵) امام فراء نے کہا: موازین سے وزن مراد ہے جیسے اہل عرب کا قول ہے:

ـ :

قد كتب قبل لقائكم ذامرة عنده لكل مخاصم ميزانه

(۶) چونکہ سارے لوگوں کے اعمال الگ الگ تولے جائیں گے اس لیے لفظ جمع لایا گیا۔

فائدہ:

اصل بات تو یہ ہے کہ ایک ترازو ہو یا بہت سے، اعمال کا وزن تو ضرور ہوگا، اس لیے ابھی سے فکر کر لی جائے، دنیا میں تو اس کی فکر ہو سکتی ہے اور اس کی تلافی بھی ہو سکتی ہے لیکن دنیا سے جانے اور موت کے بعد کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ کرنا ہے اس وقت کر لیا جائے۔

میزان کی کیفیت

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک میزان ایسا جسم محسوس ہے جس کی زبان ہوگی اور دو پلے ہونگے، تفسیر جمل میں ہے: اس کے ستون بھی ہوں گے، اور اس کے دونوں پلوں میں سے ایک پلہ کی مسافت مشرق و مغرب کی مسافت کے برابر ہے، اور میزان کو جنت اور دوزخ کے درمیان نصب کیا جائے گا، دائیں طرف کا پلہ نیکیوں کے لیے ہوگا اور عرش کی دائیں جانب ہوگا اور بائیں طرف کا پلہ برائیوں کے لیے ہوگا اور عرش کی بائیں طرف ہوگا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے ستون پکڑ کر اس کی زبان کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور حضرت میکائیل علیہ السلام اس پر امین ہوں گے، سارے جنات و انسان اس کے پاس حاضر ہوں گے، یہ حساب و کتاب کے بعد کا وقت ہوگا، باقی اس کی جسامت کی ماہیت کیا ہوگی، وہ ابھی موجود ہے یا نہیں یا آئندہ اس کا وجود ہوگا؟ اس پر خاموشی اور سکوت بہتر ہے۔ شرح المواقف میں ہے کہ شرعاً جو کچھ ثابت ہے (مثلاً پل صراط، میزان، حساب، نامہ اعمال کا پڑھنا، حوضِ کوثر، اعضاءِ جسمانی کا گواہی دینا) اکثر علماء کے نزدیک بلا تاویل حق ہے۔ شرح العقائد میں ہے: عقل میزان کی کیفیت کے ادراک سے قاصر ہے۔

ابو القاسم لالکائی رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے میزان عدل کو نصب کیا جائے گا اور اس کے دو پلے ہوں گے، ان میں سے ایک پلہ میں اگر آسمان و زمین اور ان میں موجود تمام چیزوں کو رکھ دیا جائے تو سارا اس میں آ جائے۔

ارشاد الساری (۱۰۔۴۸۱) میں ہے، نیکیوں کا پلہ نور کا ہوگا اور دوسرا ظلمت کا، جنت عرش کے دائیں طرف ہوگی اور دوزخ اس کے بائیں طرف، دریں اثناء میزان کو اللہ جل شانہ کے سامنے نصب کیا جائے گا اس طرح کہ اس کی نیکیوں کا پلہ عرش کی دائیں طرف جنت کے بالمقابل اور برائیوں کا پلہ بائیں طرف دوزخ کے بالمقابل ہوگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ میزان کی کیا کیفیت ہے؟ اس کو دکھا دیں، اللہ تعالیٰ نے جب دکھایا تو وہ دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے، بعد میں پوچھا: یا رب اس میزان کو نیکیوں سے بھرنے پر کون قادر ہوسکتا ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داود! میں جب اپنے بندے سے راضی ہوں گا تو ایک کھجور سے اسے بھر دوں گا، اے داود! کلمہ کے ذریعہ اس کو بھر دو۔

فرشتے بھی تعجب سے اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے، پروردگار اس میزان کے ذریعہ کون سی چیز تولیں گے؟ فرمایا اس کے ذریعہ میں اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہوں گا تولوں گا۔

اعمال کے وزن کی پانچ حکمتیں

(۱)۔ دنیا میں اس پر ایمان لانے کے ساتھ مخلوقات کو آزمانا۔

(۲)۔ آخرت میں سعادت وشقاوت کی علامت کا ظاہر کرنا۔

(۳)۔ لوگوں کو بتلانا کہ خیر اور شر کیا ہے۔

(۴)۔ لوگوں پر حجت قائم کرنا۔

(۵)۔ یہ بتلانا کہ اللہ جل جلالہ عادل ہیں ظالم نہیں۔ اسی وجہ سے کسی کمی بیشی کے بغیر ایک ایک بات کو نامہ اعمال میں محفوظ کیا ہے۔

(۶)۔ قسطلانی میں ہے اللہ کا اپنے کرم، وعفو ومغفرت اور قدرت کے باوجود بردباری کا اظہار کرنا۔

چند سوالوں کے جوابات

(۱) اَ یہ کہا جائے کہ اہل قیامت کو اللہ تعالیٰ کے عدل و اِ ف کا علم ہے یہ نہیں ہے، صورت اولیٰ میں محض حکم کافی تھا، وزنِ اعمال کی ضرورت نہیں تھی اور صورتِ ثٗ میں وزنِ اعمال کا کوئی فائ ہ نہیں ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے، ان کی طرف ین کی نسبت نہیں ہوسکتی تو پھر وزنِ اعمال کی ضرورت کیا تھی؟

الجواب (۱) علامہ ابن جوزی کی تفسیر زاد المسیر میں بیان کردہ حکمتوں کی روشنی میں مذکورہ سوالات رفع ہوجاتے ہیں۔

(۲) تفسیر أبی السعود (۳۔۲۱۳) میں سوالِ اوّل کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ اس دِن اِنکشافِ حال ہوگا، تمام کی تمام چیزیں اپنی اصلی ہئیت وحقیقت اور ما میں ظاہر ہوں گی، د کی مستعار صورتوں سے الگ ہوجا گی۔ یہاں کہ لوگوں کو یقین ہوگا کہ یہ بعینہٖ وہی چیزیں ہیں جو د میں تھیں۔

قولہ : ”القسط“

قسط کے معنی، اعراب اور کیب:

(۱) لامع میں: العدل، جلالین مین ذوات العدل۔

کیب: یہ جمع ہے کہ ”القسط“ واحد ہے اس کی کئی ویلات ہیں۔

(۱) اس کا مضاف مقدر ہے اصل میں (الموازین ذوات العدل)۔

(۲)۔ قسط مصدر ہے اور مصدر میں مفرد، تثنیہ اور جمع ا ہیں، یعنی ” “۔

(۳)۔ یہ مفعول لہ ہے ( ) علامہ آلوسیؒ قولِ ثٗ پ شاہد بھی لائے ہیں ” “۔

قولہ : ”لیوم القیامة“

” “میں ” “ سے متعلق اقوال:

لام سے متعلق چار قول ہیں:

(۱) لام یہاں فی کے معنی میں ہے۔ یہ قول ابن قتیبہ اور ابن مالک کا ہے اور کوفیین کا قول بھی یہی ہے، ان کے ۰ د یہ شاہد۔'' ''

ہے۔

(۲) تعلیل کے لیے ہے، اس وقت مضاف محذوف ماننا پڑے گا۔''

''۔

(۳)'' ''کے معنی میں ہے جیسے:

:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے ای اور شاہد بھی پیش کیا ہے

(روح المعانی ۱۷۔ ۵۵)

(۴)۔ ائے اختصاص جیسے:

امام بخاری کی عبارت کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے مقصد دو مشہور اقوال (۱۔موزون اعمال ہیں ۔ ۲۔ ۰ مہ اعمال) میں سے ای کی طرف اشارہ کر۰ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قولِ اوّل کو اِختیار فرمای۔ جیسا کہ اُنھوں نے جمۃ الباب میں اس کی صرا ت کی اور حدی ش ب سے اس پ استدلال کیا۔ (لامع ۱۰۔۴۶۴)

وزن سے متعلق اقوال

وزن کس کا ہوگا، اعمال کا ی ۰ مہ اعمال کا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں جو مندرجہ

ذیل ہیں۔

(۱)۔اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب: اعمال کا وزن ہوگا۔

(۲)۔معتزلہ کا مذہب: میزان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ میزان سے عدل مراد لیتے ہیں۔

(۳)۔علامہ قرطبی نے فرمایا: نامہ اعمال کا وزن ہوگا۔

(۴)۔امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں سے نقل فرمایا: اشخاص کا وزن ہوگا۔

مذہب اوّل کے دلائل

(۱) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اپنے کسی مؤمن بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے میں اس کے وزن اعمال کے موقعہ پر موجود ہوں گا، اگر وہ بھاری رہا تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس کی سفارش کروں گا۔

(۲) اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں چنانچہ میں ازراہِ تادیب اُن کو برا بھلا کہتا ہوں اور اُن کو مارتا ہوں تو ان کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے یہاں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا، یعنی کیا مجھے ان کو برا بھلا کہنے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے اور مار پیٹ کا حساب دینا ہوگا، اور ان چیزوں کی وجہ سے میرا مواخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا اور ہر شخص کے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کی پوچھ ہوگی تو ان غلاموں نے تمہارے مال میں جو خیانت کی ہوگی، تمہاری نافرمانی کی ہوگی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہوگا، ان سب کا حساب ہوگا، پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم کے بقدر ثابت ہوئی تو تمہارا معاملہ برابر سرابر رہے گا کہ نہ تمہیں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تم پر کوئی عذاب ہوگا اور اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے کم ثابت ہوئی تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا اور اگر تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ ہوئی تو پھر ان کے لیے

تم سے اس زی دتی کا . لہ لیا جائے گا، وہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر الگ جا بیٹھا اور رونے نے لگا، پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پ ڑھتے ہو کہ ''

''

(۳) والی حدی ث .

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روای ت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمای کرتے تھے کہ سبحان اللہ کہنے سے میزانِ عمل کا آدھا پلڑا ابھر جا ت ہے اور الحمد للہ سے . قی آدھا پورا ہو جا ت ہے۔

(۵) ابوداؤد، ت مذی اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای کہ میزانِ عدل میں حسن خلق کے . ا . کوئی عمل وزنی نہیں ہوگا۔

(۶) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای کہ تمھیں ایسے دو کام بتا ت ہوں جن پ عمل کر اِ ن کے لیے کچھ بھاری نہیں اور میزانِ عمل میں وہ . سے زی دہ بھاری ہوں گے ۔(۱) ای حسنِ خلق (۲) دوسرے زی دہ خاموش رہنا۔

(۷) امام احمد رحمہ اللہ نے کتاب الزہد میں . وای ت حضرت حازم رضی اللہ عنہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پ س ای مرتبہ جبر امین علیہ السلام تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص خوفِ اسے رو رہا تھا تو جبریل امین علیہ السلام نے فرمای کہ ا ن کے تمام اعمال کا تو وزن ہوگا ا اور آ ت کے خوف سے رو ایسا عمل ہے جس کو تولا نہیں جائے گا، بلکہ ای آ بھی جہنم کی . ی سے . ی آگ کو بجھا دے گا۔

(۸) طبرانی نے . وای ت جا . رضی اللہ عنہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ ا ن کے میزانِ عمل میں . سے پہلے جو عمل رکھا جائے گا وہ اپنے اہل و عیال پ چ کرنے اور ان کی ضرور یت پورا کرنے کا نیک عمل ہے۔

۱۲۔

معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب

معتزلہ کا استدلال اس سے ہے کہ اعمال اعراض ہوتے ہیں اور اعراض کا وزن ۰ممکن ہے، وزن تو اجسام اور جواہرات کا ہو ہے، اعمال تو ایسی چیز ہے جو آ سکتی ہے اور نہ اسے پکڑا جا سکتا ہے، اسے کوئی دیکھ بھی نہیں سکتا، اس کا وزن کس طرح ہوگا؟، ان لوگوں نے دراصل عالم آ ت کے احوال کو د کے احوال پ قیاس کیا ہے اور یہی ان کی ی دی غلطی ہے، آ ت کے احوال دوسری نوعیت کے ہیں۔ اور د کے احوال اور نوعیت کے، د میں جو چیزیں نہیں آتیں آ ت میں وہ چیزیں سامنے آجا گی اور بعض چیزیں ایسی ہیں جو د میں آتی ہیں، آ ت میں وہ چیزیں وں سے اوجھل ہوجا گی، تو آ ت کے حالات کو د کے حالات پ قیاس کر صحیح نہیں ہے، قرآنِ کریم نے اس حال کو یں الفاظ بیان فرمایا ہے''

''۔

جواب: (ا)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بعض متکلمین نے کیا:''

فتح الباری میں ہے:

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

تفسیر ابوسعید میں ہے'' اعمالِ ظاہرہ جو یہاں پ اعراض ہیں وہ وہاں پ حسن و قبح میں متشکل ہوجا گے، ہ و فرمانی آگ کی صورت میں ہوں گے اور اس پ قولِ

باری تعالیٰ: اور

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا قول

(سونا وچاندی کے برتنوں سے پینے والوں کے بارے میں)

تفسیر معارف القرآن (۳۔۵۱۹) میں ہے (کیونکہ اوّل تو مالک الملک قادر مطلق ہر چیز پر قادر ہے یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں حق تعالیٰ بھی نہ تول سکیں۔ اس کے علاوہ آج کل تو دنیا میں وزن تولنے کے لیے نئے نئے آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن میں نہ ترازو کی ضرورت ہے، نہ اس کے پلوں کی اور نہ ڈنڈی کی اور کانٹے کی، آج تو ان نئے آلات کے ذریعہ وہ چیزیں بھی تولی جاتی ہیں جن کے تولنے کا آج سے پہلے کسی کو تصور بھی نہ تھا۔ ہوا تولی جاتی ہے، برقی رو تولی جاتی ہے، سردی گرمی ناپی جاتی ہے، ان کا میٹر ہی ان کا ترازو ہوتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے انسانی اعمال کا وزن کر لیں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اس کے علاوہ خالق کائنات کو اس پر قدرت ہے کہ ہمارے اعمال کو کسی وقت جوہری وجود اور کوئی شکل وصورت عطا کر دیں۔ بہت سی روایت میں آیا ہے کہ برزخ اور قیامت کے دن انسانی اعمال خاص خاص شکلوں اور صورتوں میں آئیں گے، قبر میں انسان کے اعمالِ صالحہ کا حسین صورت میں اس کے لیے مونس بننا اور برے اعمال کا سانپ بچھو بن کر پڑنا، وہ مال جس پر زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، اُس کا سانپ بن جانا، اِنسان کے اعمالِ صالحہ کا اس کے لیے محشر میں سواری بننا اور برے اعمال کا بوجھ بن کر اس کے کندھے پر لاد دیا جانا، سورۃ بقرۃ اور آلِ عمران کا دو بادلوں کی شکل میں آ کر روزِ قیامت ان لوگوں پر سایہ کرنا جو ان سورتوں کو پڑھتے تھے، درود شریف کا ایک پرچہ کی شکل میں تبدیل ہونا، خدمت دین کا بادل کی صورت میں تبدیل ہونا، جنازہ کے ساتھ جانا، قیراط کی صورت میں میزانِ عدل میں رکھا جانا وغیرہ وغیرہ۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیـ ث اور آیـت میں وارد ہے کہ ہمارے اعمال جو یہاں عرض ہیں، غیر مرئی ہیں، لیکن اس جہاں سے ٠ رجانے کے بعد خاص خاص شکلوں اور صورتوں میں ہوجا گے، چنانچہ اِرشادِ ۔ رِی تعالیٰ ہے: ''

''اور''

''اور'' ''۔

معتزلہ پ رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآنی آیـت سے ان کا مذہب ۔طل ہوجا ـ ہے، ارشاد ہے:

اَ ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اعمال اعراض ہیں اور اعراض خفت وثقل کے ساتھ متصف نہیں ہوتے لیکن ۔ ان کی ـ میں دلائل وارد ہوئے ہیں تو ہمیں ان کا اعتقاد رکھنا چاہیے اَ چہ اس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہوں، ہمیں اس کا علم اللہ کے حوالہ کر٠ چاہیے اور کیفیت کی پہچان کے پیچھے نہیں پڑ٠ چاہیے۔ (قسطلانی ۱۰۔۴۸۰)

مذہب ث ث کے دلائل

ـ مذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایـ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایـ: محشر میں میری اُمت کا ایـ آدمی ساری مخلوق کے سامنے لایـ جائے گا اور اس کے ٠ مہ اعمال کے ننانوے (۹۹) دفتر لائے جا گے اور ان میں سے ہر ٠ مہ اعمال اتنا طویل ہوگا کہ جہاں ـ اس کی پہنچے گی اور ۔ ٠ مہ اعمال ۔ ائیوں سے اور گَ٠ ہوں سے اٹے پڑے ہوں گے، اس شخص سے پوچھا جائے گا کہ ان ٠ مہ اعمال میں جو کچھ لکھا ہے وہ ۔ صحیح ہے یـ ٠ مہ اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تم پ کچھ ظلم کیا ہے اور خلافِ واقعہ کوئی ۔ت لکھ دی ہے؟ وہ اقرار کرے گا کہ اے میرے پ وردگار! جو کچھ لکھا ہے وہ ۔ صحیح ہے اور دل میں گھبرائے گا کہ اب میری ت کی کیا صورت ہوگی؟ اس وقت حق تعالیٰ فرما گے کہ آج کسی پ ظلم نہیں ہوگا، ان تمام گَ٠ ہوں کے مقابلہ میں تمہاری ایـ نیکی کا پ چہ بھی

ہمارے پاس موجود ہے جس میں تمہارا کلمہ

لکھا ہوا ہے، وہ عرض کرے گا کہ اے میرے پروردگار! اتنے سارے سیاہ نامہ اعمال کے مقابلہ میں یہ چھوٹا سا پرچہ کیا کام دے گا؟ اُس وقت ارشاد ہوگا کہ تم پر ظلم نہیں ہوگا اور ایک پلہ میں وہ گناہوں سے بھرے ہوئے نامہائے اعمال رکھے جائیں گے، دوسرے میں یہ کلمہ ایمان کا پرچہ رکھا جائے گا تو اس کلمہ کا پلہ بھاری ہو جائے گا اور سارے گناہوں کا پلہ اُٹھ جائے گا، اس واقعہ کو بیان کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی۔

مذہب رابع کے دلائل

(۱) بخاری و مسلم میں بروایت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ یہ حدیث منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے روز بعض موٹے فربہ آدمی آئیں گے، جن کا وزن اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا اور اس کی شہادت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مناقب میں یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں ظاہر میں کتنی پتلی ہیں لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن میزانِ عدل میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔

(۳) علامہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور آ . ی رحمۃ اللہ علیہ سے اِرشادِ باری تعالیٰ: ”

“ کے متعلق ایک روایت منقول ہے۔“۱

”۔

۔

(۴) مسند احمد میں سند حسن کے ساتھ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ حدیث منقول ہے:”

“ ۔

قول (۴) کا جواب: (لامع ۱۰۔۴۶۱) یہ ہے کہ انہوں نے جس حد یث سے استدلال کیا ہے وہ حد یث ان کے مذہب پ دلیل نہیں ہے، اس لیے کہ ”

“ ن اور گو ت کا وزن مراد نہیں۔

تمام اقوال کے درمیان تطبیق

لامع (۱۰۔۴۶۱) (وزن کے سلسلہ میں وارد آ ر سے (۱) وزنِ اعمال، (۲) وزنِ صحائف اور (۳) وزنِ اشخاص تینوں . ۔ ہیں) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرما یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ وزن مختلف صورتوں میں کئی مرتبہ کیا جائے ا یـ مرتبہ وزنِ اعمال، پھر صحائف، پھر اشخاص۔

فائ ہ:۔ فتح الباری (۱۲۔۵۴۸) میں ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول (اعمالِ بنی آدم) ظاہراً عام ہے یعنی سارے بنی نوع اِ ن کے اعمال کا وزن ہوگا، لیکن دوَ وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے: (۱) وہ کافر جس نے کفر کے علاوہ اور کوئیَ ہ نہ کیا ہو وہ جہنم میں اور (۲) وہ مسلمان جو بغیر حساب کے . میں داخل ہوں گے اور جس کو اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ لاحق کریں گے

۔

وضا ت:

حضراتِ ا نبی ءکرام علیہم السلام کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا، ان کا مرتبہ اور مقام ۔ سے اُو ہے، اسی طر سے وہ کفار جن کے ساتھ صرف کفر ہی کفر ہے، ان کی حسنات اور نیکیاں معتبر ہی نہیں، اُن کے اعمال کا بھی وزن نہیں ہوگا، بلکہ ان کے لیے حکم ہوگا کہ ان کو جہنم میں ڈال د ی جائے۔ یہ تو وہ ہیں جن کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا اور جن

کے اعمال کا وزن ہوگا ان کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) ایک تو وہ ایسے متقی لوگ ہیں جن کے ذمہ کوئی کبیرہ گناہ باقی ہی نہ رہا۔ بلکہ وہ اپنی زندگی میں تقویٰ پر عمل کرتے رہے، غلطی سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کیا اور اس کو معاف کرالیا، یہاں سے رُخصت ہوئے تو تقویٰ کی دولت لے کر گئے اور ان کے ذمہ کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ ظاہر بات ہے جب ان کے اعمال کا وزن ہوگا اور نیکیوں کو دائیں جانب کے پلہ میں رکھا جائے گا۔

(۲) دوسری قسم یہ ہے جو یہاں سے گناہ صغیرہ، گناہ کبیرہ اور اچھے اعمال لے کر گئے، یعنی مخلوط قسم کے اعمال لے کر گئے، دنیا میں انہوں نے نیک اعمال کے ساتھ ساتھ گناہ بھی کیے اور توبہ کیے بغیر رخصت ہوئے تو عدل وانصاف اور ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کو دائیں جانب کے پلہ میں رکھا جائے گا اور گناہوں کو بائیں جانب کے پلہ میں، اگر نیکیوں کا پلہ جھک گیا تو ان کو جنت میں جانے کا حکم مل جائے گا اور اگر دوسرا پلہ جھک جائے گا تو ان کو جہنم میں لے جانے کا حکم دیا جائے گا الا یہ کہ اللہ مغفرت فرمادیں اور اگر دونوں برابر ہیں تو ان کے لیے قانونی طور پر اعراف میں جانے کا حکم ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ترازو لگائی جائے گی اور اچھائیوں اور برائیوں کا وزن ہوگا، جس کی اچھائیاں ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر بھی برائیوں پر غالب آگئیں وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کی برائیاں ایک کھجور کی گٹھلی کے برابر بھی اچھائیوں پر غالب آگئیں وہ دوزخ میں داخل ہوگا، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول! جس کی نیکیاں اور برائیاں دونوں برابر ہوں؟ فرمایا یہ اعراف والے ہوں گے وہ جنت کی طمع ولالچ میں ہوں گے لیکن اس میں داخل نہ ہوں گے۔ (

)۔ یہ تقریر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی فتح

الباری کے مطابق ہے۔

بندگانِ خدا کے تین طبقات

(۱) انبیاء (۲) ملائکہ (۳) مکلفین (جن وانس)

اوّل الذکر دونوں طبقوں کے اعمال کا وزن نہیں ہوگا، البتہ آخری طبقہ یعنی مکلفین کے اعمال کا وزن ہوگا۔

پھر مکلفین کے تین طبقات ہیں:

(۱) متقی اور پرہیزگار۔

(۲) کافر یدل علی ھاتین الطبقتین قوله عزوجل: ”فمن ثقلت موازينة فاولئك هم المفلحون ومن خفت موازينه فاؤلئك الذين خسروا انفسهم فى جهنم خالدون“) (المؤمنون۔۱۰۳)۔

(۳) نیکیوں کے ساتھ برائیاں کرنے والے (یدل علیہ قولہ تعالیٰ: ”وآخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملاً صالحا واخر سيئاًعسى الله ان يتوب عليهم إن الله غفور رحيم“ وقوله تعالىٰ: ”ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات“)۔

ان تینوں طبقات میں طبقہ اولیٰ اور طبقۂ ثالثہ کے اعمال کے وزن کے متعلق تشریح رگئی ہیم اب طبقۂ کے اعمال کے وزن کے متعلق علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کی جاتی ہے:۔

بعض علماء نے فرمایا کہ کافر کو کسی عمل کا اچھا بدلہ نہیں ملے گا، بلکہ اس کے اعمال کا بدلہ عذاب ہے، اس کی کوئی نیکی معتبر ہی نہیں ہوگی تو پھر وزن اعمال کا کیا مطلب؟ وزن کس چیز کا ہوگا؟“

”اُنہوں نے آیتِ کریمہ: ” ”اور حدیثِ صحیح ” ”سے اِستدلال کیا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا جواب دیا کہ پھر علامہ قرطبیؒ نے وضاحت فرمائی کہ کافر کے وزن اعمال کے متعلق دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ ترازو کے ایک پلہ میں کفر رکھا جائے گا اور دوسرے پلہ میں کوئی چیز نہیں ہوگی لہٰذا وہ پلہ جس میں کفر رکھا جائے گا

بھاری ہوگا اور دوسرا پلہ ہلکا، '':

''۔

(۲) دوسری صورت یہ ہوگی کہ ترازو کے ایک پلہ میں کفر رکھا جائے گا اور دوسرے پلہ میں اس کے کیے ہوئے نیک اعمال (مثلاً غلام آزاد کرنا، لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ، ہمدردی، حسنِ سلوک اور اعزہ واقارب سے صلہ رحمی اور دیگر عباداتِ مالیہ جن کے کرنے پر مسلمان اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں) رکھ دیئے جائیں گے، تو وہ پلہ جس میں کفر ہی کفر ہے بھاری ہوگا اور جس میں نیک اعمال ہیں وہ ہلکا ہوگا۔ اس دوسری صورت میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ کافر کا کفر اور اس کی سیئات (مثلاً: ظلم و زیادتی) ایک پلہ میں اور اس کے نیک اعمال دوسرے پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے، اگر دونوں برابر ہوں گے تو اس کی سیئات کی تلافی حسنات سے ہوجائے گی، لہٰذا اس کو سیئات کی سزا نہیں ملے گی، صرف کفر کی سزا ملے گی، اور اگر کفر وسیئات کا پلہ بھاری ہوگا تو اس کو کفر کی سزا تو ملے گی ضرور، ساتھ ساتھ سیئات کی سزا بھی ملے گی۔ البتہ حسنات کی رعایت کر کے عذاب وسزا میں تخفیف بھی ممکن ہے۔ (كما في قصة أبي طالب)

مذہبِ مختار

ترجمہ: مذہب اوّل ہی مختار ہے اور یہی مذہب اہل السنة والجماعة کا ہے۔ آیاتِ قرآن اور احادیث یہ اس پر شاہد ہیں۔

اِیمان کا وزن ہوگا یا نہیں؟

علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے حکیم ترمذی رحمہ اللہ سے کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وزن اعمال کے ساتھ خاص ہے اور ایمان اور عمل دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، اس لیے ایمان کا وزن نہیں ہوگا، اس کے علاوہ کسی چیز کے وزن کے لیے اس کے مدمقابل کا

وجود ضروری ہے، ظاھر ہے ایمان کا مقابل کفر ہی ہے اور ایمان کفر کے ساتھ موجود نہیں ہوتا۔ البتہ اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ سے ثابت ہے کہ کلمہ شہادت کو تولا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے کلمہ کا وزن نہیں ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد کلمہ شہادت کے ورد وذکر کے ذریعہ جو نیکی کی گئی ہے وہ مراد ہے۔

علامہ د ت نے ''   ''میں کہا کہ کلمہ شہادت کا وزن نہیں ہوگا بلکہ ایمان کے بعد   کا ورد نیکی ہے، اور عمل حسنہ ہے، اس کا دوسری نیکیوں کے ساتھ وزن ہوگا... الخ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اعمال کے ساتھ ایمان کا بھی وزن ہوگا یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر ایمان دار کو اس کا ۰ مہ اعمال دا   ہاتھ میں دیا جائے گا، ہر ایمان دار کا میزان بھاری ہوگا اور استدلال کرتے ہیں اس حدیث سے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ   نیکی اور حسنہ ہے یا نہیں؟ جواب دیا: وہ تو اعظم الحسنات ہے اور اسی نیکی کی وجہ سے وہ شخص جس کا آخری کلام   ہوگا ۰ میں داخل ہوگا

وزنِ اعمال کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

شبہ یہ ہے کہ متعدد روایتِ حدیث میں آیا ہے کہ محشر کے دن میزانِ عدل میں . سے بڑا وزن کلمہ   کا ہوگا۔ مثلاً حدیث بطاقہ ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آ۰ میں فرمایا کہ اللہ کے ۰ م کے مقابلہ میں کوئی چیز بھاری نہیں ہوسکتی، نیز مسند ۰ ار اور مستدرک حاکم میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو اپنے لڑکوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ میں تمہیں کلمہ   کی وصیت کرتا ہوں، کیو اَ   ساتوں آسمان اور زمین ایک پلہ میں اور کلمہ   دوسرے پلہ میں رکھ دیا جائے

تو کلمہ کا پلہ ہی بھاری رہے گا، اس مضمون کی روایتِ حدیث حضرت ابی سعید خدری، حضرت ابن عباس اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہم سے معتبر سندوں کے ساتھ کتب حدیث میں منقول ہیں۔ (مظہری)

ان روایات کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ مؤمن کا پلہ ہمیشہ بھاری رہے، خواہ وہ کتنے بھی گناہ کرے، لیکن قرآن مجید کی دوسری آیات اور بہت سی روایاتِ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کی حسنات اور سیئات کو تولا جائے گا، کسی کی حسنات کا پلہ بھاری ہوگا، کسی کے گناہوں کا جس کی حسنات کا پلہ بھاری ہوگا وہ نجات پائے گا اور جس کی سیئات کا پلہ بھاری ہوگا اس کو عذاب ہوگا۔ مثلاً: آیت کریمہ ”

”اور سورۃ القارعۃ میں ہے“

”حضرت عبداللہ ابن عباس

رضی اللہ عنہما نے ان آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جس مؤمن کا حسنات کا پلہ بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جنت میں جائے گا اور جس کا گناہوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ اپنے اعمال کے ساتھ جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ ( )

اور ابوداؤد میں بروایت حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ اگر کسی بندہ کے فرائض میں کوئی کمی پائی جائے گی تو رب العالمین کا ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس بندہ کے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل موجود ہوئے تو فرضوں کی کمی کو نفلوں سے پورا کردیا جائے گا۔

آیت وروایت کی تطبیق

ان تمام آیت و روایت کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن مسلمان کا پلہ بھی کبھی بھاری کبھی ہلکا ہوگا، اس لیے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں وزن دو مرتبہ ہوگا، اوّل کفر و اِیمان کا وزن ہوگا، جس کے ذریعہ مؤمن، کافر کا اِمتیاز کیا جائے گا اس وزن میں جس کے نامہ اعمال میں صرف کلمہ ایمان بھی ہوگا اس کا پلہ بھاری ہو جائے

گا اور وہ کافروں کے َ وہ سے الگ کردی جائے گا، پھر دوسرا وزن نیکی اور اعمالِ . کا ہوگا، اس میں کسی مسلمان کی نیکیاں، کسی کی . ائیاں بھاری ہوں گی اور اسی کے مطابق اس کو . ٘اوسزا ملے گی، اس طرح تمام آیت اور روایت کا مضمون اپنی جگہ در ت اور مربوط ہو جا ت ہے۔

فائ ہ:

وزن کے متعلق مختلف اقوال پہلے ذکر کیے جا چکے، اس کے علاوہ مزی اقوال پ دلا ت کرنے والی روایت بھی وارد ہیں مثلاً:

(۱) امام ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی جس سے انہوں نے علم دین اور احکام دین لکھے ہیں اور شہیدوں کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون کے وزن سے .ڑھ جائے گا۔

(۲) بخاری میں . وای ت حضرت ابو ہری ۃ رضی اللہ عنہ یہ حدی ٹ منقول ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمای:"

"۔

(۳)

۔

(۴)

۔

(۵)

۔

قولهٗ : وقال مجاهد : القسطاس: العدل بالرومية

قسطاس کا اعراب حکائی اور لغات

(۱) ابن در یہ کا قول: یہ لفظ رومی، عرب ہے اور قسطار، آ میں سین کی جگہ راء ہے اور قاف کے کسرہ اور ضمہ قسطاس اور قرطاس کی طرح تفسیر طبری میں ہے، لکسر

۔ دونوں کے ساتھ پڑھا جا ہے۔ ۔

(۲) لامع الدراری میں ہے (سورۃ الاسراء اور شعراء دونوں میں آ یہ ’’ ‘‘ ہے) دونوں جگہ امام حمزۃ، کسائی وحفص رحمۃ اللہ علیہم نے قاف کومکسور پڑھا ہے۔

(۳) ابن جوزی نے زادالمسیر میں پنچ لغات بیان فرمائی ہیں:

اس سورت اور شعراء میں۔

(۳)

۔

(۴) ، دونوں صاد ہیں۔

(۵) طاء سے پہلے صاد کے ساتھ۔ یہ دونوں (رابع اور خامس) حمزۃ سے مروی ہیں۔

(۶) نون کے ساتھ۔

کے معنی اور مراد

(۱) مجاہد کا قول: ۔

(۲) طبری کا قول: اس سے مراد میزان ہے۔ نیز (
)۔

(۳) صا مشارق کا قول ہے: ۔

(۴) صا کا قول: درہم و دینار کے ہر چھوٹے بڑے میزان۔

(۵) راغب اصفہانی کا قول: سے میزان مراد ہے اور اس سے عدالت بھی مراد ہوتی ہے جیسے عدالت سے میزان مراد لیا جاتا ہے۔

(۶) امام رازیؒ کا قول: میزان مراد ہے لیکن عرف میں مشہور یہ ہے کہ وہ عام میزان سے بڑا ہے، اس لیے عام لوگوں کی زبان میں وہ غلہ کا پیمانہ ہے۔

(۷) امام رازیؒ نے بیان کیا: سے مراد وہ چیز ہے جس میں اِستقامت واِعتدال حاصل ہوتا ہے اور وہ چیز جو کسی جانب مائل نہ ہو۔

(۸) ۔

تفسیر کبیر میں ہے: رومی یا سریانی زبان کا لفظ ہے اور صحیح قول کے مطابق زبانِ عرب کا لفظ ہے اور قسط سے ماخوذ ہے۔ لسان العرب میں ہے:

۔ اور بقول لیث: غلہ کے پیمانہ کا آلہ یا لوہا ہے۔

لفظ پر اعتراض

اعتراض: ۔ لفظ قسطاس غیر عربی لفظ ہونے کے باوجود قرآنِ کریم میں مستعمل ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ "" اس کے منافی ہے۔

جوابات

(۱) قسطلانی: مذکورہ ارشادِ باری میں عربی سے مراد عربی الاسلوب والنظم ہے۔

(۲) یا عربی سے اغلب مراد ہے کہ سارے الفاظ کا عربی ہونا مراد نہیں ہے البتہ

فصیح ہونا چاہیے۔

(۳) بعض حضرات کا قول جواز کا ہے لیکن علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے رد کیا اور فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف جہل اور عجز کی نسبت لازم آتی ہے، البتہ ان کے شاگرد علامہ بونی نے اعتراض کیا کہ اس طرح جائز ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فصیح پر قدرتِ کاملہ کے باوجود غیر فصیح کو کسی حکمت کی وجہ سے اِختیار کیا ہو۔ مثلاً: معنی مرادی سے زیادہ وضاحت یا کوئی اور وجہ، اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف عجز و جہل کی نسبت لازم نہیں آتی، پھر انہوں نے اس رائے کو اپنے شیخ کے سامنے بیان کیا تو شیخ نے بھی اسے پسند فرمایا۔

(۴) صاحب الجمل نے کہا عجمی زبان کے استعمال سے قران کی عربیت میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اس لیے کہ اہل عرب نے عجمی الفاظ کو اپنے کلام میں، اعراب، تعریف و تنکیر اور دوسری چیزوں میں استعمال کیا ہے۔

(۵) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاتقان'' میں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور انہوں نے مذکورہ جوابات کے علاوہ اور بھی جوابات دیئے ہیں، مثلاً: ابن جریر کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو قرآنِ کریم کے بعض الفاظ کی تفسیر منقول ہے وہ فارسی اور دوسری زبان کے ہیں، اس سے مراد قرآنِ کریم میں مختلف زبانوں کے اِستعمال اور ورود ہے۔

(۶) اہل عرب نے چونکہ غیر عربی الفاظ کو اپنے محاورات میں زیادہ اِستعمال کیا، ان کی کثرتِ اِستعمال کی وجہ سے غیر عربی بھی فصیح عربی کی طرح ہوگئی۔

(۷) بعض نے کہا قرآن کے سارے الفاظ عربی ہیں البتہ لغاتِ عرب کی وسعت کی وجہ سے بعض الفاظ کے معانی مخفی رہ گئے جیسے ابن عباسؓ پر 'فاطر' کے معنی مخفی رہ گئے۔

(۸) بعض حضرات نے کہا کہ محض چند کلماتِ غیر عربیہ قرآن کو عربیت سے نہیں نکالتے۔

(۹) علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول: قرآن میں ہر زبان ہے، اس لیے کہ

قرآنِ کریم تمام اوّلین وآخرین کو حاوی ہے اور اس نے ہر چیز کی خبر دی ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اس میں تمام لغات کی طرف اشارہ ہو، تمام زبانیں اس میں ہوں تاکہ ہر چیز کا اِحاطۂ تام ہو، علاوہ ازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم کے لیے مبعوث ہیں، اِرشادِ باری تعالیٰ ہے'' ''اس لیے ضروری تھا کہ جس کتاب کے ساتھ وہ مبعوث ہیں وہ کتاب ہر قوم کی زبان کو شامل ہو، اگرچہ اس کی اصل حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کی زبان میں ہے۔

(۱۰) علامہ جوینی نے لفظ غیر عربی کا قرآن میں اِستعمال کرنے کے بارے میں ایک فائدہ لکھا ہے کہ مثلاً: 'استبرق' ایک لفظ ہے اور غیر عربی ہے لیکن یہ اِتنا فصیح اور بلیغ ہے کہ اگر پوری دنیا کے فصحاء وبلغاء جمع ہوجائیں اور اس لفظ کو چھوڑ کر کوئی اور لفظ (جو عربی ہو اور فصاحت وبلاغت میں اس کے برابر ہو) لانے کی کوشش کریں تو وہ عاجز ہوجائیں گے۔

تطبیق بین القولین

(۱۱) ابو عبید القاسم بن سلام کا قول: انہوں نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں دونوں قول کی تصدیق ہوجائے وہ اس طرح کہ جتنے بھی غیر عربی الفاظ اہل عرب استعمال کرتے ہیں وہ حقیقت میں تو عجمی الفاظ ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ ان کو زبانِ عرب میں استعمال کیا گیا اور کیا جارہا ہے تو استعمال کے بعد وہ عربی الفاظ شمار ہونے لگے، پھر جب قرآن نازل ہوا تو ان الفاظ اور کلامِ عرب میں اِختلاط پیدا ہونے لگا، چنانچہ بعض نے ان کو عربی کہا اور بعض نے عجمی، لہٰذا جنہوں نے عجمی کہا ہے اُنہوں نے اصل کا اعتبار کیا اور جن حضرات نے عربی کہا ہے اُنہوں نے اِستعمال کا اعتبار کیا دونوں مذہب اپنی جگہ درست ہیں، ۔

قولہٗ : ویقال : القسط مصدر المقسط وهو العادل وأما القاسط فهو الجائر

قسط کے اشتقاق کا بیان اور اعتراضات وجوابات

قسط مقسط کا مصدر ہے

لامع میں اعتراض کیا ہے کہ اس میں مجرد کا مزید سے اشتقاق لازم آتا ہے پھر ساتھ ہی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور درمختار کی عبارت کی ہے، اس میں ہے: ثلاثی کا اشتقاق مزید فیہ سے ہوسکتا ہے۔ ۔ کہ وہ معنی میں مشہور ہو، مثلاً:

ـ

دوسرا اعتراض یہ کیا کہ اس میں مشتق کا مشتق سے اشتقاق لازم آتا ہے، ساتھ ہی جواب دیا اور قتوی کا قول کیا ہے کہ صا ۔ کشاف اس طرف گئے ہیں کہ '' '' ۔ سے مشتق ہیں اور '' '' غیر مصدر ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے اور سے مشتق ہے۔ شرح جامی کے حاشیہ میں ہے: سیرافی کے مذہب کے مطابق اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں فعل سے مشتق ہیں اور فعل مصدر سے۔ امام بخاری کا قول ہے:

ـ

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کا مصدر کو قرار دیا، حالانکہ ۔ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا مصدر قاعدہ کی رو سے ۔ وزن ہونا چاہئے۔ جواب یہ دیا گیا کہ مصدر سے مراد یہاں محذوف الزوائد ہے جیسے شاعر کا قول ہے:
۔ اس کو اصل کی طرف لوٹایا گیا، اہل عرب زوائد کو حذف کرکے کلمہ کو اس کی اصل کی طرف لوٹاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ مزید کے لیے ضروری ہے کہ وہ مزید علیہ کی جنس سے ہو یہاں کس طرح؟ جواب دیا جائے گا: ی تو القاف سے ی دونوں جور و ظلم کے معنی میں آتے ہیں اور ہمزہ ۔ باب افعال کا ۔ برائے سلب اور ازالہ کے لیے، تو مراد ازالہ ظلم و جور ہوگا یعنی عدل۔

کے معانی

(۱)

ـ

(۲) ۔

(۳) راغب اصفہانی: سے مراد

دوسروں کے حصہ پ قبضہ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ ظلم ہے، اس کے . خلاف کہتے ہیں کسی کو اس کا حصہ دینا اور یہ ا ف ہے اسی وجہ سے کہا جا ہے

۔

(۴) وہ حصہ ہے جو . ا. تقسیم ہوا۔

(۵) اسمٰعیلی نے ذکر کیا ہے کہ اور دونوں ہیں اس لیے کہ . کوئی شخص کسی چیز سے ہٹ جائے تو کہا جا ہے اور ایسے ہی اَ حق سے ہٹ جائے تو یوں کہا جا ہے

اسماء حسنی میں سے ’’ ‘‘ ہے حلیمی نے کہا ہے:

ابن قطاع کا قول ہے: قسط اضداد میں سے ہے۔ اِرشادُ الساری میں ہے: قسط ثلاثی بمعنیٰ ظلم اور اقسط ر . عی بمعنیٰ عدل۔ زجاج فرماتے ہیں کہ ثلاثی بھی ر . عی کی طرح استعمال ہو ہے مشہور پہلا ہے۔

صا . اللامع نے تقر یا المکی سے کیا ہے: قسط کے . رے میں دو قول ہیں: (۱) جور اور عدل کے درمیان لفظ مشترک ہے۔ (۲) صرف ظلم و جور کے معنی میں ہے۔ اب جن حضرات نے اس کو جور و ظلم کے معنی میں لیا ہے، ان کے ٠٠د ی یہاں قسط عدل کے معنی میں مجاز ہے اور جن حضرات نے اس کو مشترک کہا ہے ان کے ٠٠د ی یہاں قسط عدل کے معنی میں حقیقت ہے۔ البتہ قسط مصدر یہاں پ اسم فاعل

'' '' کے معنی میں ہے اس لیے '' '' نہیں کہا اس لیے کہ وہ بھی مشترک ہے۔ ''نھایہ'' میں ہے: عدل ہے اور ظلم ہے۔

''لسانُ العرب'' میں ''قسط'' کے ایک معنی ''میزان'' کے بیان کیے ہیں، حدیث میں آتا ہے:

لسان العرب میں ہے کہ عدل کے معنی میں دونوں یعنی قسط اور اقسط آتے ہیں لیکن ظلم کے معنی میں صرف قسط آتا ہے اور اس کا مصدر قسوط ہے۔

قسط کے ایک معنی '' ''

''۔

مبرد کا قول ہے: قسط میں چار سو اکیاسی درہم ہوتے ہیں۔

یہاں قسط سے وہ

. تن مراد ہے جس میں عورت اپنے شوہر کو وضو کراتی ہے۔

۔

قوله : حدثنا أحمد بن أشكاب

أشکاب ہمزہ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ اگر عجمی ہے تو غیر منصرف ہے اور اگر عربی ہے تو منصرف ہے اشکاب لقب ہے، نام کے بارے میں تین قول ہیں (۱) مجمع (۲) معمر (۳) عبید اللہ۔

احمد کی کنیت ابو عبید اللہ ہے ( ) امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا میری ان سے آخری ملاقات سترہ سال کی عمر میں مصر میں ہوئی

تھی: بقول ابن حبان وہ وہیں وفات پائے، ان کے اور علی بن اشکاب، محمد بن اشکاب کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ عمدۃ القاری میں اشکاف کا سن وفات (۲۱۹ھ) لکھا ہے۔

محمد بن فضیل

فاء کے ضمہ اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ مصغر ہے، غزوان کے بیٹے ہیں، بقول ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے یہ حدیث صرف اس طریق پر اسی سند سے منقول ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، غرابت کی وجہ محمد بن فضیل اور ان کے شیوخ کا تفرد ہے۔

عمارة بن القعقاع

عین کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ۔

عن أبی زرعة

یہ ہے اور ہاء کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ بقول کرمانی رحمۃ اللہ علیہ چاروں رواۃ کوفی ہیں۔

سند کے متعلق بعض فوائد

(۱) سند میں ایک عجیب بات ہے کہ دوجگہ قول ہے، دوجگہ تحدیث ہے اور ہے اور بخاری شریف میں سماع پر محمول ہے، لہٰذا وہ بھی کی طرح ہوگا۔ اِس لیے کہ غیر مدلس کی طرف سے ہو تو سماع پر محمول ہوتا ہے۔

(۲) لامع میں ہے: صحیح بخاری کی پہلی حدیث ”“ بھی غریب ہے۔ اِس لیے کہ اس کے سارے متفرد ہیں یعنی ( )۔

(۳) بخاری شریف میں غریب حدیث کے ہونے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ”غرابت“ صحت حدیث کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ بخاری شریف کی حدیث

اوّل اور آخری حدیث دونوں غریب ہیں۔

(۴) ہدایہ میں بین السطور جگہ جگہ احادیث کے تحت قلت: غریب لکھا ہوا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ احادیث ضعیف ہیں اس لیے کہ غرابت سے ضعف لازم نہیں آتا، اگرچہ غریب شاذ کے معنی بھی استعمال ہوتا ہے۔

قوله : كلمتان

یہاں کلمہ کا اِطلاق کلام پر ہوا ہے، مراد اس سے (کلامان) یعنی دو کلام ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے اور کہا جاتا ہے۔

ترکیب نحوی: اس میں دو قول ہیں

(۱) فتح الباری میں ہے: خبر مقدم ہے اور اس کے مابعد اس کی صفت ہے۔ اور '' '' سے آخر تک مبتداء مؤخر ہے خبر کو مقدم کرنے میں نکتہ سامع کو مبتداء کی طرف شوق دلانا ہے، اس کے علاوہ خبر کی صفات زیادہ ہوں تو خبر کو مقدم کرنا چاہیے، اس لیے اوصاف کی کثرت سامع کا شوق بڑھاتی ہے۔

ثلاثة تشرق الدنيا ببهجتها   شمس الضحىٰ وأبو إسحٰق والقمر

(۲) محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے کہ سے آخر تک خبر ہے۔ اس لیے کہ وہ لفظاً مؤخر ہے۔ جب تک کوئی وجہ نہ ہو لفظ کو اس کے اصل مقام پر رکھنا چاہیے، یہاں یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا کہ نکرہ ہے کیونکہ وہ مابعد کے اوصاف کے نکرہ مخصصہ شمار ہوگا۔ علاوہ ازیں یہاں کو خبر بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اس لیے سے آخر تک کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ کی خبر دینا مقصود ہے۔

قولِ اوّل پر دو سوال اور اُن کا جواب

(۱) صاحب المصابیح نے کو مبتداء بنانے پر دو اعتراض کیے: پہلا اعتراض یہ کیا ہے کہ مبتدا مرفوع ہوتا ہے لیکن '' '' یہاں دونوں جگہ منصوب ہے پھر مبتداء کس طرح ہوگا؟

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ’’ ‘‘دونوں جگہ حکایتاً ہے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ’’ ‘‘خبر تو تثنیہ ہے اور مبتداء میں تعدد نہیں ہے، اس طرح کہ دونوں کے درمیان حرفِ عطف واؤ نہیں ہے، اسی وجہ سے ( ) صحیح نہیں ہے۔

جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہاں حرفِ عطف محذوف ہے اصل میں

میں ہے: بعض حضرات نے دو وجہ سے’’ ‘‘ کو خبر قرار دیا ہے۔

(۱) سبحان اللہ مفرد کی طرف ہے، اس وجہ سے ظرف کے قائم مقام ہے اور ظرف صرف خبر واقع ہوسکتی ہے۔

(۲) ایک کلمہ ہے اَ (جو کہ ایک کلمہ ہے) کو مبتدا بنایا جائے تو دو کلمہ کے ذریعہ سے ایک کلمہ کی خبر دینا لازم آئے گا۔

بعض نے اس کا جواب یہ دیا کہ دراصل اس میں دو جملے ہیں ایک دوسرا اس کے علاوہ کو خبر بنانے میں بھی یہ اِعتراض ہوگا وہ ایسے کہ تثنیہ ہے اور خبر کلمہ واحدہ ہے۔

قوله: حبيبتان

بمعنی ہے: مراد اس کے پڑھنے والے کا محبوب ہونا ہے یعنی اس کا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا اس سے محبت کرنا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے والے کو خیر و بھلائی پہنچانے اور اکرام کا ارادہ کرتے ہیں۔ مرقاۃ میں ہے: یہ کلمہ محبوب ہے اس لیے کہ اس میں (صفاتِ سلبیہ جن پر الفاظِ تنزیہ دلالت کرتے ہیں اور صفاتِ ثبوتیہ جن پر الفاظِ حمد دلالت کرتے ہیں) مدح ہے۔

اعتراض

اِرشادالساری میں اعتراض کیا َ یہ ہے کہ ’’ ‘‘ . ۔ مفعول کے معنی میں ہوتو اس میں مذکرومؤ ٔ ث دونوں ۔ ا ۔ ہیں: مثلاً: اور پھر میں ؔ ء ؔ کا الحاق کیوں ہوا؟

جوا.ت

(۱) . ۔ مفعول کے معنی میں ہوتو ؔ٘ کیروتأ میں ۔ ا ۔ ی جا ٔ ہے ضروری نہیں ہے کہ اس کے خلاف صحیح نہ ہو۔

(۲) میں ؔ ءتأ اور کی ؔ کی منا ۔ ؔ کی وجہ سے ہے۔ اور اور دونوں فاعل کے معنیٰ میں ہیں نہ کہ مفعول کے معنی میں، اس لیے ؔ ء ؔ ان دونوں میں اُصولاً لا ٔ صحیح ہے۔

(۳) کرمانی فرماتے ہیں کہ مفرد میں ۔ ا ۔ ی ضروری ہے تثنیہ میں ضروری نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ ؔ ء ؔ کے لیے نہیں ہے بلکہ لفظ کو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کے لیے ہے، جیسے ’’ ‘‘ جس پ ذبح کا فعل واقع نہیں ہوا اس کو ’’ ‘‘ کہا جائے گا اور جس پ کا فعل واقع ہو چکا ہو اس کو کہتے ہیں۔

قوله: إلى الرحمن

کو خاص کرنے کی وجہ

اسماءِ حسنیٰ میں سے ’’ ‘‘ کو اس لیے خاص کیا َ یہ ہے ؔ کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت پ تنبیہ اس طرح ہو کہ وہ قلیل کام پ کثیر ۔ لہ دیتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں تنزیہ، تحمید اور تعظیم ہے۔

خفيفتان على اللسان ثقيلتان فى الميزان

(۱) اس میں اشارہ ہے اس ۔ ت کی طرف کہ کلمات کم ہیں، ان کا ذکر کر ٔ ز ۔ ن سے اور سہل ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرما ی کہ خفت یہاں پ سہو ؔ کے لیے

مستعار ہے اور ان کلمات کا ز . ن پ ہلکا ہونے کو ان ہلکی چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو اُٹھانے والوں پ بھاری نہیں ہوتیں اور ان کی وجہ سے تھکان نہیں ہوتی۔

(۲) اس میں اس . ت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ساری تکالیف پ شاق ہوتی ہیں لیکن یہ کلمات (. وجودیکہ میزان کو ثقیل کریں گے) پ شاق نہیں بلکہ آسان ہیں۔

نیکی ثقیل اور . ائی خفیف کیوں؟

حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے نیکیوں کے ثقل اور . ائیوں کی خفت کے متعلق پوچھا َ ی تو انہوں نے فرما ی کہ نیکی میں تلخی آتی ہے اور حلاوت ختم اور غا ٰ . ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ ثقیل ہو جاتی ہے اور اس طرح ثقیل ہو جا٠ تجھے اس کے چھوڑنے پ اور . ائی کا خفیف ہو٠ تجھے اس کے ارتکاب پ آمادہ نہ کرے۔

ارشاد الساری میں ہے: ان کلمات کا ورد اس لیے بھی آسان ہے کہ ان میں حروف شدت نہیں ہیں (حروف شدت یہ ہیں: ہمزہ، . ء، ت ء، جیم، دال، طاء، قاف) ایسے ہی ان میں حروفِ اِستعلاء میں سے کوئی حرف نہیں ہے۔ (حروفِ اِستعلاء یہ ہیں: خاء، صاد، ضاد، طاء، ظاء، عین وغیرہ) اس کے علاوہ دوسرے مشکل حروف مثلاً: ث ء، شین وغیرہ بھی ان میں نہیں ہیں۔ پھر افعال اسماء کے مقابلہ میں ثقیل ہوتے ہیں، اس لیے ان کلمات میں کوئی فعل بھی نہیں ہے اور اسماء میں ثقیل اسماء، غیر منصرف وغیرہ بھی ان کلمات میں نہیں ہیں، علاوہ ازیں تینوں حروف لین (الف، واؤ، ی ء) ان میں جمع ہیں، حاصل یہ ہے کہ ہر اعتبار سے یہ کلمات آسان ہیں۔

ثقیلتان فی المیزان

موقع ت جمہ ہے: اس لیے کہ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ”

“ کے موافق ہے۔ اور اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کلمات کا ورد کرنے والوں کو ز ی دہ اور دہرا ا . ملے گا۔ کرمانی نے فرما ی کہ خفت و ثقل سے اشارہ قلت عمل اور کثرتِ ثواب کی طرف ہے۔

قولہ : ”سبحان اللہ“

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کو تمام ئص اور رزائل سے پ ک کر ہے۔ لفظ تسبیح :
بول کر اس سے سارے الفاظ ذکر و اذکار مراد لیے جاتے ہیں صلاۃ فلہ مراد لی جاتی ہیں، صلاۃ التسبیح کو اس لیے صلاۃ التسبیح کہتے ہیں کہ اس میں کثرت سے تسبیح ہوتی ہے۔

سبحان کی نحوی تحقیق

(۱) یہ منصوب ہے اس لیے کہ فعل محذوف کے لیے مفعولِ مطلق کی جگہ واقع ہے۔
تقد ی عبارت یوں ہے: ۔

(۲) یہ اکثر مضاف ہو کر مستعمل ہو ہے، ہے۔

(۳) کبھی مفعول کی طرف مضاف ہو ہے: ” ”معنی میں :
کے ہیں اور کبھی فاعل کی طرف اس وقت ” ” کے معنی ”
”لیکن پہلا قول ز دہ مشہور ہے۔

(۴) کبھی بغیر اضافت کے بھی مستعمل ہو ہے اور اشعار میں اس طرح ہو ہے:

سبحان مصدر ہے یا اسم مصدر؟ اس میں دو قول ہیں

ارشاد الساری میں ہے: (۱) یہ اسم مصدر ہے مصدر نہیں ہے، اس لیے کہ ب . ب
سے ہے اس کا مصدر اَ لام کلمہ صحیح ہو تو کے وزن پ آ ہے، اس قاعدہ کی رو سے اس کا مصدر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا مصدر تسبیح . وزن ہے۔

لیکن (۲) بعض حضرات نے اس کو مصدر قرار د ہے اس لیے کہ ضروری نہیں کہ یہ ب . ب سے ہی ہو، ثلاثی مجرد کا مصدر بھی ہو سکتا ہے چنانچہ شعراء کے کلام میں ہے:

قولِ نی کی ات

(۱) قولِ نی کی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ منصرف واقع ہو ہے، بعض

حضرات نے اور بھی وجوہات بیان کی ہیں۔

(۲) یہ مصدرِ کیدی ہے جیسے ،اس جگہ کی جگہ میں ہے پھر فعل کو ف کر کے مصدر کو مفعول کی طرف مضاف کرد ی۔

(۳) مصدرِ نوعی ہے لیکن اس کی نوعیت دوسری ہے مثلاً: یوں کہا جا ہے مثل ،اس اعتبار سے کے معنیٰ'' مثل '' ہے، اس صورت میں مصدرِ محذوف کی صفت ہے اور لفظ مثل جو کی طرف مضاف ہے اس کو ف کر دَ ی ،اور یہاں اضافت فاعل کی طرف ہے۔

(۴) مصدر ہے لیکن اس سے فعل مراد ہے، جیسے فعل سے مجازاً مصدر مراد لیا جا ہے مثل اسی وجہ سے ہے اس کا کوئی اعراب نہیں ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ فعل میں اصل بناء ہے، سے وہ فعل مراد لیاَ ی ہے جس میں ا ء تسبیح ہے، اس کے علاوہ کوئی ایسی منا وعلامت (جس کی بناء پ فعل مضارع معرب ہو ہے) نہیں ہے، جس کی وجہ سے وہ معرب ہو اِس لیے اسماء افعال کی طرح یہ بھی ہوگا۔

سبحان علم ہے نہیں؟ اس میں دو قول ہیں

(۱) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرما یہ علم ہے، اس وجہ سے مضاف ہوکر استعمال نہیں ہو کیو اعلام مضاف نہیں ہوتے اور یہ علمیت اور الف ونون زا ن کی وجہ سے غیر منصرف بھی ہے جیسے اعشیٰ کا قول ہے:

؎قد قلت لما جائنی نخره سبحان من علقمة الفاخر

(۲) شیخ رضی رحمۃ اللہ علیہ نے فرما کہ یہ علم نہیں ہے اور اس کی علمیت پ کوئی دلیل بھی نہیں ہے اس لیے کہ یہ اکثر مضاف ہوکر مستعمل ہو ہے اور اضافت علمیت کے منافی

ہے اس کے علاوہ ب یہ بغیر اضافت کے مستعمل ہوتا ہے تو اس پر تنوین آتی ہے اَ قولِ اوّل کے مطابق علم ہوت تو غیر منصرف ہوت اور غیر منصرف پر تنوین نہیں آتی۔ جیسے:

۔

قولِ اوّل کی ت

علامہ زمخشری نے کو تسبیح کا علم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ وہ علم جنس ہے اور علم جنس ذوات کی طرح معانی کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے، اور مزید انہوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اضافت علمیت کے منافی نہیں ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک اسم علم بھی ہو اور مضاف ہوکر مستعمل ہو۔ اور '' ''میں سے نہیں ہے کہ شاذ ہو جائے بلکہ '' ''میں سے ہے۔

کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں علم جنسی اور علم شخصی اور یہاں پر علم جنسی ہے جو کہ ذوات کی طرح معانی کے لیے بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ کبھی سبحان الف ولام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے: '' ''۔

قولہ : ''وبحمدہ''

واؤ کے معانی

(۱) واؤ برائے حال تقدیری عبارت:

۔

(۲) واؤ برائے عطف تقدیری عبارت: ۔

(۳) باء کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی: '' ''اس تقدیر پر '' ''مستقل جملہ اور '' ''دوسرا جملہ ہوگا۔

حمد کے معنی

(۱) اس سے لازم حمد ی مو ب حمد مثلاً: توفیق وغیرہ مراد ہے۔

ـ

. ء کے معانی

(۱) ـ

(۲). ائے مصا . ۃ اور حمد مفعول کا مضاف ہوگا۔

ـ

(۳). ائے استغا٘ ۃ اور حمد فاعل کا مضاف ہے ـ

فائ ہ:

میں ہے: حمد کی دو تعر ت میں سے مختار‘‘

’’ پھر فرما کہ اللہ تعالیٰ کی دو قسم کی صفات ہیں: (۱) عدمیہ: جیسے شر کا نہ ہو٘، کا نہ ہو٘ وغیرہ: اس قسم کی صفات کو صفاتِ جلال کہتے ہیں۔ (۲) وجودیہ: جیسے علم قدرت وغیرہ اور ان کو صفاتِ اِکرام کہتے ہیں۔ پس تسبیح سے پہلی قسم کی طرف اشارہ ہے اور تحمید سے دوسری قسم کی طرف اشارہ ہے، گو مطلب یہ ہوا۔

، اس ۃ ی . سے یہ . ت واضح ہے کہ اثبات تخلیہ ہے اسی وجہ سے حدی ث میں تسبیح کو تحمید پ مقدم کیا۔

قولہ : ”سبحان اللہ العظیم“

یہاں ’’سبحان اللہ العظیم‘‘ کی تأخیر کے ساتھ ہے اور بعض کتابوں میں اس کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ ابن بقال کا قول ہے: اس حدی ث میں اور د احادی ث میں ذکر کے . رے میں جو فضائل وارد ہیں وہ درحقیقت اہل مشرف اور اہل کمال کے لیے ہیں، ان لوگوں کے لیے نہیں ہیں جو اس کا ورد تو بہت کرتے ہیں لیکن اللہ جل شانہ کی ٘ فرمانیوں سے اجتناب نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بے حرمتی کرتے ہیں۔

کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرما کہ اس میں ا نکتہ یہ بھی ہے کہ لفظ اللہ (جو تمام

صفاتِ علیا اور اسماء حسنیٰ کو جامع ہے) کو پہلے ذکر کیا پھر اس کو ''عظیم'' صفت کے ساتھ متصف کیا۔۔ . کہ ''عظیم'' صفاتِ سلبیہ اور وجودیہ دونوں کو شامل ہے۔

تسبیح کے تکرار کی وجہ

(۱) تنزیہ مطلق پر دلالت (۲) اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ تسبیح حمد کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ (۳) تحمید کے مقابلہ میں تسبیح کے زیادہ اہتمام کی طرف اشارہ ہے

اسی وجہ سے قرآن میں عباراتِ مختلفہ کے ساتھ تسبیح کے الفاظ آئے ہیں۔ مصدر مثل: ، ماضی مثل: ، مضارع مثل: ، امر مثل:

۔(۴) یا اس وجہ سے کہ تنزیہات کا ہماری عقلیں ادراک کرسکتی ہیں بخلاف کمالات کے کہ ہماری عقلیں ان کے ادراک سے قاصر ہیں۔ ارشاد الساری میں ہے'' ''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مقامِ رجاء اور مقامِ خوف دونوں کو جمع کرنے کے لیے، اس عبارت کے ساتھ کتاب کو ختم کیا ہے، اس لیے لفظ '' ''انعام واحسان کے متقاضی ہے اور عظیم خوف وہیبت کا متقاضی ہے۔

فوائد:

صحیح بخاری کے شراح نے اس حدیث کے متعلق بہت سے فوائد بیان فرمائے ہیں۔ اُن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

فائدہ ۔۱: اس حدیث میں علم بدیع کا بیان ہے اور وہ ہے موازنہ فی السجع اور مقابلہ،
اور میں موازنہ فی السجع ہے اور
اور کے درمیان مقابلہ ہے۔

فائدہ ۔۲:

فائدہ۔۳: حدیث مبارک میں تسبیح پر ملازمت اور مواظبت پر ترغیب موجود ہے، اس طرح کہ تمام تکالیف لوگوں پر شاق ہوتی ہیں، یہ تسبیح باوجودیکہ میزان میں ثقیل ہوگی لیکن زبان پر آسان ہے۔

فائدہ۔۴: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ سجع جو بلا قصد وارادہ ہوجاتا ہے، کہ وہ لغویات پر مشتمل نہ ہو، مثلاً:

اور

اور

اور اس جیسی دوسری دعا ، اشعار وغیرہ۔ حدیث میں جو مما آئی ہے (اور وغیرہ) اس سجع کے متعلق ہے جو قصداً وارادۃً ہو اور اس میں تکلف اور لغویات کا دخل ہو۔

فائدہ۔۵: اس حدیث میں علم عروض کا بیان بھی ہے، اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآنِ مجید میں آیا ہے ” “ لیکن بسا اوقات بلا قصد وارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات اِرشاد فرمائے جو بحر اور ر ٰ کے وزن پر آتے ہیں مثلاً: زیر بحث حدیث اور قرآن میں ہے ” “ حدیث میں ہے ۔

فائدہ۔٦: حدیث میں جہاں مذکورہ تسبیح پر ترغیب موجود ہے وہاں اس بات کا ذکر بھی ہے کہ یہ تسبیح رحمٰن کی پسندیدہ ہے اور ان میں بیان کردہ ثواب کی ترتیب بھی عجیب ہے کہ پروردگار کی محبت مقدم ہے اور روزِ قیامت ملنے والے اجر وثواب کا ذکر اس کے بعد ہے۔

فائدہ۔۷: حدیث میں تحمید کی بہ نسبت تسبیح کی زیادہ اہمیت دلائی گئی ہے،

۔

خاتمہ

فتح الباری میں ہے شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرما ی اس کا خلاصہ یہ ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی وجوہات کی بناء پ کتاب کا اختتام اس حد ی ث مبارکہ پ کیا ہے:

(۱) حد ی ث میں اللہ کی وحدا کی طرف اشارہ ہے اور توحید . ری تعالیٰ اصل چیز ہے۔

(۲) حد ی ث میں میزان کا ذکر ہے اور میزان ہی سے کامیاب اور ٠ کام کے درمیان فرق ظاہر ہوگا اور یہ آ ٠ ت میں ہوگا، اس لیے آ ٠ میں اس کو لا ی۔

(۳) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ” “ سے کتاب شروع کی ہے اور اس کا تعلق د سے ہے اور ” “ سے ختم کی ہے اور اس کا تعلق آ ٠ ت سے ہے۔

(۴) اس حد ی ث سے اشارہ کیا اس . ت کی طرف کہ وہ عمل ثقیل ہوگا، جو صحیح کے ساتھ ہو۔

کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ای اور وجہ بھی بیان کی ہے:

(۵) اِختتامِ مجلس میں تسبیح مستحب ہے اس لیے اس حد ی ث (میں تسبیح کا ذکر ہے) سے کتاب کو ختم کیا۔

فتح الباری میں ہے: تسبیح کے بعد حمد کا لا ٠ اہل . ٠ ی کی آ ٠ ی دُعاء ہے۔ ” “۔

(۶) اس حد ی ث سے ختم کیا جس میں وزنِ اعمال کا ذکر ہے جو کہ تکلیف کے آ ٠ ی آ ٭ ر میں ہے اور اس کے بعد تو . ٠ ی جہنم میں رہنا ہوگا۔ حد ی ث میں ہے ”

’’

ـ

علامہ سندی نے فرمایہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی ابتداء اور انتہاء میں اعمال میں تصحیح کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ کہ ابتداء اور انتہاء دونوں صحیح نہج پ ہوں اور دونوں کے درمیان موافقت ہو، اس کے علاوہ اوّل وآ ٘ میں بلکہ ہمیشہ حسنِ کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے، علاوہ ازیں ہر عمل کا اوّل ہے اور آ ٘ میں وزن کا ذکر ہو٘ چاہیے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مزیہ فرمایہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایہ دقیق اور ۔ریہ ۔ت کی طرف بھی اشارہ فرمایہ: وہ یہ ہے کہ سابقہ تشریح سے معلوم ہوَیہ تھا کہ اس آ ٘ ی حدیہ ث میں توحید کا ذکر ہے، کیو اس میں تمام ئص سے تخلیہ اور تمام کمالات سے تحلیہ کا ذکر ہے اور یہ عین توحید ہے، لہٰذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پ حدیہ ث ’’ ’’ کی رعایہ ۔ کی ہے کہ اس حدیہ ث سے بعینہٖ یہی الفاظ مراد نہیں ہیں بلکہ مراد ہے، اس لیے کہ اس ۔ب میں الفاظ کا لحاظ نہیں کیاَیہ بلکہ معنی کا لحاظ کیاَیہ ہے، اس ۔ت کی ۔ اس سے ہوتی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا آ ٘ ی کلام ’’ ’’ تھا نہ کہ ’’ ’’ لیکن ’’ ا ’’ کمالِ توحید کے ثمرات میں سے ہونے کی بناء پ مکمل طور پ توحید پ دلا ۔ کر رہا ہے۔

ـ

اِنٹرویو

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ سے ای یدگار گفتگو

حافظ احمد ولی اللہ ار ب

س۔ ڈاکٹر صا آپ اور کہاں پیدا ہوئے؟

ج۔ میں ۲۸ رفروری سن ۱۹۴۴ کو دہلی میں پیدا ہوا۔

س۔ آپ نے کہاں اور کہاں کہاں تعلیم حاصل کی؟

ج۔ میں نے جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی جو ابتداء میں دارالعلوم واڑہ تھا، اس میں فارسی اور درجہ اول عربی اور کورنگی میں کچھ دن درجہ اور دورہ حدی درسِ می کی تکمیل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹ ؤن سے ۱۹۶۴ء میں کی اور وفاق المدارس العربیہ پ کستان سے پورے پ کستان میں دوسری پوز حاصل کی۔ تخصص فی العلوم الحدی میں دوسالہ ب مکمل کر کے ۱۹۶۵ء میں تخصص کی ڈ ی فر ٹ پوز میں حاصل کی، ای سال دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں معاون مفتی کے تحت کام کیا، علاوہ ازیں ۱۹۶۷ء میں اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ میں داخل ہوا ''یسانس'' کی ڈ ی حاصل کی۔ نیز جامعہ کراچی سے ایم اے عر میں فر ٹ پوز حاصل کر کے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ اور جامعہ کراچی سے ہی حدی میں پی ایچ ڈی ۱۹۸۱ء میں کیا۔

س۔ دورانِ تعلیم پ ائمری ی اعلیٰ تعلیم میں آپ کا پسندی ہ مضمون کون سا تھا اور اس کی وجہ؟

ج۔ فقہ، ادبِ عربی، اور حدی ی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بچپن سے اسی مقصد کے لیے خود کو وقف کیا ہوا ہے۔

س۔ آپ مدرسہ میں عموماً استاد کی مار کھاتے تھے کیا یہ درست ہے؟

ج۔ جی نہیں! ایسی نوبت کبھی نہیں آئی۔

س۔ آپ کو اس مقام تک پہنچانے میں کس شخصیت کا کردار ہے؟

ج۔ میرے والد حضرت الحاج حکیم محمد مختار حسن خان دہلویؒ، اُستاذ محدثُ العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ اور شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ۔

س۔ بچپن کے قابل ذکر اساتذہ کرام اور کسی خاص استاد کا واقعہ جس نے دل پر اثر کیا ہو؟

ج۔ میرے اساتذہ میں: مولانا بدیع الزمان، مولانا لطف اللہ، مولانا فضل محمد سواتی، مولانا محمد ادریس میرٹھی، مفتی ولی حسن خان ٹونکی اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہم اللہ شامل ہیں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ حضرت مولانا بنوریؒ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں مسجد حرام اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف اور تہجد کی زیارت اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی ش . خیزی ں نوافل میں تلاوت اور اثر انگیز خاموش مجلس جو گفتگو وعظ اور نصیحت سے زیادہ مؤثر تھی۔ ایک روز مدینہ منورہ میں حضرت مولانا بنوریؒ نے تلاوتِ قرآنِ کریم ریکارڈ کرانے کو کہا، فرمایا: میں نہ قاری ہوں نہ حافظ، فلاں قاری سے ریکارڈ کرالیں، میں نے عرض کیا آپ کی تلاوت ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں، سورۃ نوح تلاوت فرمائی، جب تلاوت کر چکے تو میں نے عرض کیا، میں یہ سورۃ ریکارڈ نہیں کرانا چاہتا تھا، میں تو سورۃ یوسف ریکارڈ کرانا چاہتا تھا فرمایا میں تو حافظ نہیں ہوں۔ میں نے قرآنِ کریم کھول کر رکھ دیا، سورۃ یوسف آدھی تلاوت فرما کر فرمایا: اگر ناشتہ کے بعد تلاوت کرواتے تو پوری سورۃ تلاوت کر دیتا، اب تھک گیا۔ قرآنِ کریم کی تلاوت اس سوز و گداز سے کرتے تھے کہ دل پر اثر ہوتا تھا۔ مجھے جتنا ان کی تلاوت میں مزہ آتا اور کیف پیدا ہوتا اور کسی کی تلاوت میں نہیں ہوتا۔

س۔ بچپن میں عموماً کسی بات پر ضد کرتے تھے یا ناراضگی کا اظہار کرتے تھے؟

ج۔ تعلیم میں کسی چیز کے مائل ہونے اور مطالعہ میں رکاوٹ نہیں پڑی۔

س۔ کس کھیل میں دلچسپی لیتے تھے اور بتائیے آج کے بچے کے لیے کھیل کس حد تک ضروری ہے؟

ج۔ ورزش کا ہر وہ کھیل جس میں نماز ضائع نہ ہو اور خلاف شرع نہ ہو، ہماری ٹیم اور کھیل کی جماعت کوئی نماز نہیں چھوڑتی تھی، اگر کوئی ساتھی کسی وقت کی نماز جماعت میں نہ پہنچتا تو تمام ساتھی اس کے پانچ پانچ مکے لگاتے تھے یہ طے تھا۔

س۔ بچپن میں جیب خرچ کتنا ملتا تھا اور وہ آپ کہاں خرچ کرتے تھے؟

ج۔ بقدرِ ضرورت ورنہ الحمدللہ ضرورت کی ہر چیز مہیا اور موجود رہتی تھی۔

س۔ کیا بچوں کو باقاعدگی سے جیب خرچ دینا فضول خرچی کی ترغیب دیتا ہے؟

ج۔ آج کل بچوں کے ذہن میں تعلیم کی اہمیت نہیں رہی ہے نہ اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اس لیے بچے گندے رسالوں، ڈائجسٹوں اور ٹی وی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس کے لیے ہلکے پھلکے دینی رسائل بچوں کے لیے گھر میں ہونا چاہیے، اس سلسلہ میں مساجد میں دینی دار المطالعہ کا قیام بھی ممد و معاون بن سکتا ہے۔

س۔ ہمارا نظام تعلیم و نصاب تعلیم ہمیشہ متنازع رہتا ہے اس سلسلے میں اپنی رائے سے نوازیئے!

ج۔ نصاب ایسے ماہرین تعلیم سے بنوایا جائے جو دین اور علم سے شغف رکھتے ہوں اور دین وقوم کے مخلص ہوں اور ملک وملت کے ہمدرد بھی ہوں۔

س۔ آج کے بچے کا سب سے اہم مسئلہ کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟

ج۔ تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا اور آزادی و بے راہ روی کے اسباب وعوامل سے دور رکھنا اور صحیح نصابِ تعلیم مقرر کر کے بچے کو اس کی بنیادی اور روحانی غذا بہم پہنچانا، ٹی وی سینما اور فحاشی کے اڈوں اور بری صحبت سے دور رکھنا وغیرہ۔

س۔ حکومت نے اس سلسلہ میں جو اقدامات کیے ہیں آپ ان سے کس حد تک

مطمئن ہیں؟

ج۔ بظاہر حکومت کے اقدامات ناکافی ہیں، اس سلسلے میں مخلصانہ پیش رفت ہونی چاہیے اور تعلیمی مدارس میں دیندار، مخلص اور ہمدرد اساتذہ کا تقرر ہونا چاہیے۔

س۔ ٹیلی ویژن بچوں کے لیے جو پروگرام دے رہا ہے ان سے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟

ج۔ ٹیلی ویژن خواہ کوئی بھی پروگرام دے اس کا دیکھنا گناہ اور ناجائز ہے دینی نقصان کے ساتھ اس کی شعاعوں کے جو نقصانات انسانی جسم پر پڑتے ہیں وہ بھی نہایت تباہ کن ہیں اور آج کل کے پروگرام اس کو اور زیادہ زہر قاتل بنا رہے ہیں، جو کام سینما گھر سو سال میں نہ کر سکے ٹی وی والوں نے وہ کام ایک سال میں کر دکھایا آگے اللہ حافظ ہے۔

س۔ آپ کی پسندیدہ کتاب کون سی ہے اور کیوں؟

ج۔ پسندیدہ کتاب کلامِ الٰہی ہے جس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے۔

س۔ آج کے دور کے بچوں اور اپنے دور کے بچوں میں کیا نمایاں فرق محسوس کرتے ہیں؟

ج۔ آج کے دور کے بچے عام طور پر بے ادب، دین سے دور، اخلاق سے عاری اور تہذیب سے ناآشنا ہیں، جبکہ ہمارے دور کے اکثر بچے واقعتاً معصوم، سیدھے سادھے، باادب، زیورِ اخلاق سے آراستہ تھے۔

س۔ بچپن کی کوئی ایسی خواہش جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟

ج۔ کوئی نہیں، الحمداللہ سب خواہشیں اللہ تعالیٰ نے پوری کرادیں اللہ تعالیٰ آئندہ کی خواہش بھی پوری کرادے گا کہ باقی ماندہ زندگی اخلاص، تقویٰ کے ساتھ دینی کاموں میں صرف ہو بندگی کی توفیق نصیب ہو اور ایمانِ کامل پر فاتحہ ہو۔

(ماہنامہ البنوریہ دسمبر ۱۹۹۷ء)

باب ہفتم

منظوم کلام

شہادت حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

علماءِ اِسلام کی شہادت

موت کہنا اسے روا ہے

ڈاکٹر محمد ز

ا و سمیع و حبیب اور طاہر
یہ چاروں ہی مارے گئے ہیں بظاہر
موت کہنا اِسے رَوَا ہے
کہ اللہ نے" "کہا ہے
عجب بے مثل صنع خلاق تھے وہ
غرض" "کے مصداق تھے وہ
بشیر اور قیوم جو بچ گئے ہیں
حقیقت میں دو مردِ غازِی بچے ہیں
اِنہی غازیوں اور شہیدوں کے لے
جہنم میں جا گے شیطان کے چیلے
کہ "نیو رک" وَالوں کو ت ہے اُن سے
تو "وَاشنگٹن" کو عداوَت ہے اُن سے
ارے وَاہ جمہوریت کے فدائی
گدائی ہے جس کی بنام ائی
گدائی کے پیسوں کو تقسیم کر
پھر اِبلیس کی جھک کے تعظیم کر
ازاں بعد ملکوں میں ہلچل مچا
کہیں یہ بہا، کہیں وہ بہا
اِدھر جھوٹ بولو اُدھر جھوٹ بولو
جو سچ ہے اُسے بھول کر بھی نہ کھولو
تو کیا دَرس و ت رِیسِ عیسیٰ یہی ہے؟
تو کیا حسنِ کردَارِ موسیٰ یہی ہے؟
محمدؐ کی تعلیم بے شک نہیں یوں
صداقت کی تکریم بے شک نہیں یوں
سنبھل جاؤ "نیو رک" وَالو ارَا!
عزیزو! بھلا کیا ہے اِس میں خسارَا!
ہمیں چھوڑ دو اَپنا "لندن" سنبھالو
وی "ماسکو" جیسا دھوکا ہی کھالو

آہ! شہیدانِ علوم و مشعل راہِ عمل

مولا احسان اللہ محسن بلتستانی

قلبھا محزون ہیں اور چشمھا ہیں اَشک ر
تشنہ گانِ علم و عرفاں ہیں ہزاروں بے قرار
دے ہمیں البدل تو اے حکیم لا ال
ماسوا تیرے نہیں مولا و مالک کرم گار
اُن کے سینوں میں علومِ دِین کی تھی روشنی
اُن کے چہروں پہ عمل اور زُہد کی تھی ا بہار
صرفی و نحوی تھے اور تھے منطقی عبد السمیعؒ
اور حبیب اللہ مختارؒ تھے حدیثوں پہ ر
چشمہ علم و معارِف تھے وہ جن سے بے شبہ
ایشیا کے تشنگان سیراب ہوتے بے شمار
رحمتوں کے ا و رَانِ شفقتوں کے سائبان
بن گئے شامی شفق دیکھ کر وہ کیف احمرار
آہ! شہیدانِ علوم و مشعل راہِ عمل
روحِ محسن مضطرب ہے جملہ اَحباب دِل فگار

پائندہ باد شہید عظیم

مولانا محمد حبیب اللہ مختار شہید صالح

۱۹۹۷ء

قاری محمد مسلم غازی

یہ کیسی ظلمت ہے چھائی ہر سو، ہراک چہرے کا رنگ فق ہے
نہ دل میں کوئی اُمنگ ہے اب، نہ زندگی میں کوئی رمق ہے
ملول و مغموم ہر کوئی ہے، گھٹا غموں کی برس رہی ہے
یہ کون دنیا سے اُٹھ گیا ہے کہ اپنا سینہ الم سے شق ہے
غم والم کے مہیب اندھیرے نے گھیر رکھا ہے ہر طرف سے
ہمارے چاروں طرف جو پھیلا ہے غم کا صحرائے لق ودق ہے
ہے کاروبارِ حیات برہم، ستم کی آندھی چلی ہے ایسی
نہ دن یہاں ہے نہ رات ہے اب، نہ شام کوئی نہ اب شفق ہے
اِشاعتِ دینِ مصطفیٰ میں کٹی ہے عمرِ عزیز اُس کی
اب اُس کی پاکیزہ زندگی کا لہو سے رنگیں ورق ورق ہے
یہ رستہ جنت کو جا رہا ہے، یہاں ہے مشکل قدم قدم پر
یہ جہدِ پیہم کے مرحلے میں، یہ راہِ وابستگانِ حق ہے
یہ سب مدارسِ علومِ دیں کے غم والم میں جو مبتلا ہیں
حبیب مختارؒ کی جدائی کا آج سب کو دِلی قلق ہے
جو رہتے بستے تھے ساتھ اپنے چلے گئے ہیں وہ سوئے عقبیٰ
ہمیں بھی دنیا کو چھوڑنا ہے یہ اِک ہمارے لیے سبق ہے
خدائے قیوم ولم یزل ہی سدا رہا ہے، سدا رہے گا!
ہے سارا عالم فنا کی زد میں، فقط اسی کا وجودِ حق ہے
وہ خادمِ دیں آنی تھا تو لکھنے بیٹھا ہے آج جس پر
عبث یہ سعیِ سخن ہے تیری، سنبھل یہ مضمون بہت ادق ہے
رہا جو ہر دِل عزیز بن کر، رفیق بن کر، شفیق بن کر
جو زندگی میں حبیبِ حق تھا، وہ آج غازیؔ شہیدِ حق ہے

بر شہادت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختارؒ

امیر محمد چترالی

حیراں ہیں لوگ، سب کو یہ کیا ہوگیا ہے آج
دنیا بھی رو رہی ہے، کوئی کھوگیا ہے آج
ہر شے ہمیں اُداس سی لگتی ہے دوستو!
سب رو رہے ہیں کہ یہ کیا ہوگیا ہے آج
دَرسِ حدیث جن کا سدا مشغلہ رہا
جب تک رہی حیات یہی سلسلہ رہا
پھیلاؤں دِین دنیا میں، یہ وَلولہ رہا
تنہا ہمیں وہ چھوڑ کے خود سوگیا ہے آج
رونق بنا رہا وہ ہمیشہ زمین پر
کرتا تھا نازِ چرخ بھی اُس نازنین پر
عالم کو فخر تھا میرے مختار حبیب پر
روتا وہ سب کو چھوڑ کہاں کھوگیا ہے آج
اے ربِّ ذُوالجلال تیرے فیصلے پہ ہم
راضی تھے کل بھی آج بھی راضی ہیں ہر قدم
لیتے ہیں تیرا نام ہی ہر آفتوں میں ہم
اِعجاز تیرے نام کا بس ہوگیا ہے آج

بیاد مولا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ

محمد نقیب اللہ رازی چترالی

کیوں َ یہ کناں ماتم غم میں یہ سما تھا؟
روتی تھی زمیں کیوں؟ یہ جہاں کیسے خفا تھا؟
ہاں اے دِلِ مغموم تجھے معلوم ہوا تھا
اِک صاحبِ اَسرار یہاں ہم سے ا تھا
مختار سے موسوم وہ محبوبِ ا تھا
اَز رُوئے زمیں بفلک کون نہیں رو
ایسا ہی لگا جیسے دو عالم کو وہ کھو
اُن کو جہاں دَامنِ خودمل ہی نہیں
دُ میں قیامت کی گھڑی آئی تھی گو
اُس روز عالم میں تو ہنگامہ بپا تھا
ہاں تجھ کو مبارَک ہو شہادَت کا یہ رُتبہ
آرَام گہ سایۂ رحمت کا یہ رُتبہ
تجھ جیسے ہی خسرو قسمت کا یہ رُتبہ
اِخلاص و وَفا، شانِ عبادَت کا یہ رُتبہ
یہ قطرۂ خوں تیرے لیے آبِ بقا تھا
رُتبے میں نہیں کوئی بھی اِک اُن کے ا
مجموعہ اَخلاقِ تھا وہ سراسر
تقویٰ میں وہ میدانِ رِضت کا دِلاوَر
وہ اہلِ ز ں، بحر فصا کا شناوَر
وہ غازیِ کردَار، سر صدق و صفا تھا
ہیں اُن کے فضائل تو ستاروں سے بھی افزوں
درویش منش، شو ، جمشید وفری ودوں
یکتائے زمانہ، وہ فقط لولوئے ملکنوں
وہ بع فرمانِ ا، ظل ہمایوں
طل کے لیے معجزۂ ضربِ تھا
ہیں صدر نشیں، مجلس اَصحابِ سعادَت
جنھوں نے تیرے ساتھ پیا جامِ شہادَت
وہ رَ لہو مشک ختن سے ہے عبارَت
اُن پہ اوَ کی جا سے ہو رحمت
اے رَازِی اُنہیں مژدہ یہ پہلے ہی تھا